کتاب مستطاب

مصنفہ

حضرت حجۃ الاسلام سید محمد سلطان الواعظین شیرازی دام ظلہ

مترجم

جناب الحاج مولانا سید محمد باقر صاحب باقری رئیس جوارس ضلع بارہ بنکی

فہرست

آٹھویں نشست

شب جمعہ یکم شعبان المعظّم ۱۳۴۵ھ

(اوّل شب میں ابھی نماز عشا میں مشغول تھا کہ حضرات تشریف لے آئے۔ نماز اور چائے نوشی کے بعد گفتگو شروع ہوئی)

سیّد عبدالحی۔ قبلہ صاحب! گذشتہ شب آپ نے کچھ ایسی باتیں بیان فرمائیں جو آپ جیسے انسان کو زیب نہیں دیتیں کیونکہ ان سے مسلمانوں کے درمیان باہمی رنجش اور منافرت پھیلتی ہے۔ آپ خود بہتر جانتے ہیں کہ آپس کی پھوٹ اور نفرت ہی کے سبب سے مسلمان فنا ہو رہے ہیں۔ جس طرح کبھی اتفاق اور یگانگی کی وجہ سے غالب تھے۔

خیر طلب۔ (انتہائی تعجب کے ساتھ) مہربانی کر کے بیان فرمائیے کہ میری تقریر کا کون سا حصّہ مسلمانوں میں جدائی اور افتراق پیدا کرنے والا ہے؟ اگر آپ کا اعتراض درست ہے اور واقعی مجھ سے کوئی غفلت ہوئی ہے تو میں متنبہ ہو جاؤں گا۔

سیّد۔ کس و ناکس کی توضیح اور تعریف کے موقع پر آپ نے مسلمانوں کو دو حصّوں میں تقسیم کر کے مسلم و مومن سے تعبیر فرمایا تھا درآنحالیکہ مسلمان سب ایک ہیں اور لا الٰہ الّا اللہ محمّد رسول اللہ کے کہنے والے آپس میں بھائی بھائی ہیں اُن کو ایک دوسرے سے الگ کر کے دو گروہوں میں تقسیم نہ کرنا چاہیئے اس سے اسلام کو نقصان پہنچتا ہے آپ ہی جیسے حضرات کے بیانات کا یہ اثر ہے کہ خاص و عام پیدا ہو گئے اور شیعہ اپنے کو مومن اور ہم کو مسلم کہنے لگے چنانچہ آپ نے ہندوستان میں دیکھا ہے کہ شیعہ کو مومن اور سُنّی کو مسلم کہتے ہیں۔ حالانکہ اسلام و ایمان ایک چیز ہے اس لئے کہ اسلام دراصل احکام کی اطاعت و قبولیّت اور اُن کو تسلیم کرنے کا نام ہے اور یہی تصدیق کا مطلب اور ایمان کی حقیقت ہے ساری اُمّت نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ اسلام عین ایمان اور ایمان حقیقتِ اسلام ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہیں۔ لیکن آپ نے جمہور کے برخلاف بیان دے کر اسلام اور ایمان کو ایک دوسرے سے الگ قرار دیا۔

اسلام اور ایمان میں فرق

خیر طلب (تھوڑے سکوت اور تبسم کے بعد) مجھ کو حیرت ہے کہ کس صورت سے جواب عرض کروں۔ اولاً جو جمہور آپ کے پیش نظر ہے اور جس کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے وہ عام اُمت کے معنی میں نہیں ہے بلکہ اس جمہور سے چند اہل سُنت و جماعت مُراد ہیں۔

دوسرے افسوس ہے کہ اسلام اور ایمان کے بارے میں آپ کا بیان کافی نہیں ہے اس لئے کہ اس موضوع میں نہ صرف شیعوں کو اہل سُنت و جماعت کے عقیدے سے اختلاف ہے بلکہ اشعری، معتزلی حنفی اور شافعی فرقے بھی عقائد میں الگ ہیں، لیکن اتنا وقت نہیں ہے کہ مختلف فرقوں کے تمام اقوال نقل کئے جائیں۔

تیسرے آپ حضرات جو عالم و اہل قرآن ہیں اور آیات قرآنی پر نظر رکھتے ہیں ایسے عامیانہ اشکالات قائم کرنے پر کیوں تُلے ہُوئے ہیں؟ غالباً آپ حضرات کا مقصد یہ ہے کہ جلسے کا وقت ضائع کیا جائے ورنہ اس سے کہیں اہم اُصولی مطالب موجود ہیں جن سے ہم پورا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ ایسے طفلانہ اعتراضات تو آپ جیسے انسان سے میل نہیں کھاتے کہ تم نے اسلام و ایمان کو الگ الگ کر کے دو مختلف گروہ قائم کرنے کے اسباب فراہم کئے ہیں۔

حالانکہ (بقول آپ کے) یہ دو گروہوں کی تقسیم خود خداوند حکیم نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں فرمائی ہے، غالباً آپ حضرات نے قرآن مجید کے اندر اصحاب یمین و اصحاب شمال کے ذکر کو فراموش کر دیا ہے۔ کیا ایسا نہیں کہ سورہ ۴۹ (حجرات) آیت ۱۴ میں صریحاً فرماتا ہے۔ قالت الاعراب اٰمنّا قل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولما یدخل الایمان فی قلوبکم؟۔

یقیناً آپ جانتے ہیں کہ یہ آیہ شریفہ حجاز کے اعراب بنی اسد کی مذمت میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے قحط کے سال مدینہ منورہ میں آکر اسلام و ایمان کا اظہار کیا اور کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا لیکن چونکہ نعمات سے مستفید ہونے کے لئے ظاہری اسلام لائے تھے لہٰذا خدا نے اس آیت میں اُن کو اس طریقہ سے جھٹلایا ہے کہ (اے رسول) اعراب (بنی اسد وغیرہ) نے جو تم پر احسان رکھا ہے اور کہا ہے کہ ہم ایمان لے آئے تو اُن سے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے البتہ یہ کہو کہ اسلام لائے (جس سے مسلم میں داخل ہونا اظہار شہادت اور اطاعت احکام مُراد ہے تاکہ قتل و اسیری سے تحفظ اور مالی حقوق حاصل ہوں اور ابھی تو تمہارے دِلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا ہے یہ آیت شریفہ صاف صاف کہہ رہی ہے کہ مسلمانوں میں دو گروہ ہیں، ایک فرقہ حقیقی مسلمانوں کا ہے جو قلب اور عقیدے کے رو سے حقائق پر ایمان لائے ہُوئے ہیں اور انہیں کو مومن کہتے ہیں۔ اور دُوسرا فرقہ ظاہری مسلمانوں کا ہے جو اپنے اغراض و مقاصد کے لئے خوف یا طمع کی بنا پر (قبیلہ بنی اسد وغیرہ کی طرح) فقط کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کر کے اپنے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن اسلام کی حقیقت و معنویت یعنی باطن ایمان کا اُن کے دل و دماغ میں کوئی اثر نہیں ہے، اگرچہ ظاہر کی بنا پر اُن کے ساتھ معاشرت کی اجازت دی گئی ہے لیکن بحکم قرآن

لیس لھم فی الاخرۃ من خلاق ۔ آخرت میں اُن کے لئے کوئی ثواب نہیں ہے ۔ پس صرف کلمہ شہادتین کے اقرار اور اسلام کے مظاہرے سے معنوی نتائج حاصل نہیں ہو سکتے ۔

سید ۔ یہ آپ کا بیان صحیح ہے لیکن بغیر ایمان کے اسلام کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں ہے ۔ جیسا کہ بغیر اسلام کے ایمان کا کوئی نتیجہ نہیں کیا سورہ نمبر ۴ (نساء) آیت نمبر ۹۶ میں ارشاد نہیں ہے کہ ولا تقولوا لمن القیٰ الیکم السلام لست مؤمنا (یعنی جو شخص تم پر سلام کرے اُس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو) یہ آیت بہت بڑی دلیل ہے اس کی کہ ہم ظاہر پر مامور ہیں کہ جو شخص لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دے اُس کو پاک و طاہر مقدس اور اپنا بھائی سمجھیں اور اس کے ایمان کا انکار نہ کریں ۔ یہ بات اس کی بہترین دلیل ہے کہ اسلام و ایمان ایک حکم میں ہیں ۔

خیر طلب ۔ اوّل تو یہ آیت ایک معین شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے (جو اسامہ بن زید یا محلّم بن جثامہ لیثی تھا) جس نے میدانِ جنگ میں ایک لا الہ الا اللہ کہنے والے کو اس خیال سے قتل کر دیا تھا کہ اُس نے محض خوف کی بنا پر کلمہ پڑھا ہے اور مسلمان ہوا ہے ۔ لیکن آپ سمجھتے ہیں کہ عموم کا فائدہ دیتی ہے تو اس پہلو سے بھی ہم تمام مسلمانوں کو تاوقتیکہ اُن سے کھلم کھلا کوئی عمل نہ دیکھا جائے ، ضروریاتِ دین کے منکر نہ ہو جائیں اور کفر وارتداد کا اظہار نہ کریں مسلمان اور پاک جانتے ہیں اُن کے ساتھ اسلامی معاشرت رکھتے ہیں ، ظاہر کے حدود سے تجاوز نہیں کرتے ، اُن کے باطن سے کوئی مطلب نہیں رکھتے اور نہ لوگوں کے باطنی حالات کی جستجو کرنے کا حق ہی رکھتے ہیں ۔

مراتبِ ایمان

البتہ انکشافِ حقیقت کے لئے عرض کرتا ہوں کہ اسلام و ایمان کے درمیان مورد اور محل کے لحاظ سے عموم مطلق اور عموم من وجہ کا فرق ہے ۔ اس لئے کہ ایمان کے لئے کچھ درجات ہیں اور اس سلسلہ میں اہل بیت طہارتؑ کے اخبار و احادیث اختلاف اقوال کو ختم کر کے حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں چنانچہ امام بحق ناطق حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے عمرو زبیری کی روایت میں فرمایا ہے ۔

ان للایمان حالات و درجات وطبقات ومنازل فمنہ الناقص البیّن نقصانہ ومن الراجح الزائد رجحانہ ومنہ التام المنتھی تمامہ (یعنی ایمان کے لئے حالات و درجات اور طبقات و منازل ہیں ۔ ان میں سے بعض ناقص ہیں جن کا نقصان ظاہر ہے بعض راجح ہیں جن کا رجحان زاید ہے ، اور بعض اُن میں سے مکمل ہیں جو انتہائے کمال پر پہنچے ہوئے ہیں) ایمان ناقص ایمان کا وہی پہلا درجہ ہے جس کے ذریعے انسان کفر کے دائرے سے خارج ہو کر جماعت مسلمین میں شامل ہوتا ہے اور اس کی جان ، مال ، خون اور عزت مسلمانوں کی امان میں آجاتی ہے ۔

ایمان راجح سے حدیث میں اُس شخص کا ایمان مراد ہے جو بعض ایمانی صفات کا حامل ہونے کی وجہ سے ایمان میں اس آدمی پر فوقیت حاصل کرے جو ان صفتوں سے محروم ہو ۔ جن کی طرف بعض روایتوں میں اشارہ کیا گیا ہے ۔ چنانچہ کتاب مستطاب کافی و

نہج البلاغہ میں حضرت امیرالمومنینؑ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ فرمایا ان اللہ تعالیٰ وضع الایمان علی سبعۃ اسھم علی البر والصدق والیقین ورضاء والوفاء والعلم والحلم ثم قسم ذالک بین الناس فمن جعل فیہ ھذہ السبعۃ الاسھم فھو کامل محتمل (یعنی درحقیقت خدائے تعالیٰ نے ایمان کو سات حصوں میں تقسیم کیا ہے مطلب یہ ہے کہ مومن کے اندر سات صفتیں ہونا چاہیئے، جن سے مراد نیکی، راست بازی، یقین قلبی، رضاء وفاء علم اور بردباری ہے۔ یہ ساتوں صفات انسانوں کے درمیان تقسیم ہو گئے۔ جو شخص پوری طرح سے ان سب کا حامل ہو وہی مومن کامل ہے۔ بس جس کے اندر ان میں سے بعض موجود ہوں اور بعض نہ ہوں اُس کا ایمان اس شخص کے ایمان سے بلند ہے جو سب ہی صفتوں سے خالی ہو۔

اور ایمان کامل اُس شخص کا ایمان ہے جو تمام صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کا حامل ہو۔

چنانچہ اسلام سے ایمان کا وہ پہلا درجہ مراد ہے جہاں صرف قول اور وحدانیت خدا و نبوت خاتم الانبیاؐ کا اقرار ہو۔ لیکن حقیقتِ دین، ایمان اُس کے قلب میں داخل نہ ہوئی ہو، جیسا کہ رسول اللہؐ نے امت کے ایک گروہ سے فرمایا ہے۔ یا معشر من اسلم بلسانہ ولم یخلص الایمان بقلبہ (یعنی اے وہ جماعت جس نے اپنی زبان سے اسلام قبول کیا ہے لیکن اُس کے قلب میں ایمان داخل نہیں ہوا ہے)۔ بدیہی چیز ہے کہ اسلام و ایمان کے درمیان کھلا ہوا فرق ہے لیکن ہم لوگوں کے اندرونی کیفیات پر مامور نہیں ہیں اور شب گذشتہ ہم نے یہ نہیں کہا ہے کہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنا اور ان کے درمیان تفرقہ اور جدائی ڈالنا چاہیئے۔ ہم نے فقط اتنا کہا تھا کہ مومن کی علامت اس کا عمل ہے، لیکن ہم کو اعمال مسلمین کے کھوج کرنے کا حق نہیں ہے۔ البتہ ہم مجبور ہیں کہ ایمان کی علامتیں بیان کریں تاکہ جو لوگ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں وہ عمل کی کوشش کر کے ظاہر سے باطن اور صورت سے سیرت کی طرف آئیں جس سے حقیقت ایمان کا اظہار ہو اور وہ سمجھ لیں کہ آخرت کی نجات صرف عمل سے ہے، اس لئے کہ حدیث میں ارشاد ہے الایمان ھو الاقرار باللسان والعقد بالجنان والعمل بالارکان (یعنی ایمان زبان سے اقرار، قلب سے عقیدہ اور اعضاء و جوارح سے عمل کا نام ہے، (یعنی اُس کے تین رکن ہیں) پس زبان سے اقرار اور دل سے عقیدہ عمل کا مقدمہ ہے، چنانچہ اگر کوئی مسلمان لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل اور اسلامی شکل و صورت میں بھی ہو لیکن واجبات کا تارک اور حرام افعال کا مرتکب ہو تو ہم اس کو مومن نہیں سمجھتے، ہر چند کہ بظاہر اس سے قطع تعلق نہیں کرتے بلکہ اسلامی معاشرت رکھتے ہیں۔ البتہ یہ جانتے ہیں کہ عالم آخرت میں جس کا مقدمہ یہ دنیا ہے ایسے شخص کے لئے راہ نجات مسدود ہے جب تک نیک اور خالص عمل کا حامل نہ بن جاوے جیسا کہ سورۂ والعصر میں صاف اشارہ ہے والعصرؔ ان الانسان لفی خسر الا الذین امنوا وعملوا الصلحٰت (یعنی قسم عصر کی نوع انسان بڑے خطرے اور نقصان میں ہے سوا ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے) غرضیکہ بحکم قرآن ایمان کی جڑ عمل صالح ہے اور بس۔ اور اگر کوئی شخص عمل نہیں رکھتا تو چاہے قلب و زبان سے اقرار بھی کرتا ہو ایمان سے دور ہے

اہلِ سنّت قرآنی قواعد کے خلاف شیعوں کو مطعون کرتے ہیں

اس سلسلے میں آپ کا قول سامنے رکھتے ہوئے یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر آپ کا یہ فرمانا صحیح ہے اور آپ اس عقیدے میں مضبوط ہیں کہ صرف ظاہر پر حکم کیا جائے اور لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے کو مسلمان و مومن اور بھائی سمجھیں تو پھر آپ حضرات شیعوں اور اہل بیتِ رسالت کے پیروؤں کو جو وحدانیت پروردگار اور نبوت خاتم الانبیاء کا اقرار کرتے ہیں۔ سب ایک قبلہ اور ایک کتاب کے ماننے والے ہیں، تمام احکام و واجبات بلکہ مستحبات پر بھی عمل کرتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، حج بیت اللہ کے لئے جاتے ہیں، محرمات کو ترک کرتے ہیں۔ خمس و زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اور معاد جسمانی کے معتقد ہیں، کس لئے کافر و مشرک اور رافضی کہتے ہیں اور اپنے سے الگ رکھتے ہیں؟ تعجب ہے کہ خوارج و نواصب اور بنی اُمیّہ کے پروپیگنڈوں کا اثر اب تک آپ حضرات میں نمایاں ہے۔

پس آپ کو تصدیق کرنا چاہیئے کہ باہمی افتراق و نفاق اور علیحدگی کے باعث آپ ہی حضرات ہیں جو دس کروڑ سے زیادہ موحد و مومن مسلمانوں کو اپنے سے جُدا، کافر و مشرک اور رافضی کہتے ہیں۔ درآنحالیکہ اُن کے کفر و شرک پر کوئی چھوٹی سی دلیل بھی آپ کے پاس نہیں ہے، جو کچھ کہا جاتا ہے محض تہمت، غلط بحث اور مغالطہ بازی ہے۔ یقین کیجئے کہ یہ سب غیروں کے تحریکات ہیں جو چاہتے ہیں کہ ان باتوں سے مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کے پارٹیاں قائم کردیں تاکہ اُن کا اُلّو سیدھا ہو اور مسلمان اُن سے مغلوب اور ذلیل و خوار رہیں۔ ہمارے درمیان امامت و ولایت کے سوا اصُول و قواعد و احکام میں کوئی اختلاف نہیں ہے اگر فروعی احکام میں اختلاف ہے تو آپ کے چاروں مذاہب کے درمیان ہم سے کہیں زیادہ سخت اختلافات موجود ہیں، لیکن اس وقت اتنا موقع نہیں کہ مالکیوں کے ساتھ حنفیوں کے یا حنبلیوں کے ساتھ شافعیوں کے اختلافات بیان کئے جائیں۔

میں جتنا بھی غور کرتا ہوں سوا تہمت و افترا اور نرے تعصب کے کوئی ایک دلیل بھی نظر نہیں آتی جو محکمۂ عدلِ الٰہی میں آپ شیعوں کے کفر و شرک پر قائم کرسکیں۔

شیعوں کا ناقابلِ معافی گناہ جو خوارج و نواصب اور بنی اُمیّہ کے ہواخواہوں نے اپنے پروپیگنڈے سے برادرانِ اہلسنّت کے سامنے ہوّا بنا کے پیش کیا ہے صرف یہ ہے کہ ہم رسولؐ اللہ کے اوامر و احکام اور احادیث میں اپنی خواہش اور مطلب کے مطابق خود رائے اور قیاس کے ذریعے تغیّر و تبدل نہیں کرتے اور رسولِ خدا کے درمیان ابوہریرہؓ، انس اور سمرہ جیسے کو واسطہ نہیں جانتے جن کو آپ کے علماء یہاں تک کہ بڑے بڑے خلفاء نے بھی مردود اور جھوٹا کہا ہے۔

شیعہ علیؑ اور اہلبیتؑ کی پیروی کیوں کرتے ہیں اور آئمہ اربعہ کی تقلید کیوں نہیں کرتے

بلکہ ہم خود پیغمبر کے حکم وہدایت کے مطابق آں حضرتؐ کے اہل بیتؑ کی پیروی کرتے ہیں، رسُولؐ اللہ نے اُمت کے سامنے جو بابِ علم کھولا ہے اُس کو بند کرکے حسبِ خواہش دُوسرا دروازہ نہیں کھولتے، سب سے بڑا گناہ جو حضرات شیعوں پر عاید کرتے ہیں یہ ہے کہ عترت واہل بیت رسولؐ میں سے علیؑ اور آئمہ اثنا عشر کی پیروی کیوں کرتے ہیں اور آئمہ اربعہ اور چاروں فقہار کی تقلید کیوں نہیں کرتے۔ حالانکہ آپ کے ہاتھ میں رسُولؐ خدا کی طرف سے قطعاً اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ مسلمانوں کو لازمی طور پر اصُول میں اشعری یا معتزلی اور فروع میں مالکی یا حنبلی یا شافعی یا حنفی ہونا چاہیئے۔

البتہ اس کے برعکس رسُولؐ اللہ سے بکثرت احکام وہدایات علاوہ ان کے جو ہمارے یہاں تواتر کے ساتھ موجود ہیں پوری تاکید کے ساتھ خود آپ کے رداۃ وعلماء کے طرق سے ہم تک پہنچے ہیں جن میں عترت طاہرہ اور اہل بیتؑ کو عدیلِ قرآن قرار دیا گیا ہے اور اُمت والوں کو حکم دیا گیا ہے کہ ان حضرات سے تمسک رکھیں اور ان کی پیروی کریں۔ من جملہ ان کے حدیث ثقلین، حدیث سفینہ، حدیث باب حطہ اور دُوسرے احادیث ہیں جن کو موقع موقع سے ہم نے گذشتہ شبوں میں مع اسناد کے ذکر کیا ہے۔ یہ ہم شیعوں کی بزرگترین مضبوط سندیں ہیں جو آپ کے علماء کی معتبر کتابوں میں بھی درج ہیں۔

اب ذرا آپ ایک ہی حدیث ایسی بیان کر دیجئے چاہے وہ یک طرفہ اور صرف آپ ہی کی کتابوں سے ہو جس میں آنحضرتؐ نے فرمایا ہو کہ میری اُمّت کو میرے بعد اصُول میں ابوالحسن اشعری اور واصل بن عطا وغیرہ کی اور فروع میں چاروں نفر مالک بن انس، احمد بن حنبل، ابوحنیفہ اور محمد بن ادریس شافعی میں سے کسی ایک کی پیروی کرنا چاہیئے۔

حضرات! عادت اور تعصب کو ذرا الگ رکھ کے دیکھیئے کہ شیعوں کا آخر کیا گناہ ہے۔ آپ کی معتبر کتابوں میں جو اخبار واحادیث عترت طاہرہ اور ان کی پیروی کے بارے میں منقول ہیں، اگر اُن کے مقابلہ میں فی صدی ایک حدیث بھی آپ کے کسی مذہبی پیشوا کے لئے وارد ہوتی تو ہم قبول کر لیتے۔

بحکمِ رسُولؐ اُمّت کو عترت کا اتباع کرنا چاہیئے

لیکن ہم کیا کریں کہ آپ کی معتبر کتابیں اُن بے شمار اخبار واحادیث سے چھلک رہی ہیں جو ہمارے مقصد اور عقیدے کا مکمل ثبوت ہیں اور جن سب کو پیش کرنے کے لئے کئی مہینے درکار ہیں۔ پھر بھی نمونہ کے طور پر ایک حدیث جو نظر کے سامنے آگئی ہے عرض کئے دیتا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ شیعوں نے جو راستہ اختیار کیا ہے اُس کے

علاوہ اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودۃ باب نمبر ۴ میں فرائد حموینی سے بروایت ابن عباس رحمۃ اللہ نقل کیا ہے کہ رسولؐ اللہ نے امیرالمومنین علیہ السلام سے فرمایا۔ یا علی انا مدینة العلم وانت بابها ولن توتی المدینة الا من قبل الباب وكذب من زعم انه يحبني ويبغضك لانك مني وانا منك لحمك لحمي ودمك دمي وروحك من روحي وسريرتك من سريرتي وعلانيتك من علانيتي، سعد من اطاعك وشقي من عصاك وربح من تولاك وخسر من عاداك، فاز من لزمك وهلك من فارقك مثلك ومثل الائمة من ولدك بعدي مثل سفينة نوح من ركبها نجى ومن تخلف عنها غرق ومثلهم كمثل النجوم كلما غاب نجم طلع نجم الى يوم القيامة (اس حدیث شریف میں صاف صاف ارشاد ہے کہ اے علی میں شہر علم اور تم اُس کے دروازہ ہو اور کوئی شخص بغیر دروازے کے شہر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ جھوٹا ہے وہ شخص جو میری محبت کا دعویٰ کرے اور تم سے دشمنی رکھے کیونکہ تم مجھ سے اور میں تم سے ہوں، تمہارا گوشت میرا گوشت، تمہارا خون میرا خون، تمہارا باطن میرے باطن اور تمہارا ظاہر میرے ظاہر سے ہے۔ جو تمہاری اطاعت کرے وہ نیک بخت اور جو تمہاری مخالفت کرے وہ بدبخت ہے، تمہارا دوست فائدے میں اور تمہارا دشمن گھاٹے میں ہے۔ جو تمہارے ساتھ ہے وہ کامیاب اور جو تم سے الگ ہے وہ تباہی میں ہے۔ میرے بعد تمہاری اور تمہاری اولاد میں سے سارے آئمہ کی مثال سفینۂ نوح کے مانند ہے، جو اس پر بیٹھا اس نے نجات پائی اور جس نے اس سے روگردانی کی وہ غرق ہو گیا۔

اُن کی مثال ستاروں کی طرح ہے کہ جب ایک ستارہ ڈوبا تو دوسرا طالع ہو گیا اور یہ سلسلہ روز قیامت تک رہے گا۔

ہماری اور آپ کی متفق علیہ حدیث ثقلین میں کھلا ہوا ارشاد ہے کہ اگر عترت اور اہل بیتؑ سے تمسک رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ یہ وہ حدیث ہے جو آپ کے معتبر راویوں کے مختلف طرق سے نقل کی گئی ہے۔ چنانچہ پچھلی راتوں میں آپ کی معتبر کتابوں اور روایات وسلسلۂ اسناد کے ایک جز کی طرف اشارہ کر چکا ہوں (ملاحظہ ہو اسی کتاب کا ص و ص)، اس وقت موقع اور اثبات حقیقت کے خیال سے مزید تاکید کے لئے عرض کرتا ہوں کہ ابن حجر مکی جیسے متعصب نے بھی صواعق محرقہ باب ۱۱ فصل اوّل ص۹۲ میں آیۂ وقفوهم انهم مسئولون (یعنی موقف حساب میں حکم ہوگا کہ ان کو ٹھہراؤ کیونکہ ابھی ان سے سخت بازپرس کی جائے گی۔ سورہ ۳۷ الصافات آیت ۲۴[1]) کے ذیل میں اپنی تحقیقات اس بارے میں درج کی ہے جس کو شیخ سلیمان بلخی حنفی نے بھی ینابیع المودۃ باب ۵۹ ص۲۹۶ مطبوعہ اسلام بول میں اُس سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث مختلف طریقوں سے مروی ہے۔ یہاں تک کہ ابن حجر کہتے ہیں ان الحديث التمسك بالثقلين طرقا كثيرة وردت من نيف

---

[1] شیعہ وسنی متفق علیہ روایات ہیں چنانچہ ابن حجر سے بھی منقول ہے کہ روز قیامت امت سے ولایت علی و اہل بیتؑ کا سوال ہوگا۔

وعشرين صحابيا (یعنی ثقلین (قرآن وعترت رسولؐ) سے تمسک کی حدیث کے طرق بکثرت ہیں۔ یہ پچیس سے زیادہ اصحاب رسولؐ سے منقول ہے۔ اُس کے بعد کہتے ہیں کہ ان میں سے بعض طرق میں عرفہ بعض میں پیغمبرؐ کے مرض الموت کا موقع جب کہ حجرہ اصحاب سے بھرا ہوا تھا اور بعض میں خطبہ وداع بتایا گیا ہے پھر ابن حجر اپنا عقیدہ بیان کرتے ہیں کہ ولا تنافی اذ لا مانع من انہ کرر علیھم ذالک فی تلک المواطن وغیرھا اھتماما بشان الکتاب العزیز والعترۃ الطاھرۃ (یعنی اس میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ بہت ممکن ہے پیغمبرؐ نے قرآن مجید اور عترت طاہرہ کی شان ظاہر کرنے کے لئے ان سب مواقع نیز دیگر اوقات میں اس حدیث کی تکرار فرمائی ہو) نیز اسی صفحے کے شروع میں کہتے ہیں وفی روایۃ صحیحۃ انی تارک فیکم امرین لن تضلوا ان اتبعتموھما وھما کتاب اللہ وعترتی اھل بیتی۔ وزاد الطبرانی انی سئلت ذالک لھما فلا تقدموھما فتھلکوا ولا تقصروا عنھم فتھلکوا ولا تعلموھم فانھم اعلم منکم (یعنی روایت صحیحہ میں ہے کہ فرمایا میں تمہارے درمیان دو امر چھوڑتا ہوں کہ اگر ان دونوں کی پیروی کرو گے تو گمراہ نہ ہو گے اور وہ دونوں کتاب خدا اور میری عترت واہل بیت ہیں۔ طبرانی نے اس حدیث کو اتنی زیادتی کے ساتھ نقل کیا ہے کہ میں ان دونوں (قرآن و اہل بیت) کے لئے تم سے اس بات کا سوال کرتا ہوں پس ان دونوں سے سبقت اور پیش قدمی نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے ان سے تقصیر وکوتاہی نہ کرو ورنہ تباہ ہو جاؤ گے، اور ان کو سکھانے کی کوشش نہ کرو کیونکہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں) پھر اپنے انتہائی تعصب کے باوجود اسی ص۹۲ کے آخر میں طبرانی وغیرہ سے حدیث نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ رسولِ خدا نے قرآن و عترت کو ثقلین اس لئے فرمایا کہ یہ دونوں ہر حیثیت سے گرانقدر اور باوقار ہیں۔ اس وجہ سے کہ ثقل سے مراد وہ چیز ہے جو پاکیزہ، پسندیدہ، گراں قیمت، نفع بخش اور پستی ورذالت سے منزہ ہو۔ اور حق یہ ہے کہ قرآن وعترت ایسے ہی ہیں، کیونکہ ان میں سے ہر ایک علم دین، علمی اسرار وحکم اور شرعی احکام وقوانین کا خزانہ ہے۔ لہٰذا ان دونوں (قرآن وعترت) میں سے ہر ایک کی پیروی وتمسک اور ان سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے رسول اللہؐ کی وصیت وارد ہوئی ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے الحمد للہ الذی جعل الحکمۃ فینا اھل البیت۔ یعنی میں حمد کرتا ہوں اُس خدا کی جس نے ہم اہل بیت کے اندر حکمت قرار دی۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ قرآن وعترت کو اس سبب سے ثقلین فرمایا کہ اُن میں سے ہر ایک کے حقوق کی رعایت لازمی ہے۔ اور اہل بیت کے حق میں آنحضرت کی غیر معمولی سفارش کا باعث یہ ہے کہ یہ حضرات علم کتاب (قرآن) وسنت رسولؐ کے لئے مخصوص ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں یعنی قرآن وعترت کسی وقت بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر کے کنارے آں حضرتؐ کے پاس وارد ہوں۔

اس بیان کی مؤید وہ حدیث ہے جو پہلے گذر چکی کہ فرمایا ولا تعلموھم فانھم اعلم منکم۔ یعنی کسی وقت عترت کو کوئی تعلیم نہ دو کیونکہ وہ تم سب سے زیادہ عالم و دانا ہیں اور ان کو ان صفتوں کے پیش نظر اپنے دوسرے علماء سے ممتاز سمجھو۔ اس لئے کہ خدائے تعالیٰ نے ان کو پاک وپاکیزہ پیدا کیا ہے اور کرامات باہرہ اور بے شمار فضائل وکمالات کے ساتھ ان کو اُمّت

کے سامنے روشناس کرایا ہے۔ جن احادیث کے ذریعے عترت واہل بیت اطہار سے تمسک رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے اُن میں ایک باریک نکتہ یہ بھی ہے کہ روز قیامت تک کسی وقت بھی دنیا میں افراد اہل بیتؑ کا سلسلہ منقطع نہ ہوگا جو خدا کی جانب سے احکام دین کو نشر کرنے پر مامور ہیں انتہائی تعجب تو یہ ہے کہ باوجودیکہ خود ہی اقرار کرتے ہیں کہ عترت اور اہل بیت رسولؐ میں سے جو فرد علمی درجات عالیہ اور عملی فرائض دینیہ کی حامل ہو وہ اُن تمام لوگوں سے مقدم ہے جو آں حضرت کی عترت طاہرہ اور اہلبیت میں سے نہ ہوں لیکن پھر بھی عملی طور پر حکم رسولؐ کے برخلاف اُن اشخاص کو آگے بڑھایا جن کو فوقیت کا کوئی حق حاصل نہ تھا اور اس جلیل القدر خاندان کو نظر انداز کر دیا۔

فاعتبروا یا اولی الابصار نعوذ باللہ من الفتن والتّعصّب

اب میں آپ حضرات سے انصاف چاہتا ہوں کہ ان سخت تاکیدات اور ہدایات کے بعد کہ اُمّت کی نجات قرآن مجید اور عترت طاہرہ کی ایک ساتھ تقلید اور پیروی کرنے ہی میں منحصر ہے، ہماری ذمّہ داری کیا ہے۔

حضرات! راستہ بہت باریک اور خطرناک ہے، اپنے اسلاف کی عادت چھوڑیے اور علم و عقل اور انصاف سے فیصلہ کیجئے، آیا ہم اور آپ قرآن کو بدل سکتے ہیں اور زبان و مکان کی مصلحت دیکھتے ہوئے دوسری کتاب کا انتخاب کر سکتے ہیں؟

سیّد - ایسی کوئی بات ہرگز نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ رسولؐ اللہ کی امانت، مضبوط آسمانی سند اور بزرگ رہنما ہے۔

خیر طلب - جزاک اللہ، حقیقت یہی ہے۔ پس جب ہم قرآن کو بدل کے ملک و قوم کی مصلحت پر اُس کی جگہ دوسری کتاب منتخب نہیں کر سکتے تو عدیل و شریک قرآن کے لئے بھی یہی حکم جاری ہوگا۔ لہٰذا اس قاعدے کے رُو سے وہ لوگ عترت پر مقدم رکھے گئے جو عترت سے نہیں تھے؟ میرے اس سادہ سوال کا جواب ارشاد فرمایئے تاکہ ہم بھی دیکھیں کہ کیا خلفاء ثلٰثہ ابوبکر و عمر و عثمان عترت اور اہل بیت پیغمبر میں سے ہیں۔ جس سے یہ آیات و اخبار کثیرہ (ثقلین و سفینہ و باب حطّہ وغیرہ) کے مصداق قرار پائیں اور ہم مجبور ہوں کہ رسولؐ اللہ کے حکم سے اُن لوگوں کی اطاعت کریں؟

سیّد - ہرگز کسی نے ایسا دعویٰ نہیں کیا ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کے علاوہ دوسرے خلفاء رضی اللہ عنہما عترت و اہل بیت پیغمبرؐ میں سے تھے۔ البتہ رسولؐ اللہ کے نیک صحابہ میں سے تھے۔

خیر طلب - یہ فرمایئے کہ اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی فرد یا قوم کی اطاعت کا حکم دیں اور اُمّت کی ایک جماعت کہے کہ نہیں مصلحت اس میں ہے کہ ہم دوسرے لوگوں کی پیروی کریں چاہے وہ دوسرے بڑے مومن اور صالح کیوں نہ ہوں، تو آیا حکم رسولؐ کی اطاعت واجب ہے یا اُمّت کی رائے پر عمل کرنا۔

سیّد - یہی چیز ہے کہ پیغمبر کی اطاعت واجب ہے۔

انسان کو اندھی تقلید مُناسب نہیں

خیر طلب۔ پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد کہ قرآن و عترت کی ایک ساتھ پیروی کرو اور دُوسروں کو ان پر مقدم نہ کرو، دوسروں کو آخر کس لئے ترجیح دی گئی درآنحالیکہ اہلبیت علم و فضل میں ساری اُمت سے بہتر تھے؟ آیا ابو الحسن علی بن اسمٰعیل اشعری، واصل بن عطا، مالک بن انس، ابو حنیفہ، محمد بن ادریس شافعی اور احمد بن حنبل عترت و اہلبیت پیغمبر ہیں یا حضرت امیر المومنین علی علیہ السّلام اور آپ کی اولاد میں سے گیارہ امام جیسے امام جعفر صادق علیہ السّلام وغیرہ؟ انصاف کے ساتھ واضح جواب دیجئے۔

سیّد۔ ظاہر ہے کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ یہ اشخاص عترت اور اہل بیت پیغمبرؐ ہیں۔ البتہ اُمّت کے سربرآوردہ صلحاء و فقہاء تھے۔

خیر طلب۔ لیکن جمہور اُمت کا اتفاق ہے کہ ہمارے بارہ امام سب کے سب عترت صحیح النسب اور پیغمبر کے اہل بیتؑ خاص ہیں خود آپ کے بڑے بڑے علماء کے اقرار کے مطابق رسولؐ نے عدیل و شریک قرآن اور اُن کی اطاعت کو ذریعۂ نجات قرار دیا ہے اور صاف صاف فرماتے ہیں کہ یہ تم سے زیادہ جانتے ہیں ان پر سبقت نہ کرنا۔ اتنی پُر زور ہدایات کی موجودگی میں جس وقت رسُولؐ اللہ لوگوں سے سوال کریں گے کہ تم نے میرے حکم سے سرتابی کیوں کی اور دوسروں کو میرے اُن اہل بیت پر جو تم سے زیادہ عالم تھے ترجیح کیوں دی حالانکہ میں حکم دے چکا تھا کہ اُن پر سبقت نہ کرنا؟ تو اس کا کیا جواب دیں گے؟ چنانچہ شیعوں نے آں حضرت کے حسب الحکم اپنا مذہب باب علم پیغمبر حضرت امیر المومنینؑ اور عترت و اہل بیت طاہرین علیہم السّلام سے حاصل کیا اور زمانۂ حضرت علی و حسن و حسین علیہم السّلام سے (جنہوں نے براہ راست آن حضرتؐ سے فیض حاصل کیا تھا، سلسلہ بہ سلسلہ اس پر قائم رہے، لیکن دوسرے لوگ جو اُصولِ مذہب میں اشعری یا معتزلی اور فروعات میں مالکی، حنبلی، حنفی اور شافعی ہیں ان اشخاص کی پیروی میں رسولِ خدا کی کونسی تاکید اپنے پاس رکھتے ہیں؟

علاوہ اس کے کہ یہ اشخاص عترت طاہرہ میں سے نہیں ہیں اور ان کی پیروی کے لئے آں حضرتؐ کا کوئی حکم نافذ نہیں ہوا ہے۔

بعد رسُولؐ بھی تقریباً تین سو سال تک جو صحابہ اور تابعین کا دور تھا یہ کسی شمار میں نہیں تھے۔ البتہ بعد کو سیاست یا معلوم نہیں اور کس وجہ کی بنا پر میدان میں آگئے۔

لیکن عترت و اہل بیت رسُولؐ میں سے آئمہ معصومین خود آں حضرت کے زمانہ سے نمایاں تھے۔ بالخصوص علیؑ اور حسنؑ و حسینؑ علیہم السّلام جزو اصحاب کساء اور آیہ تطہیر میں شامل تھے۔

آیا یہ مناسب ہے کہ علی، حسن و حسین اور آئمہ عترت و اہل بیت اطہار پیغمبر صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے پیروؤں کو جنہوں نے آں حضرت کے حکم سے ان معصوم و منصوص آئمہ کی پیروی کی ہے مشرک، وکافر اور گردن زدنی سمجھا ئے؟ آپ نے کام وہ کیا جو نہ کرنا چاہیئے تھا اور فقہائے عترت و عدیل قرآن پر ایسے اشخاص کو مقدم کیا جو نہ اس کی اہلیت رکھتے تھے، نہ عترت رسولؐ میں سے تھے پھر بھی ہم نہ آپ سے جھگڑتے ہیں نہ آپ حضرات کو مشرک وکافر کہتے ہیں بلکہ اسلامی بھائی سمجھتے ہیں۔ لیکن محکمۂ عدالت الٰہی میں آپ اس کا کیا جواب دیجئے گا کہ بے چارے عوام کو غلط فہمی میں مبتلا کرتے ہیں اور عترت و اہل بیت رسولؐ کے شیعوں اور پیروؤں کو جو آں حضرتؐ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے عترت طاہرہ کا اتباع کرتے ہیں کافر و مشرک، رافضی اور بدعتی مشہور کرتے ہیں؟ ۔

اِنسان کو علم و عقل کا پیرو ہونا چاہیئے

یہ سب محض اس لئے ہے کہ ہم نے اپنے مذہب کا نام حنفی یا مالکی یا حنبلی یا شافعی کیوں نہیں رکھا اور عترت طاہرہ میں سے امام جعفر صادق علیہ السّلام کا طریقہ کیوں اختیار کیا؟ ہم شیعہ کسی کے ساتھ کینہ اور عداوت نہیں رکھتے۔ لیکن چونکہ عقل و خرد اور علم ہم کو حکم دیتا ہے کہ آنکھ بند کر کے کوئی راستہ نہ پکڑیں اور کتاب آسمانی قرآن مجید نے بھی سورہ ۳۹ (زمر) آیت ۱۹ میں ہماری رہنمائی کی ہے کہ فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ (یعنی اے رسولؐ میرے لطف و کرم کی اُن بندوں کو بشارت دے دو جو بات سنتے ہیں اور اس میں سے بہتر کا انتخاب کر کے اُس کی پیروی کرتے ہیں)، لہٰذا بغیر دلیل کسی کی متابعت نہیں کرتے، ہمارے ہادی اور راہنما خدائے عزّ و جل اور رسولؐ خدا ہیں، خدا و رسولؐ نے جو راستہ ہمارے سامنے رکھا ہے ہم اسی پر چلتے ہیں، چنانچہ آیات قرآن مجید اور ارشادات رسولؐ کے اندر جیسا کہ (علاوہ روات شیعہ میں تواتر کے) آپ کی معتبر کتابوں میں بھی درج ہیں بے شمار دلائل و براہین ایسے ہیں جو ہم کو ہدایت دے رہے ہیں کہ راہ حق اور صراط مستقیم آلِ محمدؐ اور عترت و اہل بیت آں حضرت کی پیروی میں منحصر ہے۔

اگر آپ قرآن مجید کی ایک آیت یا رسول اللہ کی ایک حدیث بھی ایسی دکھا دیجئے جو بتاتی ہو کہ اصول میں اشعری یا معتزلی اور فروع میں چاروں امام (ابوحنیفہ، مالک، احمد حنبل اور شافعی) میں سے کسی ایک کا پیرو ہونا ضروری ہے۔ تو چاہے وہ آپ ہی کے یہاں کی حدیث ہو میں مان لوں گا اور ابھی اپنا مذہب بدل دوں گا۔

لیکن آپ کے پاس قطعاً کوئی ایسی دلیل موجود نہیں ہے سوا اس کے کہ کہدیجئے یہ اسلامی فقہا تھے اور ۶۶۵ھ میں ملک ظاہر بیبرس نے لوگوں کو مجبور کیا کہ ان چاروں مذاہب میں سے کسی ایک کی تقلید کرنا لازمی ہے۔ ان واقعات کی تفصیل بیان کرنے کی اس وقت گنجائش نہیں، لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ بغیر کسی نص اور خاص ہدایت کے ان چاروں اماموں کی تقلید پر انحصار کر دینا

اسلام کے سارے فقہاء و علماء پر کھلا ہوا ظلم اور ان کی حق تلفی ہے۔ درانحالیکہ تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام کے اندر اور بالخصوص آپ کے مذہب میں کثرت سے فقہا و علماء پیدا ہوئے جو اپنے کارناموں کے پیش نظر قطعاً ان چاروں اماموں سے زیادہ عالم اور فقیہ تھے اور جن کا حق پوری طرح ضائع کیا گیا۔

واقعاً تعجب کا مقام ہے کہ آپ باوجود اس قدر نصوص اور واضح دلائل کے جن کا خدا و رسولؐ نے کثیر آیات واحادیث میں اعلان فرمایا ہے اور جن کو خود آپ کے بڑے بڑے علماء نے اپنی معتبر کتابوں میں درج کیا ہے امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی پیروی پر تو مجبور نہیں ہوتے لیکن کسی دلیل و نص کے آنکھ بند کر کے ان چار اماموں کی تقلید و متابعت پر انحصار کر رکھا ہے اور ہمیشہ کے لئے اجتہاد و تقلید کا دروازہ ہی بند کر دیا ہے۔

سید۔ جس دلیل و برہان کی رو سے آپ نے بارہ اماموں کے اتباع پر انحصار کیا ہے ہم نے بھی چار اماموں پر انحصار کیا۔

خیر طلب۔ خوب خوب، ماشاء اللہ! آپ نے تو بہت عمدہ بات کہی، میں بھی آپ کے قاعدے پر آپ کی دلیل و برہان کے سامنے سر جھکانے کو تیار ہوں اگر کچھ ہو تو بیان فرمایئے۔ خدا سورہ ع۲ (بقرہ) آیت نمبر دو میں فرماتا ہے۔

قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین (یعنی (مخالفین سے) کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو)

اول تو بارہ اماموں کو شیعوں نے یا اُن کے علماء نے سینکڑوں برس بعد اس تعداد میں منحصر نہیں کیا ہے بلکہ نصوص واحادیث کثیرہ جو ہمارے اور آپ کے طریق سے منقول ہیں ثابت کرتی ہیں کہ خود صاحب شریعت حضرت خاتم الانبیاء نے آئمہ کی تعداد بارہ قرار دی ہے۔

پیغمبرؐ نے خلفا کی تعداد بارہ بتائی ہے

چنانچہ آپ کے اکابر علماء نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ من جملہ ان کے شیخ سلیمان قندوزی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۷۷ ص۴۴۴ مطبوعہ اسلامبول میں اس عبارت کے ساتھ لکھا ہے فی تحقیق حدیث بعدی اثنا عشر خلیفۃ (یعنی اس حدیث کی تحقیق میں کہ میرے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے) پھر ایک حدیث نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں ذکر یحییٰ بن الحسن فی کتاب العمدۃ من عشرین طریقاً فی ان الخلفاء بعد النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش فی البخاری من ثلاثۃ طرق وفی مسلم من تسعۃ طرق وفی ابی داؤد من ثلاثۃ طرق وفی الترمذی من طریق واحد وفی الحمیدی من ثلاثۃ طرق (یعنی یحییٰ بن حسن نے کتاب عمدہ میں بیس طریقوں سے روایت کی ہے کہ رسولِ خدا کے بعد خلفاء بارہ عدد ہوں گے اور یہ سب قریش سے ہوں گے صحیح بخاری میں تین طریقوں سے، صحیح مسلم میں نو طریقوں سے، سنن ابی داؤد میں تین طریقوں سے، سنن ترمذی میں ایک طریقہ سے اور جمع بین الصحیحین حمیدی میں تین طریقوں سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے)۔

علاوہ ان کے آپ کے دُوسرے علماء جیسے حموینی نے فرائد میں، خوارزمی اور ابن مغازلی نے مناقب میں، امام ثعلبی نے اپنی تفسیر میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں اور بالخصوص میر سیّد علی ہمدانی شافعی نے مودۃ القربٰی مودۃ دہم میں بارہ حدیثیں عبداللہ ابن مسعود، جابر بن سمرہ، سلمان فارسی، عبداللہ ابن عباس، عبایہ بن ربعی، زید بن حارثہ، ابو ہریرہ اور امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے اور ان سب نے مختلف طریقوں سے حضرت رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ فرمایا میرے بعد خلفاء اور آئمہ کی تعداد بارہ ہوگی اور یہ سب قریش سے ہوں گے۔ ان میں سے بعض روایات میں ہے کہ بنی ہاشم سے ہوں گے بعض میں ان کے نام معیّن کئے گئے ہیں اور بعض میں صرف عدد کا شمار بتایا گیا ہے۔ یہ اُن اخبار و احادیث میں سے صرف ایک نمونہ ہے جو آپ کی کتابوں میں کثرت سے درج ہیں۔ اب یہ ذمّہ داری آپ کے سر ہے کہ اگر چار اماموں کے لئے بھی کوئی حدیث آپ کے پاس ہو تو بیان کیجئے چاہے وہ ایک ہی ہو، ہم اُسی ایک حدیث کو تسلیم کرلیں گے۔

قطع نظر اس سے کہ آپ آئمہ اربعہ کے لئے ایک حدیث بھی پیش نہیں کرسکتے، شیعوں کے اور آپ کے اماموں کے درمیان بڑا فرق بھی ہے، چنانچہ گذشتہ شبوں میں حسب موقع ہم نے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے کہ ہمارے آئمہ اثنا عشر اوصیاء رسُول اور من جانب خدا منصوص ہیں۔

آپ کے آئمہ اربعہ کے ساتھ ہرگز ان کا موازنہ نہیں ہوسکتا اس لئے کہ آپ کے امام صرف فقہ اور اجتہاد کا جذبہ رکھتے بلکہ بعض ان میں سے جیسے ابو حنیفہ آپ ہی کے علماء کے اقرار و اعتراف کے مطابق حدیث اور فقہ و اجتہاد سے بھی عاری تھے اور قیاس پر عمل کرتے تھے جو خود اپنی جگہ پر ایک کم علمی کی دلیل ہے (ملاحظہ ہو اسی کتاب کا صـ) لیکن ہمارے آئمہ اثنا عشر حجج الٰہیہ اور رسُول اللہ کے اوصیاء و خلفاء منصوص ہیں۔ ہم ان کی تقلید نہیں کرتے بلکہ پیغمبرؐ کے حسب الحکم اُن کے طریقے کے پیرو ہیں۔ البتہ ہر زمانے میں شیعوں کے کچھ فقہاء و مجتہدین ہوتے ہیں جو کتاب و سنّت اور عقل و اجماع کے قاعدوں سے احکامِ الٰہی کا استنباط کرکے فتاوٰی صادر کرتے ہیں جن پر ہم ان کی تقلید کرتے ہوئے عمل پیرا ہوتے ہیں۔ باوجودیکہ آپ کے فقہاء آئمہ اہل بیت کے خرمن علم سے خوشہ چینی کرنے والوں میں تھے۔ لیکن آپ حضرات اپنی عادت اور اسلاف کی تقلید میں علم و عمل کے اساتذہ کو چھوڑ کر ایسے شاگردوں کے پیرو بن گئے جنھوں نے علمی بنیادوں سے ہٹ کے رائے اور قیاس پر عمل کیا۔

سیّد۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ ہمارے امام آپ کے اماموں سے فیض حاصل کرتے تھے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام کے مراتب

خیر طلب ۔ یہ تاریخ کا بیان ہے، کتابوں میں درج ہے اور خود آپ کے اکابر علماء نے لکھا ہے، ملاحظہ ہو کتاب فصول المہمہ جلیل القدر عالم نور الدین بن صباغ مالکی نے فصل حالات امام بحق ناطق کاشف اسرار حقائق جعفر بن محمد الصادق علیہما السلام میں اقرار کیا ہے کہ حضرت علم و فضل میں مشہور اور ممتاز تھے، یہاں تک کہ کہتے ہیں۔ نقل الناس عنہ من العلوم ماسارت بہ الرکبان وانتشر صیتہ و ذکرہ فی سائر البلدان ولم ینقل العلماء عن احد من اھل بیتہ ما نقل عنہ من الحدیث (یعنی حضرت سے اس قدر علوم نقل کئے گئے ہیں کہ طالبانِ فیض، اپنی اپنی سواریوں پر روانہ ہوئے، آپ کا شہرہ اور ذکرِ خیر تمام شہروں میں پھیل گیا اور علماء نے اہل بیت کی کسی فرد سے اتنی حدیثیں نقل نہیں کیں جتنی آپ سے نقل کیں۔) اس کے بعد کہتے ہیں کہ اکابر اُمت کی بہت بڑی جماعت جیسے یحییٰ بن سعید، ابن جریح، مالک ابن انس (مالکیوں کے امام) سفیان ثوری، ابو عیینیہ، ابو ایوب سجستانی، ابو حنیفہ (حنفیوں کے امام) اور شعبہ وغیرہ نے حضرت سے روایت کی ہے۔ انتہیٰ۔

کمال الدین ابن ابی طلحہ اپنے مناقب میں لکھتے ہیں کہ بڑے بڑے بزرگ علماء اور آئمہ دین نے حضرت سے حدیثیں نقل کی ہیں اور آپ کے علم و کمال سے بہرہ اندوز ہوئے ہیں، من جملہ اُن کے انہیں افراد کا ذکر کیا ہے جن کے نام صاحب فصول المہمہ نے بتائے ہیں۔

حضرت کے ظاہری و باطنی فضائل و کمالات کے دوست و دشمن سبھی قائل تھے، چنانچہ خود آپ کے منصف اور غیر متعصب اکابر علماء نے اپنی خاص کتابوں میں اس کو درج کیا ہے۔ مثلاً شہرستانی ملل و نحل میں، مالکی فصول المہمہ میں اور خصوصیت سے شیخ ابو عبدالرحمٰن سلمی طبقات المشائخ میں کہتے ہیں۔ ان الامام جعفر الصادق فاق جمیع اقرانہ وھو ذو علم عزیز فی الدین وزھد بالغ فی الدنیا وورع تام عن الشھوات وادب کامل فی الحکمۃ (درحقیقت امام جعفر صادقؑ اپنے تمام ہمعصروں سے بالاتر تھے، آپ کو دین میں فطری علم و مہارت، دنیا میں پُورا زہد، شہوات سے کامل ورع اور پرہیزگاری اور حکمت میں مکمل ادب حاصل تھا) اور محمّد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول شروع باب ۶ ص ۸۱ میں ان سارے مطالب کو نقل کیا ہے، کہتے ہیں ھو من عظماء اھل البیت وسادا تھم ذو علم جمۃ وعبادۃ موفرۃ واورادمتواصلۃ وزھادۃ بینۃ وتلاوۃ کثیرۃ تتبع معانی القرآن الکریم ویستخرج من بحر جواھرہ ویستنتج عجائبہ ویقسم اوقاتہ علی انواع الطاعات بحیث یحاسب علیھا نفسہ رؤیتہ تذکرۃ الاخرۃ واستماع کلامہ زھد فی الدنیا والاقتداء بھدیہ یورث الجنۃ نور قسماتہ شاھد انہ من سلالۃ النبوۃ وطھارۃ افعالہ تصدع بانہ من ذریۃ الرسالۃ نقل عنہ الحدیث و استفاد منہ العلم

جماعة من الائمة و اعلامهم مثل يحيى بن سعيد الانصاري و ابن جريج و مالك بن انس و الثوری و ابن عيينة و شعبة و ايوب السجستانی و غيرهم رضی الله عنهم و عن و اخذهم عنه منقبة شرفوا بها و فضيلة اكتسبوها۔ (یعنی یہ بزرگوار سادات و بزرگان اہل بیت میں سے، ہر طرح کے علم، جملہ عبادات، مسلسل اوراد و وظائف اور نمایاں زہد کے حامل تھے۔ کثرت سے تلاوت فرماتے تھے اور ساتھ ہی آیات قرآنی کی تفسیر بیان فرماتے تھے، اصحاب آپ کے بحر علم سے جواہرات حاصل کرتے اور عجیب و غریب نتائج اخذ کرتے تھے، اپنے اوقات شب و روز کو مختلف عبادتوں پر تقسیم کر دیا تھا گویا اس طرح اپنے نفس کا محاسبہ فرماتے تھے، آپ کی زیارت آخرت کی یاد دلانے والی آپ کلام سُنناس دنیا میں زہد اور آپ کے ہدایات پر عمل کرنا حصولِ جنت کا باعث تھا، آپ کی نورانی شکل گواہی دیتی تھی کہ خاندانِ نبوت سے ہیں اور اعمال کی پاکیزگی بتاتی تھی کہ نسلِ رسولؐ سے ہیں۔ آپ سے ائمہ اور علماء اعلام کی ایک جماعت نے حدیثیں نقل کی ہیں اور علوم حاصل کئے ہیں جیسے یحییٰ بن سعید انصاری، ابن جریج، مالک ابن انس، سفیان ثوری، ابن عیینہ، شعبہ اور ایوب سجستانی وغیرہ جو اپنے اس شرف استفادہ اور کسب فضیلت پر فخر کرتے تھے) اگر میں حضرت کے بارے میں آپ ہی کے علماء کے اقوال اور نظریات و عقائد نقل کرنا چاہوں تو سلسلۂ بیان بہت طولانی ہو جائے گا، خلاصہ یہ کہ آپ کے منصف علماء نے عام طور پر اس کا اقرار کیا ہے کہ آپ علم، زہد، ورع و تقویٰ اور اخلاق حمیدہ میں یگانہ روزگار تھے۔ بدیہی چیز ہے کہ یہ آفتاب کی تعریف و توصیف ہے جس میں زبانیں گنگ ہیں کہ حضرت کے درجات عالیہ میں سے عشر عشیر بلکہ ہزار میں سے ایک بھی بیان کر سکیں۔

نواب ۔ قبلہ صاحب میں آپ کے سلسلۂ کلام میں دخل دینے کی معافی چاہتا ہوں لیکن چونکہ میں جلد بھول جاتا ہوں لہٰذا اگر اجازت ہو تو کچھ دریافت کر لوں؟۔

خیر طلب ۔ کوئی حرج نہیں فرمایئے! میری درخواست ہے کہ کسی وقت بھی سوال کرنے میں پس و پیش نہ کیجئے۔ مجھ کو ہرگز ناگوار نہیں ہوتا۔

نواب ۔ باوجودیکہ جیسا آپ نے ان راتوں میں بیان فرمایا مذہب تشیع دوازدہ امامی اور اثنا عشری ہے یہ مذہب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے نام سے کیوں منسوب ہوا اور اس کو مذہب جعفری کس لئے کہا جاتا ہے؟۔

مذہب جعفری کا ظہور

خیر طلب ۔ حضرت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے نبوت کے اس بنیادی دستور کے مطابق کہ ہر پیغمبر اپنی وفات سے قبل من جانب خدا اپنے لئے ایک وصی اور جانشین مقرر کرتا ہے، امیر المومنین علی علیہ السلام کو اپنا باب علم

وصی، خلیفہ اور جانشین بتایا اور اُمّت کو آپ کی اطاعت کا حکم دیا، لیکن وفاتِ رسولؐ کے بعد چند وجوہ کی بنا پر جو اربابِ ہوش سے مخفی نہیں ہیں سیاسی تدبیروں سے امر خلافت ابوبکر، عمر اور عثمان کے تصرف میں آیا، پھر بھی (ابتدائی دور کو چھوڑ کے) سارے زمانۂ خلافت میں ابوبکر و عمر جملہ اُمور میں برابر حضرت سے مشورہ کرتے تھے اور آپ کے ارشادات پر عمل کرتے تھے۔ اس کے علاوہ غیر مذاہب کے بڑے بڑے علماء اور دانشمند بھی جب تحقیق حقائق کے لئے مدینے آتے تھے، تو مباحثات و مناظرات میں حضرت علیؑ ہی اُن کو قائل و معقول فرماتے تھے۔ غرض کہ جب تک آپ زندہ رہے مختلف طریقوں سے مقدّس دینِ اسلام کی اپنی شایانِ شان خدمات انجام دیتے رہے لیکن حضرت کی شہادت کے بعد جب لجامِ حکومت بنی اُمیّہ کے ہاتھوں میں آئی تو ولایت و امامت کی منزلت بالکل اندھیرے میں پڑ گئی اور عترت و اہل بیت رسُولؐ کے ساتھ انتہائی قساوت اور ظلم و تعدی کا برتاؤ کیا گیا۔ امام برحق حضرت امام حسنؑ مجتبیٰ سیّد الشہداء حضرت امام حسینؑ حضرت امام زین العابدین اور حضرت امام محمّد باقر علیہم السّلام بنی اُمیّہ کی شدید عداوت اور ظلم و ایذا رسانی کے شکار رہے ان حضرات کے لئے تمام راہیں مسدود کر دی گئی تھیں اور سوا چند خالص شیعوں کے لوگوں کو ان کے دیدار اور ان سے علوم و حقائق حاصل کرنے کی توفیق نہیں تھی۔ یہاں تک کہ ہر ایک امام کو کسی نہ کسی طریقے سے شہید کر دیا گیا۔

بالآخر دُوسری صدی ہجری کے اوائل میں جب لوگ بنی اُمیّہ کے ظلم و تعدی اور بداعمالیوں سے بہت تنگ آگئے تو اُن کی حکومت کا تختہ پلٹنے کے لئے ہر طرف سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور خصوصیّت کے ساتھ بنی عباس اور بنی اُمیّہ کے درمیان خون ریز لڑائیاں ہوئیں۔

اُس موقع پر جب کہ بنی اُمیّہ اپنی حکومت بچانے کی فکر میں تھے کچھ اطمینانی صورت پیدا ہوئی کیونکہ وہ لوگ اتنے مشغول تھے کہ عترت و اہل بیت رسُولؐ پر اپنی شدید سخت گیری کو قائم نہ رکھ سکے۔

لہٰذا امام جعفر صادق علیہ السّلام نے اس فرصت سے پُورا فائدہ اُٹھایا، اُمیّوں کے نشار اور مظالم کی وجہ سے جس گوشہ نشینی پر مجبُور رہتے تھے اُس کو ترک کر کے اپنے گھر کا دروازہ کھول دیا اور مسجد رسُولؐ میں آزادانہ برسرِ منبر دین کے احکام و قواعد اور علوم نشر فرمانے لگے، چار ہزار علم و دانش اور حدیث کے شائقین بے روک ٹوک زیرِ منبر یک جا ہوتے تھے۔ اصحابِ خاص اور چُنے ہوئے طالبانِ علم نے آپ کے پائین منبر بیٹھ کر جو علمی فیوض و برکات حاصل کئے تھے اُن سے اُنہوں نے چار سو اُصول لکھے جو اُصول اربعاہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

امام یافعی یمنی نے اپنی تاریخ میں حضرت کی تعریف کی ہے کہ کثرتِ علم اور وسعتِ فضل میں کوئی آپ کے قدم بہ قدم نہیں تھا اور آپ کی بلندی علوم و دانش کی کوئی حد نہیں تھی۔ حضرت کے شاگردوں میں سے ایک شخص جابر ابن حیّان صوفی نے آپ کے تعلیم کئے ہوئے علوم سے ہزار ورق کی ایک کتاب لکھی اور پانچ سو رسالے تالیف کئے۔ انتہیٰ اہل سنّت کے اکابر فقہائے اسلام اور آئمہ عظام آپ کی بزمِ فیض کے شاگردوں اور طالب علموں میں سے تھے۔

مثلاً ابو حنیفہ، مالک ابن انس، یحییٰ ابن سعید انصاری، ابن جریح، محمد بن اسحاق، یحییٰ ابن سعید قطان، سفیان بن عیینیہ، اور سفیان ثوری وغیرہ (جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا) جن میں سے ہر ایک اپنی استعداد کے مطابق حضرت کی خدمت سے بہرہ اندوز ہوتا تھا۔

آپ کے آبائے کرام اور ابنائے ذوی الاحترام میں سے کسی بزرگوار کو ظاہری طور پر ایسی ریاست علمی حاصل نہیں ہوئی کہ بغیر کسی مانع کے دین کے احکام و قواعد، آیات قرآنی کی تفسیر، اصُول علم و حدیث اور اسرار و حقائق کو علانیہ اور کھلم کھلا بیان کر سکتے۔

اس لیے کہ بنی اُمیّہ تو آپ کے آباء کو مانع رہے اور بنی عباس نے انتہائی بے حیائی کے ساتھ آپ کی اولاد میں سے کل آئمہ پر سخت قدغن رکھا۔

درحقیقت شیعیت کی اصلیت کا مکمل ظہور اور معارف آلِ محمدؐ کی بالا علان اشاعت (جس کا سرچشمہ ذات رسُولؐ تھی)، حضرت ہی کے ذریعے انجام پذیر ہُوئی۔ لہٰذا یہ مذہب آپ کے نام سے مشہُور ہُوا اور مذہب جعفری کہا گیا۔ ورنہ امام جعفر صادق علیہ السّلام، آپ کے آبائے میں سے چار اور اولاد میں سے چھ امام نیز عمّ بزرگوار حضرت امام حسن علیہ السّلام سب کے سب آئمہ برحق تھے اور اُن میں باہم کوئی فرق نہیں تھا۔

عظیم دردِ دل اور عترت سے بے اعتنائی

لیکن بڑے افسوس کا مقام ہے کہ ایسے عظیم المرتبت امام کو جن کی اعلمیت اور اکملیّت کا اقرار دوست و دشمن سبھی نے کیا ہے آپ کے اسلاف سب سے زیادہ عالم و فقیہ اور کامل ماننے کے لئے تیار نہیں ہُوئے بلکہ اتنی رواداری بھی نہیں برتی کہ آپ کا نام گرامی آئمہ اربعہ کی فہرست میں شامل کرلیں۔ حالانکہ حضرت علم و فضل، زہد و ورع اور تقوٰی و کمال کے ان تمام مراتب کے ساتھ ساتھ (جن کی خود آپ کے علما بھی تصدیق کرتے ہیں) چونکہ رسُولُ اللہ کی عترت اور اہل بیت پاک میں سے تھے لہٰذا دُوسروں پر تقدم کا حق رکھتے تھے۔

اگر ہم پیروی کرنے والوں کی حیثیت سے اندازہ کریں تب بھی آپ کے آئمہ اربعہ میں سے کسی کے پیرو غالباً پیروان امام جعفر صادق علیہ السّلام کے برابر نہیں نکلیں گے۔

آپ کے متعصب علمائنے (ذاتی سفارشوں کے باوجود) اپنے پیغمبرؐ کی عترت کے ساتھ اس قدر بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا کہ آپ کے بڑے بڑے فقہاء جیسے بخاری اور مُسلم تو اس پر بھی راضی نہیں ہوئے کہ اس فقیہہ اہل بیت طہارت کی روایتیں اپنی کتابوں میں نقل کریں۔ بلکہ عترت طاہرہ میں سے کسی امام اور سادات علوی و حسینی و عابدی و موسوی و رضوی میں سے بڑے

بڑے علماء و صلحاء جیسے زید بن علی بن الحسین (شہید)، یحییٰ بن زید، محمد بن عبداللہ (نفس زکیہ) حسین بن علی مدفون بہ فخ، یحییٰ بن عبداللہ بن حسن اور اُن کے بھائی ادریس، محمد بن جعفر الصادق، محمد بن ابراہیم (معروف بہ ابن طبا طبا) محمد بن زید، عبداللہ بن حسن اور علی بن جعفر (عریضی) وغیرہ سے جو سب کے سب خاندان رسالت کے اکابر علماء و فقہا میں سے تھے کوئی حدیث یا روایت نقل نہیں کی ہے۔

لیکن معلوم الحال ابوہریرہ اور بے مثال جھوٹے جعلساز اور خارجی عکرمہ کو جن کے صفات کی، آپ کے علماء نے بھی تصدیق کی ہے (اور ہم بھی گذشتہ شبوں میں اُن کے حالات کی طرف اشارہ کر چکے ہیں) جان و دل سے قبول کر کے ان سے روایتیں نقل کی ہیں۔

یہاں تک کہ ابن البیع نے لکھا ہے کہ بخاری نے خوارج و نواصب میں سے عمران ابن حطان (عبدالرحمٰن ابن ملجم مرادی قاتل امیرالمومنین علیہ السلام کا مداح) جیسے بارہ سو اشخاص سے روایت کی ہے۔

تاثر بالائے تاثر

بڑی حیرت کی بات ہے کہ امام اعظم، امام مالک، امام شافعی اور امام حنبل کو جن میں سے کوئی بھی عترت اور اہل بیت رسولؐ سے نہیں تھا مُسلمان پاک سمجھیں اور ہر فرقے والا اپنے طریقے میں آزاد ہو باوجودیکہ باہم اُصول و فروع میں شدید اختلافات بھی رکھتے ہیں، لیکن امام جعفر صادق علیہ السلام کے پیروؤں کو کافر و مشرک اور رافضی کہیں۔ اور سُنّی ممالک میں یہاں تک کہ مکہ معظّمہ کے اندر جس کے بارے میں خدا فرماتا ہے من دخلہ کان اٰمنا (یعنی جو اس میں داخل ہو گیا وہ بے خوف ہے۔ اُن کو اپنے عقیدے اور اعمال میں آزادی میسّر نہ ہو۔

کیا خوب کہا ہے حافظ شیرازی نے ؎

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد   وائے گر از پس امروز بود فردائے

پس آپ حضرات یہ جان لیجئے کہ ہم شیعہ لوگ اسلام میں افتراق کے باعث نہیں ہیں، باہمی نفرت اور جدائی ہم نہیں پیدا کرتے بلکہ جو کچھ ہوتا ہے آپ ہی کی طرف سے ہوتا ہے کہ دس کروڑ سے زائد مسلمان، موحد اور مومن جماعت کو جو قبلہ، نماز، روزہ، حج اور دُوسرے احکام دین میں آپ کے ساتھ شریک ہے۔ آپ اسے بیگانہ اور کافر و مشرک سمجھتے ہیں (اس موقع پر موذن نے نماز کی اطلاع دی اور مولوی صاحبان نماز عشاء میں مشغول ہوئے۔ ادائے فریضہ اور چائے سے فراغت کے بعد جناب حافظ صاحب نے سلسلہ کلام شروع کیا۔

حافظ۔ حقیقت امر یہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا۔ میں بے انصاف اور حق کش آدمی نہیں ہوں، آپ کے بیان کے ان

خاص مقامات میں مجھ کو اعتراف ہے متعصّبانہ زیادتیاں بہت ہوئی ہیں اور بغیر کسی دنیا سازی اور چاپلوسی کے کہتا ہوں کہ بالخصوص ان راتوں میں مَیں نے بذاتِ خود آپ کی صحبت سے کافی فائدہ اُٹھایا ہے، اور پُوری طرح متنبہ ہو چکا ہوں لیکن اس وقت آپ کی اجازت سے ایک جملہ عرض کرنا چاہتا ہوں جو شکوہ بھی ہے اور حریم اہل تسنن کی طرف سے دفاع بھی اور وہ یہ کہ آپ جیسے شیعہ مبلغین اور علماء اپنے عوام کو ایسی رفتار و گفتار سے منع کیوں کرتے جس کا انجام کُفر ہے تا کہ دُوسروں کو لفظ کُفر زبان پر جاری کرنے کا موقع ہی نہ ملے ؟ ۔

چونکہ انسان اکثر کسی ایک بیجا بات یا بے محل گفتگو کی وجہ سے بھی حملوں کی زد میں آ جاتا ہے ۔ لہٰذا آپ حضرات بھی اہل سُنّت والجماعت کو اعتراضات کا نشانہ نہ بنائیے، کیونکہ خود شیعہ ہی اس کا موقع دیتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جن سے قلوب متاثر ہوتے ہیں اور اسی بنا پر اُن کی طرف کُفر کی نسبت دی جاتی ہے ۔

خیر طلب ۔ وہ کون سی رفتار و گفتار ہے جس کا انجام کُفر ہے ؟ گزارش ہے کہ ذرا وضاحت کیجئے تا کہ معمہ حل ہو۔

شیعہ صحابہ اور ازواجِ رسُولؐ پر طعن کیوں کرتے ہیں ؟

حافظ ۔ ان کی بد کلامی اس قسم کی ہے کہ رسول اللہ کے خاص صحابہ اور آں حضرتؐ کے بعض ازواج طاہرات پر طعن و تشنیع اور نکتہ چینی کرتے ہیں جو یقیناً کھلا ہوا کفر ہے ۔

چونکہ ان حضرات نے اعلائے کلمۂ توحید کے لئے آں حضرتؐ کی رکاب ظفر انتساب میں کافروں سے کافی جہاد کئے ہیں۔ لہٰذا بدیہی چیز ہے کہ ان کے خدمات مفاسد اور نقائص سے خالی تھے اور یہ قطعاً جنّت کے مستحق ہوں گے خصوصاً وہ حضرات جو بمقتضائے آیت ۱۸ سورہ ۴۸ (فتح) لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ (یعنی خدا یقیناً مومنین سے خوش ہوا جب کہ وہ (حدیبیہ میں) درخت کے نیچے تمہاری بیعت کر رہے تھے) رضائے الٰہی کے شرف سے مشرف ہوئے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رسُولؐ اللہ قولاً و فعلاً ان کی توقیر فرماتے تھے ، اُن کے کمال کا منکر لازمی طور پر ذلّت و گمراہی میں مبتلا ہوا اور وہ درحقیقت بمقتضائے آیۂ شریفہ سورۂ النجم وما ینطق عن الھوی ان ھو الّا وحی یوحیٰ (یعنی آپ ہرگز اپنی خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کہتے بلکہ آپ کا ہر قول سوا وحی خدا کے اور کچھ نہیں) پیغمبر اور قرآن کا منکر ٹھہرا اور جو شخص پیغمبر اور قرآن کا انکار کرے وہ بلاشبہ کافر ہے ۔

خیر طلب ۔ میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ جناب عالی اس قسم کے موضوعات کو اس کھلے ہوئے جلسے میں زیر بحث لائیں یا بقول خود شکوہ قرار دیں تا کہ میں بھی جواب دینے پر مجبور ہوں اور بات عوام کے جاہل و متعصّب گروہ تک پہنچے جس سے اُن کو مخالف پروپیگنڈہ کرنے کا موقع ہاتھ آئے ۔ بہتر تو یہ تھا کہ ہمارے درمیان تنہائی میں ان مطالب پر ردّ و بدل ہوتی تا کہ میں جواب

باصواب عرض کرتا۔ گذارش ہے کہ اب بھی میری درخواست قبول کیجئے اور اس موضوع پر علانیہ گفتگو نہ کیجئے۔ ایک روز صبح کو میں خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا اور ہم دونوں اس مسئلے کو حل کر لیں گے۔

حافظ ۔ میں بے قصور ہوں، چونکہ حضرات اہل جلسہ کئی راتوں سے مجھ پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ یہ موضوع زیرِ بحث لایا جائے۔ لہٰذا انہیں کی خواہش پر میں نے یہ سوال اٹھایا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کی گفتگو سنجیدہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر ان کی تسکین خاطر کے لئے کوئی مسکت جواب دے دیجئے تو کوئی ضرر نہ ہوگا یا پھر تصدیق کیجئے کہ حق ہمارے ساتھ ہے۔

نواب ۔ صحیح ہے۔ ہم سب منتظر ہیں کہ معمہ حل ہو۔

خیر طلب ۔ چونکہ آپ حکم دے رہے ہیں لہٰذا تعمیل کرتا ہوں لیکن آپ کے ایسے محترم فاضل سے مجھ کو یہ امید نہیں تھی کہ ان مفصّل تشریحات کے بعد جو میں گذشتہ شبوں میں پیش کر چکا اور کفر کے پہلو واضح کر چکا پھر بھی ملّت شیعہ سے کفر کو نسبت دیجئے گا۔ حالانکہ میں آپ کے سامنے پورا ثبوت دے چکا کہ شیعہ اثنا عشری محمّد و آل محمد صلوٰت اللہ علیہم اجمعین کے پیرو ہیں لہٰذا ہرگز کافر نہیں ہو سکتے۔ چونکہ آپ نے چند مخلوط جملے بیان فرمائے ہیں۔ لہٰذا میں مجبور ہوں کہ ان کو ایک دوسرے سے الگ کر کے علیحدہ علیحدہ جواب عرض کروں تاکہ جملہ حضرات حاضرین و غائبین خود ہی انصاف کے ساتھ فیصلہ کر کے اپنے دلوں سے شبہات کو دور کریں اور جان لیں کہ نہ شیعہ کافر ہیں اور نہ کفر کے وہ طریقے ہیں جو آپ نے بیان فرمائے۔

صحابہ پر طعن و ایراد موجبِ کفر نہیں

اوّل آپ نے فرمایا ہے کہ شیعہ صحابہ اور بعض ازواجِ رسولؐ پر جو طعن اور تنقید کرتے ہیں وہ موجب کفر ہے۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ بیان کس دلیل و برہان کے رُو سے دیا گیا۔ اگر طعن اور تنقید دلیل و برہان سے مضبوط ہو تو قطعاً مذموم بھی نہیں ہے۔ نہ یہ کہ اُس کو کفر کا سبب بتایا جائے، بلکہ اگر بغیر کسی ثبوت کے محض تہمت ہی تہمت ہو جب بھی باعث کفر نہیں۔

مثلاً کسی مومن پر چاہے وہ صحابی ہی کیوں نہ ہو کوئی شخص بلا وجہ بھی طعن اور تنقید یا لعنت کرے۔ تو وہ کافر نہ ہوگا، بلکہ فاسق ہوگا۔ جیسے کہ شراب پینے والا یا زنا کرنے والا۔ بدیہی چیز ہے کہ ہر فسق اور گناہ معافی اور درگذر کے قابل ہوتا ہے۔

چنانچہ ابن حزم ظاہری اندلسی متولد سنہ ۴۵۶ ہجری کتاب الفصل فی الملل والنحل جز سوم صفحہ ۲۲۷ میں کہتے ہیں کہ جو شخص جہالت اور نادانی کی وجہ سے اصحاب رسولؐ کو گالی دے تو وہ معذور ہے اور اگر جان بوجھ کے دے تو فاسق

ہوگا جس طرح کوئی زنا اور چوری جیسے گناہوں میں مشغول ہو۔ البتہ جب اس نیت سے دشنام دے کہ یہ رسولِ خدا کے اصحاب ہیں تو کافر ہو جائے گا۔ کیوں کہ اس کی انتہا خدا و رسولؐ کی عداوت اور اہانت پر ہو گی۔

ورنہ صرف صحابہ کو دشنام دینا موجب کفر نہیں ہے، چنانچہ خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے پیغمبر سے عرض کیا کہ آپ اجازت دیجئے میں حاطب منافق کی گردن ماردوں درباوجودیکہ یہ بزرگانِ صحابہ، مہاجرین اور اصحاب بدر میں سے تھا، پھر بھی وہ اس گالی اور نفاق کی نسبت دینے سے کافر نہیں ہوئے۔ انتہیٰ کلامہ۔

پس کیونکر ممکن ہے کہ شیعوں کو اس لئے کافر کہہ دیا جائے کہ وہ بعض افرادِ صحابہ کو دشنام دیتے ہیں۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ آپ سچ کہتے ہیں؟ درآنحالیکہ آپ کے اکابر علمائے متقدمین اپنی معتبر کتابوں میں از روئے انصاف آپ کے عقیدے کے برخلاف حق اور حقیقت کی کافی حمایت کر چکے ہیں۔ من جملہ ان کے قاضی عبدالرحمٰن ریجی شافعی نے مواقف میں ان وجوہ کو تعصب و عناد کا نتیجہ بتاتے ہوئے رد کیا ہے جن کو آپ کے متعصب علماء نے شیعوں کے کفر میں بیان کیا ہے۔

امام محمد غزالی صریحاً لکھتے ہیں کہ صحابہ کا سبّ و شتم ہرگز کفر نہیں ہے، یہاں تک کہ سبّ شیخین بھی باعثِ کفر نہیں

ملا سعد تفتازانی شرح عقاید نسفی میں کہتے ہیں کہ متعصب لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ صحابہ کو سبّ و شتم کرنے والے کافر ہیں، تو اس میں اشکال ہے اور ان کا کفر ثابت نہیں، اس لئے کہ بعض علماء نے جو صحابہ سے حسن ظن رکھتے تھے ان کی بد اعمالیوں سے چشم پوشی کی بلکہ ان کی مہمل تاویلیں کیں اور کہا کہ رسول اللہ کے صحابہ گمراہی اور فسق و فجور سے محفوظ تھے۔ حالانکہ ایسا نہ تھا اور اس کی دلیل وہ لڑائیاں ہیں جو ان کے درمیان واقع ہوئیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ گمراہ فاسق اور گنہگار تھے۔ بغض و حسد، اور جاہ طلبی ان کو برے افعال پر مجبور کرتی تھی اور یہ حق سے منحرف ہو جاتے تھے، یہاں تک کہ بڑے بڑے بزرگ صحابہ بھی اعمالِ بد سے پاک نہ تھے۔ پس اگر کوئی شخص دلیل کے ساتھ ان کی گرفت اور تنقید کرے تو موجب کفر نہ ہوگا کیونکہ بعض نے محض حسن ظن کی وجہ سے ان چیزوں پر پردہ ڈالا ہے اور نقل نہیں کیا ہے۔ لیکن کچھ لوگ ان کی حرکتوں کو نقل کر کے ان پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کافر ہیں اس لئے کہ ہر وہ صحابی جس نے رسول اللہ کو دیکھا معصوم اور بے گناہ نہیں تھا۔ انتہیٰ۔

ان باتوں کے علاوہ ابن اثیر جزری صاحب جامع الاصول نے شیعوں کو اسلامی فرقوں میں شمار کیا ہے لہٰذا آپ کیونکر ان پر کفر عاید کرتے ہیں؟ بعض صحابہ کے اعمال کی وجہ سے ان کو برا کہنے والوں کے عدم کفر کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ خلفاء کی زندگی میں کچھ لوگ ان کو سبّ و شتم کرتے تھے اور رکیک گالیاں دیتے تھے۔ پھر بھی خلفاء ان کے کفر اور قتل کا حکم نہیں دیتے تھے۔

چنانچہ حاکم نیشاپوری مستدرک جزء چہارم ص ۳۳۵ و ص ۳۵۴ میں، امام احمد حنبل مسند جزو اول ص ۹ میں، ذہبی تلخیص مستدرک میں، قاضی عیاض کتاب شفاء جزء چہارم باب اول میں اور امام غزالی احیاء العلوم جلد دوم میں نقل کرتے ہیں کہ زمانۂ خلافت ابوبکر میں ایک شخص ان کے پاس آیا اور ان کو اس طرح سے فحش باتیں کہیں اور گالیاں دیں کہ حاضرین کو غصہ آ گیا، ابوبرزہ سلمی نے کہا کہ خلیفہ کی اجازت ہو تو میں اس کو قتل کر دوں۔ اس لئے کہ یہ کافر ہو گیا ہے۔ ابوبکر نے کہا کہ نہیں ایسا نہیں، سوا پیغمبرؐ

کے ایسا حکم نہیں لگا سکتا۔

واقعی حضرت اہل تسنن مدعی سُست گواہ چست کے مصداق ہیں۔ خود خلیفہ سبّ و شتم اور گالیاں سُنتے ہیں اور کفر کا فتویٰ یا قتل کا حکم نہیں دیتے لیکن آپ حضرات (اپنے فرضی خیالات کی بناپر) بے خبر عوام کو بہکاتے ہیں کہ شیعہ صحابہ کو سبّ و شتم کرتے ہیں لہٰذا کافر ہیں اور ان کا خون حلال ہے۔

اگر سبّ صحابہ موجب کفر ہے تو آپ حضرات معاویہ اور اُن کے پیروؤں کو کس لیئے کافر نہیں کہتے جنہوں نے صحابہ کی فرد اکمل اور خلفاء میں سب سے افضل امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام پر سبّ و شتم اور لعنت کی؟

پس معلوم ہوا کہ آپ کا مقصد کچھ اور ہی ہے اور وہ ہے اہل بیت وعترت طاہرہ اور ان کی پیروی کرنے والوں سے جنگ۔

اگر صحابہ بالخصوص خلفاء راشدین پر سبّ شتم کرنا کفر ہے تو آپ حضرات امّ المومنین عائشہ پر کس لیئے کفر کا فتویٰ نہیں دیتے جن کے لئے آپ کے تمام علماء و مؤرخین نے لکھا ہے کہ ہمیشہ خلیفہ عثمان پر سبّ و شتم کیا کرتی تھیں اور علانیہ کہتی تھیں۔ اقتلوا نعثلا فقد کفر (یعنی اس فاترالعقل بوڑھے (یعنی عثمان) کو قتل کر ڈالو کیونکہ فی الحقیقت یہ کافر ہوگیا ہے۔

اگر مظلوم شیعوں میں سے کوئی شخص کہدے کہ اچھا ہوا کہ عثمان مار ڈالے گئے اس لئے کہ وہ کافر تھے تو آپ حضرات اس کو کافر اور واجب القتل کہہ دیں گے لیکن خود عثمان کے منہ پر عائشہ ان کو نعثل اور کافر کہتی تھیں تو نہ خلیفہ اُن کو منع کرتے تھے نہ صحابہ کی طرف سے کوئی تنبیہہ ہوتی تھی اور نہ آپ ہی اُن کی مذمت کرتے ہیں۔

نواب - قبلہ صاحب اس نعثل کے کیا معنی ہیں جس کی طرف نسبت دی گئی؟

خیر طلب - فیروزآبادی جو آپ کے اکابر علماء میں سے ہیں" قاموس اللغۃ" میں اُس کے معنی بیان کرتے ہیں۔ نعثل بے وقوف بوڑھے کو کہتے ہیں، نیز مدینے میں ایک بڑی داڑھی والا یہودی تھا جس سے عثمان کو تشبیہ دیتے تھے اور شارح قاموس علامہ قزوینی یہی معنی بیان کرنے کے بعد مزید کہتے ہیں کہ ابن حجر نے تبصرۃ المنتبہ میں ذکر کیا ہے کہ ان نعثل یہودی کان بالمدینۃ ھو رجل لحیانی یشبہ بہ عثمان۔ یعنی نعثل مدینہ میں ایک لمبی داڑھی والا یہودی تھا جس سے عثمان کو شباہت تھی۔

سب سے بالاتر یہ کہ اگر صحابہ کو دشنام دینا بُرا کام ہے اور دشنام دینے والا کافر ہے تو خلیفہ ابو بکر نے بالائے منبر صحابہ اور جماعت مسلمین کے سامنے سب سے بُلند و برتر صحابی علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کو کیوں گالی دی؟ اس پر آپ کو غصّہ نہیں آتا ہے بلکہ ابو بکر کی توصیف و تقدیس ہوتی ہے۔ حالانکہ مذمّت ہونا چاہیئے۔

حافظ - کیوں تہمت لگا رہے ہیں؟ کہاں خلیفہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خلیفہ علی کرم اللہ وجہ کو گالی دی؟

خیر طلب - معاف کیجئے گا ہم تہمت لگانے والوں میں سے نہیں ہیں۔ جب تک کسی چیز کی جانچ نہیں کر لیتے نقل

نہیں کرتے۔ بہتر ہوگا کہ شرح نہج البلاغہ جلد چہارم ص۸۰ میں ملاحظہ فرمایئے کہ ابوبکر نے مسجد میں بر سر منبر امیرالمومنین علیہ السلام پر طعن کرتے ہوئے کہا انما ھو ثعالۃ شھیدہ ذنبہ مرب لکل فتنۃ ھو الذی یقول کروھا جذعۃ بعد ما ھرمت یستعینون بالضعفۃ ویستنصرون بالنساء کام طحال احب اھلھا الیھا البغی (یعنی سوا اس کے نہیں ہے کہ وہ (علی علیہ السلام) ایک لومڑی ہے۔ جس کی گواہ اس کی دم ہے۔ طرح طرح کے فتنے اٹھاتا ہے۔ بڑے بڑے فتنوں کو گھٹا کے بیان کرتا ہے اور لوگوں کو فتنہ و فساد کی ترغیب دیتا ہے۔ ضعیفوں سے کمک مانگتا ہے۔ اور عورتوں سے امداد حاصل کرتا ہے وہ ام طحال کے مانند ہے (ابن ابی الحدید تشریح کرتے ہیں کہ یہ زمانہ جاہلیت میں ایک زنا کار عورت تھی) جس سے اس کے گھر والے زنا کرنے کے شائق تھے) (لیکن دوسری تاریخوں میں اس عبارت کے ساتھ ہے کہ ابوبکر نے کہا انما ھی ثعالۃ شھید ھا ذنبھا)

اب ذرا آپ حضرات موازنہ کیجئے کہ خلیفہ ابوبکر نے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی شان میں جو فحش باتیں کہیں، اُن سے اور اس طعن و اعتقاد سے کتنا تفاوت ہے جو ایک شیعہ ان لوگوں کے لئے کرے۔

پس اگر کسی صحابی کو دشنام دینا باعث کفر ہے تو ابوبکر، اُن کی بیٹی عائشہ، معاویہ اور ان کے پیروؤں کو سب سے پہلے کافر ہونا چاہیئے اور اگر سبب کفر نہیں ہے تو آپ اس بنا پر شیعوں کو بھی کافر نہیں کہہ سکتے۔

آپ کے بڑے بڑے فقہاء اور خلفاء کے فتاوی اور احکام کے مطابق دشنام دینے والے کافر اور واجب القتل نہیں ہوتے۔

جیسا کہ امام احمد حنبل نے مسند جلد سوم میں، ابن سعد کاتب نے کتاب طبقات جزء پنجم ص۲۷۹ میں اور قاضی عیاض نے شفاء جزء چہارم باب اول میں نقل کیا ہے کہ خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز کے عامل نے کوفے سے اُن کو لکھا کہ ایک شخص نے خلیفہ ثانی عمر ابن خطاب کو سب کیا ہے اور گالی دی ہے، اجازت دیجئے کہ ہم اُس کو قتل کردیں۔ انہوں نے جواب میں لکھا کسی مسلمان کو سبّ و شتم کرنے کی وجہ سے ایک مسلمان کا خون مباح نہیں ہوتا، سوا اس کے کہ کوئی شخص رسولؐ خدا کو دشنام دے۔ ان اقوال کے علاوہ خود آپ کے اکابر علماء جیسے ابوالحسن اشعری اور ان کے پیروؤں کے عقائد یہ ہیں کہ اگر کوئی شخص دل سے مومن ہو اور کفر کا اظہار کرے (مثلاً یہودیت اور نصرانیت وغیرہ) یا رسولؐ اللہ سے جنگ کرنے اٹھے یا خدا و رسولؐ کو بلا عذر سخت گالی دے۔ تب بھی وہ کافر نہیں ہوتا اور اس پر کفر کا جاری نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ ایمان عقیدہ قلبی ہے اور چونکہ کوئی کسی کے قلب سے واقف نہیں ہے لہٰذا یہ نہیں جان سکتا کہ کفر کا اظہار دل سے تھا یا فقط ظاہری حیثیت سے اور ان مراتب کو دیگر علماء اشعری نے بھی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ خصوصاً ابن حزم اندلسی نے کتاب الفصل جزء چہارم ص۲۰۴ و ص۲۰۶ میں ان عقائد کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔

پس ایسی صورت میں آپ حضرات موحد، پاک نفس، مطیع خدا و رسولؐ اور شرع انور کے تمام واجب و مستحب احکام پر عمل کرنے والے شیعوں پر کفر کا حکم لگانے کا کیا حق رکھتے ہیں؟ فرض کر لیجئے کہ (جیسا آپ کا خیال ہے) کوئی شیعہ بعض

اصحاب کو دلیل و برہان کے ساتھ سبّ و شتم ہی کرے۔ یا دشنام دے جب بھی تو آپ اپنے بڑے بڑے پیشواؤں کے عقائد اور بیانات کے مطابق اُس پر کفر کا حکم نہیں لگا سکتے۔

حالت تو یہ ہے کہ آپ کی معتبر کتابوں میں مثلاً مسند احمد حنبل جلد دوم ص۲۳۶ سیرۃ حلبیہ جلد دوم ص۱۰۱ صحیح بخاری جلد دوم ص۴۷، صحیح مسلم کتاب جہاد اور اسباب النزول واحدی ص۱۱ وغیرہ میں بکثرت روایتیں موجود ہیں کہ پیغمبر کے سامنے اکثر اصحاب جیسے ابوبکر وغیرہ آپس میں ایک دوسرے کو گالیاں دیتے تھے بلکہ مار پیٹ بھی کرتے تھے اور رسولؐ مشاہدہ فرماتے تھے۔ لیکن ان کو کافر نہیں کہتے تھے بلکہ نصیحت فرماتے تھے (البتہ رسول اللہ کے روبرو اصحاب کی اس قسم کی باہمی جنگ اور نزاع کی روایتیں علماء اہل تسنن ہی کی کتابوں میں ہیں، شیعوں کی کتابوں میں نہیں)

اس مختصر بیان کے ساتھ آپ نے اپنے پہلے ایراد کا جواب سن لیا کہ کسی صحابی پر لعنت یا دشنام موجب کفر نہیں ہوا کرتی۔

اگر بغیر کسی دلیل و برہان کے سبّ و لعن کریں تو فاسق ہو جائیں گے، کافر نہ ہوں گے۔ اور ہر عمل بد عفو و مغفرت کے قابل ہوتا ہے۔

صحابہؓ کے نیک و بد اعمال رسول اللہؐ کے پیش نظر تھے

دوسرے آپ نے فرمایا ہے کہ رسولؐ خدا اصحاب کی توقیر اور تعظیم و تکریم فرماتے تھے۔ تو یہ صحیح ہے۔ میں بھی تصدیق کرتا ہوں اور تمام مسلمان اور صاحبان علم و عقل اس پر متفق ہیں کہ لوگوں کے سارے نیک و بد اعمال پر آں حضرتؐ کی نظر رہتی تھی اور آپ ہر شخص کے اچھے عمل کی قدر فرماتے تھے، چنانچہ نوشیرواں کی عدالت اور حاتم طائی کی سخاوت کا بھی احترام فرماتے تھے۔ لیکن یہ حقیقت بھی مسلم ہے کہ اگر کسی فرد یا جماعت کی توقیر و تکریم فرماتے تھے تو محض اسی نیک عمل کی بنا پر جو اس سے ظاہر ہوتا تھا۔

بدیہی چیز ہے کہ کسی مخصوص عمل پر کسی فرد یا جماعت کی قدر و منزلت قبل اس کے کہ اس سے اس کے برعکس فعل صادر ہو اس کی نیک بختی اور خوش انجامی پر دلالت نہیں کرتی اور نہ یہ کہ صدور گناہ سے قبل قہر و عقوبت جائز نہیں ہے چاہے یہ معلوم بھی ہو کہ آئندہ اس کا مرتکب ہوگا۔

چنانچہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام باوجودیکہ عبدالرحمن ابن ملجم مرادی کے عمل و شقاوت اور انجام بد سے آگاہ تھے۔ اور بار بار اُس سے فرماتے بھی تھے کہ تو میرا قاتل ہے بلکہ ایک موقع پر صریحاً فرمایا کہ ؎

ارید حیاته ویرید قتلی غدیرك من خلیلك من مراد

خیر طلب ۔ یہ آپ نے بے لطفی کی بات کی کہ چند خارجی اور ناصبی ذہنیت والوں کے عقائد کو اپنی بحث کا ماخذ بنایا یہ واقعہ تو اتنا مشہور اور واضح و آشکار ہے کہ خود آپ کے علماء نے اس کی تصدیق کی ہے ۔

ملاحظہ فرمایئے حافظ ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی نے جو آپ کے اکابر علماء و فقہا میں سے ہیں، اپنی کتاب دلائل نبوۃ میں داستانِ بطن عقبہ کو معتبر سلسلۂ روات کے ساتھ، امام احمد حنبل نے مسند آخر جلد پنجم میں ابوطفیل سے اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں نقل کیا ہے، اور علماء میں مشہور ہے ۔ کہ آں حضرت نے اُس رات اصحاب کی ایک جماعت پہ لعنت فرمائی ۔

واقعۂ عقبہ اور قتلِ رسُولؐ کا ارادہ

نواب ۔ قبلہ صاحب واقعہ کیا تھا اور کون سے لوگ رسُولؐ اللہ کو قتل کرنا چاہتے تھے، گذارش ہے کہ مختصر ہی بیان فرما دیجیئے ۔

خیر طلب ۔ اکابر فریقین نے لکھا ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی میں چودہ منافقین نے خفیہ طور پر عقبہ کی گھاٹی میں جو پہاڑ کے دامن میں ایک تنگ راستہ تھا اور جس میں سے فقط ایک ایک آدمی گذر سکتا تھا رسُولِ خدا کو قتل کرنے کی سازش کی ۔ جب اُنہوں نے اپنی تجویز کو عملی جامہ پہنانا چاہا تو جبرئیل نے رسُولؐ اللہ کو اس کی خبر دی، آں حضرت نے حذیفہؓ نخعی کو بھیجا اور وہ جا کر دامن کوہ میں پوشیدہ ہو گئے ۔ جس وقت وہ لوگ آئے اور آپس میں گفتگو کی تو انہوں نے سب کو پہچان لیا ۔ چنانچہ ان میں سات نفر بنی اُمیہ میں سے تھے ۔ حذیفہ آں حضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سب کے نام بتائے ۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ یہ بات راز میں رکھو خدا ہمارا نگہبان ہے، اوّل شب آں حضرتؐ لشکر کے آگے آگے روانہ ہوئے عمار یاسر اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھے ۔ اور حذیفہ اس کو پیچھے سے ہانک رہے تھے، جب اس تنگ راستے میں پہنچے تو منافقوں نے اپنے چمڑے کے تھیلے بالو سے بھر کے (بالو یعنی ریت) شور مچا کر اونٹ کے سامنے پھینکے تاکہ اونٹ بھڑک کر بھاگے اور آں حضرتؐ کو گہرے درّے میں گرا دے لیکن خدائے تعالےٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی اور وہ لوگ بھاگ کر مجمع میں چھپ گئے ۔

کیا یہ لوگ اصحاب میں سے نہیں تھے ؟ تو کیا ان کا یہ عمل نیک تھا اور ان کی پیروی راہ ہدایت تھی ۔

آیا یہ مناسب ہے کہ انسان کی خوش عقیدگی اس حد تک بڑھ جائے کہ جس وقت کہا جائے اصحاب رسُولؐ یعنی وہ لوگ جنہوں نے پیغمبرؐ کو دیکھا ہے یا آں حضرتؐ سے حدیث نقل کی ہے، تو اپنی آنکھیں بند کر لے، اُن کے عیوب اور برائیوں پر نظر نہ ڈالے اور کہے کہ سب کے سب اور نجات یافتہ ہیں ۔ بلکہ اُن میں سے ہر ایک کے پیروؤں کو بھی ناجی بتائے ؟

پیغمبرؐ نے جھوٹوں کی پیروی کا حکم نہیں دیا ہے

آیا ابو ہریرہ جن کے حالات کی طرف میں پچھلی شبوں میں اشارہ کر چکا ہوں کہ خلیفہ عمر نے اُن کو تازیانہ مارا اور کہا کہ یہ پیغمبرؐ سے جھوٹی حدیثیں بہت نقل کرتا ہے، اصحاب میں سے نہیں تھے اور انہوں نے کثرت سے احادیث نقل نہیں کی ہیں؟ اسی طرح دُوسرے اصحاب جیسے سمرہ بن جندب وغیرہ جو حدیث گڑھتے تھے اصحاب میں سے نہیں تھے؟ آیا رسولِ خدا اُمت کو حکم دے سکتے ہیں کہ جھوٹے اور جعل ساز لوگوں کی پیروی کرو تا کہ ہدایت پاؤ؟ اگر یہ حدیث جس کو آپ نے عظمت اصحاب کا سرچشمہ قرار دیا ہے صحیح ہے کہ اصحاب میں سے چاہے جس کی پیروی کریں ہدایت پاجائیں گے تو فرمائیے اگر دو اصحاب ایک دُوسرے کے خلاف راستہ چلیں تو ہم کس کی پیروی کریں تا کہ ہدایت حاصل ہو؟ یا اگر اصحاب کے دو گروہ باہم ایک دُوسرے سے جنگ کریں یا عقیدے میں ایک دُوسرے کے مخالف ہوں تو ہم کس گروہ کا ساتھ دیں تاکہ نجات حاصل ہو؟

حافظ - اوّل تو رسول اللہ کے اصحاب پاک آپس میں کوئی مخالفت اور جنگ ہرگز کرتے ہی نہیں تھے۔ اور اگر مخالفت کی بھی ہو تو آپ غور و فکر کیجئے، اُن میں سے جو شخص زیادہ پاک اور جس کی گفتگو زیادہ مدلل ہو اُس کی پیروی کیجئے۔

خیر طلب - آپ کے اس بیان کی بنا پر اگر ہم نے غور کیا اور تحقیق کر کے دونوں میں سے ایک کو پاک و برحق سمجھ لیا تو قطعاً اصحاب کا مخالف گروہ ناپاک اور باطل پر ہوگا۔

پس یہ حدیث اپنی جگہ پر خود ہی درجۂ اعتبار سے گر جاتی ہے کیوں کہ صحابہ میں سے ہر ایک کی اقتدا کر کے ہدایت پا جانا ممکن ہی نہیں۔

سقیفہ میں اصحاب کی مخالفت

اگر یہ حدیث صحیح ہے تو آپ کو شیعوں پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے کیوں کہ انہوں نے اصحاب ہی کے ایک گروہ کی پیروی کی ہے جیسے سلمانؑ، ابوذر، مقداد، عمار یاسر، ابو ایوب انصاری، حذیفہ نخعی اور خزیمہ ذوالشہادتین وغیرہ، جن کے متعلق میں گذشتہ شبوں میں اشارہ کر چکا ہوں کہ انہوں نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی بلکہ مخالفت اور احتجاج بھی کرتے رہے؟۔

پس اصحاب کی ان دونوں جماعتوں میں سے جو ایک دُوسرے کے مقابلے پر کھڑی تھیں کونسی حق پر تھی! قطعی طور پر ایک باطل پر تھی، حالانکہ جو حدیث آپ نے نقل کی ہے وہ بتا رہی ہے کہ اصحاب میں سے جس کی بھی اقتدا کرو ہدایت پا جاؤ گے۔

ابوبکر و عمر سے سعد بن عبادہ کی مخالفت

کیا سعد بن عبادہ انصاری اصحاب میں سے نہیں تھے جنہوں نے ابوبکر و عمر کی بیعت نہیں کی ؟ تمام شیعہ و سنی مورخین اسلام کا اتفاق ہے کہ یہ جا کر شام میں رہنے لگے یہاں تک کہ اواسط خلافت عمر میں قتل ہوئے ۔
پس ان کی اقتدا کرنا اور ابوبکر کی مخالفت اس حدیث کے حکم سے راہ ہدایت ٹھہری ۔

بصرے میں علی علیہ السلام سے طلحہ و زبیر کا مقابلہ

آیا طلحہ و زبیر اصحاب اور تحت شجرہ بیعت کرنے والوں میں سے نہیں تھے ؟ آیا ان کا مقابلہ پیغمبرؐ کے خلیفہ برحق سے نہیں تھا۔ (جو آپ کے عقیدے میں بھی چوتھے خلیفہ مسلم ہیں) اور یہ دونوں صحابی بے شمار مسلمانوں کا خون بہانے کے باعث نہیں ہوئے ؟ اب بتایئے کہ اصحاب کے ان دونوں گروہوں میں سے جو ایک دوسرے کے مقابلے پر آئے کس کی پیروی اور اقتدا سبب ہدایت تھی ؟ اگر آپ کہیں کہ دونوں گروہ چونکہ اصحاب کے تابع تھے لہٰذا حق پر تھے تو آپ غلط راستے پر جا پڑیں گے ۔ اس لئے کہ جمع بین الضدین محال ہے یعنی یہ ممکن نہیں کہ ایک دوسرے سے لڑنے والے دونوں فرقے ہدایت یافتہ اہل جنت ہوں لہٰذا قطعی طور پر جو اصحاب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی طرف تھے وہ ہدایت یافتہ تھے اور فریق مخالف باطل پر، اور یہ خود دوسری دلیل ہے آپ کا یہ قول باطل ہونے کی کہ جتنے اصحاب تحت شجرہ بیعت رضوان میں حاضر تھے وہ سب نجات یافتہ ہیں، کیونکہ تحت شجرہ بیعت کرنے والوں میں سے دو نفر طلحہ و زبیر بھی تھے جو امام و خلیفہ برحق سے لڑنے کو اٹھے ۔ آیا ان کا یہ عمل یعنی خلیفہ رسولؐ کے مقابلہ پر آنا اور ایسے شخص سے جنگ کرنا جس کے لئے رسول اللہؐ نے فرمایا تھا کہ حربک حربی (یعنی اے علیؑ تم سے جنگ کرنا مجھ سے جنگ کرنا ہے ۔ بہت بڑا ننگ اور رسول خدا سے جنگ نہیں تھی ؟ پس آپ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ فقط اصحاب یا بیعت رضوان میں حاضری مکمل نجات کی ضامن ہے ۔ ؟

معاویہ اور عمرو عاص علی علیہ السلام کو سب و شتم کرتے تھے

آیا معاویہ اور عمرو بن عاص اصحاب میں سے نہیں تھے جنہوں نے خلیفہ رسولؐ سے جنگ کی، اس کے علاوہ منبروں اور جلسوں میں یہاں تک خطبۂ نماز جمعہ میں علی علیہ السلام پر سب و شتم اور لعنت کرتے تھے ؟ ۔

باوجودیکہ آپ ہی کے اکابر علماء نے اپنی معتبر کتابوں میں نقل کیا ہے کہ رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بار بار فرمایا من سب علیاً فقد سبّنی ومن سبّنی فقد سب اللہ (یعنی جو شخص علیؑ کو دشنام دے درحقیقت اُس نے مجھ کو دشنام دی اور جو شخص مجھ کو سب و دشنام دے درحقیقت اُس نے خدا کو سب و دشنام دیا)

پس اس حدیث کے قاعدے سے جس پر آپ کا دار و مدار ہے، بقول رسُولؐ، ملعون ابن ملعون اشخاص اور علی علیہ السلام کو سبّ و شتم کرنے والوں کی جو حقیقتاً خدا و رسُولؐ کو سب و شتم (جیسا کہ خود آپ کے علماء نے لکھا ہے) پیروی کرنے والے ہدایت یافتہ اور اہلِ بہشت ٹھہرے۔ فاضل تفتازانی نے شرح مقاصد میں اس موضوع پر ایک مفصل بیان دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ صحابہ کے درمیان چونکہ سخت لڑائیاں اور عداوتیں واقع ہوئیں لہٰذا پتہ چلتا ہے کہ اُن میں سے بعض لوگ راہِ حق سے منحرف ہو گئے اور بعض بغض و حسد، عناد، حُبِّ ریاست اور لذاتِ شہوانی کی طرف مائل ہونے کی وجہ سے ہر قسم کا ظلم و تعدی کیا۔ بدیہی چیز ہے کہ بہت سے اصحاب چونکہ معصُوم نہیں تھے لہٰذا افسوسناک حرکات کے مرتکب ہوئے لیکن بعض علماء نے اپنے حسن ظن کی وجہ سے اُن کی بداعمالیوں کے لئے فضول تاویلیں کی ہیں۔

آپ کی نقل کی ہوئی اس حدیث کی رد میں اس طرح کی واضح دلیلیں بہت ہیں لیکن اس سے زیادہ تفصیل کی وقت میں گنجائش نہیں۔ پس قطعاً یہ حدیث گڑھی ہوئی ہے جیسا کہ آپ ہی کے بہت سے علماء نے کتاب الموضوعات میں اس کے سلسلۂ اسناد کو مشتبہ بتایا ہے۔

اصحابی کالنجوم کے اسناد ضعیف ہیں

چنانچہ قاضی عیاض شرح الشفاء جلد دوم ص۹۱ میں یہ حدیث نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ دارقطنی نے فضائل میں اور ابن عبدالبر نے انہیں کے طریق سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے اسناد میں کوئی مضبوطی نہیں۔ نیز عبد بن حمید سے اور انہوں نے اپنی مسند میں عبداللہ بن عمر سے نقل کیا ہے کہ بزار اس حدیث کی صحت کا منکر تھا۔

نیز کہتے ہیں کہ ابن عدی نے کامل میں اپنے اسناد کے ساتھ نافع سے اور انہوں نے عبداللہ ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے اسناد ضعیف ہیں۔ اسی طرح کہتے ہیں کہ بیہقی نے روایت کی ہے کہ اس حدیث کا متن مشہور ہے لیکن اُس کے اسناد ضعیف ہیں۔ انتہیٰ

چونکہ اس حدیث کے اسناد میں حارث بن غصین مجہول الحال اور حمزہ ابن ابی حمزہ نصیری جو کذب و دروغ گوئی سے متہم ہے موجود ہیں لہٰذا حدیث کا ضعف ثابت ہے۔

نیز ابن حزم نے کہا ہے کہ یہ حدیث جھوٹی، گڑھی ہوئی اور باطل ہے۔ پس ایسی ضعیف سلسلۂ اسناد کی حدیث

قابلِ اعتماد نہیں اور اس کے استدلال کا سہارا نہیں لیا جا سکتا۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ یہ حدیث صحیح ہے تب بھی قطعاً اس کی عمومیت منظور نظر نہیں تھی بلکہ نیک بخت اور نیکوکار اصحاب کی اقتدا مُراد تھی جنہوں نے حکم رسولؐ سے کتاب خدا اور عترت طاہرہ کی اطاعت کی ۔

صحابہ معصوم نہیں تھے

اب ان مقدمات کے بعد جو عرض کئے گئے اگر بعض صحابہ پر تنقید اور نکتہ چینی کی جائے تو قابلِ مذمت نہ ہو گی۔ اس لئے کہ صحابہ بشری عادتوں کے حامل اور غیر معصوم تھے ۔ پس جب وہ معصوم نہ تھے تو اُن سے خطا بھی ہو سکتی ہے ۔

حافظ ۔ ہم بھی قائل ہیں کہ صحابہ معصوم نہیں تھے لیکن یہ بھی مسلّم ہے کہ سب کے سب عدول تھے اور ان سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہوتا تھا ۔

خیر طلب ۔ یہ آپ کی زیادتی ہے کہ حتمی طور سے اُن کو عادل اور گناہوں سے مُبرّا سمجھ لیا ۔ اس لئے کہ خود آپ کے علماء کی معتبر کتابوں میں جو روایتیں مروی ہیں وہ اُس کے برخلاف حکم دے رہی ہیں کہ بہت سے اکابر صحابہ بھی اپنی پرانی عادت کی بنا پر کبھی کبھی گناہوں کا ارتکاب کیا کرتے تھے ۔

حافظ ۔ ہم کو ایسی روایتوں کا علم نہیں ہے ۔ اگر آپ کے پیشِ نظر ہوں تو بیان فرمایئے ۔

خیر طلب ۔ قطع نظر ان باتوں سے جو زمانۂ جاہلیت میں سرزد ہوئیں تھیں اسلام کی حالت میں بھی اکثر گناہوں کے مرتکب ہوتے تھے جن میں سے بطور نمونہ میں صرف ایک روایت پر اکتفا کرتا ہوں ۔

آپ کے بڑے بڑے علماء اپنی معتبر کتابوں میں نقل کرتے ہیں کہ فتح مکّہ کے سال (۸ھ ہجری میں) کبار صحابہ میں سے کچھ لوگ ایک بزم عشرت قائم کئے ہوئے تھے جس میں پوشیدہ طور سے شراب نوشی ہوتی تھی ۔

حافظ ۔ قطعی طور پر یہ روایت مخالفین کی گڑھی ہوئی ہے ۔ کیونکہ حرام ہو جانے کے بعد شراب پینا تو درکنار بزرگ صحابہ تو ایسی گندی محفلوں میں شریک بھی نہیں ہوتے تھے ۔

خیر طلب ۔ قطعاً مخالفین کی گڑھی ہوئی نہیں ہے بلکہ اگر اس کو وضع کیا ہے تو آپ ہی کے علماء نے کیا ہے ۔

نواب ۔ قبلہ صاحب اگر کوئی ایسی بزم تھی تو یقیناً صاحب خانہ اور مدعو اشخاص کے نام بھی ذکر کئے گئے ہوں گے کیا آپ ہم لوگوں کے لئے اس کی وضاحت فرما سکتے ہیں ؟

خیر طلب ۔ جی ہاں یہ مطلب آپ کے علماء کے یہاں تشریح سے بیان ہوا ہے

نواب ۔ گذارش ہے کہ بیان فرمایئے تا کہ معلوم ہو ۔

خفیہ جلسے میں دس نفر صحابہ کی شراب نوشی

خیر طلب ۔ ابن حجر فتح الباری جلد دہم صنہ ۳۰ میں لکھتے ہیں کہ ابو طلحہ زید بن سہل نے اپنے مکان میں ایک محفل شراب تشکیل دی اور اس میں دس افراد کو دعوت دی، ان سب نے شراب پی اور ابو بکر نے کفار و مشرکین اور کشتگان بدر کے لئے مرثیے کے چند شعر کہے۔

نواب ۔ آیا مدعو اشخاص کے نام بھی ذکر کئے گئے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو بیان فرمایئے تاکہ حقیقت ظاہر ہو۔

خیر طلب ۔ (۱) ابو بکر بن ابی قحافہ (۲) عمر ابن خطاب (۳) ابو عبیدہ جراح (۴) ابی بن کعب (۵) سہل بن بیضاء (۶) ابو ایوب انصاری (۷) ابو طلحہ (دعوت کرنے والا اور صاحب خانہ (۸) ابو دجانہ سماک بن خرشہ (۹) ابو بکر بن شغوب (۱۰) انس بن مالک جو اس وقت ۱۸ سال کے اور ساقیٔ محفل تھے۔ چنانچہ بیہقی نے سنن جلد ہشتم صنہ ۲۹ میں خود انس سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں اس وقت سب سے کم سن اور ساقیٔ محفل تھا (جلسہ میں سخت ہمہمہ)

شیخ ۔ (غصے کے ساتھ) قسم پروردگار کی یہ روایت دشمنوں کی بنائی ہوئی ہے۔

خیر طلب ۔ (تبسم کے ساتھ) آپ تو بہت تیز پڑ گئے اور جھوٹی قسم بھی کھا لی۔ خطا آپ کی بھی نہیں ہے آپ کا مطالعہ ہی کم ہے اگر کتابیں دیکھنے کی زحمت برداشت کرتے تو نظر آتا کہ خود آپ ہی کے علماء نے لکھا ہے۔ بس آپ کو استغفار کرنا چاہیئے۔ اب میں آپ حضرات کے سامنے وضاحت کرنے پر مجبور ہوں کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ آپ ہی کے علماء کا بیان ہے۔ اس واقعہ کے بعض اسناد جو میرے پیش نظر ہیں عرض کرتا ہوں۔

محمد بن اسمٰعیل بخاری نے اپنی صحیح تفسیر آیۂ خمر سورۂ مائدہ میں، مسلم ابن حجاج نے اپنی صحیح کتاب اشربہ باب تحریم الخمر میں، امام احمد حنبل نے مسند جلد سوم صنہ ۱۸۱ و صنہ ۲۲۷ میں، ابن کثیر نے اپنی تفسیر جلد دوم صنہ ۹۳ و صنہ ۹۴ میں، جلال الدین سیوطی نے درالمنثور جلد دوم صنہ ۳۲۱ میں، طبری نے اپنی تفسیر جلد ہفتم صنہ ۲۴ میں، ابن حجر عسقلانی نے اصابہ جلد چہارم صنہ ۲۲ اور فتح الباری جلد دہم صنہ ۳۰ میں، بدر الدین حنفی نے عمدۃ القاری جلد دہم صنہ ۸۴ میں، بیہقی نے سنن صنہ ۲۸۶ و صنہ ۲۹ میں اور دوسروں نے بھی ان حالات کو شرح و بسط سے نقل کیا ہے۔

شیخ ۔ شاید حرام ہونے کے بعد نہیں بلکہ پہلے ایسا ہوا ہو۔

خیر طلب ۔ تفسیر و تاریخ کی کتابوں میں جو قواعد درج ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات تحریم نازل ہونے کے بعد بھی بعض مسلمان اور صحابہ شراب حرام استعمال کرتے تھے۔

چنانچہ محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر کبیر جلد دوم صنہ ۲۰۳ میں ابی القموص زید بن علی کی سند سے نقل کیا ہے کہ انہوں

نے کہا، خدا نے تین مرتبہ آیات خمریہ نازل فرمائیں۔ پہلی مرتبہ آیت ۲۱۹ سورۂ بقرہ یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما (یعنی اے پیغمبرؐ تم سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں تو کہہ دو کہ ان دونوں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فوائد بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے نفع سے زیادہ ہے) نازل ہوئی لیکن مسلمان متنبہ نہ ہوئے اور شراب پیتے رہے، یہاں تک کہ دو آدمی شراب پی کر مستی کی حالت میں مشغولِ نماز ہوئے اور بیہودہ باتیں بکیں تو خداوند عالم نے آیت ۴۳ سورہ ۴ (نسا) نازل فرمائی۔ یا ایھا الذین اٰمنوا لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون (یعنی اے ایمان لانے والو نشے کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ اپنی باتیں سمجھنے لگو) لیکن پھر بھی شراب نوشی جاری رہی، البتہ نشے کی حالت میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔ حتیٰ کہ ایک روز ایک شخص نے شراب پی (جو روایت بزرو ابن حجر و ابن مردویہ کی بنا پر ابوبکر تھے) اور جنگ بدر میں قتل ہونے والے کافروں کے لئے مرثیے کے چند اشعار کہے، رسول اللہ نے سنا تو غصّے کے عالم میں تشریف لائے اور جو چیز دست مبارک میں لئے ہوئے تھے اس سے مارنا چاہا تو اس نے کہا کہ میں خدا و رسولؐ کے غصّے سے پناہ مانگتا ہوں۔ خدا کی قسم اب نہیں پیوں گا۔ اس وقت یہ آیت ۹۱ سورۂ ۵ (مائدہ) نازل ہوئی کہ یا ایھا الذین اٰمنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون (یعنی اے ایمان لانے والو شراب، قمار بازی، بت پرستی اور جوئے کے تیر (زمانہ جاہلیت کی ایک رسم) یہ سب نجاست و گندگی اور عملِ شیطان ہے لہٰذا اس سے دور رہو تاکہ شاید نجات پاؤ۔

جو کچھ عرض کیا گیا اس کا مقصد آپ حضرات کو یہ بتانا تھا کہ صحابہ میں بھی دوسرے مومنین و مسلمان کی طرح اچھے اور برے لوگ تھے۔ یعنی ان میں سے جو لوگ احکامِ خدا و رسولؐ کی اطاعت میں سعی کرتے تھے وہ سعادت کی بلند منزل پر پہنچے اور جنہوں نے خواہشِ نفسانی اور فریب شیطانی کا اتباع کیا وہ پست و حقیر ہوئے۔ پس جو لوگ صحابہ پر طعن اور تنقید کرتے ہیں وہ جو کچھ کہتے ہیں منطقی دلائل کے ساتھ کہتے ہیں، صحابہ کے زشت و ناپسندیدہ حالات علاوہ اس کے کہ خود آپ کی معتبر کتابوں میں درج ہیں، آیات قرآنی کے شواہد سے بھی قابلِ مذمت قرار پاتے ہیں اور شیعہ بھی اسی وجہ سے ان کی گرفت کرتے ہیں۔ لہٰذا ان منطقی اعتراضات کا اگر کوئی منطقی ہی جواب ہو تو قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔ مذموم صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان بے جا محبت اور دشمنی کا برتاؤ کرے، یعنی کسی فرد یا افراد سے اپنی محبت اور تعلقات کی بنا پر ان کے سارے حرکات و سکنات اور اقوال و افعال کو نگاہِ تحسین سے دیکھے اور کہے کہ ان سے ہرگز کوئی بدی عالم وجود میں نہیں آئی۔

حافظ۔ بہت بہتر، فرمائیے اصحاب کے زشت و ناپسندیدہ اعمال و افعال کس قسم کے تھے؟ اگر دلیل و برہان سے منطبق ہو تو ہم بھی مان لیں گے۔

صحابہ کی عہد شکنی

خیر طلب۔ تعجب ہے کہ ان ساری مذموم صفتوں کے بعد (جن میں سے مشتے نمونہ از خروارے پیش کیا گیا) پھر آپ فرماتے ہیں کہ ان کی مذموم صفتیں کیا تھیں۔ اب میں اپنی گذارش کی تائید میں اُن زشت و زبوں اعمال میں سے جو اُن سے سرزد ہوئے اور فریقین کی تمام کتابوں میں درج ہیں ایک اور نمونہ پیش کرتا ہوں اور وہ ہے اُن کی عہد شکنی اور بیعت کی خلاف ورزی کیونکہ خدائے تعالیٰ نے آیت ع۳۹ سورہ ع۱۶ (نحل) میں ایفائے وعدہ اور تکمیل عہد کو واجب فرمایا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے واوفوا بعهد الله اذا عاهدتم ولا تنقضوا الايمان بعد توكيدها (یعنی تم پر واجب ہے کہ) جب تم خدا اور رسولؐ سے کوئی عہد و پیمان کر چکے تو اُس کو پورا کرو اور قسموں کو مستحکم کرنے کے بعد نہ توڑو) اور آیت ۲۵ سورہ ع۱۳ (رعد) میں عہد توڑنے والوں کو ملعون فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے والذين ينقضون عهد الله من بعد ميثاقه ويقطعون ما امر الله به ان يوصل ويفسدون فی الارض اولئك لهم اللعنة ولهم سوء الدار (یعنی جو لوگ خدا و رسولؐ سے عہد و پیمان مضبوط کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جن رشتوں کو ملانے کے لیے اللہ نے حکم دیا ہے (جیسے صلۂ رحم اور محبت و ولایت امیر المومنین علیہ السّلام) اُن کو قطع کرتے ہیں اور روئے زمین پر فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں اُن کے لیے خاص طور پر لعنت و غضب الٰہی ہے اور انہیں کے لیے عذاب جہنم ہے) پس آیاتِ الٰہی اور اُن کثیر اخبار و احادیث کے حکم سے جو ہماری اور آپ کی کتابوں میں وارد ہیں عہد توڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔ خصوصاً خدا اور حکمِ خدا اور رسولؐ کے ساتھ عہد شکنی جو قطعاً آں حضرتؐ کے اصحاب و اقربا کے لیے تو بد سے بدتر تھی۔

حافظ۔ کونسا عہد اور کونسی بیعت تھی جو خدا و رسولؐ کے حکم سے قائم ہوئی اور اصحاب و یارانِ پیغمبرؐ نے اس میں عہد شکنی کی جس سے ہم اُن کو آیاتِ قرآنی کی زد میں لا سکیں؟

میرا خیال ہے کہ اگر آپ توجہ کیجئے تو تصدیق کیجئے گا کہ یہ سب شیعہ عوام کی من گڑھت باتیں ہیں ورنہ صحابۂ رسولؐ ایسی حرکتوں سے مُبّرا تھے۔

قرآن میں صادقین سے مراد محمدؐ و علیؑ ہیں

خیر طلب۔ میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ شیعہ چونکہ اپنے صادق و مصدق پیشواؤں کی پیروی پر مجبور ہیں ورنہ شیعہ ہی نہیں رہ سکتے لہٰذا ان کے خواص یا عوام ہرگز کوئی حدیث و روایت نہیں گڑھتے اور جھوٹ نہیں کہتے، اس لیے کہ اُن کے آئمہ

ہر حیثیت سے صادق و مصدّق تھے، چنانچہ قرآن مجید نے اُن کی سچائی پر گواہی دی ہے۔ جیسا کہ آپ کے بڑے بڑے علماء مثلاً امام ثعلبیؒ اور جلال الدین سیوطی نے تفسیر میں، حافظ ابو نعیم اصفہانی نے ما نزل من القرآن فی علی میں، خطیب خوارزمی نے مناقب میں، شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۳۹ میں خوارزمی و حافظ ابو نعیم اور حموینی سے اور محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۶۲ میں پُوری سند کے ساتھ نیز تاریخ محدث شام سے، سب نے نقل کیا ہے کہ آیت نمبر ۱۲۰ سورہ نمبر ۹ (توبہ) یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین (یعنی اے ایمان والو خداترس بنو اور سچے لوگوں کی پیروی اختیار کرو) (جو محمدؐ و علیؑ اور آئمہ اہل بیت علیہم السّلام ہیں) میں صادقین سے مراد محمدؐ و علی علیہم السّلام ہیں، اور ان روایات میں سے بعض میں ہے کہ پیغمبر اور آئمہ اہل بیت علیہم السّلام والصلوٰۃ مراد ہیں۔ پس اس جلیل القدر خاندان کے پیرو چاہے عالم ہوں یا جاہل، جھُوٹے اور جعل ساز نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ غلط اور من گھڑت باتیں کہنے کی ضرورت تو اُسی کو ہوگی جو اپنی حقانیت پر سچے اور مضبُوط دلائل نہ رکھتا ہو۔ شیعہ تو وہی کہتے ہیں جو خود آپ کے علماء مورخین تحریر کر چکے ہیں۔ اگر کوئی ایراد ہے تو سب سے پہلے اپنے علماء پر وارد کیجئے کہ اُنہوں نے لکھا کیوں۔ اگر آپ کے اکابر علماء صحابہ کی عہد شکنی کو اپنی معتبر کتابوں میں درج نہ کر چکے ہوں تو میں ایسے جلسے میں ان باتوں کو ہرگز پیش نہ کرتا۔

حافظ۔ علماء اہل سنّت میں سے کس نے اور کہاں لکھا ہے کہ صحابہ نے عہد شکنی کی اور کیا عہد شکنی کی؟ صرف لفاظی سے تو بات نہیں بنے گی۔

خیر طلب۔ یہ لفاظی نہیں بلکہ برہان و منطق اور حقیقت ہے۔ اکثر مقامات پر صحابہ نے عہد شکنی کی ہے اور جس بیعت کا حکم رسُول اللہ نے دیا تھا اس کو توڑا ہے چنانچہ ان میں سب سے اہم غدیر کا عہد اور بیعت تھی۔

حدیث غدیر اور اس کی نوعیّت

فریقین (شیعہ و سُنّی) کے جمہور علماء معترف ہیں کہ ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع میں مکۂ معظمہ سے واپسی کے وقت اٹھارویں ذی الحجہ کو رسُول اللہ نے غدیر خم کے میدان میں اپنے تمام اصحاب کو جمع کیا، یہاں تک کہ آں حضرت کے حکم سے آگے جانے والے لوگ واپس بلائے گئے اور پیچھے رہ جانے والوں کا انتظار کیا گیا۔ چنانچہ آپ کے اکثر بڑے بڑے علماء و مؤرخین اور شیعوں کی سند سے ستر ہزار اور آپ کے بعض دُوسرے علماء کی سند سے جیسا کہ امام ثعلبی نے اپنی تفسیر میں سبط ابن جوزی نے تذکرۃ خواص الامۃ فی معرفۃ الائمہ میں نیز اوروں نے لکھا ہے، ایک لاکھ بیس ہزار مسلمان اکٹھا ہو گئے تھے۔

حضرت رسُولِ خدا کے لئے ایک منبر مرتب کیا گیا جس پر آں حضرت تشریف لے گئے اور ایک بہت طولانی خطبہ ارشاد فرمایا جس کا زیادہ تر حصّہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السّلام کے فضائل و مناقب پر مشتمل تھا، جو آیتیں حضرت علیؑ

کی شان میں نازل ہوئی تھیں اُن میں سے اکثر کی تلاوت اور یاد دہانی فرمائی اور ساری اُمّت کو ولایت امیر المومنین علیہ السلام کے مقدس مرتبے کی طرف بخوبی متوجہ فرمایا۔ اُس کے بعد فرمایا معاشر الناس الست اولی بکم من انفسکم قالوا بلیٰ قال من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ (یعنی اے جماعت انسانی! آیا میں تمہاری جانوں سے زیادہ تم پر اولیٰ بہ تصرف نہیں ہوں؟ (یہ آیۂ شریفہ النبی اولی بالمومنین من انفسھم (یعنی رسُول اللہ تمام مومنین کی جانوں سے زیادہ اُن پر تصرف کا حق رکھتے ہیں ۱۲ مترجم" کی طرف اشارہ تھا) لوگوں نے عرض کیا ضرور ایسا ہی ہے۔ اُس وقت آں حضرتؐ نے فرمایا کہ جس کا میں مولا ہوں (یعنی اُس کے اُمور میں اولیٰ بہ تصرف ہوں) پس یہ علیؑ بھی اس کے مولا ہیں) پھر ہاتھوں کو بلند کر کے دُعا فرمائی۔ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ وانصر من نصرہ واخذل من خذلہ (یعنی خداوندا دوست رکھ اُس کو جو علیؑ کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے، اور مدد کر اس کی جو علیؑ کی مدد کرے اور چھوڑ دے اس کو جو علیؑ کو چھوڑ دے۔

اس کے بعد رسُولؐ اللہ کے حکم سے ایک خیمہ نصب کیا گیا اور آں حضرتؐ نے امیر المومنینؑ کو حکم دیا کہ خیمہ کے اندر بیٹھیں اور جتنی اُمّت وہاں موجود تھی سب کو مامور فرمایا کہ جا کر علیؑ کی بیعت کرو کیونکہ مجھ کو خدا کی طرف سے تاکید ہے کہ میں تم سے علیؑ کے لئے بیعت لوں۔ من بایع ذالک الیوم علیا کان عمر ثم ابا بکر ثم عثمان ثم طلحۃ ثم زبیر و کانوا یبایعون ثلاثہ ایام متواترۃ۔ (یعنی اس روز سب سے پہلے جس شخص نے بیعت علیؑ کی وہ عمر تھے پھر ابو بکر پھر عثمان پھر طلحہ پھر زبیر اور یہ پانچوں اشخاص متواتر تین روز تک (رجب تک پیغمبر وہاں فروکش رہے) بیعت کرتے رہے۔

حافظ۔ بھلا اس بات کا یقین کیا جا سکتا ہے کہ جیسا آپ نے بیان کیا اس قدر اہمیت کے ساتھ حکم دیا گیا ہو اور بڑے بڑے علماء نے اسے نقل نہ کیا ہو۔

خیر طلب۔ مجھ کو بالکل توقع نہیں تھی کہ آپ ایسی بات کہیں گے۔ درآنحالیکہ غدیر خم کا یہ واقعہ آفتاب نصف النہار کی طرح ظاہر اور روشن ہے اور اس حقیقت سے سوا متعصب اور ہٹ دھرم انسان کے اور کوئی شخص انکار کر کے اپنی فضیحت و رسوائی مول نہیں لے سکتا۔ اس لئے کہ اس اہم واقعہ کو آپ کے سارے ثقہ علماء نے اپنی معتبر کتابوں میں درج کیا ہے، جن میں سے چند نام جو اس وقت میری نظر میں ہیں پیش کرتا ہوں تاکہ مطلب واضح ہو جائے اور آپ جان لیں کہ آپ کے جمہور اکابر علماء نے اس پر یقین و اعتماد کیا ہے۔

علمائے عامہ میں سے حدیث غدیر کے معتبر راوی

۱ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر مفاتیح الغیب میں
۲ امام احمد ثعلبی تفسیر کشف البیان میں
۳ جلال الدین سیوطی تفسیر درّ المنثور میں
۴ ابو الحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری اسباب النزول میں
۵ محمد بن جریر طبری تفسیر کبیر میں
۶ حافظ ابو نعیم اصفہانی کتاب ما نزل من القرآن فی علی اور حلیۃ الاولیاء میں
۷ محمد بن اسمٰعیل بخاری اپنی تاریخ جلد اول ص ۳۷۵ میں
۸ مسلم بن حجاج نیشاپوری اپنی صحیح جلد دوم ص ۳۲۵ میں
۹ ابو داؤد سجستانی سنن میں
۱۰ محمد بن عیسیٰ ترمذی سنن میں
۱۱ حافظ ابن عقدہ کتاب الولایۃ میں
۱۲ ابن کثیر شافعی دمشقی اپنی تاریخ میں
۱۳ امام ائمہ حدیث احمد ابن حنبل مسند جلد چہارم ص ۲۸۱، ۳۷۱ میں
۱۴ ابو حامد محمد بن محمد الغزالی سر العالمین میں
۱۵ ابن عبد البر استیعاب میں
۱۶ محمد بن طلحہ شافعی مطالب السئول ص ۱۶ میں
۱۷ ابن مغازلی فقیہ شافعی مناقب میں
۱۸ نور الدین بن صباغ مالکی فصول المہمہ ص ۲۴ میں
۱۹ حسین بن مسعود بغوی مصابیح السنۃ میں
۲۰ ابو المؤید موفق بن احمد خطیب خوارزمی مناقب میں
۲۱ مجد الدین ابن اثیر محمد بن محمد شیبانی جامع الاصول میں
۲۲ حافظ ابو عبد الرحمٰن احمد بن علی نسائی خصائص العلوی اور سنن میں
۲۳ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودۃ باب ۴ میں
۲۴ شہاب الدین احمد بن حجر مکی صواعق محرقہ اور کتاب المنح الملکیہ میں، بالخصوص صواعق باب اول ص ۲۵ میں اپنے انتہائی تعصب کے باوجود کہتے ہیں۔ انہ حدیث صحیح لا ریۃ وقد اخرجہ جماعۃ کالترمذی والنسائی واحمد وطرقہ کثیرۃ جدًا (یعنی یہ ایک صحیح حدیث ہے جس کی صحت میں کوئی شک نہیں بتحقیق کہ اس کو ایک جماعت نے مثلاً ترمذی، نسائی اور احمد نے روایت کیا ہے۔ اور اگر تلاش کی جائے تو اُس کے طرق کثرت سے ہیں۔
۲۵ محمد بن یزید حافظ ابن ماجہ قزوینی سنن میں
۲۶ حافظ ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری مستدرک میں
۲۷ حافظ سلیمان بن احمد طبرانی اوسط میں
۲۸ ابن اثیر جزری اُسد الغابہ میں
۲۹ یوسف سبط ابن جوزی تذکرہ خواص الامۃ ص ۱۷ میں
۳۰ ابو عمر احمد بن عبد ربہ عقد الفرید میں
۳۱ علامہ سمہودی جواہر العقدین میں
۳۲ ابن تیمیہ احمد ابن عبد الحلیم منہاج السنۃ میں
۳۳ ابن حجر عسقلانی فتح الباری اور تہذیب التہذیب میں
۳۴ ابو القاسم محمد بن عمر جار اللہ زمخشری ربیع الابرار میں

۳۵ ابوسعید سجستانی کتاب الدرایۃ فی حدیث الولایۃ میں
۳۶ عبیداللہ بن عبداللہ حسکانی دعاۃ الہدیٰ الی اداحق الموالات میں
۳۷ رزین بن معاویۃ العبدری جمع بین الصحاح الستہ میں
۳۸ امام فخرالدین رازی کتاب الاربعین میں کہتے ہیں کہ اس حدیث شریف پر تمام اُمّت نے اجماع کیا ہے
۳۹ مقبلی احادیث المتواترہ میں
۴۰ جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء میں
۴۱ میر سید علی ہمدانی مودۃ القربیٰ میں
۴۲ ابوالفتح نطنزی خصائص العلوی میں
۴۳ خواجہ پارسائے بخاری فصل الخطاب میں
۴۴ جمال الدین شیرازی کتاب الاربعین میں
۴۵ عبدالرؤف المناوی فیض القدیر فی شرح جامع الصغیر میں
۴۶ محمد بن یوسف گنجی شافعی کفایت الطالب باب میں
۴۷ یحییٰ بن شرف النووی کتاب تہذیب الاسماء واللغات میں
۴۸ ابراہیم بن محمد حموینی فرائد السمطین میں
۴۹ قاضی فضل اللہ بن روزبہان ابطال الباطل میں
۵۰ شمس الدین محمد بن احمد شربینی سراج المنیر میں
۵۱ ابوالفتح شہرستانی شافعی ملل و نحل میں
۵۲ حافظ ابوبکر خطیب بغدادی اپنی تاریخ میں
۵۳ حافظ ابن عساکر ابوالقاسم دمشقی تاریخ کبیر میں
۵۴ ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ میں
۵۵ علاؤالدین سمنانی عروۃ الوثقیٰ میں
۵۶ ابن خلدون اپنی تاریخ کے مقدمے میں
۵۷ مولوی علی متقی ہندی کنز العمال میں
۵۸ شمس الدین الوالخیر دمشقی اسنی المطالب میں
۵۹ سید شریف جرجانی حنفی شرح مواقف میں
۶۰ نظام الدین نیشاپوری تفسیر غرائب القرآن میں

طبری، ابن عقدہ اور ابن حدّاد

غرض کہ جس قدر میرے حافظے میں محفوظ تھا عرض کر دیا ورنہ آپ کے تین سو سے زائد اکابر علماء نے مختلف طریقوں سے حدیث غدیر، آیات تبلیغ واکمال دین اور صحن مسجد کی گفتگو کو سو نفر سے زیادہ اصحاب رسولؐ کے اسناد سے نقل کیا ہے۔ اگر میں تمام روات اور اُن کے اسماء کی فہرست پیش کرنا چاہوں تو ایک مستقل کتاب تیار ہو جائے گی۔ لہٰذا میرا خیال ہے کہ تواتر کو ثابت کرنے کے لئے نمونے کے طور پر اسی قدر نام کافی ہوں گے۔

آپ کے بعض اکابر علماء نے اس موضوع پر پوری پوری کتابیں لکھی ہیں، جیسے چوتھی صدی کے مشہور مفسر و مورخ جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ہجری نے کتاب الولایۃ میں جو مستقل طور پر حدیث غدیر کے بارے میں لکھی ہے۔ پچہتر طریقوں سے اس کی روایت کی ہے۔

حافظ ابوالعباس احمد بن سعید بن عبدالرحمٰن الکوفی معروف بابن عقدہ متوفی ۳۳۳ھ نے کتاب الولایۃ میں اس حدیث

شریف کو ایک سو چھبیس طریقوں سے ایک سو چھبیس صحابۂ رسولؐ کے اسناد سے پوری تحقیقات کے ساتھ نقل کیا ہے۔

اور ابن حداد حافظ ابوالقاسم حسکانی متوفی ۴۹۲ھ ہجری نے کتاب الولایۃ میں واقعۂ غدیر کو نزول آیات کے ساتھ تفصیل سے نقل کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ (سوا تھوڑے سے متعصب مخالفین کے) آپ کے سبھی محققین علماء و فضلاء نے سلسلۂ روایت کے ساتھ حضرت رسولؐ خدا سے نقل کیا ہے کہ اس روز (۱۸ ذی الحجہ کو) حجۃ الوداع کے سال آں حضرت نے علی علیہ السّلام کو منصب ولایت پر نصب فرمایا۔

یہاں تک کہ خلیفہ عمر ابن الخطاب نے تمام اصحاب سے پہلے مسرّت کا اظہار فرمایا اور حضرت کا ہاتھ پکڑ کر کہا بخٍ بخٍ لک یا علی اصبحت مولای و مولیٰ کل مؤمن و مومنۃ (مبارک ہو۔ مبارک ہو (بخ بخ اسم فعل ہے جو کسی موقع پر مدح اور اظہار مسرّت کے لئے کہا جاتا ہے اور اُس کی تکرار مبالغے کے لئے ہے) اے علی تم نے ایسی حالت میں صبح کی کہ میرے آقا و مولا اور ہر مومن و مومنہ کے آقا و مولا ہو گئے)

امور مسلّمہ میں سے ہے کہ یہ حدیث شریف فریقین کے نزدیک متواترات میں سے ہے۔

عُمر کو جبرئیل کی نصیحت

فقیہ شافعی میر سیّد علی ہمدانی جو آٹھویں صدی ہجری میں آپ کے موثق فضلا و فقہاء اور علماء میں سے تھے۔ کتاب مودۃ القربیٰ کی مودت پنجم میں لکھتے ہیں کہ صحابہ کی بہت بڑی جماعت نے مختلف مقامات پر خلیفہ عمر ابن خطاب سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا نصب رسول اللّٰہ علیًا علمًا یعنی رسولؐ خدا نے علیؑ کو بزرگ و سردار اور رہنمائے قوم مقرر فرمایا۔ مجمع عام میں ان کی مولائیت کا اعلان فرمایا۔ اور ان کے دوستوں اور دشمنوں کے حق میں دُعا و بد دُعا کرنے کے بعد عرض کیا اللّٰھمّ انت شھیدی علیھم خداوندا تو ان لوگوں پر میرا گواہ ہے (یعنی میں نے تبلیغ رسالت کر دی)

اس موقع پر ایک جوان رعنا حسن صورت اور لوئے خوش کے ساتھ میرے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔ اُس نے مجھ سے کہا لقد عقد رسول اللّٰہ عقدًا لا یحلہ الا المنافق فاحذر ان تحلہ (یعنی بتحقیق رسولؐ اللہ نے ایسا عہد باندھا ہے جس کو سوا منافق کے اور کوئی نہیں توڑے گا۔ پس اے عمر تم بچو اس سے کہ اس کے توڑنے یا کھولنے والے بنو۔ (مطلب یہ کہ اگر ایسا ہوا تو تمہارا شمار منافقین میں ہو گا)

میں نے رسولؐ اللہ سے عرض کیا کہ جس وقت آپ علیؑ کے بارے میں تقریر فرما رہے تھے اس وقت میرے پہلو میں ایک خوش رو اور خوشبو جوان بیٹھا ہوا تھا جس نے مجھ سے ایسی بات کہی آں حضرت نے فرمایا انہ لیس من ولد اٰدم لکنہ جبرئیل اراد ان یؤکد علیکم ما قلتہ فی علی (علیہ السّلام) یعنی وہ اولاد آدم میں سے نہیں تھا۔ بلکہ

جبرئیل امین سمجھے (جو اس صورت میں ظاہر ہوئے) اور انہوں نے اس کی تاکید کرنا چاہی جو میں نے علی کے بارے میں کہا تھا۔

اب میں آپ حضرات سے انصاف چاہتا ہوں کہ آیا یہ مناسب تھا کہ دو ہی مہینے کی مدّت میں ایسے مضبوط عہد و پیمان کو توڑ دیا جائے جو رسُول اللہ نے بحکم خدا ان لوگوں کے ساتھ باندھا تھا، بیعت سے انحراف کریں، ہوا و ہوس میں بھنس کے حق کو پس پشت ڈال دیں اور وہ کچھ کریں جو نہ کرنا چاہیئے تھا اُن کے دروازے پر آگ لے جائیں، اُن کے اُوپر تلوار اٹھائیں، اہانت کریں اور جبر و اکراہ، ایک ہنگامہ اور فساد برپا کر کے توہین و تذلیل کے ساتھ ڈرا دھمکا کر بیعت کے لئے مسجد میں لے جائیں؟

حافظ۔ مجھ کو آپ کے ایسے جلیل القدر مہذب سیّد سے یہ توقع نہیں تھی کہ اصحاب رسولؐ کی طرف ہوا پرستی کی نسبت دیں گے، حالانکہ آنحضرت نے اصحاب کو قوم کی ہدایت کا ذریعہ قرار دیا تھا جیسا کہ ارشاد ہے اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھدیتم (یعنی میرے اصحاب ستاروں کے مانند ہیں، ان میں سے جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔

اقتدائے اصحابؓ کی حدیث غیر معتبر ہے

خیر طلب۔ پہلی درخواست تو میری یہ ہے کہ بار بار ایک ہی بات نہ دہرایئے۔ ابھی ابھی آپ اس حدیث سے استدلال کر چکے ہیں اور میں جواب عرض کر چکا ہوں کہ اصحاب بھی دوسرے لوگوں کی طرح جائز الخطا تھے، پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ معصوم نہیں تھے تو اگر دلیل کے ساتھ اُن میں سے کسی کی طرف ہوا پرستی کی نسبت دی جائے تو کونسی حیرت کی بات ہے؟ دوسرے آپ کے خیالات کو صاف کرنے اور یاد دہانی کے لئے چاہتا ہوں کہ پھر جواب عرض کر دُوں تاکہ اس کے بعد آپ ایسی کمزور حدیثوں کا سہارا نہ لیں۔ چونکہ آپ نے تجدید کلام فرمائی ہے لہٰذا میں بھی تکرار جواب کر رہا ہوں۔ خود آپ کے اکابر علماء کی بحث و تحقیق کی بنا پر یہ حدیث قابل اعتبار نہیں۔ جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ قاضی عیاض مالکی نے آپ کے اجلّہ علماء سے نقل کیا ہے کہ اس کے سلسلہ روایات میں چونکہ مجہول الحال راوی حارث بن قضین اور حمزہ نصیبی کا نام بھی شامل ہے جس پر کذب و دروغ گوئی کا الزام ہے لہٰذا یہ قابل نقل نہیں ہے۔ نیز قاضی عیاض نے شرح شفاء میں اور تعدیل احادیث کے نقاد بیہقی نے اپنی کتاب میں خود اس حدیث کو موضوع بنایا ہے اور اس کی سند کو ضعیف و مردود شمار کیا ہے۔

بعض صحابہ ہوائے نفس کے تابع اور حق سے منحرف ہو گئے

تیسرے میں تہذیب و ادب سے ہٹ کے ہرگز کوئی بات نہیں کہتا، میں تو وہی کہتا ہوں جو خود آپ کے علماء لکھ چکے ہیں بہتر ہو گا کہ آپ حضرات فاضل تفتازانی کی شرح مقاصد ملاحظہ فرمایئے جس میں وہ جیسا میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں صاف

صاف لکھتے ہیں کہ صحابہ کے درمیان چونکہ کثرت سے اختلافات، عداوتیں اور لڑائیاں رونما ہوئیں۔ لہٰذا پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ راہِ حق سے منحرف ہو کر ہوائے نفس کے تابع ہو گئے تھے بلکہ ظالم اور فاسق تھے۔

پس ہر وہ فرد یا جماعت قابلِ احترام نہیں کبھی جا سکتی۔ جس نے رسولِ اکرمؐ کی مصاحبت پالی بلکہ احترام ان کے اعمال و کردار کا ہے، اگر وہ اہلِ نفاق نہیں تھے بلکہ رسول اللہ کے مطیع و فرمانبردار تھے اور آں حضرتؐ کے احکام و ہدایات کے برخلاف عمل نہیں کرتے تھے تو یقیناً بزرگ و محترم ہوں گے اور ان کی خاکِ قدم ہمارے لئے سُرمۂ چشم ہوگی۔

صاحبانِ انصاف یا تو آپ کو یہ کہنا چاہیئے کہ آپ کی معتبر کتابوں میں کثرت کے ساتھ جو اخبار و احادیث امیر المومنین علی علیہ السلام سے جنگ کرنے کے بارے میں وارد ہوئے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا علیؑ سے جنگ کرنا مجھ سے جنگ کرنا ہے یہ سب بے بنیاد ہیں۔ یا اگر تصدیق کیجئے گا کہ اس طرح کی حدیثیں اور روایتیں انتہائی معتبر ہیں، اس لئے کہ سلسلۂ اسنادِ صحیحہ کے ساتھ آپ کے اکابر علماء کی کتابوں میں منقول ہیں (علاوہ اُس تواتر کے جو علماء شیعہ کی معتبر کتابوں میں موجود ہے) تو آپ کو یہ ماننے پر مجبور ہونا پڑے گا کہ متعدد اصحاب فاسد، کھوٹے اور باطل پرست تھے۔ مثلاً معاویہ، عمرو عاص، ابوہریرہ، سمرہ بن جندب، طلحہ اور زبیر وغیرہ جو علی سے جنگ کرنے اُٹھے، کیونکہ علیؑ سے جنگ کرنا رسولِ خدا سے جنگ کرنا تھا۔

اور چونکہ انہوں نے رسول اللہ سے جنگ کی لہٰذا قطعاً حق سے برگشتہ تھے۔ پس اگر ہم نے کہہ دیا کہ بعض صحابہ ہوا و ہوس کے تابع ہو گئے تو غلط نہیں کہا بلکہ دلیل و برہان کے ساتھ کہا ہے۔ علاوہ اس کے ہم اس دعوے میں تنہا نہیں ہیں کہ بعض صحابہ فاسق و ظالم تھے اور حق سے منحرف ہو کر منافقین میں شامل تھے، بلکہ آپ کے اکابر علماء سے اس کی سند لیتے ہیں۔

صحابہ کی عہد شکنی پر امام غزالی کا قول

آپ اگر کتاب سر العالمین مؤلفہ حجۃ الاسلام ابو حامد محمد بن محمد غزالی طوسی کا مطالعہ کریں تو ہرگز ہم پر ایراد نہ کریں۔ مجبوراً میں اُس کے چوتھے مقالے کا ایک حصّہ اثباتِ حق کے لئے پیش کرتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں اسفرت الحجة وجهها واجمع الجماهير على متن الحديث عن خطبة يوم غدير خم باتفاق الجميع وهو يقول من كنت مولاه فعلیٌّ مولاه فقال عمر بخ بخ لك يا ابا الحسن لقد اصبحت مولای ومولیٰ كل مومن ومومنة۔ هٰذا تسليم و رضی وتحكيم۔ ثم بعد هٰذا غلب الهویٰ لحبّ الرياسة وحمل عمود الخلافة وعقود البنود و خفقان الهویٰ فی قعقعة الرايات واشتباك ازدحام الخيول وفتح الامصار سقاهم كاس الهوی فعادوا الی الخلاف الاول فنبذوه وراء ظهورهم واشتروا به ثمنا قليلا فبئس ما يشترون۔ ولمّا مات رسول الله قال قبل وفاته ایتونی بدولت وبياض

روبیضا نسخۃ) اونزیل عنکم اشکال الامر واذکر لکم من المستحق لو ابعدی قال عمر دعوا الرجل فانہ لیہجر۔ وقیل بھذا افاذا بطل تعلقکم بتاویل النصوص تعدتم الی الاجماع وھذا منقوض ایضًا فانّ العباس واولادہ وعلیا وزوجتہ واولادہ لم یحضروا حلقۃ البیعۃ وخالفکم اصحاب السقیفۃ فی مبایعۃ الخزرجی ثمّ خالفھم الانصار۔

دیکھئے جہت و برہان کا چہرہ روشن ہوگیا اور خطبہ روزِ غدیرِ خم کے متن حدیث پر متفقہ حیثیت سے جمہور مسلمین کا اجماع ہے کہ رسُول اللہ نے فرمایا جس کا مولا و آقا میں ہوں علیؑ بھی اس کے مولا و آقا ہیں، پس فوراً عمر نے کہا مبارک ہو مبارک ہو تم کو اے ابوالحسن (علی)، کو تم میرے مولا و آقا اور سردار اور ہر مومن و مومنہ کے مولا و آقا ہو گئے اس قسم کی مبارک باد کا کھلا ہوا مطلب فرمانِ رسولؐ کا مان لینا اور حکومت و خلافت علیؑ کو بہ رضا و رغبت قبول کرنا ہے) لیکن اس کے بعد اُن پر نفس امارہ غالب آگیا، مسند ریاست خلافت کی عمارت بلند کرنے، حکومت کا سہارا باندھنے، پھر پھراتے پھریروں میں، ہوا کی سنسناہٹ، گروہ در گروہ سواروں اور پیادوں کے ہجوم اور شہروں کو فتح کرنے کی محبت میں خواہش نفسانی کی شراب نوش کی اپنی پچھلی عادتوں کی طرف پلٹ گئے، خدا و رسُولؐ کے حکم کو پسِ پشت ڈال دیا اور دین کو دنیا کے بدلے بیچ ڈالا اور ان لوگوں نے خدا کے ساتھ کیا بُرا معاملہ کیا۔ جب رسُول کی موت کا وقت قریب آیا تو آں حضرتؐ نے اپنی وفات سے قبل فرمایا کہ کاغذ اور قلم دوات لاؤ تاکہ میں تمہاری مشکل رفع کردوں اور اپنے بعد امر خلافت کا مستحق بتا جاؤں؛ لیکن عمر نے کہا کہ اس شخص کو چھوڑ دیہ (معاذ اللہ) ہذیان بک رہا ہے۔ پس جب قرآن و حدیث کی تاویل سے تمہارا کام نہیں چلا تو تم نے اجماع کا سہارا لیا حالانکہ اسی طرح سقیفہ والوں نے بھی خزرجی کی بیعت سے اختلاف کیا پھر انصار نے بھی مخالفت کی۔

پس حضرات یاد رکھئے کہ جو کچھ آپ کے بڑے بڑے انصاف پسند علماء کہتے ہیں وہی بات شیعہ بھی کہتے ہیں لیکن چونکہ آپ ہم لوگوں سے بدگمانی رکھتے ہیں لہذا ہماری باقاعدہ باتوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور اپنے علماء پر کوئی گرفت نہیں کرتے کہ انہوں نے لکھا کیوں، بلکہ تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہیں۔ حالانکہ انہوں نے از روئے علم و انصاف حق کو ظاہر کیا اور واقعات کی حقیقت کو صفحات تاریخ کے حوالے کر گئے۔

شیخ ۔ کتاب سر العالمین امام غزالی کی تصنیف نہیں ہے اور اُن کی منزل اس سے بلند ہے کہ ایسی کتاب لکھیں۔ چنانچہ خاص خاص علماء بھی اس کے قائل ہیں کہ یہ کتاب ان بزرگوار عالی مقام کی نہیں ہے۔

سر العالمین امام غزالی کی کتاب ہے

خیر طلب۔ آپ کے متعدد علماء نے تصدیق کی ہے کہ یہ کتاب امام غزالی کی لکھی ہوئی ہے۔ اس وقت جو کچھ میرے پیش نظر ہے عرض کرتا ہوں کہ یوسف سبط ابن جوزی نے جو بہت نکتہ رس تھے اور نقل مطالب میں بہت احتیاط سے قلم اٹھاتے تھے اس کے علاوہ غنیت ہیں بھی متعصب تھے تذکرہ خواص الامۃ میں اسی موضوع پر بحوالہ سر العالمین امام غزالی کے قول سے استدلال کیا ہے اور یہی عبارتیں نقل کی ہیں جو میں نے پیش کیں اور چونکہ ان باتوں پر کوئی تنقید نہیں کی ہے لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ اول تو وہ اس چیز کی تصدیق کرتے ہیں کہ یہ کتاب امام غزالی ہی کی ہے، دوسرے موصوف کے ان اقوال سے بھی موافقت کرتے ہیں جو میں نے وقت کے لحاظ سے مختصر طور پر عرض کئے ہیں لیکن انہوں نے تفصیل اور زیادتی کے ساتھ نقل کئے ہیں ورنہ ان پر نقد و تبصرہ فرما کرتے البتہ آپ کے متعصب علماء جب اس قسم کے حقائق اور اکابر علماء کے بیانات سے دوچار ہوتے ہیں اور کوئی منطقی جواب دینے سے عاجز ہوتے ہیں تو یا یہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ کتاب اس عالم کی تالیف ہی نہیں ہے یا ان کی طرف تشیع کی نسبت دینے لگتے ہیں۔ بلکہ اگر ممکن ہو تو ان صاحبان انصاف کو فاسق اور کافر کہہ کے بالکل جڑ ہی کاٹ دیتے ہیں کہ انہوں نے انصاف کی بات کیوں کہی اور حق و حقیقت کا انکشاف کیوں کیا؟ اس لئے کہ ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز
ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

ابن عقدہ کی حالت

چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ آپ کے بہت سے اکابر علماء حق گوئی اور حق نگاری کی وجہ سے اپنی زندگی ہی میں حیران و پریشان اور حقیر و بے بس ہو گئے اور اُن کی کتابوں کا پڑھنا متعصب علماء اور بے خبر عوام نے حرام سمجھ لیا۔ یہاں تک کہ اس خطا میں ان کو قتل کر دیا گیا۔

مثلاً حافظ ابن عقدہ ابو العباس احمد بن محمد بن سعید ہمدانی متوفی ۳۳۳ ہجری جو آپ کے جلیل القدر علماء میں سے ہیں۔ اور آپ کے علماء رجال جیسے ذہبی اور یافعی وغیرہ نے اُن کی توثیق کی ہے اور اُن کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کو مع اسناد تین لاکھ حدیثیں یاد تھیں اور بہت ثقہ اور سچے تھے۔ لیکن چونکہ تیسری صدی ہجری میں کوفہ اور بغداد کے اندر عام مجمعوں میں شیخین (ابوبکر و عمر) کے عیوب اور بُرائیاں بیان کر دیتے تھے لہٰذا لوگ ان کو رافضی کہتے تھے اور اُن کی روایتیں نقل کرنے

سے پرہیز کرتے تھے۔ چنانچہ ابن کثیر، ذہبی اور یافعی نے اُن کے بارے میں لکھا ہے۔ ان هذا الشیخ کان یجلس فی جامع براثا ویحدث الناس بمثالب الشیخین ولذا ترکت روایاته فلا کلام لاحد فی صدقه وثقته (یعنی شیخ ابن عقدہ جامع براثا میں (مسجد براثا بغداد اور کاظمین کے درمیان مشہور جگہ ہے) بیٹھ کر لوگوں کے سامنے شیخین (ابوبکر و عمر) کے معائب نقل کرتے تھے اسی وجہ سے ان کی روایتیں ترک کردی گئیں ورنہ اُن کے سچے اور معتبر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے)

اور خطیب بغدادی نے بھی اپنی تاریخ میں اُن کی تعریف کی ہے لیکن آخر میں کہتے ہیں کہ انه کان خرج مثالب الشیخین وکان رافضیا (یعنی یہ شیخین کے معائب و مثالب بیان کرتے تھے لہٰذا رافضی تھے) پس آپ حضرات اس خیال میں نہ رہیں کہ صرف شیعہ ہی ان حقائق کو بیان کرتے ہیں بلکہ خود آپ کے اکابر علماء جیسے امام غزالی اور ابن عقدہ وغیرہ بھی کبار صحابہ کے عیوب و نقائص نقل کرتے تھے۔

طبری کی موت

تاریخ کے ہر دور میں کثرت سے اس قسم کے علماء و دانشمند گزرے ہیں جو حق کہنے اور حق لکھنے کے جرم میں متروک و مردود قرار دئے گئے یا قتل ہوئے جیسے تیسری صدی ہجری کے مشہور معروف مفسر و مورخ محمد بن جریر طبری جو آپ آپ کے اکابر علماء کے اندر مایۂ ناز تھے جب ۳۱۰ھ ہجری میں چھیاسی سال کی عمر میں بغداد کے اندر فوت ہوئے تو لوگوں نے دن کو ان کا جنازہ ہی نہیں اُٹھنے دیا اور فساد پر آمادہ ہُوئے لہٰذا مجبوراً اُن کی میت رات کے وقت انہیں کے گھر میں دفن کی گئی۔

امام نسائی کا قتل

تمام واقعات سے عجیب تر امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن علی نسائی کے قتل کا واقعہ ہے جو بہت جلیل القدر اور آئمہ صحاح ستہ میں سے تھے اور جو تیسری صدی ہجری کے اواخر میں آپ کے سرمایۂ افتخار اکابر علماء میں سے تھے۔ اس واقعہ کی مختصر کیفیت یہ ہے کہ جب یہ ۳۰۳ھ ہجری میں دمشق پہنچے تو دیکھا کہ بنی اُمیہ کے غلط پروپگنڈوں سے متاثر ہو کر وہاں کے باشندے ہر نماز کے بعد حتیٰ کہ ہر نماز جمعہ کے خطبے میں امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام پر علانیہ سب و شتم اور لعنت کرتے ہیں، ان کو بہت صدمہ ہوا اور انہوں نے طے کر لیا کہ امیر المومنین علیہ السلام کے فضائل میں رسُولِ خدا کی جو معتبر حدیثیں اپنے سلسلۂ اُستاد کے ساتھ ان کو یاد ہیں اُن کو جمع کریں گے۔

چنانچہ حضرت کے مراتب عالیہ اور فضائل کاملہ کے اثبات میں کتاب خصائص العلوی لکھی اور برسر منبر اس کتاب کو

اور اُس کی حدیثوں کو پڑھ کے آپ کے فضائل و مناقب نشر کرتے تھے۔

ایک روز منبر پر یہ فضیلتیں بیان کر رہے تھے کہ جاہل اور متعصب لوگوں نے ہجوم کر کے ان کو منبر سے نیچے کھینچ لیا، سخت زد و کوب کی، ان کے انثیین کو کوٹا اور آلۂ تناسل کو پکڑ کے کھینچتے ہوئے مسجد کے باہر لے جا کر ڈال دیا۔ چنانچہ انہیں سخت ضربات اور لاتوں گھونسوں کی چوٹ سے چند روز کے بعد وفات پائی اور حسبِ وصیت ان کی میت مکہ معظمہ لے جا کر دفن کر دی گئی۔

اسی طرح کی حرکات اس قوم کے بغض و عناد، جہل مرکب اور احمقانہ تعصبات کے نتائج ہیں جو اپنے بزرگانِ ملت کو اس جرم میں ذلیل و رسوا اور تفسیق کرتے ہیں کہ انہوں نے سچی بات کیوں کہی اور حقائق کو بے نقاب کیوں کیا؟ حالانکہ اتنا نہیں سمجھتے کہ حق کو جس قدر چھپایا جائے گا اسی قدر آفتاب کی طرح چمکے گا اور باطل کے پردے چاک ہوں گے۔

خلاصہ یہ کہ میں معذرت چاہتا ہوں کہ مطلب سے دُور ہو گیا ورنہ مقصد یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کے مقام ولایت کو صرف علمائے شیعہ ہی نے تحریر نہیں کیا ہے بلکہ آپ کے بڑے بڑے علماء نے بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے ستر ہزار یا ایک لاکھ بیس ہزار کے سامنے علیؑ کو اپنے ہاتھوں پر بلند کر کے اُمت کی امامت کے لئے نامزد فرمایا۔

لفظِ مولیٰ میں اشکال

حافظ۔ اس قضیئے کے محل وقوع اور اصل حدیث میں کوئی شک و شبہ اور اشکال نہیں ہے لیکن اس اہمیت اور آب و تاب کے ساتھ نہیں جس طرح آپ نے بیان فرمایا۔

اس کے علاوہ متن حدیث میں بعض ایسے اشکال موجود ہیں جو آپ کے نقطۂ نظر اور مقصد سے مطابقت نہیں کرتے۔ من جملہ اُن کے لفظ مولا کے اندر بھی یہی بات ہے جس کے لئے اپنی تقریر کے سلسلے میں آپ نے ثابت کرنا چاہا ہے کہ مولیٰ اولیٰ بتصرف کے معنی میں ہے حالانکہ یہ طے ہو چکا ہے کہ اس حدیث میں مولیٰ کے معنی محب و ناصر اور دوست کے ہیں، کیونکہ پیغمبر جانتے تھے کہ علی کرم اللہ وجہہ کے دشمن بہت ہیں لہٰذا آپ نے چاہا کہ وصیت کر کے اُمت کو بتا دیں کہ جس کا محب و دوست اور ناصر میں ہوں، علیؑ بھی اُس کے محب و دوست اور ناصر ہیں اور اگر لوگوں سے کوئی بیعت لی ہے تو محض اس لئے کہ آں حضرت کے بعد علی کرم اللہ وجہہ کو اذیت نہ پہنچائیں۔

خیر طلب۔ میرا خیال ہے کہ کبھی کبھی آپ زبردستی اور خواہ مخواہ اپنے اسلاف و عادات کی پیروی کرنے لگتے ہیں، ورنہ اگر تھوڑا سا غور کریں، اپنے علم و انصاف سے کام لیں اور قرائن پر توجہ کریں تو حق و حقیقت پوری طرح ظاہر و آشکار ہو جائے۔

حافظ۔ کون سے قرائن کے ساتھ آپ ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ مہربانی کر کے بیان فرمائیے۔

اولیٰ بہ تصرف کے معنی اور آیۂ بلغ

خیر طلب ۔ سب سے پہلا قرینہ قرآن مجید اور آیۂ ۷۱ سورہ ۵ (مائدہ) ہے یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ واللہ یعصمک من الناس (یعنی اے رسولؐ جو کچھ تم پر خدا کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کو اُمت تک پہنچا دو ! کیونکہ اگر ایسا نہ کرو گے تو گویا تم نے تبلیغ رسالت کا فرض ہی انجام نہیں دیا۔ اور اللہ تم لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا)

حافظ ۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ یہ آیت اس روز اور اس مقصد کے لئے نازل ہوئی ؟

خیر طلب ۔ آپ کے فحول علماء جیسے جلال الدین سیوطی نے درمنثور جلد دوم ص ۲۹۸ میں، حافظ ابن ابی حاتم رازی نے تفسیر غدیر میں، حافظ ابو جعفر طبری نے کتاب الولایۃ میں، حافظ ابو عبداللہ محاملی نے امالی میں، حافظ ابوبکر شیرازی نے ما نزل من القرآن فی امیر المومنین میں، حافظ ابو سعید سجستانی نے کتاب الولایۃ میں، حافظ ابن مردویہ نے آیت کی تفسیر میں، حافظ ابو قاسم حسکانی نے شواہد التنزیل میں، ابوالفتح نطنزی نے خصائص العلوی میں، معین الدین میبدی نے شرح دیوان میں، قاضی شوکانی نے فتح القدیر جلد سوم ص ۵۷ میں، سید جمال الدین شیرازی نے اربعین میں، بدرالدین حنفی نے عمدۃ القاری فی شرح صحیح البخاری جلد ہشتم ص ۵۸۴ میں، امام اصحاب حدیث احمد ثعلبی نے تفسیر کشف البیان میں، امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر جلد سیم ص ۶۳۶ میں، حافظ ابو نعیم اصفہانی نے ما نزل من القرآن فی علی میں، ابراہیم بن محمد حموینی نے فرائد السمطین میں، نظام الدین نیشاپوری نے اپنی تفسیر جلد ششم ص ۱۷۰ میں، سید شہاب الدین آلوسی بغدادی نے روح المعانی جلد دوم ص ۳۴۸ میں، نورالدین بن صباغ مالکی نے فصول المہمہ ص ۲۷ میں، علی بن احمد واحدی نے اسباب النزول ص ۱۵۰ میں، محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول ص ۱۶ میں، میر سید علی ہمدانی شافعی نے مودۃ القربیٰ مودت پنجم میں اور شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۳۹ میں، خلاصہ یہ کہ جہاں تک میں نے دیکھا ہے خود آپ کے تقریباً تیس علماء اعلام نے اپنی معتبر ترین کتب و تفاسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیۂ شریفہ روز غدیر خم امیر المومنین علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی یہاں تک کہ قاضی روزبہان بھی باوجود اپنے انتہائی عناد و ضد اور تعصب کے لکھتے ہیں کہ فقد ثبت ھذا فی الصحاح (یعنی تحقیق کہ یہ قضیہ ہماری صحاح معتبر میں ثابت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ نے علیؑ کا بازو تھام کر فرمایا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ اور تعجب یہ ہے کہ انہیں متعصب قاضی صاحب نے کشف الغمۃ میں رزین بن عبداللہ سے ایک عجیب روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا ہم لوگ رسولِ خدا کے زمانہ میں اس آیت کو یوں پڑھتے تھے یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ان علیا مولی المومنین فان لم تفعل فما بلغت رسالتہ (یعنی اے پیغمبرؐ جو کچھ خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے "یعنی یہ کہ علی علیہ السلام مومنین کے اُمور میں اولیٰ بتصرف ہیں" اس کو

لوگوں تک پہنچا دو۔ پس اگر تم نے ایسا نہ کیا تو گویا تبلیغ رسالت کا فریضہ ہی پورا نہیں کیا)
نیز سیوطی نے درمنثور میں ابن مردویہ سے، ابن عساکر اور ابن ابی حاتم نے ابوسعید خدری اور عبداللہ ابن مسعود (کاتب وحی)
سے اور قاضی شوکانی نے تفسیر فتح القدیر میں نقل کیا ہے کہ زمانۂ رسولؐ میں ہم بھی اس آیت کو اسی طرح پڑھتے تھے۔
غرضیکہ آیۂ مبارکہ میں اس تاکید بلکہ تہدید سے کہ اگر اس امر کی تبلیغ نہ کرو گے تو گویا رسالت کا کوئی کام ہی انجام نہیں دیا
صاف صاف پتہ چلتا ہے کہ آں حضرت جس اہم اور عظیم امر کی تبلیغ پر مامور ہوئے تھے وہ مقام رسالت ہی کے قدم بہ قدم تھا اور
قطعاً وہ امامت و وصایت اور اولیٰ بتصرف ہونے کا معاملہ تھا جو رسولِ خدا کے بعد دین و احکام الٰہی کا محافظ اور نگہبان ہے۔

غدیر خم میں

آیۂ اکملت لکم دینکم

دوسرا قرینہ آیت ۵ سورہ ۵ (مائدہ) کا نزول ہے جس میں تکمیل دین کے لئے ارشاد ہے۔ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (یعنی آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو ایک پاکیزہ دین قرار دیا)

حافظ - مسلّم تو یہ ہے کہ یہ آیت روز عرفہ نازل ہوئی ہے اور کسی عالم نے اس کا نزول روز غدیر میں نہیں بتایا ہے۔

خیر طلب - میری درخواست ہے کہ تقریر کے وقت انکار میں جلدی نہ فرمایا کیجئے کیونکہ شاید اثبات کا کوئی راستہ موجود ہی ہو۔ بلکہ مطالب کے بیان میں احتیاط کو مدنظر رکھا کیجئے تاکہ جواب ملنے پر ندامت کی زحمت نہ ہو۔

میں مانتا ہوں کہ آپ کے بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت عرفہ میں نازل ہوئی لیکن آپ ہی کے اکابر علماء کی ایک بڑی جماعت نے روز غدیر میں اس کا نازل ہونا نقل کیا ہے۔ نیز آپ کے چند علماء کا قول ہے کہ غالباً یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ایک مرتبہ غروب عرفہ کے وقت اور ایک مرتبہ غدیر میں۔ چنانچہ سبط ابن جوزی، تذکرہ خواص الامہ آخر ص۱۸ میں کہتے ہیں کہ احتمل ان الایۃ نزلت مرتین مرۃ بعرفۃ و مرۃ یوم الغدیر کما نزلت "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" مرتین مرۃ بمکہ و مرۃ بالمدینۃ (یعنی احتمال ہے کہ یہ آیت دو مرتبہ نازل ہوئی ایک مرتبہ عرفہ میں، اور ایک مرتبہ روز غدیر، جیسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم دو مرتبہ نازل ہوئی ایک مرتبہ مکہ میں اور ایک مرتبہ مدینہ میں)

ورنہ آپ کے موثق اکابر علماء جیسے جلال الدین سیوطی نے درمنثور جلد دوم ص۲۵۶ اور اتقان جلد اول ص۳۱ میں، امام المفسرین ثعلبی نے کشف البیان میں، حافظ ابونعیم اصفہانی نے ما نزل من القرآن فی علی میں، ابوالفتح نطنزی نے خصائص العلوی میں ابن کثیر شامی نے اپنی تفسیر جلد دوم ص۱۴ میں، حافظ ابن مردویہ کے طریق سے، تیسری صدی ہجری کے مفسر اور مورخ عالم

محمد بن جریر طبری نے تفسیر کتاب الولایہ میں، حافظ ابوالقاسم حسکانی نے شواہد التنزیل میں، سبط ابن جوزی نے تذکرۃ خواص الامۃ صفہ میں، ابواسحاق حموینی نے فرائد السمطین باب دوازدہم میں، ابوسعید سجستانی نے کتاب الولایۃ میں خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد جلد ہشتم صفہ۲۹ میں، ابن مغازلی فقیہ شافعی نے مناقب میں، ابوالموئد موفق بن احمد خوارزمی نے مناقب فصل چہاردہم اور مقتل الحسین فصل چہارم میں نیز آپ کے دوسرے علماء نے لکھا ہے کہ غدیر خم کے روز جب رسولؐ اللہ نے بحکم الٰہی علیؑ علیہ السلام کو لوگوں کے سامنے نمایاں کر کے منصب ولایت پر معیّن فرمایا۔

علیؑ کے بارے میں جس امر پر مامور تھے اس کی تبلیغ فرمائی اور آپ کو اپنے ہاتھوں پر اس قدر بلند فرمایا کہ دونوں بغلوں کی سفیدی نمودار ہو گئی تو اس وقت اُمّت سے ارشاد فرمایا کہ سلموا علیٰ علیّ بامرۃ المومنین (یعنی امارت مومنین کے ساتھ علیؑ پر سلام کرو اور ساری اُمّت نے اس کی تعمیل کی۔ ابھی ایک دُوسرے سے الگ نہیں ہوئے تھے کہ مذکورہ آیہ شریفہ نازل ہوئی۔

خاتم الانبیاء اس آیت کے نازل ہونے سے بہت خوش ہوئے لہٰذا حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اللہ اکبر علیٰ اکمال الدین وا تمام النعمۃ ورضا الرب برسالتی والولایۃ لعلی ابن ابی طالب بعدی (یعنی اللہ بزرگ ہے جس نے دین کو کامل اور نعمت کو تمام کیا اور میری رسالت اور میرے بعد علیؑ کی ولایت پر راضی ہوا)۔

امام حسکانی اور امام احمد ابن حنبل نے تو اس قضیے کو پوری تفصیل سے نقل کیا ہے اگر آپ حضرات تھوڑی دیر کے لئے اپنی عادت سے الگ ہو کر چشم انصاف اور حقیقت بین نگاہوں سے دیکھیں تو آیات کریمہ کے نزول اور حدیث شریف سے آپ پر بخوبی واضح ہو جائے گا کہ لفظ مولیٰ امامت و ولایت اور اولیٰ بہ تصرف کے معنی میں ہے۔

اگر مولیٰ اور ولی اولیٰ بہ تصرف کے معنی میں نہ ہوتا تو بعدی کا فقرہ بے معنی ہو جاتا۔ یہ جملہ جو بار بار رسولِ خدا کی زبان مُبارک پر جاری ہوا ہے ثابت کرتا ہے کہ مولیٰ اور ولی اولیٰ بہ تصرف کے معنی میں ہے کیونکہ فرماتے ہیں میرے بعد یہ منصب علیؑ علیہ السلام کے لئے مخصوص ہے۔

تیسرے ذرا گہری نظر سے جائزہ لیجئے اور انصاف کیجئے کہ اس گرم ہوا اور بے گیاہ میدان میں جہاں پہلے سے مسافروں کی کوئی منزل نہیں تھی پیغمبر تمام اُمّت کو جمع کریں۔ آگے جانے والوں کو پلٹانے کا حکم دیں، اُس دہکتی ہوئی دھوپ میں جب لوگ اپنے پاؤں کو دامنوں سے لپیٹے ہوئے اونٹوں کے سائے میں بیٹھے تھے منبر پر تشریف لے جائیں اور فضائل و مقامات امیرالمومنین کے اثبات میں وہ طولانی خطبہ ارشاد فرمائیں جس کو خوارزمی و ابن مردویہ نے مناقب میں، طبری نے کتاب الولایۃ میں نیز دُوسروں نے نقل کیا ہے، تین روز تک لوگوں کا وقت لے کر اسی گرم و خشک صحرا میں ٹھہرائے رکھیں اور حکم دیں کہ تمام اعلیٰ و ادنیٰ اشخاص کو فرداً فرداً علی علیہ السلام کی بیعت کرنا چاہیئے اور نتیجہ صرف اتنا ہی ہو کہ علیؑ کو دوست رکھو یا یہ کہ علیؑ تمہارے دوست اور ناصر ہیں؟ ایسی صورت میں کہ افراد اُمّت میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو علیؑ کے ساتھ آں حضرتؐ کے انتہائی ربط کو نہ جانتا

ہو اور بار بار آپ کی وصیّت اور سفارش کو نہ سُن چکا ہو (جیسا کہ ان میں سے بعض کی طرف میں پہلے اشارہ کر چکا ہوں) دوبارہ خاص طور پر ایسے سخت گرم مقام پر نزول آیات اور اس قدر شدید تاکید کی کیا ضرورت تھی کہ لوگ زحمت اور تعطّل میں پڑ جائیں اور نتیجہ فقط یہ ہو کہ علی کو دوست رکھو؟ بلکہ اگر آپ اچھی طرح سے غور کریں تو یہ عمل جب کہ اس کا کوئی اہم مقصد اور خاص پہلو نہ ہو۔ صاحبانِ عقل کی نظر میں لغو ٹھہرے گا۔ اور رسولؐ اکرم سے کوئی لغو کام ہرگز صادر نہیں ہوتا۔

پس عند العقلاً ثابت ہے کہ یہ سارا ارضی و سماوی اہتمام و انتظام محض محبّت و دوستی کے لئے نہ تھا بلکہ منصب رسالت کے قدم بہ قدم کوئی اہم کام تھا اور وہ وہی امر ولایت و امامت تھا اور مسلمانوں کے امور میں اولیٰ بہ تصرف ہونا تھا۔

مولیٰ کے معنی میں سبطِ ابن جوزی کا عقیدہ

چنانچہ آپ کے اکابر علماء کے ایک گروہ نے از روئے غور و انصاف اس بات کی تصدیق کی ہے۔ من جملہ ان کے سبط ابن جوزی تذکرۃ خواص الامہ باب دوم میں کلمہ مولیٰ کے دس مطلب ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ ان معانی میں سے کوئی بھی رسولؐ اللہ کے کلام سے مطابقت نہیں کرتا والمراد من الحدیث الطاعۃ المحضۃ المخصوصۃ فتعین الوجہ العاشر وھو الاولی ومعناہ من کنت اولی بہ من نفسہ فعلیؑ اولیٰ بہ (یعنی حدیث سے خالص اور مخصوص اطاعت مراد ہے پس دسواں مطلب صحیح ٹھہرتا ہے اور وہ اولیٰ بہ تصرف ہونا ہے لہٰذا معنی یہ ہوئے کہ جس شخص کے لئے میں اُس کے نفس سے زیادہ اولیٰ بہ تصرف ہوں علی بھی اُس کے لئے اولیٰ بہ تصرف ہیں۔

اور کتاب مرج البحرین میں حافظ ابوالفرج یحییٰ بن سعید ثقفی اصفہانی کا قول بھی اسی معنی کی صراحت کرتا ہے جنہوں نے اس حدیث کی اپنے اسناد کے ساتھ اپنے مشایخ سے روایت کی ہے اور کہا ہے کہ پیغمبرؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کے فرمایا من کنت ولیہ واولیٰ بہ من نفسہ فعلیؑ ولیہ (یعنی جس کا میں ولی اور اس کے نفس سے اولیٰ بہ تصرف ہوں پس علیؑ بھی اُس کے ولی یعنی اولیٰ بہ تصرف ہیں۔

پھر سبط ابن جوزی کہتے ہیں ودل علیہ ایضاً قولہ علیہ السّلام الست اولیٰ بالمومنین من انفسھم و ھذا النصّ صریح فی اثبات امامتہ وقبول طاعتہ (یعنی آں حضرتؐ کا قول الست اولیٰ بالمومنین من انفسھم بھی اس پر دلالت کرتا ہے اور یہ علی علیہ السّلام کی امامت اور ان کی اطاعت قبول کرنے کے اثبات میں ایک کھلی ہوئی نص ہے)۔ انتہیٰ کلامہ۔

مولیٰ کے معنی میں

ابن طلحہ شافعی کا نظریّہ

نیز محمد بن طلحہ شافعی مطالب السئول باب اوّل اواسط پنجم صلا۱۶ میں کہتے ہیں کہ لفظ مولیٰ کے متعدد معنی ہیں مثلاً اولیٰ بہ تصرف ناصر، وارث، صدیق اور سیّد، اس کے بعد کہتے ہیں کہ یہ حدیث اسرار آیۂ مباہلہ میں سے ہے اس لئے کہ خدائے تعالیٰ نے علی علیہ السّلام بمنزلہ نفس پیغمبرؐ فرمایا ہے اور نفس علیؑ کے درمیان کوئی جدائی نہیں تھی کیونکہ ان دونوں کو رسُولؐ اللہ کی طرف ضمیر مضاف کے ذریعے باہم جمع فرمایا ہے۔ اثبت رسول اللہ لنفس علی بھذا الحدیث ما ھو ثابت لنفسہ علی المؤمنین عمومًا فانہ (ص) اولی بالمومنین وفاء المومنین وسید المومنین وکل معنی امکن اثباتہ مما دل علیہ لفظ المولی لرسول اللہ فقد جعلہ لعلیّ وھی مرتبۃ سامیۃ ومنزلۃ سامعۃ ودرجۃ علیّۃ ومکانۃ رفیعۃ خصّصہ بھا دون غیرہ فلھذا صار ذالک الیوم عید وموسم سرور اولیائہ۔ انتھی بیانہ (یعنی رسُولؐ اللہ اس حدیث کے ذریعے نفس علیؑ کے لئے بالعموم ہر وہ چیز ثابت فرمادی جو مومنین پر اُن کے نفس کے لئے ثابت ہے، پس آں حضرتؐ یقینًا مومنین کے امور میں اولیٰ بہ تصرف، مومنین کے مدد گار اور مومنین کے سیّد و آقا ہیں اور ہر وہ معنی جس پر رسُولؐ خدا کے لئے لفظ مولا دلالت کرتا ہے اور اس کا اثبات ممکن ہے علیؑ کے لئے بھی قرار دیا، اور یہ ایک مرتبہ عالیہ، منزلت بزرگ، درجۂ بلند اور مقام رفیع ہے۔ جس سے بلا شرکت غیرے صرف آپ کو مخصوص فرمایا چنانچہ اسی وجہ سے روز غدیر آپ کے دوستوں کے لئے عید اور موسم سرور بن گیا۔)

حافظ۔ آپ کے ارشاد کے پیشِ نظر لفظ مولیٰ چونکہ متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے لہٰذا اس کو تمام معانی کے درمیان سے بغیر کسی مختص کے صرف اولیٰ بہ تصرف کے معنی سے مخصوص کر دینا باطل ہوگا۔

خیر طلب۔ آپ محققین علم اصول کے اس قول سے تو یقینًا بخوبی واقف ہیں کہ لغوی حیثیت سے جس لفظ کے متعدد معانی آئے ہیں اُن میں سے ایک حقیقی ہے اور باقی مجازی، اور یہ بدیہی چیز ہے کہ ہر جگہ حقیقت مجاز پر مقدم ہوتی ہے۔ پس اس اصول کی بنا پر لفظ مولیٰ وولی میں حقیقی معنی اولیٰ بہ تصرف کے ہوتے ہیں، جیسے ولی نکاح یعنی امر نکاح کا متولّی، عورت کا ولی اس کا شوہر اور بچّے کا ولی اُس کا باپ یعنی اُس پر اولیٰ بہ تصرف اور بادشاہ کا ولی عہد یعنی بادشاہ کے بعد اس کے امور سلطنت میں متصرف اسی قبیل سے دوسرے تمام معنی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ اعتراض تو خود آپ ہی پر وارد ہوتا ہے کہ لفظ ولی و مولیٰ کو جس کے متعدد معنی ہیں صرف محبّ و ناصر کے معنی سے مخصوص کرتے ہیں لہٰذا یہ تخصیص بلا مخصص قطعًا باطل ہے، اور یہ ایراد زیادہ تر آپ ہی پر وارد ہے نہ کہ ہم پر، اس لئے کہ ہم نے اگر تخصیص کی ہے تو بلا مخصص نہیں ہے بلکہ آیات و اخبار اور بزرگان قوم

کے اقوال کے ان کثیر قرائن و دلائل کے رو سے ہے جو اس مفہوم پر قائم ہیں۔

من جملہ اُن کے وہ دلیلیں بھی ہیں جو آپ کے بڑے بڑے علماء جیسے سبط ابن جوزی اور محمد بن ابی طلحہ شافعی نے بیان کی ہیں۔ اور سب سے بڑی دلیل وہ ظاہری و باطنی قرینے ہیں جو اس کے معنی کی تخصیص کرتے ہیں۔ اور جن میں سے بعض کی طرف میں اشارہ بھی کرچکا ہوں کہ ہمارے اور آپ کے طرق سے بکثرت احادیث میں سے ایک یہ ہے کہ اس آیہ مبارکہ کو اس طرح نقل کیا ہے۔ یاایہا الرّسول بلّغ ما انزل الیك فی ولایة علی وامامة امیر المومنین۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی نے جو آپ کے اکابر علماء میں سے ہیں درالمنثور میں ان حدیثوں کو جمع کیا ہے۔

رحبہ میں حدیث غدیر سے علیؑ کا احتجاج

اگر یہ حدیث اور لفظ مولیٰ امامت اور خلافت اولیٰ پر نص نہ ہوتی تو حضرت امیر المومنین علیہ السلام اس سے بار بار احتجاج نہ فرماتے اور بالخصوص شوریٰ کے جلسوں میں اس سے استدلال نہ کرتے۔ جیسا کہ خطیب خوارزمی نے مناقب ص۲۱۷ میں، ابراہیم بن محمد حموینی نے فرائد باب ۵۸ میں، حافظ ابن عقدہ نے کتاب الولایہ میں، ابن حاتم دمشقی نے درالنظیم میں اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص۶۱ میں تفصیل سے نقل کیا ہے اور خاص طور پر یہ کہ رحبہ میں تیس عدد اصحاب نے اس کی گواہی دی۔

چنانچہ امام احمد حنبل نے مسند جزء اوّل ص۱۱۹ و جزء چہارم ص۳۷۰ میں، ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ جلد سوم ص۳۰۷ و جلد پنجم ص۲۰۵، ص۲۷۶ میں، ابن قتیبہ نے معارف ص۱۹۴ میں، محمّد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد اول ص۳۶۲ میں، حافظ ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء جلد پنجم ص۲۶ میں، ابن حجر عسقلانی نے اصابہ جلد دوم ص۴۰۸ میں، محبّ الدین طبری نے ذخائر العقبیٰ ص۶۷ میں، امام ابوعبدالرحمٰن نسائی نے خصائص العلوی ص۲۶ میں، علاّمہ سمہودی نے جواہر العقدین میں، شمس الدین جزری نے اسنی المطالب ص۳ میں، سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودة باب ۴ میں، حافظ ابن عقدہ نے کتاب الولایۃ میں اور آپ کے دوسرے اکابر علماء نے رحبۂ کوفہ (یعنی مسجد کوفہ کے صحن) میں مسلمانوں سے علی علیہ السلام کا احتجاج نقل کیا ہے کہ حضرت نے لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ جس شخص نے غدیر خم میں اپنے کانوں سے میرے بارے میں رسُولؐ اللہ سے کچھ سُنا ہو وہ اُٹھ کر گواہی دے! اصحاب میں سے تیس نفر اُٹھے جن میں بارہ عدد بدری صحابی تھے اور کہا کہ ہم نے غدیر خم کے روز دیکھا کہ رسُولؐ خدا نے علی کا ہاتھ پکڑ کے لوگوں سے فرمایا اتعلمون انی اولی بالمومنین من انفسھم قالوا نعم قال من کنت مولاہ فھذا علیٌ مولاہ الخ (یعنی آیا تم جانتے ہو کہ میں مومنین کے جانوں سے زیادہ ان پر حق رکھتا ہوں؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں، تو فرمایا جس شخص کا میں مولا ہوں پس یہ علی بھی اُس کے مولا ہیں)۔

اس مجمع میں سے تین افراد نے شہادت نہیں دی، جن میں ایک انس ابن مالک بھی تھے جنہوں نے کہا مجھ پر بڑھاپا غالب

آگیا ہے اس وجہ سے بھول گیا ہوں حضرت نے ان لوگوں پر نفرین اور بد دعا فرمائی اور خصوصیت سے انس کے لئے فرمایا کہ اگر تم جھوٹ بول رہے ہو تو خدا تم کو جذام اور برص میں مبتلا کرے جس کو عمامہ چھپا نہ سکے! پس انس ابھی اپنی جگہ سے اُٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ ان کے جسم میں کوڑھ اور سفید داغ پیدا ہو گئے (بعض روایتوں میں ہے کہ اندھے اور کوڑھی ہو گئے)

بدیہی چیز ہے کہ اس حدیث کو حجت قرار دینا اور اس سے استشہاد کرنا اس کی مکمل دلیل ہے کہ آپ نے سب سے بڑھے حق یعنی امارت وخلافت منصوصہ کو ثابت فرمایا۔

(اس موقع پر مؤذن کی آواز بلند ہوئی اور مولوی صاحبان نماز عشاء پڑھنے کے لئے اُٹھ گئے۔ادائے فریضہ تھوڑی استراحت اور چائے نوشی کے بعد پھر گفتگو شروع ہوئی)

چوتھا قرینہ

الست اولی بکم من انفسکم

خیر طلب ۔ چوتھے حدیث کا قرینہ کلام خود اس مقصد کو ثابت کر رہا ہے کہ مولیٰ سے مراد اولیٰ بہ تصرف ہے کیونکہ خطبۂ غدیر اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ نے اظہار مطلب سے قبل فرمایا الست اولی بکم من انفسکم یعنی آیا میں تمہارے نفوس سے زیادہ تم پر اولیٰ بہ تصرف نہیں ہوں؟ (اشارہ سورہ ۳۳ (احزاب) کے آیۂ ۶ کی طرف جس میں ارشاد ہے النبی اولی بالمومنین من انفسھم (یعنی پیغمبرؐ مومنین کی جانوں سے زیادہ اُن کے لئے اولیٰ بہ تصرف اور حقدار ہیں)

اور کتب فریقین میں یہ حدیث صحیح بھی وارد ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا ما من مومن الّا انا اولی بہ فی الدنیا والآخرۃ (یعنی کوئی مومن ایسا نہیں ہے جس پر میں دنیا و آخرت میں اولیٰ بہ تصرف ہوں)

سب نے کہا ہاں، آپ ہمارے نفوس سے زیادہ ہم پر اولیٰ بہ تصرف ہیں۔تب آں حضرتؐ نے فرمایا من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ ۔ پس سیاق کلام بتاتا ہے کہ مولیٰ سے وہی اولیت مراد ہے جو رسولِ خدا کو اُمّت پر حاصل تھی۔

حافظ ۔ بہت سی کتابوں میں اس قرینے کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ فرمایا ہو الست اولی بکم من انفسکم ۔

خیر طلب ۔ حدیث غدیر کے سلسلہ میں عبارات والفاظ اور نقل کرنے والوں کے اقوال مختلف ہیں۔اخبار امامیہ میں تو عمومیت ہے اور جمہور علماء شیعہ نے اپنی معتبر کتابوں میں اسی قرینے کے ساتھ نقل کیا ہے۔لیکن آپ کی معتبر کتابوں میں بھی کثرت سے موجود ہے۔چنانچہ اس وقت جہاں تک میرے پیش نظر ہے،سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامہ ص۱۸ میں،امام احمد بن حنبل نے مسند میں،نورالدین بن صباغ مالکی نے امام احمد زہری اور حافظ ابو بکر بیہقی سے نقل کرتے ہوئے فصول المہمہ میں،ابوالفتوح اسعد بن ابی الفضائل بن خلف العجلی نے اپنی کتاب الموجز فی فضائل الخلفاء الاربعہ میں،خطیب خوارزمی نے مناقب فصل چہاردہم

محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب اوّل میں، شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۴ میں، مسند احمد حنبل مشکوٰۃ المصابیح سنن ابن ماجہ، حلیۃ الاولیاء حافظ ابونعیم اصفہانی، مناقب ابن مغازلی شافعی اور کتاب الموالات ابن عقدہ کے حوالوں سے اور آپ کے دوسرے اکابر علماء نے الفاظ اور انداز بیان کے معمولی فرق کے ساتھ حدیث غدیر کو نقل کیا ہے اور ہر ایک کے یہاں جملہ الست اولیٰ بکم من انفسکم موجود ہے، تیمناً و تبرکاً میں اُس حدیث کا ترجمہ عرض کرتا ہوں جو اصحاب حدیث کے امام احمد بن حنبل نے مسند جلد چہارم صفحہ ۲۸۱ میں، براء ابن عازب کی سند سے نقل کی ہے کہ انہوں نے کہا میں ایک سفر میں رسُولؐ خدا کے ساتھ تھا، یہاں تک کہ ہم لوگ غدیر میں پہنچے۔ آں حضرت نے منادی کرائی الصّلوۃ جامعۃ (عادت اور رسم یہی تھی کہ جب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تھا تو آں حضرتؐ حکم دیتے تھے کہ الصّلوۃ جامعۃ کی ندا دی جائے جب اُمّت جمع ہو جاتی تھی تو ادائے نماز کے بعد اُس امر خاص کی تبلیغ فرماتے تھے) اُس کے بعد دو درختوں کے درمیان پیغمبرؐ کی قیام گاہ بنائی گئی اور ادائے نماز کے بعد آں حضرتؐ نے حضرت علیؑ کا ہاتھ پکڑ کے مجمع کے سامنے ارشاد فرمایا۔ الستم تعلمون انّی اولیٰ بالمومنین من انفسہم قالوا بلیٰ قال الستم تعلمون انّی اولیٰ بکل مؤمن من نفسہ قالوا بلیٰ قال من کنت مولاہ فعلیّ مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ فلقیہ عمر بن الخطاب بعد ذالک فقال لہ ھنیئاً لک یا ابن ابی طالب اصبحت و امسیت مولیٰ کل مومن و مومنۃ (یعنی آیا تم لوگ نہیں جانتے ہو کہ میں مومنین کے نفسوں سے زیادہ اُن پر تصرف کا حق رکھتا ہوں؟ لوگوں نے کہا ہاں ہم واقف ہیں۔ پھر فرمایا آیا تم لوگ نہیں جانتے ہو کہ میں ہر مومن پر اُس کی جان سے بڑھ کے اولیٰ بتصرف ہوں؟ سب نے کہا ہاں، ہم کو معلوم ہے اس وقت فرمایا جس شخص کے لئے میں اولیٰ بہ تصرف ہوں پس علیؑ بھی اس کے لئے اولیٰ بہ تصرف ہیں۔ پھر دُعا فرمائی کہ خداوندا دوست رکھ اس کو جو علیؑ کو دوست رکھّے اور دشمن رکھ اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھّے۔ اُس کے بعد فوراً عمر ابن خطاب نے علی علیہ السلام سے ملاقات کی اور کہا مبارک ہو تم کو اے ابو طالب کے فرزند کہ تم ہر مومن و مومنہ کے مولا ہو گئے)

نیز میر سیّد علی ہمدانی شافعی نے مودۃ القربیٰ مودت پنجم میں، سلیماؔن بلخی نے ینابیع میں اور حافظ ابونعیم نے حلیہ میں مختصر لفظی تفاوت کے ساتھ اسی حدیث کو درج کیا ہے۔

بالخصوص حافظ ابوالفتح نے جن سے ابن صباغ نے بھی فصول المہمہ میں نقل کیا ہے اس عبارت کے ساتھ لکھا ہے، کہ خاتم الانبیاء نے فرمایا ایّھا النّاس ان اللہ تبارک وتعالیٰ مولای وانا اولیٰ بکم من انفسکم الا ومن کنت مولاہ فعلی مولاہ (یعنی اے لوگو خدائے تبارک و تعالیٰ میرا مولا ہے اور میں تمہارے نفوس سے زیادہ تم پر اولیٰ بہ تصرف ہوں۔ آگاہ ہو کہ جس کے لئے میں اولیٰ بہ تصرف ہوں پس علی بھی اس کے لئے اسی طرح اولویت رکھتے ہیں) ابن ماجہ قزوینی نے سنن میں اور امام ابوعبدالرحمٰن نسائی نے احادیث صفحہ ۸۱، ۸۳ و صفحہ ۹۲، ۹۴ میں بھی اسی قرینے کو نقل کیا ہے اور حدیث نمبر ۸۴ میں

زید بن ارقم سے اس عبارت کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے خطبے کے ضمن میں فرمایا السنتم تعلمون انی اولی بکل مومن ومومنة من نفسه قالوا بلیٰ نشهد لانت اولی بکل مومن من نفسه قال فانی من کنت مولاه فهذا مولاه واخذ بید علی علیه السلام (یعنی آیا تم نہیں جانتے ہو کہ میں ہر مومن ومومنہ پر اُس کے نفس سے زیادہ تصرف کا حق رکھتا ہوں؟ سب نے کہا ہاں ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ہر مومن کے نفس سے زیادہ اُس پر اولیٰ بہ تصرف ہیں اس وقت فرمایا کہ جس پر میں اولیٰ بہ تصرف ہوں یہ بھی اُس پر اولیٰ بہ تصرف ہیں۔ اور علیؑ کا ہاتھ پکڑ لیا اس کے علاوہ ابوبکر احمد ابن علی خطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ ہجری نے تاریخ بغداد جلد ہشتم صفحہ ۲۹۰ میں ابوہریرہ سے ایک مفصل حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص اٹھارہویں ذی حجہ (روز غدیر) کو روزہ رکھے تو اس کو ساٹھ مہینوں کے روزوں کا ثواب حاصل ہوگا۔ پھر مذکورہ حدیث غدیر کو اسی قرینے کے ساتھ نقل کیا ہے۔

میرے خیال میں نمونے کے لئے اسی قدر روایتوں کا نقل کر دینا کافی ہوگا تاکہ آپ دوبارہ یہ نہ فرمائیں کہ اخبار و احادیث میں قرینہ الست اولیٰ بکم من انفسکم کا کوئی تذکرہ نہیں ہے۔

رسولؐ اللہ کے سامنے حسّان کے اشعار

پانچواں قرینہ حسّان ابن ثابت انصاری کے وہ اشعار ہیں جو انہوں نے رسولؐ اللہ کے سامنے خود آں حضرتؐ کی اجازت سے اسی جلسے میں پڑھے جس میں علیؑ کے منصب ولایت کا اعلان فرمایا گیا تھا۔ سبط ابن جوزی وغیرہ لکھتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے جس وقت یہ اشعار سنے تو فرمایا یاحسّان لا تزال مؤید بروح القدس مانصرتنا اونافحت ملسانك (یعنی اے حسان جب تک تم ہماری نصرت یا اپنی زبان سے ہماری تعریف و توصیف کرتے رہے ہوگے۔ روح القدس برابر تمہاری تائید کرتا رہے گا (یعنی تمہارے یہ اشعار روح القدس کی تائید میں سے ہیں)

چنانچہ چوتھی صدی ہجری کے مشہور مفسّر و محدّث حافظ ابن مردویہ احمد بن موسیٰ متوفی ۳۵۲ھ ہجری مناقب میں، صدر الائمہ موفق بن احمد خوارزمی مناقب اور مقتل الحسین فصل چہارم میں، جلال الدین سیوطی رسالۃ الازہار فیما عقدہ الشعراء میں۔ حافظ ابوسعید خرگوشی شرف المصطفیٰ میں، حافظ ابو الفتح نطنزی خصائص العلویہ میں، حافظ جمال الدین زرندی نظم درر السمطین میں، حافظ ابونعیم اصفہانی ما نزل من القرآن فی علی میں، ابراہیم بن محمد حموینی فرائد السمطین باب ۱۲ میں، حافظ ابوسعید سجستانی کتاب الولایۃ میں، یوسف ابن جوزی تذکرۃ خواص الامہ صفحہ ۲۰ میں، محمد بن یوسف گنجی شافعی کفایت الطالب باب اوّل میں، اور آپ کے دوسرے علماء و محدّثین و مورخین ابوسعید خدری سے نقل کرتے ہیں کہ روز غدیر خم خطبۂ رسولؐ اور نصب امیرالمومنینؑ نیز دیگر تشریحات کے بعد جن کا مختصر ذکر ہو چکا ہے حسان ابن ثابت نے عرض کیا۔ اتاذن لی ان اقول ابیاتاً قال صلی اللہ علیہ وسلم

قل ببرکۃ اللہ (یعنی کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں اس بارے میں کچھ اشعار کہوں؟ آں حضرتؐ نے فرمایا کہو بہ برکت خداوندی یعنی بہ لطف وعنایت پروردگار۔ پس وہ ایک بلند مقام پر کھڑے ہوئے اور فی البدیہ یہ اشعار پڑھنا شروع کئے۔

یناد یھم یوم الغدیر نبیھم — بخم فاسمع بالرسول منادیا

وقال فمن مولاکم و ولیکم — فقالوا ولم یبدوا ھناک التعامیا

الٰھک مولانا وانت ولینا — ولم تلف منّا فی الولایۃ عاصیا

فقال لہ قم یا علیّ فانّنی — رضیتک من بعدی اماما وھادیا

فمن کنت مولاہ فھٰذا ولیہ — فکونوا لہ انصار صدق موالیا

ھناک دعا اللّٰھم وال ولیہ — وکن الّذی عادی علیّا معادیا

یعنی غدیر خم کے روز نبیٔ اکرم نے اُمّت کو آواز دی اور میں نے آں حضرتؐ کے منادی کی ندا سُنی۔ آں حضرتؐ نے فرمایا کہ تمہارا مولا اور ولی (یعنی اولیٰ بہ تصرف) کون ہے؟ تو لوگوں نے صاف صاف کہا کہ خدا ہمارا مولیٰ اور آپ ہمارے ولی ہیں اور کسی کو اس حقیقت سے انکار نہیں ہے۔ پس آں حضرتؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ اٹھو میں اپنے بعد تمہارے امام اور ہادی ہونے پر راضی ہوں پس میں جس کے اُمور میں ولی اور اولیٰ بہ تصرف ہوں یہ علیؑ بھی اُس کے امور میں ولی اور اولیٰ بہ تصرف ہیں، لہٰذا اے اُمّت والو سچائی اور وفاداری کے ساتھ ان کے یار و مددگار بنو۔ پھر دُعا فرمائی کہ خداوندا جو علیؑ کا دوست ہو اس کو دوست رکھ اور جو ان کا دشمن ہو اُس کو دُشمن رکھ)

یہ اشعار بہت واضح دلیل ہیں اس بات کی کہ اُس روز اور اُس موقع پر اصحاب نے لفظ مولیٰ سے علی علیہ السّلام کی امامت وخلافت کے سوا اور کوئی مطلب نہیں نکلا۔ اگر مولا امام وہادی اور اولیٰ بہ تصرف کے معنی میں نہ ہوتا تو قطعاً جس وقت آں حضرت نے حسان کے اشعار میں مصرع رضیتک من بعدی اماما وھادیا سُنا تھا فوراً ارشاد فرماتے کہ حسان تم نے دھوکا کھایا اور میرا مقصد نہیں سمجھے اس لئے کہ اس بیان سے میرا مقصود امام وہادی اور اولیٰ بہ تصرف قائم مقام منصب نبوت نہیں بلکہ دوست وناصر کا مفہوم مراد تھا۔ لیکن قطع نظر اس سے کہ ان کی تکذیب نہیں کی، الفاظ لا تزال مؤیداً بروح القدس سے اُن کی تصدیق بھی فرمادی۔ اس کے علاوہ خطبے کی ضمن میں بھی پُوری وضاحت کے ساتھ آپ کی امامت وخلافت کا اعلان فرمایا آپ حضرات کو لازم ہے کہ خطبۂ ولایت کا مطالعہ کیجئے جو رسُولِ خدا نے غدیر کے روز بیان فرمایا تھا اور جس کو ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ ہجری نے کتاب الولایۃ میں تمام وکمال نقل کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اسمعوا واطیعوا فانّ اللہ مولاکم وعلی امامکم۔ ثم الامامۃ فی ولدی من صلبہ الی یوم القیامۃ۔ معاشر النّاس ھٰذا اخی ووصیّ وواعی علمی وخلیفتی علیٰ من اٰمن بی وعلیٰ تفسیر کتاب ربّی (یعنی سنو اور اطاعت کرو۔ پس یقیناً اللہ تمہارا مولا اور علیؑ تمہارے امام ہیں۔ پھر قیامت تک امامت علی کی نسل سے میری اولاد ہی میں رہے گی۔ اے گروہ ناس یہ (علیؑ) میرے بھائی،

میرے وصی میرے علم کے محافظ اور میرے خلیفہ ہیں ہر اس شخص پر جو مجھ پر اور کتاب الٰہی کی تفسیر پر ایمان لایا ہے۔
حضرات! اگر انصاف سے دیکھیئے تو خود آں حضرت کے بیانات کے علاوہ یہ اشعار سُننے کے بعد آپ کی خاموشی دلیل قاطع ہے اس چیز پر کہ آں حضرتؐ کی مراد محبّ و ناصر نہیں تھی بلکہ وہی تھی جس کو حسّان نے نظم کیا ہے یعنی امام وہادی امورِ لین ہیں اولیٰ بہ تصرف۔ چنانچہ فرمایا کہ حسان! یہ حقیقت تمہاری زبان پر روح القدس کی تائید سے جاری ہوئی ہے۔

صحابہ کی وعدہ شکنی

بہر حال آں حضرتؐ کے حسب الارشاد ولایت مطلقہ کے حقیقی معنی لئے جائیں یا آپ کے عقیدے کے مُطابق محبّ و ناصر کے معنی یہ مسلم ہے کہ اُس روز اصحاب نے حکم رسُولؐ سے کچھ وعدہ کیا تھا، ایک بیعت کی تھی اور کوئی عہد و پیمان کیا تھا جس پر علمائے فریقین (شیعہ وسُنی) کا اتفاق ہے، پس آخر اُس عہد و پیمان کو کیوں توڑا؟ اگر آپ ہی کا فرمانا صحیح فرض کر لیا جائے کہ آنحضرتؐ کا مقصود دوستی اور یاری تھا تو خدا کے لئے انصاف سے بتایئے کہ جس دوستی کا اور نصرت و یاری کا عہد باندھا تھا کیا اُس کا مطلب اور نتیجہ یہی ہونا چاہیئے تھا کہ اُن کے دروازے پر آگ لے جائیں، اُن کی بیوی بچّوں کو جو اولادِ رسولؐ تھے آزار پہنچائیں اور خوف زدہ کریں اُن کو جبراً کھینچتے ہوئے مسجد میں لے جائیں، اور ننگی تلواریں لئے ہوئے اُن کو قتل کر دینے کی دھمکی دیں، رسُولؐ خدا کی پارہ جگر جناب فاطمہ کو خوفزدہ اور اذیت میں مبتلا کریں اور حمل ساقط کریں؟
آیا اُس خاص تاریخ میں اس قدر عظیم الشان انتظامات اور اتنے سخت تاکیدات کے ساتھ رسولؐ کی سفارشوں کا یہی مقصد تھا؟ آیا آں حضرتؐ کی وفات کے بعد اس قسم کے حرکات خدا اور رسولؐ سے عہد شکنی نہیں تھی؟ آیا جن لوگوں نے یہ عہد توڑا یا (آپ کے خیال سے) دوستی کا پیمان آخر تک نہیں نبھایا، انہوں نے سورہ نمبر ۱۳ (رعد) کی آیت نمبر ۲۵ نہیں پڑھی تھی؟ اگر ہم جاہلانہ محبت اور بغض کو الگ رکھیں تو حق و حقیقت بالکل ظاہر ہے ؎

گر پردہ ز روئے کارہا بردارند معلوم شود کہ در چہ کار ہمہ

اُحد حنین اور حدیبیہ میں صحابہ کی عہد شکنی

غزوہ اُحد اور حنین میں جب رسُولؐ اللہ نے تمام اصحاب سے عہد لیا تھا کہ آج کے روز فرار نہ کرنا تو کیا اُن لوگوں نے فرار نہیں کیا؟ آیا یہ میدانِ جنگ سے بھاگ گئے اور دشمنوں کے مقابلہ میں پیغمبرؐ کو تنہا چھوڑ کر چل دیا، جس کو خود آپ کے مورخین طبری، ابن ابی الحدید اور ابن اعثم کوفی وغیرہ نے بھی لکھا ہے، عہد شکنی نہیں تھی؟

قسم خدا کی آپ لوگ بلاوجہ ہم پر اعتراض کرتے ہیں۔ شیعہ بھی وہی کہتے ہیں جو آپ کے بڑے بڑے علماء نے کہا ہے اور کتابوں میں وہی لکھتے ہیں جو خود آپ کے علماء و مؤرخین لکھ چکے ہیں۔
اگر علماء شیعہ نے صحابہ پر کچھ تنقیدیں کی ہیں تو وہ وہی ہیں جو آپ کے علماء نے لکھی ہیں۔

انصاف سے فیصلہ کرنا چاہیئے

پس آخر آپ لوگ نسلاً بعد نسل ہم پر کس لئے حملے کرتے چلے آرہے ہیں؟ آپ لوگ لکھیں تو کوئی عیب نہیں اور نہ قابل گرفت ہے۔ لیکن جو کچھ سنی اکابر علماء نے لکھا ہے اگر وہی ہم کہہ دیں تو کافر ہو جاتے ہیں، ہمارا قتل واجب ہو جاتا ہے محض اس جرم میں کہ بعض صحابہ کے افعال زشت اور اعمال قبیحہ پر تبصرہ اور نکتہ چینی کرتے ہیں۔

حالانکہ اگر صحابہ پر طعن و تشنیع مذموم اور موجب رفض ہے تو قطعاً تمام صحابہ بھی رافضی تھے کیونکہ عام طور پر سب نے ایک دوسرے کو لعنت ملامت کی ہے اور اعمال کی مذمت کی ہے یہاں تک کہ ابوبکر و عمر نے بھی۔

اگر تنگئ وقت کا خیال نہ ہوتا تو تفصیل سے اُن کے اقوال بیان کرتا۔ اگر آپ بخوبی اس کی جانچ کرنا چاہتے ہوں کہ اصحاب رسولؐ بھی دُوسرے لوگوں کی طرح جائز الخطا تھے، ان میں سے جنہوں نے پرہیزگاری اختیار کی وہ مومنین پاکباز اور قابل احترام ٹھہرے اور جو لوگ ہوا و ہوس کے بندے بنے اور اُن سے بُری حرکتیں سرزد ہوئیں وہ مطعون و مذموم قرار پائے تو شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد چہارم کے ص۴۵۲ سے ص۴۶۲ تک صحابہ کے بارے میں ابو المعالی جوینی کے اعتراض پر زبیدی کا مفصل جواب ملاحظہ فرمائیے۔ جس کو ابوجعفر نقیب نے نقل کیا ہے تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ صحابہ میں کس قدر اختلاف و افتراق تھا اور کس طرح ایک طرح ایک دُوسرے کی تفسیق و تکفیر اور لعنت و ملامت کرتے تھے۔

شیعوں اور آپ کے منصف علماء اور عام حضرات اہل سُنت و جماعت کے درمیان جو خاص فرق ہے وہ محبت اور بغض کے مسئلے میں ہے، آپ لوگ چونکہ بعض صحابہ سے اندھا دھند عقیدت اور خلوص و محبت رکھتے ہیں لہٰذا بمصداق حب الشئی یعمی و یصم (یعنی کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے ۱۲ مترجم) اُن کے اندر بُرائی نظر ہی نہیں آتی بلکہ اگر نگاہ محبت سے دیکھنے کے باوجود بھی اُن کے دامن داغدار نظر آتے ہیں تو اُن کو تمام مطاعن سے مبرا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں اور کھلے ہوئے معائب کے مقابلہ میں ایسے پھسپھسے جوابات دیتے ہیں کہ اُن پر ہنسی آجاتی ہے۔

لیکن ہم خدا کو گواہ کر کے کہتے ہیں کہ ہم اصحاب رسولؐ کو بغض و عناد اور عداوت کی نظر سے نہیں دیکھتے بلکہ متفقہ حالات و واقعات کا عقل و برہان کی نگاہ سے جائزہ لیتے ہیں، اچھائیوں کو اچھا اور بُرائیوں کو بُرا دیکھتے ہیں اور حق فیصلہ کرتے ہیں۔

محترم حضرات! ہم اور آپ قیامت اور روز جزا پر ایمان رکھتے ہیں، دنیا کی اس چند روزہ زندگی میں کیا رکھا ہے جو عنقریب

ختم ہو جائے گی۔ فکر تو اُس روز کی کرنا چاہئے۔

قسم خدا کی ہم شیعہ مظلوم ہیں، بے خبر عوام کو بلا وجہ دھوکا نہ دیجئے اور موحد شیعوں کو کافر اور رافضی نہ کہئے۔ آیا یہ مناسب ہے کہ محمد وآلِ محمد صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کے پیروؤں کو خواہ مخواہ بہانہ بنا کے رافضی اور خطاوار قرار دیجئے؟ درآنحالیکہ اگر اس تنقید اور اظہار حقیقت کی وجہ سے آپ شیعوں کو بُرا کہتے اور کافر سمجھتے ہیں تو ان سے پہلے اپنے بڑے بڑے علماء کو بُرا کہئے جن کے قلم سے اس قسم کی تنقیدیں نکلی ہیں اور آپ کی معتبر کتابوں میں درج ہیں۔

حدیبیہ میں صحابہ کا فرار

مثلاً قضیۂ حدیبیہ کے سلسلے میں ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں اور آپ کے دُوسرے مورخین لکھتے ہیں کہ قرار دادِ صلح کے بعد عمر ابن خطاب کے ساتھ اکثر صحابہ بگڑے ہوئے تھے اور رسُول اللہ کو تاؤ دکھا رہے تھے کہ ہم صُلح پر راضی نہیں تھے جنگ کرنا چاہتے تھے۔ آپ نے کیوں صلح کر لی؟ آں حضرتؐ نے فرمایا اگر تم کو لڑائی کا شوق ہے تو جاؤ میں منع نہیں کرتا۔ چنانچہ ان لوگوں نے حملہ کیا، لیکن قریش بھی تیار تھے انہوں نے مُنہ توڑ جواب دیا اور ان کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ اب جو بھاگے تو پیغمبرؐ کے پاس بھی نہیں ٹھہر سکے بلکہ صحرا کی طرف نکل گئے۔ آں حضرتؐ نے علی علیہ السلام سے فرمایا کہ تلوار اٹھاؤ اور قریش کی روک تھام کرو! قریش نے جونہی علیؑ کو مقابلے پر دیکھا پیچھے ہٹ گئے۔ اُس کے بعد بھاگے ہوئے اصحاب تھوڑے تھوڑے کرکے واپس آئے اور اپنی حرکت سے شرمندہ ہو کر معذرت کرنے لگے۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا کہ میں تم کو پہچانتا نہیں ہُوں؟ کیا تم لوگ وہی نہیں ہو جو غزوۂ بدر کبریٰ میں دشمنوں کے سامنے کانپ رہے تھے یہاں تک کہ خدا نے ہماری مدد کے لئے فرشتے بھیجے؟ آیا تمہیں لوگ میرے وہ اصحاب نہیں ہو جو احد کے روز بھاگ کر پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے اور مجھ کو اکیلا چھوڑ دیا تھا۔ میں ہر چند پکارتا رہا لیکن تم لوگ نہیں پلٹے؟ خلاصہ یہ کہ آں حضرت اُن کی تمام کمزوریاں اور بے ثباتیاں گنواتے رہے اور وہ لوگ برابر عذر خواہی کرتے رہے بالآخر ابن ابی الحدید اس مقام پر لکھتے ہیں کہ رسول اللہ نے یہ ساری زجر و توبیخ عمر کے اُوپر کی جب کہ وہ آں حضرتؐ کے وعدوں کو جھٹلا چکے تھے۔ پھر لکھتے ہیں کہ پیغمبرؐ کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ احد میں ضرور بھاگے ہوں گے کیونکہ آں حضرت نے عتاب فرماتے ہوئے اس کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ آپ حضرات ملاحظہ فرمائیے کہ یہی قضیہ جس کو ابن ابی الحدید وغیرہ کے ایسے بزرگ علماء لکھ چکے ہیں اگر ہم بیان کریں تو آپ فوراً دھر پکڑ کرنے اور ہم کو رافضی و کافر کہنے لگتے ہیں کہ ایسا کیوں کہتے ہو اور خلیفہ کی توہین کیوں کرتے ہو، لیکن ابن ابی الحدید اور انہیں جیسے دُوسرے علماء پر کوئی اعتراض نہیں، یاد رکھئے ہم جو کچھ کہتے ہیں توہین کی غرض سے نہیں کہتے بلکہ تاریخی واقعات کو نقل کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ آپ ہماری طرف سے بدگمانی رکھتے ہیں لہٰذا اس کا کوئی اثر نہیں لیتے۔

اس موقع کے لحاظ سے عرب کے ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ ولکن عین السخط تبدی المساویا

(یعنی عقیدت مند کی آنکھ ہر عیب سے چشم پوشی کرتی ہے لیکن چشم غضب خطاؤں کو ڈھونڈ نکالتی ہے)

قیامت کے روز آپ کے علماء پر ہمارے بہت سے استغاثے ہیں۔ دنیا تو گزر جائے گی لیکن اللہ کے دربار عدالت میں آپ کو ہماری مظلومانہ فریاد کی جواب دہی کے لئے حاضری دینا ہوگی۔

حافظ۔ آپ پر کون سا ظلم ہوا ہے کہ قیامت کے روز داد خواہی کیجئے گا؟

خیر طلب۔ مظالم بہت اور ہتک حرمت کے واقعات کثرت سے ہیں۔ لیکن اگر سب سے چشم پوشی کر لی جائے تب بھی چونکہ میں صدیقہ مظلومہ جناب فاطمہ صلوات اللہ علیہا کی اولاد میں ہونے کا فخر رکھتا ہوں لہٰذا اپنے حق سے ہرگز دست بردار نہ ہوں گا اور جس روز محکمۂ عدل الٰہی قائم ہوگا جس پر ہمارا اعتقاد ہے تو میں بہت سے ظلموں اور زیادتیوں کی داد خواہی کروں گا اور یقین رکھتا ہوں کہ انصاف کیا جائے گا۔

حافظ۔ گذارش ہے کہ جذبات کو نہ اُبھاریئے۔ آپ کا کون سا حق مارا گیا ہے اور آپ پر کیا ظلم ہوا ہے یہ بیان کیجئے؟

خیر طلب۔ ظلم و تعدی اور ہماری حق تلفی کوئی آج ہی کے دن سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہمارے جدّ بزرگوار حضرت خاتم الانبیاءؐ کی وفات کے بعد ہی سے اس کی بنا قائم کی گئی۔ کیونکہ خدا و رسولؐ نے ہماری جدّۂ مظلومہ فاطمہ زہرا صلواۃ اللہ علیہا کو ان کے بچوں کی پرورش کے لئے جو واجبی حق عطا کیا تھا اس کو غصب کر لیا گیا اور اُن معصومہؑ کے نالہ و فریاد کا کوئی اثر نہیں لیا گیا، یہاں تک کہ وہ پیغمبرؐ کی یادگار عنفوان شباب ہی میں درد بھرے دل کے ساتھ دنیا سے اُٹھ گئیں

حافظ۔ میں عرض کرتا ہوں کہ جناب عالی بہت تیزی دکھا رہے ہیں اور جوشیلے جملے استعمال کر کے لوگوں میں بلا وجہ ہیجان پیدا کرتے ہیں۔ آخر فاطمہ رضی اللہ عنہا کا واجبی حق کیا تھا جو زبردستی چھین لیا گیا؟ یاد رکھئے اگر آپ اپنے برادران مومن کے سامنے اپنا دعویٰ ثابت نہ کر سکے تو محکمۂ عدلِ الٰہی میں بدرجۂ اولیٰ ہرگز کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ آپ سمجھئے کہ آج ہی محکمہ عدلِ الٰہی قائم ہے لہٰذا اپنا دعویٰ ثابت کیجئے۔

خیر طلب۔ وہاں خدائی عدالت ہے ذاتی اغراض اور تعصب وغیرہ کی گنجائش نہیں لہٰذا سچا اور بے لوث فیصلہ ہوگا۔ اگر آپ حضرات بھی نگاہ انصاف سے رکھتے ہوں تو قاضی عادل کی طرح غیر جانبداری کے ساتھ میرے معروضات سُنیئے۔ یقین ہے کہ ہماری حقانیت کی تصدیق کیجئے گا۔

خدا جانتا ہے کہ میں کٹ حجتی نہیں کرتا

حافظ ۔ میں خدا اور آپ کے جدامجد رسولِ خدا کے اس عظیم حق کی قسم کھاتا ہوں جو ہم لوگوں پر ہے کہ میں ذاتی طور پر کوئی عناد و تعصب یا بے جا ضد نہیں رکھتا۔ ان راتوں میں جب سے آپ کا ساتھ ہے یقیناً آپ نے محسوس کیا ہو گا کہ میں کج بحثی نہیں کرتا۔ جس مقام پر میں نے مضبوط دلیل و برہان کے ساتھ کوئی قاعدے کی بات سُنی تو اپنے اندر سکون و اطمینان کا جذبہ پایا اور یہ میری خاموشی خود حق و انصاف کی بات تسلیم کر لینے کی دلیل ہے ورنہ اگر ہم حیلہ سازی اور کٹ حجتی کرنا چاہتے تو آپ کے بیانات اور دلائل کو مغالطہ بازی میں ڈال کر جھٹلا سکتے تھے جیسا کہ ہمارے پچھلے لوگ کرتے رہے ہیں۔ لیکن میں فطرتاً جھگڑالو اور مکار نہیں تھا بالخصوص جس وقت سے آپ کا سامنا ہوا (تو اگرچہ یہاں پہنچے اور آپ کی ملاقات سے قبل میں کسی اور ہی قصد سے چلا تھا) آپ کی پاک نفسی تہذیب خوش اخلاقی، سادگی اور جذبۂ حقیقت نے مجھ پر ایسا اثر کیا کہ میں نے اپنے خدا سے اُصولی اور منطقی بات کے سامنے پورے طور پر سر تسلیم خم کر دینے کا عہد کر لیا۔ چاہے یہ طریقہ لوگوں کے توقعات پر پانی ہی کیوں نہ پھیر دے۔ آپ یقین کیجئے کہ میں وہ پہلی شب والا آدمی نہیں ہوں اور نڈر ہو کر بالکل صاف صاف کہتا ہوں کہ آپ کے دلائل و براہین اور تاثرات نے میرے دل پر گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ میں تمنا کرتا ہوں کہ محبت و ولائے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے ساتھ مروں تاکہ رسولِ خدا کے سامنے سُرخرو ہوں۔

خیر طلب ۔ آپ کے ایسے انصاف پسند عالم سے میں اس کے خلاف اُمید بھی نہیں کرتا تھا۔ اور نہ آئندہ کروں گا۔ آپ کے ان الفاظ نے میرے دل میں کچھ اور ہی اثر کیا اور آپ سے ایک قلبی لگاؤ پیدا ہو گیا ہے۔ اب میں جناب عالی سے درخواست کرنا چاہتا ہوں، اُمید ہے کہ آپ قبول فرمائیں گے۔

حافظ ۔ بہتر ہے فرمایئے ۔

خیر طلب ۔ میں چاہتا ہوں کہ آج کی شب آپ کو قاضی اور دُوسرے حضرات کو گواہ قرار دوں اور آپ انتہائی غیر جانبداری کے ساتھ فیصلہ فرمایئے کہ آیا میرا بیان حق ہے اور میں اپنا دعویٰ ثابت کر سکتا ہوں یا نہیں ؟

ہو سکتا ہے کہ جس موضوع کو زیر بحث لانا چاہتا ہوں وہ ہر رات سے کچھ طولانی ہو جائے لیکن اس زحمت کو برداشت کر لیں تاکہ میں اپنے اندرونی درد و غم کو ظاہر کر کے تھوڑا سکون حاصل کر سکوں ۔

بعض جاہلوں اور بے خبر عقیدت مندوں کا قول ہے کہ جو معاملہ تیرہ سو سال قبل واقع ہوا ہے ہم کو اس میں گفتگو کرنے کی کیا ضرورت ہے ؟ حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ علمی مسائل ہر زمانہ اور ہر دور میں قابل بحث ہوتے ہیں، عادلانہ مباحثوں میں حقیقتوں کا انکشاف ہوتا ہے اور خاص طور پر وراثت کا دعویٰ تو قانوناً ہر زمانے میں کسی وارث کی طرف سے فیصلے کے لئے پیش کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ وارثوں کی ایک فرد میں بھی ہوں لہٰذا آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ براہِ کرم مُنصفانہ جواب عنایت فرمایئے

حافظ۔ میں انتہائی رغبت اور توجہ سے آپ کے بیانات سننے کے لئے حاضر ہوں۔
خیر طلب۔ اگر ایک باپ خدا کے حکم سے کوئی جائداد اپنے بیٹے کو ہبہ کر دے اور باپ کے مرنے کے بعد اس قابض و متصرف بیٹے سے وہ جائداد چھین لی جائے تو اس کی کیا نوعیت ہوگی ؟
حافظ۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ جس طریقے سے آپ بیان کر رہے ہیں غصب کرنے والا بدترین ظلم کا مرتکب ہوگا۔ لیکن اس ظالم و مظلوم اور غاصب و مغصوب سے آپ کا مقصود کون ہے اور کیا ہے ؟ صاف صاف فرمائیے۔
خیر طلب۔ بالکل واضح بات ہے کہ جو ظلم ہماری جدّہ ماجدہ صدیقۂ کبریٰ فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کے اوپر ہوا وہ کسی اور پر نہیں ہوا۔

حقیقت فدک اور اس کا غصب

کیونکہ جب خیبر کے قلعے فتح ہو گئے تو اشراف و مالکان فدک و عوالی (یہاں مدینے کے پہاڑوں کے دامن میں سمندر کے ساحل تک آگے پیچھے سات گاؤں تھے جو بہت زرخیز تھے۔ نخلستان بکثرت تھے اور اراضی کا طول و عرض بہت وسیع تھا اس کے حدود اربعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک حد مدینے کے نزدیک کوہ احد، ایک حد عریش، ایک سمندر کے کنارے اور ایک حد دومۃ الجندل تک تھی)۔
رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس شرط پر صلح کی کہ سارے فدک کا نصف ان کا اور نصف حصّہ رسول خدا کی ملکیت ہوگا۔ جیسا کہ صاحب معجم البلدان یاقوت حموی نے فتوح البلدان جلد ششم ص ۳۴۳ میں، احمد بن یحییٰ بلاذری بغدادی متوفی ۲۷۹ھ نے اپنی تاریخ میں، ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ جلد چہارم مطبوعہ مصر ص ۷۸ میں، ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری سے نقل کرتے ہوئے، محمد بن جریر طبری نے تاریخ کبیر میں اور آپ کے دوسرے محدثین و مورخین نے درج کیا ہے

آیۂ وآت ذاالقربیٰ حقّہ کا نزول

مدینۂ منورہ میں واپسی کے بعد ربّ جلیل کی طرف سے جبرئیل نازل ہوئے اور سورۂ نمبر ۱۷ (بنی اسرائیل) کی آیت نمبر ۲۸ پڑھی کہ وآت ذاالقربیٰ حقّہ والمسکین وابن السبیل ولا تبذّر تبذیراً (یعنی اپنے اقربا نیز فقیروں اور مجبور مسافروں کا حق ادا کرو اور اسراف ہرگز نہ کرو) رسول خدا سوچنے لگے کہ ذوی القربیٰ کون ہیں اور ان کا حق کیا ہے ؟ جبرئیل پھر حاضر ہوئے اور عرض کیا خدا فرماتا ہے ادفع فدکا الیٰ فاطمہ فدک فاطمہؑ کو دے دیجئے ! آں حضرتؐ نے جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کو بلایا اور فرمایا ان اللہ آمرنی ان ادفع الیک فدکا بتحقیق خدا نے مجھ کو حکم دیا ہے کہ فدک تم کو دیدوں

پس اُسی وقت فدک جناب فاطمہؑ کو ہبہ فرمایا اور قبضہ دے دیا۔

حافظ ۔ آیا آیۂ شریفہ کی یہ شان نزول شیعوں کے کتب و تفاسیر میں لکھی ہوئی ہے یا آپ نے ہماری معتبر کتابوں میں بھی اس کے شواہد دیکھے ہیں ؟ ۔

خیر طلب ۔ امام المفسرین احمد ثعلبی کشف البیان میں، جلال الدین سیوطی اپنی تفسیر جلد چہارم میں حافظ ابن مردویہ سے مشہور مفسر احمد بن موسیٰ متوفی ۳۵۲ھ ہجری ابو سعید خدری اور حاکم ابوالقاسم حسکانی سے، ابن کثیر عماد الدین اسمٰعیل ابن عمرو دمشقی فقیہ شافعی اپنی تاریخ میں اور شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودۃ باب ۳۹ میں تفسیر ثعلبی، جمع الفوائد اور عیون الاخبار سے نقل کرتے ہیں کہ لما نزلت وآت ذاالقربیٰ حقلہ دعا النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاطمۃ فاعطاھا فدکؑ الکبیر (یعنی جب آیت وآت ذاالقربیٰ حقّہ نازل ہوئی تو رسولِ خدا نے فاطمہ کو بلایا اور فدک بزرگ ان کو عطا فرمایا) چنانچہ جب تک آں حضرتؐ حیات رہے فدک فاطمہ سلام اللہ علیہا کے تصرف میں رہا وہ معظمہ اس کو ٹھیکے پر دیتی تھیں اور مال اجارہ تین قسطوں میں وصول ہوتا تھا۔ جس میں سے بی بی فاطمہؑ اپنی اور اپنے فرزندوں کی ایک شب کی خوراک کے حساب سے نکال کر فقرائے بنی ہاشم کے درمیان اور فاضل رقم دیگر فقراء وضعفاء کو اپنی رضا و رغبت سے بطور اعانت تقسیم فرما دیتی تھیں۔

رسولؐ اللہ کی وفات کے بعد خلیفۂ وقت کے کارندوں نے جا کر یہ جائداد بی بی فاطمہؑ کے اجارہ داروں سے چھین کر ضبط کر لی۔

حضرات خدا کے لئے انصاف سے بتایئے کہ اس حرکت کا کیا نام رکھنا چاہیئے۔

حافظ ۔ یہ پہلا موقع ہے جب میں آپ سے سن رہا ہوں کہ رسولِ خدا نے خدا کے حکم سے فدک فاطمہؑ کے سپرد کر دیا تھا۔

خیر طلب ۔ ممکن ہے آپ کی نظر سے نہ گذرا ہو لیکن میں نے بہت دیکھا ہے میں عرض کر چکا کہ آپ کے اکثر اکابر علماء نے اپنی معتبر کتابوں میں اس کو درج کیا ہے لیکن مزید توضیح کے لئے پھر عرض کرتا ہوں کہ حافظ ابن مردویہ، واقدی اور حاکم نے اپنی تفسیر و تاریخ میں، جلال الدین سیوطی نے در المنثور جلد چہارم ص۱۷۷ میں، مولوی علی متقی نے کنز العمال اور اس مختصر حاشیہ میں جو مسند امام احمد ابن حنبل کی کتاب الاخلاق کے مسئلہ صلۂ رحم پر لکھا ہے اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد چہارم میں، ابو سعید خدری کے علاوہ دُوسرے مختلف طریقوں سے نقل کیا ہے کہ جب یہ آیہ شریفہ نازل ہوئی تو پیغمبر نے فدک کو فاطمہؑ زہرا سلام اللہ علیہا کے سپرد کیا۔

حدیث لا نورث سے استدلال اور اس کا جواب

حافظ ۔ مسلّم تو یہ ہے کہ خلفاء نے فدک کو اس مشہور حدیث کی بنیاد پر ضبط کیا کہ خلیفہ ابوبکر نے کہا میں نے رسولِ خدا سے سُنا کہ آپ نے فرمایا تھا: معاشر الانبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقۃ (یعنی ہم گروہ انبیاء وارث نہیں بناتے، جو ہمارے ترکہ ہو وہ صدقہ ہے (یعنی اُمت کا حق ہے)

خیر طلب ۔ اوّل تو یہ وراثت نہیں تھی ہبہ تھا، دوسرے جو عبارت آپ نے حدیث کے عنوان سے نقل کی ہے اس میں بھی بہت سے اشکال ہیں اور یہ باطل ہے ۔

حافظ ۔ اس مسلّم حدیث کی مردودیت کے اوپر آپ کی دلیل کیا ہے ؟

خیر طلب ۔ اس کی مردودیت کے دلائل بہت ہیں جو صاحبان علم و انصاف کے نزدیک ثابت ہیں ۔

اوّل تو یہ جس شخص نے بھی یہ حدیث بنائی ہے بغیر غور و فکر کے یہ جملے منہ سے نکال دئیے ۔ اس لئے کہ اگر غور کیا ہوتا تو ایسی عبارت بناتا جس سے بعد کو شرمندگی نہ ہو اور اربابِ عقل و دانش اُس کا مذاق نہ اُڑائیں ۔ ونحن معاشر الانبیاء لونورث ہرگز نہ کہتا کیوں کہ وہ سمجھ لیتا کہ ایک روز اُس کا جھوٹ خود اس مصنوعی حدیث کی عبارت سے کھل جائے گا ۔ اگر کہا ہوتا انا لا اورث ۔ یعنی صرف میں نے جو خاتم الانبیاء ہوں وارث قرار نہیں دی ہے تو گفتگو میں فرار کا راستہ نکل سکتا تھا ۔ لیکن جب کلمۂ جمع استعمال کیا کہ ہم گروہ انبیاء وارث نہیں بناتے تو ہم حدیث کی صحت و سقم کی جانچ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور خود آپ ہی کے قول کی بنیاد پر قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے ہیں تاکہ حقیقت ظاہر ہو جائے ۔

جس وقت قرآن سے اس کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں قرآن مجید میں وراثت انبیاء کے بارے میں کافی آیتیں موجود ہیں جو بتاتی ہیں کہ سارے انبیاء عظام میراث رکھتے تھے اور ان کے بعد ورثا اس پر تصرف کرتے تھے ۔ لہٰذا اس حدیث کی مردودیت واضح ہو جاتی ہے ۔

چنانچہ عالم محدّث ابوبکر احمد بن عبد العزیز جوہری نے جن کے متعلق ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد چہارم ص۸۰ میں توثیق کی ہے کہ اہل سنن کے اکابر علماء و محدثین میں سے اور صاحب ورع و تقویٰ تھے، کتاب سقیفہ میں، ابن اثیر نے نہایہ میں، مسعودی نے اخبار الزمان اور اوسط میں اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد چہارم ص میں، ابوبکر احمد جوہری سے بحوالہ کتاب سقیفہ و فدک بکثرت طرق و اسانید کے ساتھ جن میں سے بعض نے امام پنجم ابوجعفر حضرت محمد باقر علیہ السلام سے بسلسلۂ صدیقہ صغریٰ زینب کبریٰ اور بعض نے عبد اللہ ابن حسن سے بروایت صدیقہ کبریٰ فاطمہ زہرا صلوٰت اللہ علیہا اور ص۹۳ میں ام المومنین عائشہ نیز ص۹۴ میں محمد بن عمران مرزبانی سے، انہوں نے جناب زید بن علی بن الحسین علیہم السلام سے انہوں نے اپنے پدر بزرگوار سے، انہوں نے اپنے پدر گرامی حضرت امام حسین علیہم السلام سے اور انہوں نے جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا سے نقل کیا ہے ۔ اور آپ کے دوسرے علماء نے بھی ۔

مسجد کے اندر مہاجرین و انصار کے مقابل مسلمانوں کے مجمع عام میں جناب فاطمۂ مظلومہ، سلام اللہ علیہا کی اس تقریر اور استدلال کو نقل کیا ہے جس نے مخالفین کو اس طریقے سے مبہوت کیا کہ وہ کوئی جواب نہ ہی دے سکے (چونکہ ان کے پاس کوئی معقول جواب نہیں تھا لہٰذا ہنگامے اور دھاندلی سے کام نکالا)

ان کی اس جھوٹی، مہمل اور بے بنیاد حدیث کے مقابلہ میں جناب معصومہ کی ایک دلیل یہ بھی تھی کہ فرمایا کہ اگر یہ حدیث

صحیح ہے اور انبیاء میراث نہیں چھوڑتے تھے تو قرآن مجید کے اندر وراثت کی یہ ساری آیتیں کیوں موجود ہیں ؟ ۔

حدیث لانورث کے رد میں جناب فاطمہؑ کے دلائل

ایک مقام پر ارشاد ہے وورث سلیمان داؤد آیت نمبر۱۶ سورہ نمبر۲۷ (نمل) (یعنی سلیمان نے داؤد کی میراث پائی۔) حضرت زکریا کے قصے میں فرمایا فہب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من اٰل یعقوب آیت ۵ سورہ ۱۹ (مریم) (یعنی اپنے لطف خاص سے مجھ کو ایک فرزند صالح اور جانشین عطا فرما جو میرا اور آل یعقوب کا وارث ہو) اور حضرت زکریا کی دعا کے بیں آیا ہے وزکریا اذ نادیٰ ربہ لا تذرنی فردا وانت خیر الوارثین۔ فاستجبنا له ووھبنا له یحییٰ ۔ آیت نمبر۸۹ سورہ نمبر۲۱ (انبیاء) (یعنی اور یاد کرو زکریا کو جب کہ انہوں نے اپنے خدا کو پکارا کہ خداوند مجھ کو تنہا نہ چھوڑ (یعنی مجھ کو بیٹا اور وارث عطا فرما) اور تو دنیا کے تمام وارثوں سے بہتر ہے۔ پس ہم نے اُن کی دعا قبول کی اور انہیں یحییٰ سا فرزند عطا کیا)

اس کے بعد فرماتی ہیں یا ابن ابی قحافہ انی کتاب اللہ ان ترث اباک ولا ارث ابی لقد جئت شیئا فریا افعلی عمد ترکتم کتاب اللہ ونبذ تموہ وراء ظھورکم (یعنی اے پسر ابو قحافہ ! آیا کتاب خدا میں یہی ہے کہ تو اپنے باپ کا وارث ہو اور میں اپنے باپ کی وراثت سے محروم رہوں ؟ یہ تو نے بڑا بہتان باندھا ہے آیا تم لوگوں نے جان بوجھ کر عمداً اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا اور قرآن کو پس پشت ڈال دیا ؟) کیا میں پیغمبرؐ کی اولاد نہیں ہوں کہ مجھے میرے حق سے محروم کر رہے ہو ؟ پس یہ سب وراثت کی آیتیں جو عام طور سے انسانوں کے لئے اور خاص طور پر انبیاء کے لئے ہیں آخر کس وجہ سے قرآن مجید میں درج ہوئیں ! کیا ایسا نہیں ہے کہ قرآن کی آیتیں روز قیامت تک اپنی حقیقت پر باقی ہیں کیا قرآن یہ ارشاد نہیں ہے ۔ واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض (یعنی خویش واقرباء میں سے بعض وراثت میں بعض دوسروں پر مقدم ہیں ۔ آیت نمبر۷۶ سورہ نمبر۸ (انفال) یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین (یعنی تمہاری اولاد کے بارے میں حکم خدا یہ ہے کہ لڑکے لڑکیوں سے دوگنی وراثت پائیں ۔ آیت نمبر۱۲ سورۂ نمبر۴ (نساء) کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیة للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین (یعنی سب کو باقاعدہ ہدایت کی جاتی ہے کہ اگر تم میں سے کسی کو موت کا وقت آجاوے اور وہ کچھ مال متاع چھوڑے تو اپنے ماں باپ اور خویش واقرباء کے لئے نیکی کے ساتھ وصیت کرے ۔ یہ کام پرہیزگاروں پر فرض ہے آیت نمبر۱۸۶ سورہ نمبر۲ (نساء) آخر کس خصوصیت نے مجھ کو باپ کے ترکہ سے محروم کیا ؟ افخصکم اللہ بآیة اخرج ابی منھا ام انتم اعلم بخصوص القرآن وعمومه من ابی وابن عمی (آیا خاص طور پر خدا نے تمہارے اوپر کوئی آیت نازل کی

ہے جس سے میرے باپ کو محروم رکھا ہے ؟ یا تم میرے باپ (محمدؐ) اور میرے ابن عم (علیؑ) سے زیادہ قرآن کے عام اور خاص کو جانتے ہو ؟) جب وہ لوگ ان دلائل اور حق باتوں کے مقابلے میں بالکل ساکت ہو گئے اور سوا مغالطہ بازی، فحش بکنے اور اہانت کرنے کے ان کے پاس کوئی جواب نہ رہا تو بالآخر انہیں طریقوں سے جناب معصومہؑ کو مجبور بنایا۔

فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا نے فریاد بلند کی اور فرمایا کہ آج تم نے میرا دل توڑ دیا اور زبردستی میرا حق چھین لیا ہے۔ لیکن میں قیامت کے روز اللہ کے محکمۂ عدالت میں تمہارے خلاف دعویٰ دائر کروں گی اور خدائے قادر و توانا تم سے میرا حق وصول کرے گا۔

فنعم الحکم اللہ والزعیم محمدا والموعد القیٰمۃ وعند الساعۃ یخسر المبطلون ولا ینفعکم اذ تندمون ولکل نبا مستقر وسوف تعلمون من یاتیہ عذاب یخزیہ ویحل علیہ عذاب مقیم۔

(یعنی سب سے بہتر حکم کرنے والا اللہ ہے اور محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم رئیس و آقا ہیں۔ ہماری تمہاری وعدہ گاہ قیامت ہے۔ اُس روز اہل باطل گھاٹے میں رہیں گے اور ندامت و پریشانی تم کو کوئی نفع نہ بخشے گی، ہر چیز کے لئے ایک وقت اور موقع ہے اور عنقریب تم کو معلوم ہوگا کہ ذلیل و خوار کرنے والا عذاب کس پر نازل ہوتا ہے اور کون ہمیشہ کے لئے عذاب میں مبتلا ہوتا ہے)

حافظ ۔ کون شخص اتنی جرأت کر سکتا تھا، رسول اللہ کی امانت اور پارۂ جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شان میں گستاخی کرے جو آپ فرماتے ہیں کہ مغالطہ بازی میں اُن معظمہ کو فحش باتیں کہیں ؟ میں اس بیان پر یقین نہیں کر سکتا۔ مغالطہ بازی ممکن ہے لیکن فحش باتیں کہنا ممکن نہیں۔ آپ دوبارہ ایسی بات نہ فرمائیے گا۔

خیر طلب ۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ کسی کو اتنی جرأت نہیں تھی سوا آپ کے خلیفہ ابوبکر کے، جو اُن مظلومہ بی بی کی مضبوط دلیلوں کا جواب نہ دے سکے تو اسی وقت منبر پر چڑھ گئے اور گستاخی کرنا شروع کی۔ اور صرف جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کی نہیں، بلکہ اُن کے شوہر اور ابن عم، محبوب خدا و رسول امیر المومنین علی علیہ السلام کی بھی اہانت کی۔

حافظ ۔ میرا خیال ہے کہ اس قسم کی تہمتیں شیعہ عوام اور متعصب لوگوں کی طرف سے پھیلائی گئی ہوں گی۔

خیر طلب ۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ چیزیں شیعہ عوام کی طرف سے نہیں بلکہ اہل سنت والجماعت کے خواص اور بڑے بڑے علماء کی طرف سے نشر ہوئیں۔ شیعہ جماعت میں ایسا تعصب بہت ہی شاذ بلکہ ناممکن ہے کہ جھوٹی باتیں پھیلائی جائیں۔ ہمارے عوام چاہے جتنے متعصب ہوں لیکن روایتیں نہیں گڑھتے۔ پس یہ بالکل سچی روایت ہے جس کو آپ کے اکابر علماء نے بھی نقل کیا ہے۔ آپ اپنے یہاں کی معتبر اور مشہور کتابیں دیکھئے تو خود ہی تصدیق کیجئے کہ آپ کے انصاف پسند اکابر علماء بھی ان حقائق کے معترف ہیں چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ جلد چہارم ص۸۰ مطبوعہ مصر میں، ابوبکر احمد بن عبدالعزیز جوہری سے نقل کرتے ہوئے علیؑ و فاطمہ علیہا السلام کے احتجاج کے بعد ابوبکر کا منبر پر جانا اور اس امانت رسولؐ کی اہانتیں کرنا تفصیل سے درج کیا ہے

ابوبکر سے علیؑ کا احتجاج

اس کے علاوہ دُوسروں نے بھی لکھا ہے کہ جب جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا نے اپنا خطبہ تمام کیا تو علی علیہ السلام نے احتجاج شروع کیا، مسجد کے اندر مہاجرین و انصار اور مسلمانوں کے عام مجمع میں ابوبکر کی طرف رُخ کر کے فرمایا کہ تم نے فاطمہؑ کو اُن کے باپ کی میراث سے کیوں محروم کیا، درآنحالیکہ وراثت کے علاوہ وہ اپنے باپ کی زندگی ہی میں اُس کی مالک اور متصرف تھیں؟ ابوبکر نے کہا فدک مسلمانوں کا مالِ غنیمت ہے۔ اگر فاطمہؑ مکمل شہادت پیش کریں کہ یہ اُن کی ملکیت ہے تو میں ضرور ان کو دے دوں گا ورنہ محروم کر دوں گا۔

حضرت نے فرمایا اتحکم فینا بغیر ما تحکم فی المسلمین آیا تم مسلمانوں کے درمیان جو کچھ حکم دیتے ہو، ہمارے بارے میں اُس کے خلاف حکم لگاتے ہو؟

کیا رسولؐ خدا نے نہیں فرمایا ہے کہ البینۃ علی من ادعی والیمین علی من ادعی علیہ (یعنی ثبوت اور گواہ مدعی کے ذمّے ہے اور قسم مدعا علیہ کے ذمّے)؟ تم نے قولِ رسولؐ کو رد کر دیا اور دستورِ شرع کے برخلاف فاطمہؑ سے گواہ طلب کرتے ہو جو پیغمبرؐ کے زمانے سے اب تک اُس پر متصرف رہیں۔ کیا فاطمہؑ کا قول (جو اصحاب کساء کی ایک فرد اور آیۂ تطہیر میں شامل ہیں) حق نہیں ہے؟ اخبرنا لوان شاھدین شھدا علی فاطمۃ بفاحشۃ ما کنت صانعۃ بھا۔ قال اقیم علیھا الحد کسایر النساء۔ قال علیہ السلام کنت اذ عند اللہ من الکافرین لانک رددت شہادۃ اللہ لھا بالطھارۃ حیث قال انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا (یعنی مجھے بتاؤ کہ اگر دو گواہ گواہی دے دیں کہ (معاذ اللہ) فاطمہؑ سے کوئی بدکاری سرزد ہوئی ہے تو تم اُن سے کیا برتاؤ کرو گے؟ ابوبکر نے کہا کہ دوسری عورتوں کی طرح ان پر بھی حد جاری کروں گا۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر تم ایسا کرو تو خدا کے نزدیک کافر قرار پاؤ گے کیونکہ تم نے طہارت فاطمہؑ کے بارے میں اللہ کی گواہی کو جھٹلا دیا جیسا کہ اس کا ارشاد ہے کہ سوا اس کے نہیں ہے کہ خدا یہ ارادہ رکھتا ہے کہ اے اہل بیتؑ تم سے ہر گندگی کو دور رکھے اور تم کو اس طرح سے پاک و پاکیزہ جو پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے) کیا یہ آیت ہمارے حق میں نازل نہیں ہوئی ہے؟ کہا کیوں نہیں، حضرت نے فرمایا کہ آیا وہ فاطمہؑ جن کی طہارت پر خدا نے شہادت دی ہے دنیا کی ایک حقیر جائداد کے لئے جھوٹا دعویٰ کر سکتی ہیں؟ تم طاہرہ کی شہادت تو رد کرتے ہو و قبلت شہادۃ اعرابی بال علی عقبیہ اور اس اعرابی کی شہادت قبول کر لیتے ہو۔ جو اپنے پاؤں کی ایڑی پر پیشاب کرتا ہے؟

حضرت یہ جملے ارشاد فرما کر جھنجلائے ہوئے اپنے گھر تشریف لے گئے، اس احتجاج سے لوگوں میں ایک عجیب ہنگامہ برپا

ہوگیا۔ ہر شخص یہی کہتا تھا کہ حق علیؑ و فاطمہؑ کے ساتھ ہے۔ خدا کی قسم علیؑ سچ کہتے ہیں۔ آخر رسولؐ کی بیٹی سے یہ کیسا سلوک کیا جا رہا ہے۔

بالائے منبر ابوبکر کی بدکلامی اور علیؑ و فاطمہؑ کو گالی دینا

اسی موقع پر ابن ابی الحدید نقل کرتے ہیں کہ جب علیؑ و فاطمہؑ کے احتجاج سے لوگ متاثر ہوئے اور شور کرنے لگے تو ان دونوں حضرات کے چلے جانے کے بعد ابوبکر منبر پر گئے اور کہا ایھا الناس تم نے یہ کیا شور و غل مچا رکھا ہے اور ہر ایک کی بات پر کان دھرتے ہو؟ چونکہ میں نے ان کی شہادت رد کر دی ہے اس لئے وہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں انما هو ثعالة شهيده ذنبه مرب لكل فتنة هو الذی يقول كروها جذعة بعد ما هرمت يستعينون بالضعفة و يستنصرون بالنساء كام طحال احب اهلها اليها البغی (یعنی سوا اس کے نہیں ہے کہ وہ (علیؑ) ایک لومڑی ہے جس کی گواہ اس کی دم ہے، ہر طرح کے فتنے برپا کرتا ہے۔ بڑے بڑے فتنوں کو ہلکا کر کے بیان کرتا ہے اور لوگوں کو فتنہ و فساد پر آمادہ کرتا ہے کمزوروں سے کمک چاہتا ہے اور عورتوں سے مدد چاہتا ہے وہ ام طحال کے مانند ہے جس سے اُس کے گھر والے زنا کرنے کے شائق تھے)

آپ حضرات فحش اور اہانت کے لفظ سے تعجب کرتے ہیں تو کیا یہ دشنام اور اہانت کے الفاظ نہیں تھے؟ کیا لومڑی کی دم اور زناکار عورت ام طحال سے علیؑ و فاطمہؑ کو نسبت دینا ہی وہ تعریف و احترام، محبت و نصرت اور ہمدردی تھی جس کی پیغمبر نے ہدایت فرمائی تھی؟ حضرات اس حسن ظن اور تعصب میں کب تک غرق رہیے گا؟ بیچارے شیعوں سے کب تک بدگمانی کیجئے گا اور اُن کو محض اس جرم میں کب تک رافضی و کافر کہتے رہیئے گا کہ وہ اُن اشخاص کے ایسے اقوال و افعال پر نکتہ چینی کیوں کرتے ہیں جو خود آپ کی کتابوں میں درج ہیں۔

منصفانہ فیصلہ ضروری ہے

آخر آپ حق و انصاف کی آنکھیں کیوں نہیں کھولتے تاکہ حقیقت نظر آئے؟ آیا رسول اللہؐ کے بوڑھے مصاحب کی یہ حرکت اور غیر مہذب گفتگو مناسب اور جائز تھی؟

لہ دوسری کتابوں میں ہے کہ کہا انما هی ثعالة شهيد ها ذنبها - یعنی (معاذ اللہ) فاطمہ سلام اللہ علیہا ایسی لومڑی ہیں جس کی گواہ اس کی دم ہے (یعنی معاذ اللہ علی علیہ السّلام)

اگر کوئی بازاری اور حقیر آدمی کسی کو گالی دے تو اُس میں اور اس بوڑھے انسان میں فرق ہے جو رات دن مسجد میں موجود رہتا ہے اور ذکر و عبادت میں دلچسپی دکھاتا ہو پھر بھی ایسے الفاظ مُنہ سے نکالے ۔

معاویہ، مروان اور خالد جیسے لوگوں کی زبان سے زشت و بیہودہ کلمات فحش گوئی، دشنام طرازی اور رکیک اتہامات دل کو اتنی زیادہ تکلیف نہیں پہنچاتے جس طرح رسولؐ اللہ کے مصاحب غار کے منہ سے ۔

حضرات ہم اُس زمانے میں موجود نہیں تھے صرف علی، ابوبکر، عمر، عثمان، طلحہ، زبیر، معاویہ، مروان، خالد اور ابو ہریرہ وغیرہ کے نام سُنتے ہیں لہٰذا اُن میں سے کسی کے ساتھ ہماری دوستی یا دشمنی نہیں ہے۔ ہم تو صرف دو چیزیں دیکھتے ہیں ایک یہ کہ خدا اور رسولؐ ان میں سے کس کو دوست رکھتے تھے اور کس لئے سفارش اور وصیت فرمائی ہے؟ دُوسرے ان کے اعمال و افعال اور رفتار و گفتار کا جائزہ لیتے ہیں، اس کے بعد انصاف کے ساتھ حق فیصلہ کرتے ہیں۔ ہم آپ حضرات کی طرح فوراً یقین نہیں کر لیتے اور خواہ مخواہ سر نہیں جھکاتے۔ ہم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ محض حسن ظن کی بنا پر آنکھیں بند کر کے ہر کس و ناکس کے بُرے عمل کو بھی نیکی پر محمول کریں، اُس کی تعظیم و تکریم فرض سمجھیں اور اُس کے ناجائز حرکات کی بے موقع صفائی پیش کریں۔

انسان جس وقت آنکھوں پر سفید عینک لگاتا ہے تو اس کو ہر رنگ اپنی اصلی حالت پر نظر آتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ اگر اُس کو سفید رنگ مطلوب ہے تو سیاہ، زرد اور سُرخ رنگ بھی سفید نظر آئیں۔ لہٰذا اگر آپ حضرات بھی اپنی دوستی اور دشمنی سے الگ ہو کر انصاف کی سفید اور نورانی عینک لگائیں تو اچھا اور بُرے کو بُرا دیکھیں۔ اور تصدیق کریں گے کہ ابوبکر جیسے آدمی کے لئے ایسا قول و فعل انتہائی مذموم ہے۔ جو شخص اپنے کو مسلمانوں کا خلیفہ سمجھے اور ایک مدّت تک رسولؐ اللہ کی صحبت میں بیٹھ چکا ہو۔ وہ جاہ و اقتدار کی محبت میں اور شان حکومت کو محفوظ رکھنے کے لئے ایسے رکیک جملے اور انتہائی قبیح گالیاں زبان پر جاری کرنے کے لئے تیار ہو جائے، اور وہ بھی خدا و رسولؐ کی دو محبوب ہستیوں کی شان میں ؟ ۔

ابوبکر کی باتوں پر ابن ابی الحدید کا تعجّب

اس برتاؤ پر صرف ہمیں کو تعجب نہیں ہے بلکہ آپ کے انصاف پسند علماء کو بھی حیرت ہوتی ہے، چنانچہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد چہارم صفحہ ۸۰ میں لکھا ہے کہ خلیفہ کی اس گفتگو سے مجھ کو تعجب ہوا اور میں نے اپنے اُستاد ابو یحییٰ نقیب جعفر بن یحییٰ بن ابی زید البصری سے دریافت کیا کہ ان کلمات میں خلیفہ کا کنایہ اور تعریض کا رُخ کس کی طرف تھا؟ انہوں نے کہا کہ کنایہ اور تعریض نہیں تھی بلکہ صراحت کے ساتھ کہا گیا ہے۔ میں نے کہا کہ اگر صراحت ہوتی تو میں سوال ہی نہ کرتا فضحك و قال بعلی ابن ابی طالب علیہ السلام قلت ھذا الکلام کلّہ لعلی یقولہ ؟ قال نعم انہ الملک یا بنیّ (یعنی وہ ہنس پڑے اور کہا کہ یہ باتیں علی علیہ السلام کو کہی گئیں۔ میں نے کہا کیا یہ سارے الفاظ علی علیہ السلام کے لئے

استعمال کئے گئے ؟ انہوں نے کہا ہاں اے فرزند سلطنت اسی کو کہتے ہیں) (یعنی جاہ طلب لوگ اپنا مطلب حاصل کرنے کے لئے ایسے عمل سے بھی دریغ نہیں کرتے) صاحبانِ انصاف! عبرت حاصل کیجئے اور منصفانہ فیصلہ کیجئے کہ اگر کوئی شخص آپ کے ماں باپ کے لئے ایسی جسارت و اہانت کرے اور اُن کو لومڑی، لومڑی کی دم اور زنا کار عورت سے مثال دے تو کیا آپ کا دل اُس سے صاف ہو سکتا ہے؟ کیا یہی انصاف ہے کہ اگر ہم اس پر گرفت کریں تو آپ اعتراض کے لئے تیار ہو جائیں؟ پھر بھی ہمارا ایمان مانع ہے کہ جتنا واقعہ ہوا ہے اور جس کی خود آپ کے اکابر علماء نے تصدیق کی ہے اُس سے زیادہ نہ کہیں اور نہ لکھیں۔

اگر اس مجمع کے سامنے کوئی شخص کہے کہ حافظ صاحب لومڑی ہیں شیخ صاحب اس کی دم ہیں اور فاحشہ عورت کی طرح جلسے میں گفتگو کرتے ہیں تو آپ کو کس قدر ناگوار ہوگا ؟

حضرات آنکھیں بند نہ کیجئے بلکہ دیدۂ انصاف سے مسجد رسولؐ پر نظر ڈالئے کہ ایک بوڑھا شخص پیغمبرؐ کا یارِ غار بعنوان خلافت منبر رسولؐ کے اوپر مہاجرین و انصار کے سامنے کہتا ہے کہ علیؑ ابن ابی طالب علیہ السلام (معاذ اللہ) لومڑی ہیں، فاطمہؑ اس کی دم ہیں (یا دوسری روایتوں کی بنا پر اس کے برعکس) اور یہ (نعوذ باللہ) زن زانیہ و فاحشہ کے مانند لوگوں کے درمیان حرکتیں کرتے ہیں تو اس وقت ہمارے مولا و آقا امیر المومنین اور ہماری جدّہ مظلومہ فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا پر اس مجمع کے سامنے کیا گذری؟ خدا جانتا ہے کہ اس وقت میرا بند بند کانپ رہا ہے، اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ لرزتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ میں آپ سے گفتگو کر رہا ہوں۔ اب اس بارے میں اس سے زیادہ کچھ کہنے کی طاقت نہیں رکھتا ورنہ ہمارا درد دل بہت ہے ع

این زمان بگذار تا وقتِ دگر

آیا رسول اللہؐ کی مسند پر بیٹھنے والے اور مصاحب کے لئے سزاوار تھا کہ مطالبۂ حق اور صحیح و معقول باتوں کے جواب میں گالیاں دے اور رکیک الفاظ سے حقیقی مومنین کی اور اُمّت کے درمیان آں حضرت کی امانتوں کی توہین کرے۔ ظاہر ہے کہ فحش بکنا عاجزی کا حربہ ہے جس کے پاس صحیح جواب نہیں ہوتا ہے وہ اپنے حریف کو بدزبانی سے مغلوب کرتا ہے۔ پھر یہ سب حضرت علی علیہ السّلام کے ساتھ کیا گیا جن کے لئے آپ کے تمام علماء نے اپنی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ رسولؐ اکرم نے آپ کے بارے میں فرمایا علیّ مع الحق والحق مع علیّ حیث دار (یعنی علیؑ حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ گردش کرتا ہے) دشنام دینے کے بعد آپ کی طرف فتنہ انگیزی کی نسبت بھی دی گئی اور آپ کو سارے فساد کا بانی بتایا گیا۔

علیؑ کو ایذا دینا پیغمبرؐ کو ایذا دینا ہے

کیا علیؑ و فاطمہ علیہا السّلام کے بارے میں پیغمبرؐ کی ان سفارشوں کا یہی نتیجہ تھا جن کو آپ کے سارے علمائے اپنی معتبر کتابوں میں درج کیا ہے؟ یعنی آں حضرتؐ نے ان دونوں حضرات کے لئے علیحدہ علیحدہ فرمایا کہ ان کو اذیّت دینا مجھ کو

اذیت دینا ہے۔ ان ارشادات کا خلاصہ یہ ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا من اذاھما فقد اذانی ومن فقد اذی اللہ (یعنی جس شخص نے ان دونوں (علیؑ و فاطمہؑ) کو تکلیف پہنچائی اُس نے مجھ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھ کو آزار دیا اُس نے خدا کو آزار دیا)

نیز فرمایا۔ من اذی علیاً فقد اذانی (یعنی جس نے علیؑ کو اذیت دی اُس نے مجھ کو اذیت دی)

علیؑ کو دشنام دینا پیغمبرؐ کو دشنام دینا ہے

اور ان سب سے بالاتر آپ کی معتبر کتابوں میں درج ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا من سب علیاً فقد سبنی ومن سبنی فقد سب اللہ (یعنی جس نے علی کو دشنام دیا اس نے دراصل مجھ کو دشنام دیا اور جس نے مجھ کو دشنام دیا اس نے درحقیقت خدا کو دشنام دیا)

محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۱۰ کے شروع میں ابن عباس سے ایک مفصل حدیث نقل کی ہے کہ انہوں نے شام والوں کو ایک جماعت کے سامنے جو علیؑ کو سبّ و لعن کرتے تھے کہا کہ میں نے رسولِ خدا کو علی علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرماتے ہوئے سُنا من سبّک فقد سبّنی ومن سبنی فقد سب اللہ ومن سب اللہ ابنہ اللہ علی منخریہ فی النار (یعنی جو شخص تم کو گالی دے خدا اس کو منہ کے بل جہنم میں جھونک دے گا)

اس حدیث کے بعد اور بھی مسنداً احادیث نقل کرتے ہیں جو سب کی سب اُن لوگوں کے کفر پہ دلالت کرتی ہیں جو علیؑ کو دشنام دیں۔ چنانچہ دسویں باب کا عنوان ہی اس عبارت سے قائم کیا ہے کہ الباب العاشر فی کفر من سب علیاً (یعنی دسواں باب اُس شخص کے کفر میں جو علیؑ کو دشنام دے)

نیز حاکم نے مستدرک جلد سوم ص۱۲۱ میں آخری جملے کے علاوہ یہی حدیث نقل کی ہے پس ان حدیثوں کے مطابق علی علیہ السلام کو سبّ و شتم کرنے والے خدا اور رسولؐ کو سبّ و شتم کرنے والے ہیں اور خدا و رسولؐ کو سبّ و شتم کرنے والے ہیں ۔

——— جیسے فرزندان ابی سفیان دیگر بنی اُمیہ خوارج اور نواصب وغیرہ) ملعون اور جہنمی ہیں۔

بس اسی قدر کافی ہے۔ قیامت چاہے دیر میں آئے لیکن آئے گی ضرور۔ چونکہ ہماری جدۂ مظلومہؑ نے سکوت اختیار کیا اور اس کی دادرسی روز قیامت محکمۂ عدالتِ الٰہیہ پر اٹھا رکھی لہٰذا ہم بھی سکوت اختیار کر کے آپ کی معتمد علیہ حدیث کو رد کرنے والے دلائل کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

علیؑ بابِ علم و حکمت ہیں

حدیث لانورث کی مردودیت پر دوسری دلیل یہ ہے کہ اس متفق علیہ فریقین (شیعہ و سُنی) حدیث شریف کو دیکھتے ہوئے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا انا مدینۃ العلم وعلی بابہا۔ انا دار الحکمۃ وعلی بابہا (یعنی میں شہر علم ہوں اور علی اُس کے در ہیں۔ میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کے در ہیں) علمی اور عقلی قواعد کے رو سے لازمی ہے کہ رسولؐ اللہ کا باب علم آں حضرتؐ کے احادیث و ہدایات سے بالخصوص جن کا تعلق احکام سے ہو اور خاص الخاص طور پر جو وراثت کے بارے میں ہوں پُوری آگاہی رکھتا ہو کیونکہ ان سے ساری اُمت کا فائدہ اور نقصان وابستہ ہے۔ ورنہ پھر وہ باب علم نہیں ہو سکتا جس کے لئے رسولِ خدا فرمائیں من اراد العلم فلیأت الباب (یعنی جو شخص علم حاصل کرنا چاہیے وہ علیؑ کے دروازہ پر آئے) اور نہ عقل اس کو باور کر سکتی ہے کہ پیغمبرؐ نے بنا بر ان روایات کے جو آپ کی تمام معتبر کتابوں میں وارد ہیں علی علیہ السلام کو ساری اُمت سے بہتر فیصلہ کرنے والا بنایا ہوگا اور فرمایا ہوگا علی اقضاکم یعنی علی علم و قضاوت میں تم سب لوگوں سے افضل ہیں۔

کیا یہ ایک مضحکہ خیز بات نہیں ہے کہ رسولؐ اللہ کسی کے لئے تصدیق فرمائیں کہ یہ علم قضاوت میں سب سے بالاتر ہے لیکن وہ وراثت وحقوق کے مسائل اچھی طرح نہ جانتا ہو۔ اور پھر آں حضرتؐ احکام میراث اُس کو بتائیں بھی نہیں؟ درانحالیکہ قاضی کے لئے جملہ علوم میں بالخصوص علم فقہ وحقوق میں پوری مہارت ہونا ضروری ہے۔ جس میں سب سے اہم قانون وراثت ہے۔ کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے کہ ایک حدیث اور وہ بھی میراث کے بارے میں جس کا خصوصیت سے رسولؐ اللہ کے ذاتی اور گھریلو معاملات سے تعلق ہو آنحضرتؐ کے وصی اور باب علم علی علیہ السلام نے تو نہ سُنی ہو لیکن اوس بن حدثان یا ابوبکر ابن ابی قحافہ نے سُن لی ہو؟

آیا آپ کی عقل قبول کرتی ہے کہ ایک معمولی جاہل آدمی بھی وصیت کرے، کسی قابل اطمینان انسان کو اپنا وصی بنائے اور اپنے بعد کے لئے اس کو مکمل دستور العمل دے جائے لیکن وصیت کا ایک اہم نکتہ یعنی پس ماندگان کی میراث کا معاملہ نہ بتائے بلکہ ایک غیر شخص سے کہہ جائے کہ میرے بعد ایسا ایسا ہوگا؟ نہ کہ رسولِ خدا کی ایسی جامع ومانع ہستی جو خاتم الانبیاء بھی ہوں اور جس کی غرض بعثت انسانوں کے نظامِ اجتماعی کی حفاظت اور دنیا و آخرت کی آسانیاں فراہم کرنا ہوں، اپنے لئے وصی ووارث اور جانشین معین فرمائے یعنی خدا علیؑ کو آں حضرت کا وصی اور وارث مقرر کرے، اور پھر ایسی حدیث جو منصب وصایت پر فائز ہونے کے علاوہ آں حضرت کے علم وحکمت کا در بھی ہو؟

شیخ ۔ ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے کیونکہ حدیث مدینہ کو اکابر علماء نے قبول نہیں کیا ہے اور موضوع وصایت بھی علماء جمہور کے نزدیک مردود اور غیر مسلم ہے اس لئے کہ بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں نیز ہمارے دوسرے بزرگ عالموں نے اُم المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا احتضار کے وقت پیغمبرؐ کا سر میرے

سینے پر تھا یہاں تک کہ آپ نے انتقال فرمایا۔یعنی میں دیکھ رہی تھی کہ کوئی وصیّت نہیں کی یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی وصیت کی ہو اور اُمّ المومنین کو پتہ نہ چلا ہو جب کہ آخر وقت تک رسُولؐ اللہ کا سر مُبارک اُن کے سینے پر تھا؟ اگر وصیت کی ہوتی تو اُمّ المومنین رضی اللہ عنہا اس کو ضرور نقل کرتیں۔ پس وصیّت کا قصہ سرے سے ہی ختم ہو جاتا ہے۔

خیر طلب۔ حدیث مدینہ کے بارے میں آپ نے زیادتی فرمائی کیونکہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ اس پر فریقین کا اتفاق ہے اور یہ تقریباً تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے جیسا کہ آپ کے اکابر علماء نے اپنی معتبر کتابوں میں مثلاً امام ثعلبی، فیروز آبادی، حاکم نیشاپوری محمد جزری، محمد بن جریر طبری، سیوطی، سخاوی، متقی ہندی، محمد بن یوسف گنجی شافعی، محمد بن طلحہ شافعی، قاضی فضل بن روزبہان مناوی، ابن حجر مکی، خطیب خوارزمی، سلیمان قندوزی حنفی، ابن مغازلی فقیہ شافعی، دیلمی، ابن طلحہ شافعی، میر سیّد علی ہمدانی، حافظ ابو نعیم اصفہانی، شیخ الاسلام حموینی، ابن ابی الحدید معتزلی، طبرانی، سبط ابن جوزی اور امام ابو عبدالرحمٰن نسائی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ رہا موضوعِ وصایت اور رسولؐ اللہ سے مروی نصوص تو وہ بکثرت، بے شمار اور متواترات مسلّمہ میں سے ہیں۔ اور سوا کینہ پرور، ضدی متعصّب اور جاہل انسان کے قطعاً کوئی وصیّت کا منکر نہیں ہو سکتا۔

نواب۔ خلیفہ پیغمبرؐ ہی آں حضرتؐ کا وصی بھی ہے جو آنحضرتؐ کے گھریلو کاموں کو بھی انجام دیتا ہے۔ جیسا کہ خلفاء رضی اللہ عنہم انجام دیتے تھے اور ازواج رسولؐ کے وظیفہ ادا کرتے تھے۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ علی کرم اللہ وجہہ کو خاص طور سے وصایت پر معیّن فرمایا تھا؟

خیر طلب۔ آپ نے صحیح فرمایا۔ بدیہی چیز ہے کہ رسولؐ اللہ کا خلیفہ اور وصی ایک ہی شخص تھا چنانچہ دلائل و نصوصِ خلافت کو گذشتہ راتوں میں عرض کر چکا ہوں۔ اور آں حضرت کی وصایت نصوص جلیّہ کے ساتھ بالکل واضح و آشکار ہے کہ جس موقع پر دوسرے لوگ سازش اور سیاسی چالوں میں منہمک تھے وصی رسُولؐ آں حضرت کے غسل اور کفن و دفن میں مشغول تھا، اور بعد کو بھی وہ امانتیں ادا کرنے میں مصروف رہا جو آں حضرت کے پاس جمع تھیں۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس اور ہمارے آپ کے تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے۔

وصایت کے بارے میں رُوایتیں

اب میں مجبُور ہوں کہ اس مطلب کے ثبوت میں چند مختصر حدیثوں کی طرف اشارہ کروں تاکہ شیخ صاحب پھر یہ نہ فرمائیں کہ ہمارے علماء کے نزدیک مردود ہے۔ امام ثعلبی مناقب اور اپنی تفسیر میں، ابن مغازلی فقیہ شافعی مناقب میں اور میر سیّد علی ہمدانی مودت القربیٰ مودت ششم میں خلیفہ دوم عمر ابن خطاب سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا انّ رسُولؐ اللّٰہ لما عقد المواخاۃ بین اصحابہ قال ھٰذا علیّ اخی فی الدنیا والآخرۃ وخلیفتی فی اھلی ووصیّ فی اُمّتی ووارث علمی وقاضی دینی مالہ منی مالی منہ نفعہ نفعی وضرّہ ضرّی من احبّہ فقد احبّنی

ومن ابغضہ فقد ابغضنی (یعنی رسولؐ اللہ نے جس روز اصحاب کے درمیان اخوت اور برادری قائم فرمائی تو فرمایا یہ علیؑ دنیا و آخرت میں میرے بھائی، میرے اہل بیت میں میرے خلیفہ، میری اُمّت میں میرے وصی، میرے علم کے وارث اور میرے قرض کو ادا کرنے والے ہیں، جو ان کا ہے وہ میرا ہے، جو میرا ہے وہ ان کا ہے، ان کا نفع میرا نفع اور ان کا ضرر میرا ضرر ہے، جو شخص ان کو دوست رکھے اُس نے دراصل مجھ کو دوست رکھا اور جو ان سے دشمنی رکھے درحقیقت اُس نے مجھ سے دشمنی رکھی)

شیخؒ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ کے باب ۱۵ کو اسی موضوع سے مخصوص کیا ہے اور امام ثعلبی، حموینی، حافظ ابونعیم، احمد بن حنبل، ابن مغازلی، خوارزمی اور دیلمی سے بیس روایتیں وصایت علی علیہ السّلام کے ثبوت میں نقل کی ہیں جن میں سے بعض کو آپ حضرات کے خیالات روشن کرنے کے لئے عرض کرتا ہوں۔

مسند امام احمد ابن حنبل سے نقل کرتے ہیں (سبط ابن جوزی نے تذکرۂ خواص الامۃ ص۲۶، اور ابن مغازلی شافعی نے مناقب میں بھی یہ روایت نقل کی ہے) کہ انس ابن مالک کہتے ہیں ہم نے سلمان سے کہا کہ پیغمبر سے سوال کرو کہ ان کا وصی کون ہے؟ فقال سلمان یا رسول اللہ من وصیّک؟ فقال؟ یا سلمان من کان وصیّ موسیٰ؟ فقال یوشع بن نون قال، انّ وصیّ ووارثی یقضی دینی وینجز موعدی علی ابن ابی طالب (یعنی سلمان نے عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ آپ کا وصی کون ہے؟ فرمایا اے سلمان موسیٰ کا وصی کون تھا؟ عرض کیا یوشع بن نون۔ فرمایا میرا وصی میرا وارث جو میرے قرض کو ادا کریگا اور میرے وعدے کو پورا کرے گا۔ علی ابن ابی طالب ہیں)

خوارزم کے اخطب الخطباء موفق بن احمد سے اور وہ بریدہ سے نقل کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا لکل نبی وصیّ ووارث وانّ علیاً وصیّ ووارثی (یعنی ہر نبی کا ایک وصی اور وارث ہے اور بتحقیق میرے وصی اور وارث علیؑ ہیں)۔

(محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۲۲ ص۱۳۱ میں بھی سند کے ساتھ اسی خبر کی روایت کی ہے اور نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ یہ ایسی بہتر حدیث ہے کہ اس کو محدث شام نے بھی اپنی تاریخ میں درج کیا ہے۔

شیخؒ الاسلام حموینی سے اور وہ ابوذر غفاری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم انا خاتم النبیّین وانت یا علی خاتم الوصیّین الی یوم الدین۔ (یعنی رسول اللہ صلعم نے فرمایا میں خاتم الانبیاء ہوں اور تم اے علیؑ خاتم الاوصیاء ہو روز قیامت تک)

خطیبؒ خوارزمی سے اور وہ اُمّ المومنین اُمّ سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا رسولؐ اکرم نے فرمایا انّ اللہ اختار من کل نبیّ وصیّاً وعلیّ وصیّی فی عترتی واھل بیتی وامّتی بعدی (یعنی خدا نے ہر پیغمبرؐ کے لئے ایک وصی منتخب فرمایا اور میرے بعد میری عترت میرے اہل بیت اور میری اُمّت میں میرے وصی علیؑ ہیں)

اور ابن مغازلی فقیہ شافعی سے اور وہ اصبغ ابن نباتہ سے (جو امیرالمومنینؑ کے اصحاب خاص میں سے تھے اور بخاری ومسلم نے بھی ان سے روایت کی ہے) نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہمارے مولا امیرالمومنین نے اپنے ایک خطبے میں فرمایا ایّھا النّاس

انا امام البریّة ووصی خیر الخلیقة وابو العترة الطاهرة الهادیة انا اخو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ووصیّہ وولیّہ وصفیّہ وحبیبہ انا امیر المومنین وقائد الغرّ المحجلین وسیّد الوصیین حربی حرب اللہ وسلمی سلم اللہ وطاعتی طاعة اللہ وولایتی ولایة اللہ واتباعی اولیاء اللہ وانصاری انصار اللہ۔
(یعنی لوگو میں امام خلائق، بہترین مخلوقات کا وصی اور ہدایت کرنے والی پاک عترت کا پدر ہوں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھائی، آن کا وصی، اُن کا ولی، اُن کا خالص دوست اور اُن کا حبیب ہوں، میں امیر المومنین، نورانی چہروں ہاتھوں اور پاؤں والوں کا پیشوا اور اوصیا کا سیّد و سردار ہوں، مجھ سے جنگ کرنا خدا سے جنگ کرنا ہے مجھ سے صلح و آشتی رکھنا خدا سے صلح و آشتی رکھنا ہے، میری اطاعت خدا کی اطاعت ہے، میری دوستی خدا کی دوستی ہے، میرے پیرو خدا کے دوست ہیں۔ اور میری نصرت کرنے والے خدا کی نصرت کرنے والے ہیں)۔

نیز ابن مغازلی شافعی مناقب میں عبد اللہ ابن مسعود سے نقل کرتے ہیں کہ رسولِ خدا نے فرمایا انتہت الدعوة الیّ والی علیّ لم یسجد احد نا لصنم قط فاتخذنی نبیا واتخذ علیّا وصیا (یعنی دعوت رسالت مجھ پر اور علیؑ پر ختم ہوئی، ہم دونوں میں سے کسی نے قطعاً بت کو سجدہ نہیں کیا، پس مجھ کو نبیؐ اور علیؑ کو وصی بنایا)

نیز سیّد علی ہمدانی شافعی مودة القربیٰ مودت چہارم میں عتبہ بن عامر جہنی سے نقل کرتے ہیں کہ کہا بایعنا رسول اللہ علی قول ان لا الہ الّا اللہ وحدہ لاشریك لہ وان محمّدا نبیّہ وعلیا وصیہ فایّ من الثلاثة ترکناہ کفرنا۔ (یعنی ہم نے اس قول پر رسولؐ اللہ کی بیعت کی کہ سوا اللہ کے کوئی خدا نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یقیناً محمدؐ اس کے نبی اور علیؑ اُن کے وصی ہیں۔ پس ہم ان تینوں باتوں میں سے جس کو بھی چھوڑیں گے کافر ہو جائیں گے)

نیز اسی کتاب مودة القربیٰ میں ہے کہ رسولؐ اکرم نے فرمایا ان اللہ تعالیٰ جعل لکل نبیّ وصیا جعل شیث وصیّ آدم ویوشع وصیّ موسیٰ وشمعون وصیّ عیسیٰ وعلیّا وصیّ ووصیّ خیر الاوصیاء فی البدء وانا الداعی وھو المضیئ۔ (یعنی درحقیقت خدائے تعالیٰ نے ہر پیغمبرؐ کے لئے ایک وصی قرار دیا شیثؑ کو وصی آدم، یوشع کو وصی موسیٰ، شمعون کو وصی عیسیٰ اور علیؑ کو میرا وصی بنایا اور میرا وصی سارے اوصیاء سے بہتر ہے میں حق کی طرف دعوت دینے والا ہوں اور علیؑ اس کو روشن کرنے والے ہیں)

صاحبؒ ینابیع المودة مناقب موفق بن احمد خوارزمی سے اور وہ ابو ایوب انصاری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا جب رسولؐ اللہ بیمار تھے تو فاطمہ سلام اللہ علیہا آئیں اور رونے لگیں، آں حضرت نے فرمایا یا فاطمة ان لکرامة اللہ ایاك زوجك من ھو اقدمھم سلما واکثرھم علما واعظمھم حلما ان اللہ عزوجلّ اطّلع الی اھل الارض اطلاعة فاختارنی منھم فبعثنی نبیّا مرسلا ثم اطلع اطلاعة فاختار منھم بعلك فاوحیٰ الیّ ان ازوجه ایاك واتخذہ وصیّا (یعنی فاطمہؑ تم پر اللہ کی خاص کرامت یہ ہے کہ تمہارا شوہر ایسے شخص کو قرار دیا جس

کا اسلام سب سے سابق، جس کا علم سب سے زیادہ اور جس کی بردباری سب سے بڑھی ہوئی ہے)۔

درحقیقت خدائے تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف مخصوص توجہ فرمائی پس ان میں سے مجھ کو منتخب کرکے نبوّت و رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ پھر ایک خاص توجہ فرمائی اور ان میں سے تمہارے شوہر کو منتخب کیا پس میری طرف وحی بھیجی کہ تمہارے ساتھ اُن کا عقد کر دُوں اور اُن کو اپنی وصی قرار دوں)

ابن مغازلی فقیہ شافعی نے مناقب میں اس حدیث کو درج کرنے کے بعد یہ جملے مزید نقل کئے ہیں کہ فرمایا

یا فاطمة انا اهل البیت اعطینا سبع خصال لم یعطها احد من الاولین ولا یدرکها احد من الآخرین منّا افضل الانبیاء وهو ابوک ووصیّنا خیر الاوصیاء وهو بعلک وشهیدنا خیر الشهداء وهو حمزة عمّک ومنّا الذی له جناحان یطیر بهما فی الجنّة حیث یشاء وهو جعفر ابن عمّک ومنّا سبطان وسیّدا شباب اهل الجنة ابناک والذی نفسی بیده انّ مهدیّ هٰذه الامّة یصلّی عیسیٰ بن مریم خلفه من ولدک (یعنی اے فاطمہ ہم اہل بیت کو سات خصلتیں ایسی عطا کی گئیں جو نہ اولین میں سے کسی کو ملیں نہ آخرین میں سے کوئی ان کو پا سکے گا۔ سب سے افضل پیغمبرؐ ہم میں سے ہے اور وہ تمہارا باپ ہے، ہمارا وصی تمام اوصیاء سے بہتر ہے اور وہ تمہارا شوہر ہے، ہمارا شہید سب شہداء سے اچھا ہے اور وہ تمہارے چچا حمزہ ہیں، ہم میں سے وہ شخص ہے جس کے دو شہپر ہیں جن سے وہ جب چاہتا ہے جنّت میں پرواز کرتا ہے اور وہ تمہارے چچا کے بیٹے جعفر ہیں ہم میں سے دو سبط اور جوانان اہل جنّت کے دو سردار ہیں اور وہ دونوں تمہارے فرزند ہیں اور قسم اس خدا کی جس کے قبضے میں میری جان ہے یقیناً اس اُمّت کے مہدی جن کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم نماز پڑھیں گے تمہاری اولاد میں سے ہیں)

ابراہیم بن محمد حموینی نے فرائد میں نقل حدیث کے بعد اتنے جملے اور زیادہ روایت کئے ہیں کہ نام مہدی علیہ السّلام کے بعد فرمایا۔ یملاء الارض عدلاً وقسطاً بعد ما ملئت جوراً وظلماً یا فاطمة لا تحزنی ولا تبکی فانّ الله عزّوجلّ ارحم بک وارأف علیک منّی وذالک لمکانک وموقعک من قلبی قد زوجک الله زوجاً وهو اعظمهم حسباً واکرمهم نسباً وارحمهم بالرعیّة واعدلهم بالسویّة وابصرهم بالقضیّة (یعنی یہ زمین کو عدل و داد سے بھر دیں گے جب وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ اے فاطمہ غمگین نہ ہو اور گریہ نہ کرو کیونکہ خدا تعالیٰ تم پر مجھ سے زیادہ رحیم و مہربان ہے اور یہ میرے دل میں تمہاری قدر و منزلت کی وجہ سے ہے۔ درحقیقت تم کو ایسا شوہر عطا کیا ہے جو حسب میں سب سے بزرگ نسب میں سب سے بلند، رعایا پر سب سے زیادہ مہربان، مساوات کے ساتھ سب سے زیادہ عادل اور فیصلے میں سب سے زیادہ باریک بین ہے)

میرا خیال ہے کہ نواب صاحب کی تسکین کی خاطر اور شیخ صاحب کی غلط فہمی دُور کرنے کے لئے اسی قدر احادیث نبویؐ کا نقل کر دینا کافی ہوگا۔ ورنہ بارگاہ رسالت سے منقولہ وہ احادیث جن میں سے ہر ایک میں کسی نہ کسی مناسبت سے

حضرت علیؑ کی وصایت کا ذکر کیا گیا ہے بہت کثرت سے اور بے شمار ہیں۔

وقتِ وفات رسولؐ کا سرِ مبارک سینۂ امیرالمومنینؑ کے اُوپر تھا

اور شیخ صاحب کا یہ فرمانا بھی بالکل مردود ہے کہ وقتِ وفات رسولؐ اللہ کا سرِ مبارک ام المومنین عائشہ کے سینے پر تھا۔ اس لئے کہ اُن اخبارِ کثیرہ کے خلاف ہے جو علاوہ اس کے کہ عترت اور اہل بیت طہارت کے نزدیک ثابت و محقق ہیں اور تمام علماء شیعہ نے تواتر کے ساتھ ان کو نقل کیا ہے، خود آپ کے اکابر علماء کی معتبر کتابوں میں بھی وارد ہے کہ وقت وفات آں حضرتؐ کا سرِ مبارک حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کے سینہ پر تھا اور اسی وقت سینۂ علیؑ میں علوم کے دروازے کشادہ فرمائے۔

شیخ ۔ ہمارے علماء نے کونسی کتاب میں ایسا مضمون ذکر کیا ہے ؟ ۔

خیر طلب ۔ بہتر ہو گا کہ آپ کنز العمال جلد چہارم ص۵۵ اور جلد ششم ص۳۹۲، ص۴۰۰، طبقات محمد بن سعد کاتب جزدوم ص۵۱ مستدرک حاکم نیشاپوری جلد سوم ص۱۳۹، تلخیص ذہبی، سنن ابن ابی شیبہ، کبیر طبرانی، مسند امام احمد حنبل جلد سوم، حلیۃ الاولیاء حافظ ابو نعیم اور دُوسری معتبر کتابیں ملاحظہ فرمائیے جن میں الفاظ و مطالب کے تھوڑے تھوڑے اختلاف کے ساتھ سب کے سب ام المومنین ام سلمہ اور جابر ابن عبداللہ انصاری وغیرہ سے نقل کرتے ہیں کہ اپنی وفات کے وقت رسولؐ اللہ نے علی علیہ السّلام کو بلایا اور آں حضرتؐ کا سرِ مبارک اُن کے سینے پر رہا یہاں تک کہ رُوح نے جسم اقدس سے مفارقت کی۔

اور ان ساری روایتوں سے زیادہ اہم خود امیرالمومنین علیہ السّلام کا بیان ہے جو نہج البلاغہ میں مذکور ہے۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص۵۶۱ میں روایت کی ہے کہ حضرت نے اپنی تقریر میں صاف صاف فرمایا و لقد قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و ان رأسه لعلی صدری و لقد سالت نفسه فی کفی فامررتها علی وجهی (یعنی درحقیقت رسولؐ اللہ رُوح اس حالت میں قبض ہوئی کہ ان کا سر قطعاً میرے سینے پر تھا اور ان کی رحلت میرے ہاتھوں پر ہوئی پس میں نے اپنے ہاتھ اپنے چہرے پر پھیر لئے) (لیکن ابن ابی الحدید جلد دوم ص۵۶۲ میں حضرت کے اس بیان کے سلسلہ میں کہتے ہیں کہ جب آں حضرتؐ کا سر آپ کے سینے پر تھا تو چند قطرے خون کے جاری ہوئے جو علی علیہ السّلام نے اپنے چہرے پر مل لئے)

یہ سارے مضبوط دلائل ثابت کرتے ہیں کہ عائشہ والی روایت مرُدود ہے اور ناقابلِ قبول ہے اس لئے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے عائشہ کو پہلے ہی سے سخت عداوت تھی۔ چنانچہ آئندہ انشاء اللہ کسی شب میں اگر کوئی مُناسب موقع آگیا تو اس کو بھی عرض کروں گا۔

امرِ وصایت کی تحقیق

انہیں احادیث سے نواب صاحب کی اس بات کا ایک دُوسرا مکمل جواب بھی نکلتا ہے کہ خلیفہ کی موجودگی میں وصی کی کیا ضرورت ہے ؟ کیونکہ اگر ایک عقلمند انسان اپنی عادت سے ہٹ کے ذرا انصاف کے ساتھ حدیثوں ہی میں غور کرے بالخصوص ان احادیث میں جن کے اندر ارشاد ہے کہ جس خدا نے اوصیاء اور انبیاء کرام کو معین فرمایا اُسی نے علی کو سپری وصایت پر مقرر فرمایا ہے تو اُس کی سمجھ میں آجائے گا کہ یہاں ذاتی اور معمولی خاندانی وصیت مُراد نہیں ہے جیسی کہ ہر فردِ بشر اُپنے بعد کے لئے کرتا ہے بلکہ وصایت بمعنائے خلافت مُراد ہے جس کا حامل اُمّت کے جملہ اجتماعی وانفرادی مُعاملات میں تصرّف کا حق رکھتا ہے اور یہی وصایت منصب نبوّت کی قائم مقام ہے ۔

حضرت کے مرتبۂ وصایت کی آپ کے تمام بزرگ علماء نے تصدیق کی ہے اور سوا اُن تھوڑے سے متعصّب ومعاند افراد کے جنہوں نے آپ کے جملہ فضائل سے انکار کر دیا ہے اور کسی کو اس حقیقت سے انکار نہیں ہے ۔ چنانچہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد اوّل صفحہ ۲۶ مطبوعہ مصر میں کہتے ہیں ۔ فلا ریب عندنا ان علیا علیہ السلام کان وصی رسول اللہ وان خالف فی ذالک من ہو منسوب عندنا الی العناد (یعنی ہمارے نزدیک اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے کہ علی علیہ السلام رسُولِ خدا کے وصی تھے، اگرچہ وہ شخص اس کی مخالفت کرتا ہے جو ہمارے نزدیک بغض وعناد رکھنے والا ہے)

وصیّت سے متعلّق بعض صحابہ کے اشعار

پھر اصحاب رسُولؐ کے بہت سے اشعار نقل کئے ہیں جو سب کے سب وصایت امیرالمومنین کے سلسلے میں ہیں، منجملہ ان کے عبداللہ ابن عباس (حبرامت) کے دو شعر ہیں۔ پہلے شعر میں کہتے ہیں ۔

وصی رسول اللہ من دون اھلہ   وفارسہ ان قیل ھل من منازل

(یعنی آپ رسولؐ اللہ کے اہل بیت میں ہونے کے علاوہ اُن کے وصی بھی ہیں ۔ اور جس وقت مبارز طلب کیا جائے تو میدانِ جہاد کے شہسوار ہیں) ۔

خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین کے لئے نقل کیا ہے کہ وہ اپنے اشعار میں کہتے ہیں ۔

وصی رسُولؐ اللہ من دون اھلہ   وانت علی ما کان من ذاک شاھدہ

(یعنی آپ رسولؐ اللہ کے اہل بیت میں ہونے کے علاوہ اُن کے وصی ہیں، اور جو کچھ آں حضرتؐ سے صادر ہوا ہے اُس پر

آپ اُن کے گواہ ہیں۔

نیز ابو الہیثم بن تیہان صحابی کے اشعار میں سے یہ بھی لکھتے ہیں۔

انّ الوصیّ امامنا ولیّنا   برح الخلفاء و بلحت الوسرار

(یعنی یقیناً وصی رسولؐ ہی ہمارے امام اور ہمارے مولا ہیں، پردہ ہٹ گیا اور خفیہ باتوں کا اعلان ہوگیا۔

اثبات مقصد کے لئے میں اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں، اگر آپ اس بارے میں بقیہ اشعار و اقوال دیکھنا چاہتے ہوں تو اسی کتاب کی طرف رجوع کیجئے تاکہ اس سے زیادہ حقیقت ظاہر ہو، جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو میں ایسے اشعار سے بہتر سے اوراق بھر دیتا جن میں وصیت کا تذکرہ ہے۔

پس معلوم ہوا کہ وصایت اور نبوت دونوں لازم و ملزوم ہیں یہ مقام نبوت کے بعد ایک منزل ہے اور یہی خلافت و ریاست عامۂ الٰہیہ کا منصب ہے۔

شیخ - اگر یہ روایتیں صحیح ہیں تو کتب اخبار و احادیث میں ہم کو علی کرم اللہ وجہہ کے نام رسولِ خدا کا کوئی ایسا وصیت نامہ کیوں نہیں ملتا جیسے مرنے کے وقت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہا کے وصیت نامے ہیں۔

خیر طلب - حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے وصی ہونے کا ذکر اور منصب ولایت کے بارے میں حضرت خاتم الانبیاء کے جو ہدایات صادر ہوئے ہیں وہ اہل بیت طاہرینؑ کے سلسلے سے اکابر علماء شیعہ کی معتبر کتابوں میں تواتر کے ساتھ مندرج اور مروی ہیں، لیکن چونکہ شب اوّل معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم لوگ یک طرفہ روایتوں سے استدلال نہیں کریں گے لہٰذا آپ کی معتبر کتابوں میں جو روایات منقول ہیں مجبوراً ان میں سے بعض کی طرف جو فی الحال میرے پیشِ نظر ہیں اشارہ کرتا ہوں۔

فرمانِ وصیّت کی طرفِ اشارہ

اگر آپ حضرات رسولِ خدا کی وصیت اور اُن کی ہدایات کے متعلق جو حضرت امیر المومنین کو دیئے گئے ہیں جملہ روایتوں کا پتہ لگانا چاہتے ہیں تو طبقات ابن سعد جلد دوم ص۶۱ و ص۶۳ کنز العمال علی متقی جلد چہارم ص۵۴ و جلد ششم ص۱۵۵، ص۳۹۳، و ص۴۰۳ مسند امام احمد ابن حنبل جلد چہارم ص۱۶۴ اور مستدرک حاکم جلد سوم ص۵۹ و ص۱۱۱ کی طرف رجوع کیجئے۔ ان کے علاوہ سنن، دلائل بیہقی استیعاب ابن عبد البر کبیر طبرانی اور تاریخ ابن مردویہ وغیرہ میں بھی آپ کے اکابر علماء نے مختلف عبارتوں کے ساتھ متفاوت زمانوں میں آں حضرت کی ہدایتیں نقل کی ہیں۔

جو عبارتیں مکرر ذکر کی گئی ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ فرمایا یا علی انت اخی و وزیری وتقضی دینی وتنجز وعدی و تبری ذمتی (یعنی اے علیؑ تم میرے بھائی اور میرے وزیر ہو تم میرے قرض کو ادا کروگے، میرے وعدے کو پورا کروگے

اور مجھ کو بری الذمہ کرو گے ، وانت تغسلنی وتوٗدّی دینی وتواربینی فی خطرتی (یعنی تمہیں مجھ کو غسل دو گے، میرا قرض ادا کرو گے اور مجھ کو قبر میں پوشیدہ کرو گے) علاوہ ان اخبار صریحہ کے اس طرح کے فرمان آنحضرتؐ کی طرف سے بکثرت صادر ہوئے ہیں، وصیت پر عمل کرنے کے آثار بھی ثبوت دے رہے ہیں کہ امر وصیت کے ماتحت امیر المومنین علی علیہ السلام نے آں حضرتؐ کو غسل دیا، کفن پہنایا، آپ کے حجرے میں دفن کیا اور آپ کا پانچ لاکھ درہم قرض ادا کیا، جیسا کہ عبد الرزاق نے اپنی جامع میں نقل کیا ہے۔

شیخ - قرآن کے قاعدے اور حکم کے رو سے جیسا کہ ارشاد ہے کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیر الوصیّۃ للوالدین و لاقربین بالمعروف حقا علی المتقین (یعنی تمہارے اوپر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم سے کسی کی موت آئے تو اگر دنیاوی مال و متاع چھوڑ رہا ہے تو اپنے ماں باپ اور اقربا کے لئے اس میں سے مناسب حصے کی وصیّت کرے یہ پرہیزگاروں کے لئے ضروری ہے۔ آیت ۱۷۶ سورہ ۲ (بقرہ)

لازم تھا کہ وفات کے وقت وصیت کریں اور اپنا وصی معین کریں۔ پس جب رسولِ خدا نے آثارِ موت مشاہدہ کئے تو اس موقع پر کیوں وصیّت نہیں کی جس طرح سے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے وصیّت کی ہے ؟

خیر طلب - اوّل تو اذا حضر احدکم الموت کا معائنہ یعنی زندگی کے آخری لمحات مراد نہیں ہیں اس لئے کہ اس حالت میں مشکل ہی سے کوئی ایسا شخص ہوتا ہے جو اپنے ہوش میں رہے اور پوری سوجھ بوجھ کے ساتھ اپنے فرائض پر عمل کر سکے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ موت کے اسباب و آثار و علامتیں مثلاً بڑھاپا، ضعفِ جسمانی اور مرض وغیرہ ظاہر ہو جائے۔

دوسرے آپ کے اس بیان سے میرا دردِ دل تازہ ہو گیا اور ایک بڑی مصیبت یاد آ گئی جو ہرگز بھولنے کے قابل نہیں ہے۔

وہ بڑی مصیبت یہ ہے کہ میرے جد بزرگوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باوجودیکہ آیاتِ قرآنی کی روشنی میں وصیت کے لئے اس قدر سخت تاکیدات فرمائے اور یہاں تک فرما دیا کہ من مات بغیر وصیّۃ مات میتۃ جاھلیّۃ (یعنی جو شخص بغیر وصیّت کے مر جائے وہ اہلِ جاہلیّت کی موت مرا)، تاکہ اُمت کی کوئی فرد بغیر وصیت کے نہ مرے، مبادا اس کے بعد پس ماندگان میں کوئی نزاع پیدا ہو جائے لیکن جب خود آں حضرتؐ کا وقت آیا تو حالانکہ تیئیس سال کی مدت میں ایک مرتب دستور العمل کے ماتحت اپنے واحد عظیم المرتبت وصی کے لئے جس کو آں حضرتؐ کے لئے خدا نے معین فرمایا تھا برابر اپنی وصیتوں کا خصوصی اعلان فرما رہے تھے آپ نے مرض الموت میں بھی چاہا کہ جو کچھ اس عرصے میں کہہ چکے ہیں اس کی تکمیل فرما دیں تاکہ اس کے ذریعہ امت کے اندر ضلالت و گمراہی جنگ و نزاع اور گروہ بندی کی روک تھام ہو جائے، لیکن افسوس کہ سیاسی بازیگروں نے سخت مخالفت کر کے آں حضرتؐ کو اس شرعی اور خدائی فریضے کو عملی جامہ پہنانے کی مہلت نہیں دی، جس سے آج آپ کو بھی یہ فرمانے کا موقع ہاتھ آیا کہ آں حضرتؐ نے مرض الموت میں کیوں وصیّت نہیں کیا ؟ -

حکمِ رسولؐ کی اطاعت واجب ہے

شیخ ۔ میں سوچتا ہوں کہ آپ کا یہ بیان حقیقت نہ رکھتا ہوگا اس لئے کہ عقل اس کو نہیں مانتی کہ کوئی شخص رسولِ خدا کو روکنے کی طاقت رکھتا ہو جب کہ قرآن کریم صاف صاف کہہ رہا ہے وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا۔ (یعنی رسولِ خدا تم کو جس چیز کی ہدایت کریں اُس کو قبول کرو اور جس چیز سے منع کریں اُس سے باز رہو) نیز اور متعدد آیتوں میں آنحضرت کے احکام کی اطاعت لازمی قرار دی گئی ہے جیسے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسولؐ (یعنی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو) بدیہی چیز ہے کہ رسولؐ اللہ کی اطاعت سے انکار کرنا کفر ہے لہٰذا اصحابہ اور آنحضرتؐ کے ماننے والے ایسا عمل نہیں کر سکتے تھے کہ آپ کو وصیت سے منع کریں۔ ممکن ہے کہ یہ گڑھی ہوئی روایت ہو جس کو اُمت کی بے اعتنائی ثابت کرنے کے لئے ملحدین کی طرف سے مشہور کر دیا گیا ہو۔

پیغمبرؐ کو وصیّت سے روکنا

خیر طلب ۔ میں التماس کرتا ہوں کہ انجان بننے کی کوشش نہ کیجئے! یہ گڑھی ہوئی روایتوں میں سے نہیں ہے بلکہ مسلم الثبوت اخبار صحیح میں سے ہے جس کی صحت پر جملہ اسلامی فرقوں کو اتفاق ہے یہاں تک کہ شیخین بخاری و مسلم نے بھی نقل روایت میں اس قدر سخت احتیاط کے باوجود کہ کوئی ایسی روایت درج نہ ہونے پائے جس سے مخالفین کو گرفت اور استدلال کا موقع ملے اپنی صحیحین میں اس دردناک واقعے کو نقل کیا ہے کہ رسولؐ اللہ نے موت کے وقت فرمایا کہ دوات اور کاغذ لاؤ تمہارے لئے ایسی تحریر لکھ دوں کہ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو۔ حاضرین مجلس میں سے کچھ لوگ ایک (سیاسی) آدمی کے بہکانے میں آ کر مانع ہوئے اور اس قدر ہنگامہ برپا کیا کہ آں حضرت بہت دل شکستہ ہوئے اور ناراض ہو کر ان کو اپنے پاس سے نکال دیا۔

شیخ ۔ میں ہرگز اس بات کا یقین نہیں کر سکتا۔ بھلا کون شخص ایسی جرأت کر سکتا تھا کہ رسولِ خدا کا مدمقابل بنے؟ اگر ایک معمولی انسان بھی وصیت کرنا چاہتا ہے تو کوئی اس کو منع نہیں کر سکتا نہ کہ خدا کے رسولؐ کو جس کی اطاعت واجب اور جس سے مخالفت و سرکشی باعث کفر ہے۔

چونکہ بزرگوں کی وصیّت ذریعۂ ہدایت ہوتی ہے لہٰذا کوئی اس کی ممانعت نہیں کرتا۔ چنانچہ خلیفہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے وصیّت کی اور کسی نے روک ٹوک نہیں کی۔

میں پھر عرض کرتا ہوں کہ ایسی روایت کو تسلیم نہیں کر سکتا۔

خیر طلب ۔ آپ حق رکھتے ہیں کہ یقین نہ کریں۔ اس پر آپ ہی نہیں ہر مسلمان تعجب کرتا ہے بلکہ اس سے بالاتر میں کہتا ہوں کہ ہر قوم و ملت کا سننے والا اس قضیہ سے حیرت میں ہے کہ اگر ایک واجب الاطاعت پیغمبر آخری وقت میں ایسی وصیت کرنا چاہے جس کا مقصد اُمت کو گمراہی سے بچانا اور راہ سعادت پر لگانا ہو تو کیونکر اُس کو منع کریں گے لیکن کیا کیا جائے کہ ایسی حرکت کی گئی ہے اور اس نے مسلمانوں کے غم و مصیبت کو بڑھا دیا ہے۔

پیغمبرؐ کو وصیت سے باز رکھنے پر ابن عباسؓ کا گریہ

یہ صدمہ صرف ہمارے ہی اور آپ کے لئے نہیں ہے بلکہ اصحاب رسولؐ بھی اس غم انگیز حادثے پر گریہ کرتے تھے، چنانچہ بخاری و مسلم اور آپ کے دوسرے اکابر علماء نے روایت کی ہے کہ عبداللہ ابن عباس (حبر امت) اکثر روتے تھے اور کہتے تھے یوم الخمیس مایوم الخمیس[1] اس کے بعد اس قدر گریہ کرتے تھے کہ زمین آنسوؤں سے بھیگ جاتی تھی۔

جب لوگ پوچھتے تھے کہ پنج شنبے کے روز کیا واقعہ ہوا ہے جس پر آپ اس قدر روتے ہیں؟ تو کہتے تھے کہ جب رسولؐ خدا پر مرض الموت طاری ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ دوات اور کاغذ لے آؤ تاکہ تمہارے لئے ایسا نوشتہ لکھ دوں جس سے تم لوگ میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو۔ بعض حاضرین بزم مانع ہوئے اور مزید برآں یہ کہا کہ محمدؐ ہذیان بکتے ہیں (معاذ اللہ) وہ جمعرات کا دن تھا جو فراموش نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ قطع نظر اس سے کہ آں حضرتؐ کو وصیت نہیں کرنے دی زبان سے بھی تکلیف پہنچائی۔

شیخ ۔ رسولؐ خدا کو وصیت کرنے سے کس نے منع کیا؟

خیر طلب ۔ یہ خلیفہ ثانی عمر ابن خطاب تھے جنہوں نے آں حضرتؐ کو وصیت سے روکا۔

شیخ ۔ میں بہت ممنون ہوں کہ آپ نے جلد ہی یہ بی الجھن رفع کر دی، چونکہ ان بیانات سے میں بہت پریشان تھا اور یہ کہنا چاہتا تھا کہ اس قسم کی روایتیں شیعہ عوام کی گڑھی ہوئی ہیں لیکن آپ کے لحاظ سے خاموش تھا، لہٰذا اب دل کی بات ظاہر کرتا ہوں اور آپ کو سمجھاتا ہوں کہ اس طرح کے جعلی روایات سے کام نہ لیجئے۔

خیر طلب ۔ میں بھی آپ کو سمجھاتا ہوں کہ بغیر سوچے سمجھے انکار یا اقرار نہ کیا کیجئے کہ حقیقت کھلنے کے بعد پچھتانا پڑے۔ چنانچہ اس موضوع میں بھی آپ جلدی کر گئے اور اپنی پرانی عادت اور بدگمانی کی بنا پر بغیر سمجھے بوجھے پاکدامن شیعوں پر جعلسازی کی تہمت لگا دی۔ حالانکہ میں بار بار عرض کر چکا ہوں کہ ہم شیعوں کو گڑھنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ خود آپ ہی کی کتابوں میں ہمارے موافق اور ہمارے عقیدے کے ثبوت میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔

---

[1] یعنی جمعرات کا دن، کیسا تھا جمعرات کا دن۔

حدیث منع وصیّت کے ماخذ

اس زیر بحث موضوع میں اگر آپ اپنے علماء کی معتبر کتابیں دیکھیئے تو معلوم ہوگا کہ آپ ہی کے اکابر علماء نے اس قضیہ کو نقل کیا ہے مثلاً بخاری نے صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۱۱۸ میں، مسلم نے اپنی صحیح مسلم آخر کتاب وصیت میں، حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں، امام احمد بن حنبل نے مسند جلد اول صفحہ ۲۲۲ میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد دوم صفحہ ۵۶۲ میں، کرمانی نے شرح صحیح بخاری میں، نووی نے شرح صحیح مسلم میں، ابن حجر نے صواعق میں نیز قاضی ابو علی، قاضی روزبہان، قاضی عیاض، امام غزالی، قطب الدین شافعی، محمد ابن عبدالکریم شہرستانی، ابن اثیر، حافظ ابو نعیم اصفہانی، سبط ابن جوزی، غرض کہ بالعموم آپ کے علماء نے اس المناک وقوعے کی تصدیق کی ہے۔ کہ حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد رسولؐ اللہ بیمار ہوئے اور اصحاب کی ایک جماعت عیادت کے لئے حاضر ہوئی تو آں حضرت نے فرمایا۔ ایتونی بدوات و بیاض لاکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدی (یعنی میرے پاس دوات اور سادہ کاغذ لے آؤ میں تمہارے لئے ایسی تحریر لکھ دوں کہ میرے بعد تم لوگ ہرگز گمراہ نہ ہو)

امام غزالی نے سرّ العالمین مقالۂ چہارم میں لکھا ہے، جس سے سبط ابن جوزی نے بھی تذکرہ صفحہ ۳۶ میں نقل کیا ہے نیز آپ کے بعض دوسرے بزرگ علماء نے اس طرح روایت کی ہے کہ فرمایا دوات اور ایک سادہ کاغذ لے آؤ لا زیل عنکم اشکال الامر واذکر لکم من المستحق لہا بعدی (اور بعض روایتوں میں ہے کہ فرمایا لاکتب لکم کتابا لا تختلفون فیہ بعدی) فقال عمر دعوا الرجل فانہ لیھجو! حسبنا کتاب اللہ۔ (یعنی تا کہ تم سے امر خلافت کا اشکال دفع کردوں، یہ بتادوں کہ میرے بعد اس خلافت کا مستحق کون ہے یا یہ کہ تمہارے لئے ایسا نوشتہ لکھ دوں کہ جس سے تم لوگ میرے بعد اس معاملہ میں اختلاف پیدا نہ کرو۔ پس عمر نے کہا کہ اس شخص (یعنی رسولؐ اللہ) کو چھوڑ دو کیونکہ درحقیقت یہ ہذیان بک رہا ہے (معاذ اللہ) کتاب خدا ہمارے لئے کافی ہے۔

اصحاب کا مجمع دو گروہوں میں بٹ گیا، کچھ عمر کے طرفدار ہوگئے اور ان کی ہاں میں ہاں ملانے لگے اور کچھ لوگ رسولؐ اللہ کے حامی رہے یہاں تک کہ آپس میں اس قدر تھکا فضیحتی شور و غوغا ہوا کہ آں حضرت نے (جو خلق عظیم کے مجسمہ تھے) غصّے میں بھر کر فرمایا قوموا عنّی ولا ینبغی عندی التنازع (یعنی میرے پاس سے اٹھ جاؤ کیونکہ میرے پاس لڑنا جھگڑنا ٹھیک نہیں ہے) یہ وہ پہلا فتنہ و فساد تھا جو پیغمبرؐ کی تیئیس سال کی جانکاہ محنتوں کے بعد مسلمانوں کے درمیان خود آنحضرت کے سامنے رونما ہوا اور اس فتنے اور گروہ بندی کے باعث خلیفہ عمر تھے جنہوں نے اپنی باتوں سے نفاق و اختلاف کا بیج بویا اور دو پارٹیاں قائم کردیں، یہاں تک کہ آج کی رات بھی ہم اور آپ دونوں اسلامی بھائیوں کو دو گروہوں میں بانٹ کے ایک دوسرے کے مقابلے پر لا کھڑا کیا۔

شیخ - آپ جیسے مہذب اور با اخلاق آدمی سے ایسی جرأت اور جسارت کی امید نہیں تھی کہ خلیفہ کی ایسی بزرگ ہستی پر ایسا الزام لگائیے گا۔

خیر طلب۔ آپ کو خدا کا واسطہ کہ محبت و عداوت کو الگ رکھ کے اور بدگمانی سے ہٹ کے ذرا انصاف سے بتائیے کہ آپ کے انکار کے جواب میں آپ ہی کی کتابوں سے تاریخی واقعات نقل کر کے میں نے جرأت و جسارت کی یا خلیفہ عمر نے خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت با عظمت میں انتہائی درجے کی گستاخی کی کہ علاوہ وصیت سے روکنے، فتنہ و فساد پیدا کرنے اور بیماری کی حالت میں رسُول اللہ کی ایسی بلند شخصیت کے سرہانے شور و ہنگامہ برپا کرنے کے منہ کے اوپر گالی بھی دی اور کہا کہ یہ شخص ہذیان یعنی پاگل پن کی باتیں بک رہا ہے (معاذ اللہ)؟

اس موقع کی مناسبت سے عرب کے ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

اتبصر فی العین منی القذی وفی عینک الجذع لا تبصر

(یعنی میری آنکھ کا تنکا تو ڈھونڈتے ہو اور اپنی آنکھ کا شہتیر تم کو نظر نہیں آتا) مطلب یہ کہ آپ میرے چھوٹے چھوٹے عیوب کی تاک میں تو رہتے ہیں اور اعتراض کرتے ہیں لیکن اپنے بڑے بڑے عیب نہیں دیکھتے) آیا خدائے تعالیٰ آیت ۴۰ سورہ ۳۳ (احزاب) میں ارشاد نہیں فرماتا ہے کہ ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسُول اللہ وخاتم النبیین (یعنی محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسولؐ اور خاتم النبیین ہیں) اشارہ یہ ہے کہ آں حضرت کا ذکر ہمیشہ ادب اور احترام کے ساتھ کرنا چاہیئے اور رسولؐ اللہ یا خاتم النبیین کہنا چاہیئے) یعنی آں حضرت کو نام لے کر نہ پکارو بلکہ رسول اللہ کہو۔

لیکن اس موقع پر عمر نے بغیر ادب اور فرمان الٰہی کا لحاظ کئے ہوئے نام کے ساتھ بھی نہیں بلکہ یہ شخص کہہ کے آں حضرتؐ کی طرف اشارہ کیا۔

خدا کے لئے انصاف سے کہئے کہ گستاخی میں نے کی یا خلیفہ نے؟

شیخ۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ ہجر کے معنی ہذیان کے ہیں جس سے بے ادبی اور جسارت کا شبہ کیا جائے۔؟

تعصّب آدمی کو اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے

خیر طلب۔ تمام اہل لغت و تفسیر اور بالخصوص آپ کے اکابر علماء جیسے ابن اثیر جامع الاصول میں ابن حجر شرح صحیح بخاری میں اور صاحبان صحاح وغیرہ کہتے ہیں کہ ہجر ہذیان کے معنی میں ہے۔ محترم! انسان کو تعصب و عناد کا لباس اتار دینا چاہیئے تاکہ حقائق بے نقاب ہو کر سامنے آئیں، جس پیغمبر کے حق میں قرآن مجید ہدایت دے رہا ہے کہ ان کو رسُول اللہ اور خاتم النبیینؐ کہو اگر کوئی شخص ان الرجل لیھجر کہہ کے عمداً ان بزرگوار کی شان اس قدر گھٹائے کہ کہے یہ شخص ہذیان بک رہا ہے (معاذ اللہ) تو کیا اس نے ادب اور حکم قرآن کے خلاف بات نہیں کہی؟

اور جس رسُولؐ کی نبوت و عصمت تا دم مرگ زائل نہ ہوئی ہو بالخصوص اس موقع پر جب کہ قوم کی ہدایت اور تبلیغ کی منزل میں ہو

اگر کوئی شخص اس کی طرف ہذیان گوئی کی نسبت دے تو کیا یہ اس کی عدم معرفت اور آں حضرت پر ایمان نہ لانے کی دلیل نہیں ہے ؟
شیخ - آیا مقام خلافت کے مقابلہ میں ایسا الزام مناسب ہے کہ وہ معرفت اور مرتبۂ رسالت پر ایمان نہ رکھتے تھے ؟
خیر طلب - اوّل جناب عالی نے جس وقت یہ سنا کہ رسولؐ اللہ کی طرف ہذیان کی نسبت دی گئی تو کیوں متاثر نہیں ہوئے ؟ حالانکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ آنحضرتؐ کو رد و رد دشنام دینے اور ہذیان سے منسوب کرنے والے سے بیزاری اختیار کرے ۔ لیکن جس وقت ایک معمولی آدمی کے لئے جس کا زیادہ سے زیادہ درجہ یہ ہے کہ اصحاب رسولؐ کی ایک فرد ہو اور بعد کو چند اشخاص کے بل پر مسند خلافت تک پہنچ گیا ہو، اس قسم کا اشارہ کیا گیا تو آپ کو ناگوار ہوا۔ درانحالیکہ یہ خیالات صرف میرے ہی نہیں تھے بلکہ ہر صاحب علم اور معقول انسان ان واقعات کو سننے کے بعد فطری طور پر یہی سوچتا ہے کہ ایک مومن شخص کیا رسولؐ اللہ کی طرف ایسی نسبت دے گا ؟ لہٰذا ظاہر ہے کہ ایک خوش عقیدہ اور پاک نفس مسلمان کے جذبات کیا ہوں گے ۔

علمائے عامہ کا اعتراف کہ لفظ ہذیان کہنے والے کو معرفت رسولؐ نہ تھی

چنانچہ آپ کے مصنف اور با فہم علماء جیسے قاضی عیاض شافعی نے کتاب شفاء میں کرمانی نے شرح صحیح بخاری میں اور نووی نے شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ ایسی بات کہنے والا چاہے جو بھی تھا وہ قطعاً رسولؐ اللہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا اور آں حضرتؐ کی منزل اور مرتبے کو پہچاننے سے عاجز تھا، اس لئے کہ ارباب مذاہب کے نزدیک ثابت ہے کہ انبیاء عظام ارشاد و ہدایت خلق کی منزل میں عالم غیب سے اتصال رکھتے ہیں اور تندرستی کا زمانہ ہو یا بیماری کی حالت بہر حال اُن کے احکام کی تعمیل واجب ہے ۔ پس آں حضرتؐ کی مخالفت بالخصوص جسارت و دشنام اور کلمۂ ہذیان کے ساتھ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو رسولؐ کی معرفت حاصل نہ تھی ۔ انتہی کلامہم ۔

پیغمبرؐ کے روبرو اسلام کے اندر پہلا فتنہ

دوسرے آپ نے جو یہ فرمایا تھا کہ میں نے فتنہ اور نفاق پیدا کرنے کا الزام کیوں لگایا تو یہ بات بھی میری تنہا میری ہی جانب سے نہیں ہے بلکہ آپ کے انصاف پسند علماء نے بھی اس کی تصدیق کی ہے ۔
عالم جلیل حسین میبذی شرح دیوان میں کہتے ہیں کہ پہلا فتنہ جو اسلام کے اندر برپا ہوا وہ مرض الموت میں خود رسولؐ اللہ کے روبرو ہوا جب کہ آں حضرتؐ نے وصیت کرنا چاہا اور عمر مانع ہوئے ۔ نتیجے کے طور پر مسلمانوں میں فتنہ ، فساد فرقہ بندی اور مذہبی اختلاف پیدا ہو گیا
شہرستانی اپنی کتاب ملل و نحل کے مقدمہ چہارم میں کہتے ہیں کہ پہلی مخالفت جو اسلام کے اندر واقع ہوئی وہ رسولؐ اللہ کے حکم سے وصیت لکھنے کے لئے دوات اور کاغذ لانے سے عمر کا منع کرنا تھا ۔

اور ابن ابی الحدید نے بھی شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص۵۶۳ میں اسی مقصد کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شیخ ۔ اگر خلیفہ عمر رضی اللہ نے یہ الفاظ کہے ہوں تو میں اس میں کوئی بے ادبی نہیں سمجھتا بلکہ ایسے امور انسان کے جسمانی عوارض میں سے ہیں۔ جس وقت کسی شخص پر مرض کا غلبہ ہوتا ہے تو وہ بے تکے جملے بولنے لگتا ہے جن کو ہذیان سے تعبیر کرتے ہیں اور جسم کے ان فطری کیفیات میں پیغمبرؐ اور دوسرے لوگوں کے درمیان کوئی فرق نہ ہوگا۔

خیر طلب ۔ آپ بخوبی جانتے ہیں کہ نبوّت کی ایک خاص صفت عصمت بھی ہے جو نبی سے مرتے دم تک سلب نہیں ہوتی خصوصاً جب کہ ارشاد اور ہدایت خلق کی منزل میں ہو اور فرمائے کہ میں تمہارے لئے ایک تحریر لکھنا چاہتا ہوں تاکہ تم گمراہ نہ ہو۔

پس چونکہ آں حضرتؐ مقام ارشاد و ہدایت میں تھے لہٰذا قطعاً باعصمت اور حق سے متصل تھے۔ اگر آپ آیۂ شریفہ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الّا وحی یوحیٰ (پیغمبرؐ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتے بلکہ جو کچھ کہتے ہیں وہ صرف خدا کی وحی ہوتی ہے) وآیۂ مبارکہ وما اٰتیکم الرسول فخذوہ (اور تم کو رسول جس چیز کی ہدایت کریں اس کو اختیار کرو) اور آیت واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول (اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی) کی طرف توجہ کریں تو خود ہی حقیقت آپ کے اوپر ظاہر ہوجائے گی اور معلوم ہوجائے گا کہ دوات اور کاغذ لانے سے روکنا اور آنحضرتؐ کو اُمّت کی ہدایت کے لئے وصیّت نامہ لکھنے سے مانع ہونا درحقیقت خدا کی مخالفت تھی۔ طے شدہ چیز ہے کہ لفظ ہذیان کھلی ہوئی گالی تھی، پھر اُس کے ساتھ رجل کہہ کے اشارہ کرنا اور بھی سخت توہین ہے۔

حضرات! انصاف سے بتایئے گا کہ اگر اس جلسہ میں سے کوئی شخص آپ کی طرف اشارہ کرکے کہے کہ یہ شخص ہذیان بکتا ہے تو آپ کو کیسا معلوم ہوگا؟ حالانکہ ہم اور آپ معصوم نہیں ہیں، ہذیان بھی بک سکتے ہیں، آیا آپ اس کلام کو ادب و احترام کی کوئی قسم سمجھیں گے یا بے ادبی توہین اور گستاخی؟

اگر یہ گفتگو ادب و احترام کے خلاف ہے تو ماننا پڑے گا کہ حضرت خاتم النبیینؐ کی شان میں یہ اور زیادہ اہانت و جسارت ہے۔

اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ رسولؐ خدا کی خدمت میں ایسی توہین آمیز بات کہنے والے سے بیزاری اختیار کرنا ہر مسلمان کا دینی فریضہ ہے۔ جب کہ خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں آں حضرتؐ کو صاف طور سے رسولؐ اور خاتم النبیینؐ کہا ہے۔ اگر جانبداری اور تعصّب کو الگ رکھیے تو آپ کی عقل و حق شناسی ایسے شخص کے بارے میں کیا کہتی ہے جو آں حضرتؐ کو رسولؐ اللہ اور خاتم النبیین کہنے کے عوض کہے یہ شخص ہذیان بک رہا ہے۔

شیخ ۔ فرض کیجئے کہ ہم غلطی کے قائل بھی ہو جائیں تو چونکہ یہ خلیفۂ رسولؐ تھے اور دین و شریعت کی حفاظت کے لئے اجتہاد کیا تھا لہٰذا قطعاً بری الذمہ اور قابل درگزر ہیں۔

خیر طلب ۔ اوّل تو آپ نے یہی بے محل بات کہی کہ چونکہ خلیفۂ رسول تھے لہٰذا اجتہاد کیا، کیونکہ جس روز عمر نے یہ الفاظ کہے اُس روز وہ

خلیفہ بنے ہی نہیں بلکہ شاید خلافت کا خواب بھی نہ دیکھا ہو گا۔ وفاتِ رسولؐ کے بعد جیسا کہ آپ خود بہتر جانتے ہیں۔ ہنگامی طور پر چند لوگوں نے جلد بازی کر کے ابو بکر کو خلیفہ بنا دیا اور بعد کو بھی جبر و تشدد، قتل و اہانت اور دروازے میں آگ لگانے کے ذرائع سے دُوسروں کو قابو میں لائے۔ پھر دو سال تین ماہ کے بعد اپنے مرنے کے وقت ابو بکر نے عمر کو خلافت کی گدّی سونپ دی۔

دُوسرے آپ کا فرمانا بھی بہت تعجب خیز ہے کہ اجتہاد کیا، کیا آپ نے اتنا بھی غور نہیں کیا کہ نص اور صریحی حکم کے مقابلہ میں اجتہاد کی کوئی حقیقت ہی نہیں بلکہ یہ ایک ایسی خطا ہے جو معافی اور درگذر کے قابل نہیں۔

تیسرے آپ نے فرمایا ہے کہ دین و شریعت کی حفاظت کے لئے ایسا کیا آپ جیسے علماء سے ایسی غلط بات سُن کر سخت حیرت ہوتی ہے کہ آپ کے عدل و انصاف پر تعصب کس طرح سے غالب آگیا ہے۔

جناب محترم! دین و شریعت کی حفاظت رسولِ خدا کے ذمّے تھی یا عمر ابن خطاب کے؟ آیا آپ کی عقل قبول کرتی ہے کہ رسولُ اللہ کو تو اس قید کے باوجود کہ اس تحریر کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو گے، یہ پتہ نہ ہو کہ اُمّت کے لئے وصیّت نامہ لکھنا دین و شریعت کے خلاف ہے لیکن عمر ابن خطاب کو معلوم ہوا اور وہ حفاظتِ دین و شریعت کے لئے آنحضرتؐ کو وصیت سے روک دیں؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ ضروریاتِ دین میں خطا کرنا بہت بڑا جرم ہے اور ہرگز اس سے عفو و چشم پوشی نہیں ہو سکتی۔

شیخ ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے دین کے حالات و کیفیات سے اندازہ لگایا تھا کہ اگر رسولِ خدا کوئی چیز لکھیں گے تو اختلاف پیدا ہو جائے گا اور فتنہ برپا ہو گا لہٰذا از روئے خیر خواہی خود پیغمبرؐ کے فائدے کے لئے دوات اور کاغذ نہیں لانے دیا۔

عذرِ گناہ بدتر از گناہ

خیر طلب ۔ جو کچھ آپ نے فرمایا ہے، عذرِ گناہ بدتر از گناہ اسی کو کہتے ہیں مجھ کو یاد ہے کہ طالب العلمی کے زمانہ میں میرے ایک استاد جامع منقول و معقول فاضل فزدینی الحاج شیخ محمد علی تھے جو فرمایا کرتے تھے کہ اگر ایک غلطی کو نبھانے کی کوشش کی جائے تو ہو سکتا ہے کہ ایک کے بجائے سو غلطیاں ہو جائیں۔ بعینہ میں اسی طرح دیکھ رہا ہوں کہ آپ خلیفہ کی طرف سے خواہ مخواہ جو دفاع کر رہے ہیں وہ ایک خطا اور فاحش غلطی کو بہت سی غلطیوں کا مجموعہ بنا رہا ہے۔

آپ کی اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ رسولُ اللہ درجہ عصمت (یعنی خطا سے محفوظ ہونے) اور عالم غیب سے اتصال کے باوجود اُمّت کے ارشاد و ہدایت کے موقع پر خیر و صلاح اور فتنہ و فساد کی طرف کوئی توجہ نہیں رکھتے تھے لہٰذا خلیفہ عمر نے آنحضرتؐ کی خیر خواہی اور رہنمائی کی۔

اگر آپ آیت ۳۶ سورہ ۳۳ (احزاب) پر تھوڑا غور کیجئے جس میں ارشاد ہے و ما کان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضی اللہ و رسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم و من یعص اللہ و رسولہ فقد ضل ضلالا مبینا (یعنی جب خدا و رسولؐ کسی کام کا حکم دیں تو کسی مرد یا عورت کو اُس میں اپنے ارادے اور اختیار سے کوئی دخل حاصل نہیں (یعنی اپنے قول و فعل سے آں حضرتؐ کو روکنے یا اختلاف رائے کا حق نہیں رکھتے) اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ یقیناً کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہوا) تو یقیناً اپنے الفاظ واپس لیجئے گا اور خلیفہ عمر کے اس عمل کی حقیقت سمجھ میں آجائے گی کہ آں حضرت کے حکم سے سرتابی، وصیت سے روکنا اور لفظ ہذیان کے ذریعہ گستاخی کرنا انتہائی شنیع فعل تھا اور اُس نے پیغمبرؐ کو اتنا متاثر کیا کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔

شیخ ۔ خلیفہ کی نیک نیتی تو اُن کے آخری جملے سے ظاہر ہے کہا حسبنا کتاب اللہ یعنی خدا کی کتاب قرآن کریم ہمارے لئے کافی ہے ہم کو رسولؐ خدا کے نوشتہ کی ضرورت نہیں ہے۔

خیر طلب ۔ اتفاق سے خود یہی جملے اُن کے عدم معرفت اور قرآن مجید پر توجہ نہ ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے یا پھر عمداً رسول اللہ کو رنج پہنچانا اور اس عمل سے روکنا مقصود تھا جو اُن لوگوں کے جذبات کے خلاف تھا کیونکہ اگر قرآن مجید کی پوری معرفت ہوتی تو یہ بھی معلوم ہوتا کہ جملہ اُمور میں قرآن تنہا کفایت نہیں کرتا۔ اس لئے کہ یہ وہ یکتا کتاب محکم ہے جو مجمل اور مختصر ہے۔ اس نے کلیاتِ احکام تو بیان کر دیے ہیں لیکن ان کے جزئیات کو شارح اور مفسر کی توضیح پر چھوڑ دیا ہے۔

کیونکہ ممکن ہے کہ ایک معمولی انسان بغیر فیضان الہٰی اور بیان عالم ربانی کے اس مجمل اور جامع قرآن سے پورا فائدہ اٹھا سکے؟

علاوہ ان باتوں کے اگر تنہا قرآن امت کے امور میں کافی ہوتا تو یہ آیت کیوں نازل ہوتی کہ و ما اتکم الرسول فخذوہ و ما نھکم عنہ فانتھوا (یعنی رسولؐ اللہ جس چیز کی ہدایت کریں اس کو اختیار کرو اور جس سے منع کریں اُس سے باز رہو)؟ نیز کیا آیت ۸۵ سورہ ۴ (نساء) میں یہ ارشاد نہیں ہے و لو ردوہ الی الرسولؐ والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم (یعنی اگر رسولؐ اور صاحبانِ حکم (رسول کے بعد پیشوایان اسلام) کی طرف رجوع کرتے تو یقیناً جو اہل معرفت ہیں وہ صحیح تدبیر معلوم کر لیتے)؟ پس ثابت ہوا کہ قرآن مجید تنہا مفید طلب نہیں ہے جب تک شارحین قرآن یعنی محمدؐ و آل محمدؐ صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کی تفسیر بھی ساتھ ساتھ نہ ہو۔

چنانچہ فریقین کی متواتر حدیث میں (جس کے چند اسناد گذشتہ شبوں میں پیش کر چکا ہوں[۱]) وارد ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء نے بار بار یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی فرمایا انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی لن یفترقا حتی یردا علیّ الحوض ان تمسکتم بھما فقد نجوتم۔ لن تضلوا ابدا (یعنی میں (رسولؐ خدا) تمہارے درمیان یقیناً دو گرانقدر چیزیں چھوڑتا ہوں، اللہ کی کتاب اور میری عترت و اہل بیت، یہ دونوں ایک دُوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر

---

[۱] ملاحظہ ہو اسی کتاب کا ص

کے کنارے میرے پاس پہنچ جائیں۔ اگر تم لوگ ان دونوں سے تمسک رکھو گے تو ضرور نجات پاؤ گے اور کبھی ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔

صاحبانِ عقل کی فہم و فراست سے تعجب ہے کہ وہ اس پر غور کیوں نہیں کرتے کہ رسول اللہ تو (جن کا ہر قول بحکم آیۂ ما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ خدا کی طرف سے ہوتا ہے) ہدایت و نجات اُمت کے لیے تنہا قرآن کو کافی نہ سمجھیں اور اس کو اپنی عترت طاہرہ سے وابستہ کرتے ہوئے صاف صاف فرمائیں کہ اگر دونوں (یعنی قرآن و عترت) سے تمسک رکھو گے تب نجات پاؤ گے اور ہرگز گمراہ نہ ہو گے، لیکن خلیفہ عمر یہ کہیں کہ نہیں اکیلا قرآن ہی کافی ہے؟

اب ذرا آپ حضرات انصاف سے کام لیں اور سچا فیصلہ کریں کہ ایک طرف تو خدا کے بھیجے ہوئے برحق پیغمبرؐ کا یہ ارشاد ہے کہ قرآن و اہل بیت دونوں سے تمسک کرو کیونکہ یہ دونوں تا قیامت ایک دوسرے سے وابستہ، ایک دوسرے کی نظیر اور ایک ساتھ ذریعۂ ہدایت ہیں، اور دوسری طرف عمر کا یہ قول کہ ہم کو صرف قرآن کافی ہے، جس کا مطلب یہ کہ انہوں نے فقط عترت ہی کو نہیں ٹھکرایا بلکہ رسول اللہ کے حکم اور وصیت کو بھی قبول نہیں کیا۔

ایسی صورت میں ہم پر ان دونوں میں سے کس کی اطاعت واجب ہے؟ ہرگز کوئی عقلمند انسان یہ نہیں کہے گا کہ بارگاہ خداوندی سے الحاق رکھنے والے اللہ کے رسولؐ کا فرمان چھوڑ کے عمر کی بات ماننا چاہیے۔ تو پھر آپ نے کیوں عمر کا قول لے لیا اور آنحضرتؐ کا قول پس پشت ڈال دیا؟ اگر فقط کتاب خدا کافی تھی تو آیت ۴۵ سورہ ۱۶ (نحل) فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (یعنی اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل ذکر (یعنی اہل قرآن جو اہل بیت رسولؐ ہیں) سے دریافت کرو) میں ہم کو کیوں حکم دیا گیا ہے کہ اہل ذکر سے سوال کرو؟ ظاہر ہے کہ ذکر سے مُراد قرآن یا رسولؐ خدا ہیں اور اہل ذکر آنحضرتؐ کی عترت اور اہل بیت ہیں۔

چنانچہ پچھلی راتوں میں دلائل اور اسناد کے ساتھ عرض کر چکا ہوں کہ خود آپ کے بڑے بڑے علماء جیسے سیوطی وغیرہ نے درج کیا ہے کہ اہل ذکر سے رسول اللہ کے اہلِ بیت پاک مُراد ہیں جو عدیل قرآن ہیں۔

آپ ہماری باتوں کو بدگمانی کی نگاہ سے نہ دیکھیں اور یہ نہ سمجھیں کہ صرف ہمیں ان چیزوں کی گرفت کرتے ہیں، کیوں کہ آپ کے اکابر علماء بھی محل انصاف میں خلیفہ عمر کے اس قول پر مضحکہ کرتے ہیں۔

عمر کے قول پر قطبُ الدّین شیرازی کا اعتراض

آپ کے اکابر علماء میں سے قطبُ الدّین شافعی شیرازی کشف الغیوب میں کہتے ہیں: یہ امر مسلّم ہے کہ بغیر رہنما کے راستہ طے نہیں کیا جا سکتا ہم کو خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول پر تعجب ہے کہ چونکہ ہمارے درمیان قرآن موجود ہے لہذا ہم کو کسی رہنما کی احتیاج نہیں ہے یہ بات تو ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص کہے چونکہ ہمارے پاس طب کی کتابیں موجود ہیں لہذا ہم کو کسی طبیب کی ضرورت نہیں ظاہر ہے کہ یہ بات ناقابل قبول اور بالکل غلط ہے اس لئے کہ جو شخص طبی کتابوں سے مطلب حل نہ کر سکے اس کو قطعی طور پر کسی ہوشیار طبیب کی طرف

رجوع کرنا چاہیئے۔ یہی صورت قرآن کریم کی ہے کہ جو شخص اپنی عقل کے ذریعے اس سے پورا فائدہ نہ اٹھا سکے اس کو مجبوراً ان مبیّنوں کی طرف جھکنا پڑے گا جو عالم قرآن ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ارشاد ہے ولو ردّوہ الی الرّسولؐ والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم (یعنی اگر یہ لوگ رسولؐ اور صاحبان امر (پیشوایان اسلام) کی طرف رجوع کرتے تو جو لوگ اہل معرفت ہیں وہ صحیح نتیجے تک پہنچ جاتے۔ آیت ۸۳ سورہ ۴ (نساء) حقیقی کتاب تو اہل علم کے سینے ہیں جیسا کہ آیت ۴۸ سورہ ۲۹ (عنکبوت) میں ارشاد ہے۔ ھو آیات بینات فی، صدور الذین اوتوا العلم (یعنی بلکہ یہ قرآن وہ روشن آیتیں ہیں جو اُن لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو (من جانب خدا) علم خداداد یا گیا ہے) اسی وجہ سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے انا کتاب اللہ الناطق ھو الصامت یعنی میں خدا کی بولتی ہوئی کتاب ہوں اور یہ قرآن خاموش کتاب ہے۔ انتہی۔

پس خلیفہ کے کلام کے اوّل و آخر دونوں حصّے ناقابل اعتبار اور علم و عمل اور انصاف رکھنے والے کے نزدیک لائق نفرت ہیں لہٰذا آپ بھی تصدیق کیجئے کہ انہوں نے رسول اللہؐ پر بہت بڑا ظلم کیا جو وصیت نہیں لکھنے دی۔

ابوبکر کو مرتے دم وصیّت لکھنے سے نہ روکنا

رہا آپ کا بار بار یہ فرمانا کہ لوگوں نے ابوبکر و عمر کو وصیّت کرنے سے نہیں روکا تو یہ درست ہے اور یہی چیز انتہائی حیرت اور تعجب کا باعث ہے جس کو آپ کے تمام مورخین و محدّثین نے اپنی معتبر کتابوں میں درج کیا ہے کہ خلیفہ ابوبکر نے اپنے مرنے کے وقت عثمان ابن عفان سے کہا کہ جو کچھ میں کہتا ہوں اس کو لکھو کیوں کہ یہ لوگوں کی طرف میرا وصیّت نامہ ہے؛ چنانچہ جو کچھ ابوبکر نے کہا انہوں نے لکھ لیا۔ خلیفہ عمر وغیرہ بھی موجود تھے لیکن کسی نے اس سے انکار نہیں کیا۔

بالخصوص عمر نے اس وقت یہ نہیں کہا کہ حسبنا کتاب اللہ ہم کو ابوبکر کے وصیّت نامے کی کوئی ضرورت نہیں اس لئے کہ قرآن ہمارے لئے کافی ہے۔ لیکن خاتم الانبیاءؐ کو اسی بہانے سے کہ ہمارے لئے کتاب خدا کافی ہے وصیّت نہ لکھنے دی۔ فاعتبروا یا اولی الابصار!

اگر اس سازش کے آگے سرِ نیاز خم کرنے سے ہم کو اور کوئی دلیل مانع نہ ہو تو صرف یہی توہین و جسارت، رسولِ اکرمؐ کو دشنام دینا اور اس وصیّت سے منع کرنا جو اُمّت کے لئے ہدایت اور ضلالت و گمراہی سے حفاظت کا ذریعہ بنتی، ہر عالم و عاقل اور نکتہ رس منصف کو یہ سمجھا دینے کے لئے کافی ہے کہ اُس روز کی یہ کارروائی کسی دلیل و برہان کی بنیاد پر نہ تھی بلکہ محض دھاندلی، ہنگامہ سازی اور سیاسی چالاکی تھی۔

مصیبت عظیم وقت آخر اہانت رسولؐ اور ممانعت ہدایت

ابن عباس گریہ کرنے میں حق بجانب تھے بلکہ میں تو کہتا ہوں سارے مسلمانوں کو خون کے آنسوؤں سے رونا چاہیئے کہ خاتم المرسلین کو اتنی مہلت بھی نہ دی کہ وصیت کر کے اُمّت کے لئے دستور العمل معیّن کر جائیں، اور زندگی کے آخری لمحوں میں آنحضرتؐ کو توہین و دشنام کے ذریعے تبلیغ رسالت کا عوض دیا۔ اگر وصیّت کا موقع دے دیا ہوتا تو یقیناً امر خلافت بالکل واضح ہو جاتا اور آں حضرتؐ کے پچھلے ارشادات کی تائید ہو جاتی۔ لیکن سیاسی داؤ پیچ جاننے والے بغاوت کر کے سدِّ راہ بن گئے۔

شیخ ۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ آں حضرتؐ خلافت کے بارے میں کچھ فرمانا چاہتے تھے؟

خیر طلب ۔ اوّلاً مطلب بالکل ظاہر ہے کہ وقت وفات تک دین کے احکام و قواعد میں سے کوئی چیز باقی ہی رہ گئی تھی کہ امّت کی ہدایت کے لئے اُس کی یاد دہانی ضروری ہوتی، کیونکہ آیت اکمال دین نازل ہو چکی تھی، البتہ خلافت کا معاملہ ایسا تھا کہ آں حضرتؐ نے تئیس سال کی مدّت میں اس کے لئے جو کچھ فرمایا تھا چاہتے تھے کہ اس کی تائید میں مزید وضاحت فرما دیں، چنانچہ میں عرض کر چکا ہوں کہ امام غزالی نے سر العالمین کے مقالۂ چہارم میں نقل کیا ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا ایتونی بدوات و بیاض لازیل عنکم اشکال الامر واذکرلکم من المستحق لھا بعدی (یعنی دوات و کاغذ لے آؤ تا کہ تم سے امر خلافت کا اشکال دور کر دوں اور اپنے بعد کے لئے اس کے مستحق کی یاد دہانی کر جاؤں) پھر جملہ لن تضلوا بعدی بھی ثابت کرتا ہے کہ وصیّت کا موضوع ہدایت امّت تھا۔ اور طرق ہدایت میں سوا امر خلافت و امامت کے اور کسی چیز کی تاکید باقی نہ تھی۔ اس کے علاوہ ہم کو اصرار بھی نہیں ہے کہ آں حضرتؐ خلافت و امامت کے لئے کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن اتنا تو قطعاً چاہتے تھے کہ اُمّت کی ہدایت و رہنمائی کے لئے کوئی تحریر دے دیں۔ تا کہ ضلالت و گمراہی نہ پھیلے تو پھر کیوں ممانعت کی؟ فرض کر لیا جائے کہ ممانعت ہی مناسب تھی تو کیا اس کے لئے فحش و دشنام اور اہانت بھی ضروری تھی؟[۵]

چشم باز و گوش باز و ایں عمی　　حیرتم از چشم بندی خدا

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَار

معاف فرمایئے گا سلسلۂ کلام ذرا طولانی ہو گیا لیکن یہ میرے اختیار سے نہیں تھا بلکہ دردِ دل کا ایک مختصر سا نمونہ تھا جو آپ کی توجہ کے لئے بے ساختہ زبان پر آ گیا۔

پس ان مقدمات سے معلوم ہو گیا کہ علی علیہ السّلام رسولؐ خدا کے وصی تھے اور باوجودیکہ آں حضرتؐ بارہا ہدایات جاری فرما چکے تھے لیکن آخری منزل پر تکمیل وصیّت کے لئے چاہا کہ یہ حقائق تحریر کر کے اُمّت کی ذمّہ داری کو پختہ فرما دیں سیاسی بازیگر سمجھ رہے تھے کہ کیا لکھنا چاہتے ہیں لہٰذا شور و غوغا اور اہانت کر کے روک دیا۔

آں حضرتؐ نے اتمامِ حجّت اور رفع شبہات کے لئے بعض احادیث میں خصوصیت کے ساتھ فرمایا ہے کہ جس خدا نے دیگر انبیائے کرام آدمؑ، نوحؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰ وغیرہ کے لئے وصی معیّن فرمائے اس نے میرے لئے بھی علیؑ کو وصی قرار دیا۔

نیز فرمایا ہے کہ علی میرے اہل بیت اور میری اُمّت میں میرے بعد میرے وصی ہیں۔ اور یہ خود ایک مضبوط دلیل ہے اس بات کی کہ وصایت اس مقام پر خلافت کے معنی میں ہے، لہٰذا علی وصی و خلیفہ رسولؐ ہیں۔

شیخ ۔ یہ اخبار اگر صحیح بھی ہوں تو متواتر نہیں ہیں لہٰذا آپ کیونکر اُن سے سند لے رہے ہیں؟

خیر طلب ۔ تواتر وصیت کا مسئلہ ہمارے نزدیک تو اہل بیت عترت و طہارت کے طریق سے جو عدیل قرآن ہیں ثابت و مسلم ہے۔ لیکن آپ کو یاد ہوگا میں نے پچھلی راتوں میں عرض کیا ہے کہ آپ کے علماء اپنے علمی بیانات میں خبر واحد کو بحث سمجھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان اخبار میں اگر تواتر لفظی نہ ہو تو تواتر معنوی قطعاً موجود ہے۔

ان بے شمار روایتوں سے جن کی پوری تفصیل سے اس وقت معذور ہوں کیونکہ نہ اتنا وقت ہے نہ سب حافظے میں محفوظ ہیں لہٰذا موقع کے لحاظ سے اُن میں سے بعض کو جو اُس وقت یاد تھیں پیش کر دیا، معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے علی علیہ السلام کے لئے ایسی وصایت پر نص فرمائی ہے جس سے صاف صاف خلافت کے معنی نکلتے ہیں۔

اس کے علاوہ آپ جو تواتر کو اس قدر اہمیّت دیتے ہیں اور جس وقت ہمارے مقابل کوئی حربہ ڈھونڈنا چاہتے ہیں یا جس مقام پر لاجواب ہو جاتے ہیں تو تواتر کی آڑ لینے لگتے ہیں، ذرا یہ فرمایئے کہ حدیث لا نورث کا تواتر کہاں سے ثابت کیجئے گا؟ درآنحالیکہ اس حدیث کے راوی بقول آپ کے ابوبکر یا اوس بن حدثان تھے اور چند معلوم الحال مطلبی اشخاص نے ہاں میں ہاں ملا دی۔ لیکن ہر زمانے میں کروڑوں موحّد اور پاک نفس مسلمان اس حدیث کے منکر رہے ہیں۔ سب سے بڑھ کے باب علم رسول علی علیہ السلام اور تمام عترت و اہل بیت پیغمبرؐ کا انکار جو عدیل قرآن ہیں اس کے باطل ہونے پر ایک بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ ان حضرات نے منطقی دلائل کے ساتھ اس کے غلط اور مصنوعی ہونے کو ثابت کیا ہے۔ جن میں سے بعض کی طرف اشارہ کیا جا چکا۔ اور ان ساری دلیلوں سے اہم خود ابوبکر کے سامنے صدیق و صدیقہ علی و فاطمہ علیہما السلام کی مخالفت اور انکار تھا۔ اس لئے کہ جس وقت رسول اللہؐ کا باب علم اور آں حضرتؐ کے ارشاد کے مطابق اہل تقویٰ کا امام کسی حدیث کو جھٹلا دے تو قطعاً یہ اُس کے مصنوعی اور جھوٹ ہونے پر کامل حجت ہوگی۔

اگر تمام انبیاء بالعموم اور خاتم الانبیاءؐ بالخصوص اپنا کوئی وارث نہیں رکھتے تھے تو وصی اور وارث کیونکر بنایا؟ جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا لکل نبیّ وصیّ و وارث وان علیاً وصیّ ووارثی (یعنی ہر پیغمبرؐ کے لئے ایک وصی و وارث ہے اور یقیناً علی میرے وصی اور وارث ہیں) اور ظاہر ہے کہ بغیر مال و جائداد کی میراث کے وصی اور وارث کے کوئی معنی نہیں۔ اگر آپ کہئے کہ مالی نہیں بلکہ علمی وراثت مُراد ہے، حالانکہ عقلی و نقلی اور علمی دلائل و براہین سے ثابت ہے کہ مالی وراثت مراد تھی) تو میرا مطلب اور زیادہ ثابت ہو جاتا ہے کہ سب سے پہلے تو پیغمبرؐ کے وارث منصب خلافت کے لئے اولیٰ اور حقدار ہوگا تب کہیں ان لوگوں کا نام لیا جا سکتا ہے جو آں حضرت کے علم سے کورے تھے۔

دُوسرے یہ کہ یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ رسُولؐ خدا نے علیؑ کو اپنا وصی اور وارث قرار دیا ہے بلکہ اُن احادیث کے حکم سے جو آپ کے علماء نے نقل کئے ہیں (جن میں سے بعض کی طرف اشارہ بھی ہو چکا ہے) خدا ہی نے آپ کو اس درجے پر معیّن فرمایا ہے یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس حدیث کو اپنے وصی اور وارث (یا بقول آپ کے وارث علمی) سے تو نہ فرمایا ہو تاکہ بعد کو اختلاف نہ پیدا ہو لیکن اس شخص سے فرما دیا جو نہ وصی تھا نہ وارث ؟

سخت تعجب ہے کہ جب دینی احکام میں علی علیہ السّلام کوئی فیصلہ فرماتے تھے تو ابو بکر و عمر چونکہ خود ناواقف تھے لہٰذا آپ کے قول کو حجت سمجھ کے فوراً تصدیق کرتے تھے کہ آپ کا فرمانا صحیح ہے اور اُسی کے مطابق عمل کرتے تھے چنانچہ آپ کے علماء و مورخین نے ابوبکر، عمر اور عثمان کے زمانۂ خلافت میں حضرت کے فیصلے نقل کئے ہیں، لیکن خاص طور سے اس موقع پر حضرت کے قول کو قبول نہیں کیا بلکہ ایسی رکیک مثالوں کے ساتھ اہانت بھی کی کہ ہر عقلمند انسان ان کو نقل کرتے ہوئے شرم محسوس کرتا ہے۔

حافظ ۔ سخت تعجب ہے کہ آپ فرماتے ہیں خلفاء رضی اللہ عنہم دینی احکام نہیں جانتے تھے اور علی کرم اللہ وجہہ اُن کو یاد دلاتے تھے۔

خیر طلب ۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے اس لئے کہ سارے احکام و قواعد کا جاننا بہت مشکل کام ہے اور سوا اس کے جو پیغمبرؐ یا باب علم ہو کسی معمولی انسان کے لئے اتنا مکمل علم ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ تنہا میں ہی اس عقیدے کا قائل نہیں ہوں بلکہ آپ کے اکابر علماء نے اپنی معتبر کتابوں میں اس کو نقل کیا ہے۔ مطلب واضح کرنے کے لئے ایسے اتفاقات میں سے ایک نمونہ پیش کئے دیتا ہوں تاکہ ناواقف لوگوں کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ہم توہین کے مقصد سے ایسا کہتے ہیں۔

چھ مہینے کا بچّہ جننے والی عورت کے حق میں علیؑ کا حکم

امام احمد بن حنبل مسند میں، امام الحرم احمد بن عبداللہ شافعی ذخائر العقبیٰ میں، ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں اور شیخ سلیمان حنفی ینابیع المودۃ باب ۵۶ میں احمد بن عبداللہ، اور احمد ابن حنبل، قلعی اور ابن سمان سے روایت کرتے ہیں:۔

ان عمر رضی اللہ عنہ اراد رجم المرأۃ التی ولدت لستۃ اشھر فقال علی علیہ السّلام فی کتاب اللہ وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا ثم قال وفصالہ فی عامین فالحمل ستۃ اشھر فترکھا وقال لولا علی لھلک عمر :۔

یعنی عمر نے ایک ایسی عورت کو سنگسار کرنا چاہا جس کے یہاں چھ مہینے کا بچّہ پیدا ہوا تھا، تو علی علیہ السّلام نے فرمایا خدا قرآن میں فرماتا ہے کہ حمل و رضاعت سے دودھ بڑھائی تک تیس ۳۰ مہینوں کی مدّت ہے اور چونکہ دودھ چھڑانے تک رضاعت کا زمانہ دو سال ہے لہٰذا حمل کا زمانہ چھ ماہ رہ جاتا ہے خلاصہ یہ کہ چھ ماہ میں ولادت

ممکن ہے کیونکہ حمل کی کم سے کم مدّت چھ ہی مہینے ہے) پس عمر نے اُس عورت کو چھوڑ دیا اور کہا کہ علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا ہوتا نیز اسی باب میں مناقب احمد ابن حنبل سے نقل کرتے ہیں ۔

ان عمر بن الخطاب اذا اشکل علیہ شیئی اخذ من علی رضی اللہ عنہ ۔

(یعنی جس وقت عمر کو کوئی مشکل مرحلہ پیش آتا تھا (اور بات سمجھ میں نہیں آتی تھی) تو علی علیہ السلام سے تعلیم حاصل کرتے تھے)

اس قسم کے قضیے ابوبکر، عمر اور عثمان کے دورِ خلافت میں کثرت سے پیش آئے کہ جب یہ لوگ مشکل میں پھنس جاتے تھے تو علی علیہ السلام اصلی حکم بتاتے تھے اور یہ بھی اُس کو تسلیم کر کے عمل کرتے تھے ۔

اب آپ حضرات غور کیجئے کہ آخر اس مقام پر علی علیہ السلام کی بات کیوں نہیں مانی بلکہ جسارت واہانت شور و غل اور ہنگامہ آرائی کے ذریعے جناب فاطمہ مظلومہ صلوات اللہ علیہا کا بنیادی حق بھی چھین لیا؟ بات دراصل یہ ہے کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور ہوتے ہیں دکھانے کے اور ۔

تیسری دلیل اس حدیث کے بطلان پر خود خلیفہ ابوبکر کا قول و فعل ہے ، کیونکہ اگر حدیث صحیح ہے تو جو کچھ رسول اللہ نے چھوڑا تھا سب ضبط کر لینا چاہیئے تھا، وارثوں کو آں حضرتؐ کی کسی چیز پر تصرّف کا حق نہیں تھا لیکن ابوبکر نے حجرۂ فاطمہ ان کو دے دیا، اور ازواج رسولؐ عائشہ و حفصہ وغیرہ کے حجرے بھی میراث کے طور پر اُن سب کو عطا کئے۔ یک بام و دو ہوا کی مثل اسی موقع کے لئے ہے ۔ یؤمن ببعض ویکفر ببعض ۔

علاوہ ان چیزوں کے اگر یہ حدیث صحیح تھی اور اس پر ان کا ایمان تھا کہ یہ قولِ رسولؐ ہے تو فدک کو ضبط کرنے کے بعد جو (اُن کے خیال میں) صدقۂ مسلمین تھا، ابوبکر نے یہ تحریر کیوں دی کہ میں نے فدک فاطمہ کو واپس دیا جس کے بعد عمر مانع ہوئے اور وہ سند لے کر چاک کر ڈالی ؟ ۔

حافظ ۔ آپ کا یہ بیان انوکھا ہے ۔ میں نے تو نہیں سنا کہ خلیفہ نے فدک واپس کیا ہو۔ آخر اس مضمون کی سند کہاں سے ہے ؟

ابوبکر کا فاطمہؑ کو فدک واپس کرنا اور عمر کا مانع ہونا

خیر طلب ۔ غالباً آپ میرے اس اصول سے واقف ہوں گے کہ بغیر سند کے میں کوئی بات عرض نہیں کرتا۔ نیز میرا اندازہ ہے کہ آپ کے پاس مطالعۂ کتب کا وقت بہت کم ہے ۔ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں اور علی بن برہان الدین شافعی تاریخ سیرۃ الحلبیہ جلد سوم ص ۳۹۱ میں لکھتے ہیں کہ ابوبکر فاطمہؑ کی گفتگو سے متاثر ہو کر رونے لگے (دراصل یہ واقعہ چند روز کے بعد ابوبکر کے مکان پر پیش آیا) ۔

فاستعبر و بکیٰ وکتب لہا بردّ فدک

یعنی حال فاطمہ پر گریہ کیا اور لکھ دیا کہ میں نے فدک فاطمہؑ کو واپس کیا، لیکن عمر نے وہ پروانہ لے کر پھاڑ ڈالا۔

تعجب یہ ہے کہ انہیں عمر نے جنہوں نے اس روز تحریر چاک کر ڈالی تھی اور فدک واپس کرنے پر اعتراض کیا۔ تنہا خود اپنے زمانۂ خلافت میں اس کو واپس دیا اور اسی طرح بعد کے (اموی اور عباسی) خلفاء نے بھی فاطمہ سلام اللہ علیہا کے وارثوں کو فدک لوٹایا۔

حافظ ۔ آپ کی اس تقریر پر تو بہت ہی تعجب ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ خلیفہ عمر جو بقول آپ کے فاطمہؑ کو فدک واپس دینے میں سختی سے مانع ہوئے تھے کیونکہ یہ صدقہ مسلمین تھا، یہاں تک کہ تحریر کو بھی پھاڑ کے پھینک دیا تھا خود ہی فاطمہؑ کے وارثوں کو اسے واپس کر دیں؟

خیر طلب ۔ تعجب ہونا بھی چاہیئے۔ ممکن ہے آپ نے نہ دیکھا ہو لہٰذا اب میں آپ کی اجازت سے ذکر اسناد کے ساتھ آپ کے اکابر علماء سے اُن خلفاء کے حوالے نقل کرتا ہوں جنہوں نے واپس دیا اور واپس لیا، تاکہ آپ تعجب نہ کریں اور سمجھ لیں کہ حق ہمارے ساتھ ہے۔

خلفاء کا اولادِ فاطمہؑ کو فدک لوٹانا

مدینہ منورہ کے مشہور محدث و مورخ علامہ سمہودی متوفی ۹۱۱ھ تاریخ المدینہ میں اور یاقوت بن عبداللہ رومی حموی معجم البلدان میں نقل کرتے ہیں کہ ابوبکر نے اپنے زمانۂ خلافت میں فدک پر تصرف کیا اور عمر نے اپنے دور خلافت میں علی علیہ السلام اور عباس کے حق میں واگزار کر دیا۔ اگر ابوبکر نے رسول اللہؐ کے حکم سے مسلمانوں کا حق سمجھ کے فدک پر قبضہ کیا تھا تو عمر نے کس دلیل سے سارے مسلمانوں کی جائداد کسی ایک فرد کے سپرد کر دی؟

شیخ ۔ شاید اس نیت سے ایک مسلمان فرد کے حق میں واگزار کیا ہو کہ مسلمانوں ہی کے تصرف میں رہے۔

خیر طلب ۔ آپ کی توضیح پر تو مدعی سست گواہ چست کی مثل صادق آتی ہے کیونکہ خود خلیفہ کا یہ مقصد نہیں تھا۔ اگر مسلمانوں کے خرچ کے لئے واپس کیا ہوتا تو تاریخ میں اس کا تذکرہ ہونا چاہیئے تھا، حالانکہ آپ کے بڑے بڑے مورخین لکھتے ہیں کہ عمر نے علی علیہ السلام اور عباس کے حق میں واگزار کیا۔ اور علی علیہ السلام نے بھی میراث کے طور پر فدک کو قبول کیا تھا نہ کہ ایک مسلمان فرد کی حیثیت سے، ورنہ ایک مسلمان تمام مسلمانوں کے حق پر قابض و متصرف نہیں ہو سکتا۔

شیخ ۔ شاید عمر ابن عبدالعزیز مراد ہوں۔

عمر ابن عبدالعزیز کا فدک واپس کرنا

خیر طلب ۔ (مسکراتے ہوئے) علی علیہ السلام اور عباس عمر ابن عبدالعزیز اموی کے زمانے میں نہیں تھے۔ عمر ابن عبدالعزیز کا حکم اس کے علاوہ ہے، چنانچہ علامہ سمہودی تاریخ المدینہ میں اور ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد چہارم ص۸۱ میں ابوبکر جوہری سے نقل کرتے ہیں کہ

عمر ابن عبدالعزیز کو خلافت حاصل ہوئی تو مدینے میں اپنے عامل کو لکھا کہ فدک اولاد فاطمہ کو واپس کر دو! لہٰذا اُس نے حسن ابن حسن مجتبیٰ اور بعض کا قول ہے کہ حضرت علی بن الحسین علیہما السلام کو بلا کر اُن کے سپرد کر دیا۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد چہارم مطبوعہ مصر کے صفحہ ۸۱ سطر اوّل میں یہ عبارت لکھی ہے کہ کانت اوّل ظلامة ردّھا یعنی یہ وہ پہلی بجبر وظلم چھینی ہوئی جائداد تھی جو عمر ابن عبدالعزیز نے اولاد فاطمہ کو دی، اور یہ ایک مدت تک ان حضرات کے تصرف میں رہی، یہاں تک کہ خلیفہ یزید ابن عبدالملک نے پھر اس کو غصب کر لیا اور اس پر بنی اُمیّہ کا قبضہ رہا۔ جب خلافت بنی عباس کا زمانہ آیا تو پہلے عباسی خلیفہ عبداللہ سفاح نے اولاد امام حسن علیہ السلام کے سپرد کیا اور وہ حقوق وراثت کی صورت میں آمدنی کو بنی فاطمہ کے درمیان تقسیم کر دیتے تھے۔

عبداللہ، مہدی، اور مامون عباسی کا نسل فاطمہؑ کو فدک واپس دینا

جب اولاد امام حسنؑ پر منصور نے خروج کیا تو فدک اُن سے چھین لیا، جب اس کا بیٹا مہدی خلیفہ ہوا تو اُن کو لوٹا دیا۔ موسیٰ بن ہادی خلیفہ ہوا تو اس نے پھر ضبط کر لیا، یہاں تک کہ مامون الرشید عباسی نے اپنی خلافت کے دور میں حکم دیا کہ اس کو اولاد علی اور بنی فاطمہؑ کے حق میں واگزار کر دیا جائے۔

یاقوت حموی نے معجم البلدان طبع اوّل ذیل حرف "ف۔و" میں مامون کے پروانے کی عبارت درج ہے کہ اُس نے اپنے عامل قثم بن جعفر کو لکھا:۔

انّه كان رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم اعطى ابنته فاطمه رضى اللّٰه عنها فدك وتصدّق عليها بها وانّ ذالك كان امرًا ظاهرًا معروفًا عند اٰله عليه الصّلوٰة والسّلام

یعنی بتحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک اپنی بیٹی فاطمہؑ کو عطا فرما دیا تھا اور یہ امر آں حضرتؐ کی اولاد کے نزدیک ظاہر اور معروف تھا۔

مشہور شاعر دعبل خزاعی بھی موجود تھے انہوں نے اُٹھ کر کچھ اشعار پڑھے جن کا مطلع یہ تھا ؎

اصبح وجه الزمان قد ضحكا ‏ ‏ ‏ برد مامون هاشم فدكا

یعنی آج زمانہ شاد و خنداں ہے کہ مامون نے بنی ہاشم کو فدک لوٹا دیا۔

فدک کے عطیّہ ہونے کا ثبوت

یہ قطعی دلیلوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ فدک فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس رسُولؐ کا عطیہ تھا جس کو روزِ اوّل ہی بغیر کسی شرعی جواز کے غصب کر لیا گیا، لہٰذا بعض خلفاء نے انصاف یا سیاست کی بنا پر اس کو اُن مظلوم بی بی کی اولاد کی طرف پلٹا دیا۔

حافظ ۔ اگر فدک فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بخش دیا گیا تھا تو انہوں نے وراثت کا دعویٰ کیوں کیا اور ہبہ کے بارے میں کوئی لفظ کیوں نہیں کیا ؟

خیر طلب ۔ پہلی مرتبہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے ہبہ ہی کا دعویٰ کیا لیکن جب شارع مقدس اسلام کی ہدایت کے خلاف قابض ومتصرف سے گواہ طلب کئے گئے اور انہوں نے گواہ پیش کر دئے تو شرع انور کے برخلاف اُن شہادتوں کو رد کر دیا گیا، لہٰذا آپ نے مجبوراً وراثت کا راستہ اختیار کیا تا کہ احقاق حق ہو جائے۔

حافظ ۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو دھوکا ہو رہا ہے اس لئے کہ کسی مقام پر یہ نہیں دیکھا گیا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ہبہ کے سلسلے میں ایک حرف بھی کہا ہو۔

خیر طلب ۔ مجھ کو دھوکا نہیں ہوا بلکہ یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ فقط کتب شیعہ میں نہیں بلکہ خود آپ کے اکابر علماء کی کتابوں میں بھی درج ہے چنانچہ سیرۃ الحلبیہ مولفہ علی بن برہان الدین حلبی شافعی متوفی ۱۰۴۴ھ کے صفحہ ۳۹ پر لکھا ہوا ہے کہ پہلے فاطمہ نے ابوبکر سے اس عنوان پر مناظرہ کیا کہ فدک پر اُن کا مالکانہ قبضہ ہے اور رسولِ خدا نے اُن کو عطا کر دیا تھا، لیکن چونکہ شرعی گواہ نہیں مل سکے لہٰذا مجبوراً وراثت کے قاعدے سے دعویٰ کیا۔ پس وراثت کا دعویٰ ہبہ کے بعد تھا۔

نیز امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر ضمن ادعائے فاطمہؑ میں، یاقوت حموی معجم البلدان میں، ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ جلد چہارم صفحہ ۸۰ میں ابوبکر جوہری سے اور ابن حجر متعصب صواعق محرقہ میں آخر صفحہ ۲۱ میں شبہہ ہفتم از شبہات رفضہ کے ضمن میں کلام کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا پہلا دعویٰ ہبہ کے متعلق تھا لیکن جب اُن کی گواہیاں مسترد کر دی گئیں تو رنجیدہ اور ناراض ہو کر فرمایا کہ اب میں آئندہ تم سے بات نہیں کروں گی [لہ]

اور ہوا بھی یہی کہ پھر نہ ان لوگوں سے ملاقات کی نہ اُن سے ہمکلام ہوئیں، یہاں تک کہ آپ کی وفات کا زمانہ آیا تو وصیت کر دی کہ ان میں سے کوئی بھی میرے جنازے پر نماز نہ پڑھے۔ آپ کے چچا عباس نے نماز پڑھی اور رات کے وقت دفن کی گئیں۔ (لیکن بربنائے روایات شیعہ وبیانات آئمہ عترت طاہرہ حضرت علی علیہ السّلام نے جناب معصومہ پر نماز پڑھی)

لہ یہاں تک ابن تیمیہ اور ابن قیم وغیرہ اکابر علمائے اہل سنت نے بھی اقرار کیا ہے کہ بی بی فاطمہ سلام اللہ علیہا نے دعویٰ کیا تھا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فدک مجھ کو بخش دیا ہے۔

مخالفین کا قول کہ ابوبکر نے آیۂ شہادت پر عمل کیا اور اس کا جواب

حافظ ۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بہت دل تنگ اور رنجیدہ خاطر ہوئیں لیکن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی زیادہ قصوروار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ اس لئے کہ وہ بھی شرع کی ظاہری صورت پر عمل کرنے کے لئے مجبور تھے۔ چونکہ آیت شہادت کا عام حکم ہے کہ مدعی کو اپنے ثبوت میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں، یا چار عورتیں جو دو مردوں کے برابر ہیں گواہی میں پیش کرنا چاہیئے اور یہاں گواہوں کی تعداد مکمل نہیں ہوسکی۔ لہٰذا وہ بھی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے موافق کوئی قطعی فیصلہ نہیں دے سکے۔

خیر طلب ۔ ممکن ہے اس مقام پر سلسلۂ کلام طولانی ہو جائے اور حضرات حاضرین جلسہ کے لئے باعث زحمت ہو لہٰذا اگر آپ بھی مناسب سمجھیں تو بہتر ہوگا کہ بقیہ گفتگو کل شب کے لئے اٹھا رکھی جائے ؟

نواب ۔ قبلہ صاحب! ہمارے درمیان ایک اہم موضوع یہ بھی زیر بحث تھا اور ہم اس کی حقیقت معلوم کرنے کے از حد مشتاق ہیں، حسن اتفاق سے آج یہ مسئلہ معرض تحقیق میں آ گیا ہے لہٰذا التجا ہے کہ اگر آپ خستگی اور تکان محسوس نہ کر رہے ہوں تو مطلب ادھورا نہ چھوڑیئے کیونکہ بات کٹ جانے سے توجہ ہٹ جاتی ہے۔ یہ گفتگو اگر صبح تک طول کھینچے تب بھی ہم سامعین کی جانب سے کوئی عذر نہیں بلکہ سب انتہائی شوق و ذوق سے سننے کے لئے تیار ہیں، اور جب تک یہ قضیہ حل نہ ہو جائے یہاں سے واپس نہ جائیں گے آپ پوری وضاحت کے ساتھ تقریر فرمائیں۔ البتہ اگر آپ ہی تھک گئے ہوں تو ایسی صورت میں ہم تکلیف نہ دیں گے۔

خیر طلب ۔ مجھ کو علمی اور دینی مباحث میں کبھی زحمت یا خستگی نہیں ہوتی، میں تو صرف آپ حضرات کا خیال کر رہا ہوں کیونکہ سبھی کی رعایت ملحوظ رکھنا چاہیئے۔

(سارے اہل جلسہ نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ کے بیانات باعث زحمت نہیں ہیں، خصوصاً فدک کے موضوع پر جو بہت اہم اور قابل سماعت ہے اور ہم سب اس کے لئے بے چین ہیں)

خیر طلب ۔ حافظ صاحب نے فرمایا ہے کہ خلیفہ شرعی قانون پر عمل کرنے کے لئے مجبور تھے۔ چونکہ گواہ پورے نہیں تھے اس لئے حکم صادر نہیں ہوا۔ اس مقام پر چند جملے عرض کرنا ضروری ہیں۔ آپ حضرات انصاف سے فیصلہ کریں۔

قابض و متصرف سے گواہ مانگنا خلافِ شرع تھا

اوّلاً بقول آپ کے حضرات ابوبکر قانون شرع سے مجبور تھے تو یہ فرمایئے کہ شرع میں یہ حکم کہاں پر ہے کہ قبضہ دار سے گواہ طلب کئے جائیں ؟ بالاتفاق ثابت ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا قابض و متصرف تھیں لہٰذا ابوبکر کا یہ عمل جس کو آپ کے

تمام علماء نے لکھا ہے کہ ان مظلومہ بی بی سے گواہ طلب کئے آخر دین و شریعت کے کس قانون کے مطابق تھا؟ کیا شریعت کا دستور یہ نہیں ہے کہ گواہ مدعی کو پیش کرنا چاہیئے متصرف کو نہیں؟ آیا یہ طریقہ انور کے خلاف تھا یا نہیں؟ ذرا انصاف سے فیصلہ کیجئے۔

ثانیاً آیۂ شہادت کی عمومیت سے کسی کو انکار نہیں ہے، اس کی عمومیت اپنی جگہ پر باقی ہے لیکن بمقتضائے قاعدۂ مسلّمہ ما من عام الّا وقد خصّ، یعنی ہر عام کا ایک خاص ہوتا ہے ۱۲ مترجم) قابل استثناء اور تخصیص کی حامل ضرور ہے۔

حافظ۔ آپ کس دلیل سے کہتے ہیں کہ آیۂ شہادت تخصیص کی حامل ہے؟

خزیمہ ذوالشہادتین

خیر طلب۔ اس مقصد کی دلیل وہ روایت ہے جو آپ کی معتبر صحاح کے اندر بھی نقل ہوئی ہے کہ جس وقت خزیمہ ابن ثابت نے گھوڑے کی فروخت کے معاملے میں ایک عرب کے مقابل جس نے رسول اللہ کے خلاف دعوی کیا تھا آں حضرتؐ کے موافق شہادت دی تو تنہا انہیں کی گواہی کافی سمجھی گئی اور پیغمبرؐ نے اُن کا لقب ذوالشہادتین مقرر فرمایا کیونکہ ان کی ایک شہادت دو عادل گواہوں کے برابر قرار دی گئی، پس معلوم ہوا کہ آیۂ شہادت کی تخصیص موجود ہے۔ جہاں پر اُمت کی ایک مومن اور صحابی ذو خزیمہ آیت کے مخصص بن جائیں وہاں علیؑ و فاطمہؑ علیہا السلام جو بنص آیۂ تطہیر درجۂ عصمت پر فائز ہیں بدرجۂ اولیٰ مستثنیٰ ہوں گے۔ معصوم و معصومہ اور صدیق و صدیقہ قطعاً کذب و دروغ سے مُبرّا ہیں اور اُن کی تردید یقیناً خدا کی تردید ہے۔

فاطمہؑ کے گواہوں کی تردید

صدیقۂ طاہرہ جناب فاطمہؑ نے دعویٰ کیا کہ فدک میرا نحلہ ہے اور میرے باپ نے مجھ کو بخش دیا تھا اور میں خود آں حضرتؐ کی حیات ہی میں اُس پر متصرف تھی۔ اس پر دستور شرع کے خلاف جناب معصومہ سے گواہ مانگے گئے۔ آپ نے امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام، ام ایمن اور حسنین علیہما السلام کو شہادت میں پیش کیا لیکن ان کو رد کر دیا گیا۔ آیا یہ عمل حقیقت اور قواعد شرع کے برخلاف نہیں تھا اگر فاطمہ کے پاس سوا قبضے کے اور کوئی گواہ نہ ہوتا تب بھی قانونِ شریعت کے مطابق آپ کی حقانیت کے لئے کافی تھا۔ علاوہ اس کے کہ خدائے تعالیٰ نے آیۂ تطہیر میں اُن معظمہ کی پاکیزگی کی شہادت دی ہے کہ آپ ہر رجس اور گندگی سے مبرّا ہیں جس میں جھوٹ بولنا اور غلط ادعا کرنا بھی شامل ہے۔ بالخصوص ایسی صورت میں کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام جیسے کامل گواہ نے ان طاہرہ بی بی کی صداقت پر شہادت دی، جن کی گواہی کو جھٹلانا قطعاً خدا کو جھٹلانا ہے، کیونکہ خدائے اعلیٰ نے علی علیہ السلام کو آیاتِ قرآنی میں صادق و صدیق فرمایا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ جس کی تصدیق خدا کرے اس کی بات کو ردّ کرنے کی جرأت کیونکر ہوئی؟ حالانکہ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ

علی کے ساتھ رہو یعنی اُن کی پیروی کرو، اور جیسے زید "عدل" اپنی انتہائی سچائی کی وجہ سے مجسمۂ صدق بن گئے تھے آپ کو بھی صادق فرمایا چنانچہ آیت ۱۲۰ سورہ ۹ (توبہ) میں ارشاد ہے۔

(۱) یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔ یعنی اے مومنین خدا سے ڈرو اور سچوں کے (جن سے محمد و علی اور اہل بیت رسول مراد ہیں) ساتھ رہو)

جیسا کہ اسی کتاب کے صفحہ میں اشارہ ہو چکا ہے)

حافظ۔ یہ آیت آپ کے مقصد پر کیونکر دلالت کرتی ہے جس سے علی کرم اللہ وجہہ کی پیروی فرض ہو جائے۔؟

صادقین سے محمدؐ و علیؑ مراد ہیں

خیر طلب۔ آپ کے اکابر علماء اپنی کتابوں اور تفسیروں میں کہتے ہیں کہ یہ آیت محمد و علی علیہما الصلوٰۃ والسلام کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ صادقین سے یہی دونوں بزرگوار اور بعض اخبار کی بنا پر علی علیہ السلام مراد ہیں، نیز دوسری بعض روایتوں میں ہے کہ عترت رسولؐ مراد ہے۔

امام ثعلبی تفسیر کشف البیان میں، جلال الدین سیوطی درالمنثور میں ابن عباس سے، حافظ ابوسعید عبدالملک بن محمد خرگوشی کتاب شرف المصطفےٰ میں اصمعی سے اور حافظ ابونعیم اصفہانی حلیۃ الاولیاء میں روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم نے فرمایا ھو محمد و علی علیھما السلام (یعنی یہ صادق محمد و علی علیہما السلام ہیں ۱۲ مترجم)

شیخ سلیمان حنفی ینابیع المودۃ باب ۳۹ صفحہ ۱۱۹ مطبوعہ اسلامبول میں موفق بن احمد خوارزمی، حافظ ابونعیم اصفہانی اور حموینی سے بروایت ابن عباس نقل کرتے ہیں کہ:۔

الصادقون فی ھٰذہ الآیۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم واھل بیتہ۔

یعنی اس آیت میں صادقین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ اور اُن کے اہل بیت طاہرین ہیں)

اور شیخ الاسلام ابراہیم بن محمد حموینی جو آپ کے اجلّہ علماء میں سے ہیں فرائد السمطین میں، محمد بن یوسف گنجی شافعی کفایت الطالب باب ۶۲ میں، نیز محدث شام اپنی تاریخ میں سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ۔

مع الصادقین ای مع علی ابن ابی طالب۔ یعنی صادقین کے ساتھ یعنی علی ابن ابی طالب کے ساتھ ۱۲ مترجم)

(۲) آیت ۳۴ سورہ ۳۹ (زمر) میں فرماتا ہے۔

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون۔

یعنی جو شخص سچی بات لے کر آیا (پیغمبرؐ) اور جس نے اس کی تصدیق کی (علیؑ ابن ابی طالبؑ)

یہی لوگ پرہیزگار ہیں)

جلال الدین سیوطی نے درالمنثور میں، حافظ ابن مردویہ نے مناقب میں، حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں، محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۶۲ میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اہل تفسیر کی ایک جماعت سے ابن عباس، اور مجاہد کی سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ:-

الّذی جاء بالصّدق محمّد والذی صدّق بہ علی ابن ابی طالبؑ

یعنی جو شخص سچائی کے ساتھ آیا وہ محمد صلعم ہیں اور جس نے اُن کی تصدیق کی وہ علی ابن ابی طالب ہیں۔

(۳) آیت ۱۸ سورہ ۵۷ (حدید) میں ہے۔

والّذین اٰمنوا باللّٰہ ورسلہ اولٰئک ھم الصدّیقون والشّھداء عند ربّھم لھم اجرھم و نورھم۔

یعنی جو لوگ خدا اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور حقیقت میں ہی سب سے سچے اور خدا کے نزدیک شہید ہیں جن کے واسطے اُن کے

امام احمد ابن حنبل نے مسند میں اور حافظ ابونعیم اصفہانی نے ما نزل من القرآن فی علی میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ آیۂ شریفہ علی علیہ السّلام کی شان میں نازل ہوئی ہے کہ آپ صدّیقین میں سے ہیں۔

(۴) اور آیت ۷۱ سورہ ۴ (نساء) میں ارشاد ہوتا ہے۔

ومن یطع اللّٰہ والرّسول فاولٰئک مع الذین انعم اللّٰہ علیھم من النّبیین والصدّیقین والشھداء والصّالحین وحسن اولٰئک رفیقًا۔

یعنی جو لوگ اللہ و رسولؐ کی اطاعت کریں بس یہی وہ انبیاء و صدیقین، شہداء اور صالحین میں سے جن پر خدا نے پوری عنایت و مرحمت فرمائی ہے ان کے ہمراہ محشور ہوں گے، اور یہ لوگ (جنت میں) کیا اچھے رفیق ہوں گے۔

اس آیۂ مبارکہ میں بھی صدیقین سے مُراد علی علیہ السّلام ہیں جیسا کہ ہمارے اور آپ کے طریقوں سے بکثرت روایتیں وارد ہیں کہ علی علیہ السّلام اس امّت کے صدّیق اور سچے بلکہ صدیقین میں سب سے افضل ہیں۔

علیؑ افضل صدّیقین ہیں

چنانچہ آپ کے بڑے بڑے علماء جیسے امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں امام ثعلبی نے کشف البیان میں، جلال الدّین سیوطی نے درالمنثور میں، امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، ابن شیرویہ نے فردوس میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد دوم صفحہ ۴۵۱ میں،

ابن مغازلی شافعی نے مناقب میں اور ابن حجر مکی نے ان چالیس حدیثوں میں سے جو انہوں نے صواعق محرقہ کے اندر فضائل علی علیہ السلام میں نقل کی ہیں تیسویں حدیث میں بخاری سے اور انہوں نے ابن عباس سے باستثنائے جملۂ آخر روایت کی ہے کہ رسولِ اکرم نے فرمایا۔

الصدیقون ثلاثۃ حزقیل مومن آل فرعون وحبیب النجار صاحب یٰسٓ وعلی ابن ابی طالبؑ وھو افضلھم۔

یعنی بہت بڑے سچے تین شخص ہیں، حزقیل مومن آل فرعون، حبیب نجار صاحب یٰسین اور علی ابن ابی طالب جو ان سب میں افضل ہیں۔

شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت شروع باب ۴۲ میں مسند امام احمد حنبل، ابونعیم اور مغازلی شافعی سے، اخطب خوارزمی نے مناقب میں، ابویعلی اور ابوایوب انصاری سے، ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ کی چالیس حدیثوں میں سے اکتیسویں حدیث میں، ابونعیم و ابن عساکر سے اور انہوں نے ابولیلیٰ سے، اور محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۲۴ میں ابولیلیٰ کی سند سے نقل کیا ہے اور آخر خبر میں کہتے ہیں کہ محدث شام نے اپنی تاریخ میں اور حافظ ابونعیم نے حلیتہ الاولیاء میں علی علیہ السلام کے حالات بیان کرتے ہوئے رسولِ خدا سے روایت کی ہے کہ فرمایا۔

الصدیقون ثلاثۃ حبیب النجار مومن آل یٰسین الذی قال یا قوم اتبعوا المرسلین) وحزقیل مؤمن آل فرعون الذی قال (اتقتلون رجلاً ان یقول ربی اللہ) وعلی ابن ابی طالب وھو افضلھم۔

یعنی سچے تین شخص ہیں، حبیب نجار مومن آل یٰسین جنہوں نے کہا "اے قوم پیغمبروں کی پیروی کرو" حزقیل مومن آل فرعون جنہوں نے کہا۔ آیا تم ایسے آدمی کو قتل کرتے ہو جو خدا پرست ہے۔ اور علی ابن ابی طالب جو ان سب میں افضل ہیں۔

واقعی ہر عقلمند انسان حیران رہ جاتا ہے کہ آپ حضرات کے علم و انصاف پر عادت اور تعصب کیونکر غالب آگیا ہے باوجود یکہ خود آپ ہی آیات قرآنی کے مطابق متعدد روایتوں سے ثابت کرتے ہیں کہ علی علیہ السلام افضل الصدیقین تھے پھر بھی دوسروں کو صدیق کہتے ہیں درآنحالیکہ اُن کے صدیق ہونے پر ایک آیت بھی نقل نہیں کی گئی ہے۔

حضرات! خدا کے لئے اپنی عادت سے ہٹ کے ذرا انصاف سے کام لیجئے کہ خدائے تعالیٰ نے جس بزرگوار کو قرآن مجید صدیق فرمایا ہو کہ وہ ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتا، نیز قرآن میں حکم دیا ہو کہ اس کی پیروی کرو (جیسا کہ خود آپ کے علماء کا اقرار ہے۔) اس کی گواہی مسترد کردیں بلکہ اہانت بھی کریں؟ آیا عقل باور کرتی ہے کہ جس کو رسول خدا نے اس امت کا صدیق فرمایا ہو بلکہ صدیقین سے افضل بنایا ہو اور آیات قرآنی اُس کی صداقت پر شہادت دے رہی ہوں وہ ہوائے نفسانی کی بنا پر جھوٹ بولے گا یہاں تک کہ جھوٹی گواہی بھی دے گا؟۔

علیؑ حق اور قرآن کے ساتھ ہیں

آیا رسول اکرم صلی اللہ و آلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ علیؑ حق کے ساتھ اور حق علیؑ کے ساتھ گردش کرتا ہے؟ چنانچہ خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ جلد چہارم ص۳۲۱ میں، حافظ ابن مردویہ نے مناقب میں، دیلمی نے فردوس میں، حافظ ہیثمی نے مجمع الزوائد جلد ہفتم ص۲۳۶ میں، ابن قتیبہ نے الامامۃ والسیاسۃ جلد اوّل ص۶۸ میں، حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری نے مستدرک جلد سوم ص۱۲۴ میں، امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، طبرانی نے اوسط میں، خطیب خوارزمی نے مناقب میں فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر جلد اول ص۱۱۱ میں، ابن حجر مکی نے جامع الصغیر جلد دوم ص۵۶ ، ۲۰۱ میں اور صواعق محرقہ باب ۹ فصل دوم حدیث بست وکیم در فضائل مولانا امیر المومنین علیہ السلام میں بروایت ام سلمہ اوسط سے نقل کرتے ہوئے شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت باب ۲۰ میں جمع الفوائد و اوسط ، صغیر طبرانی ، فرائد حموینی، مناقب خوارزمی اور ربیع الاول الابرار زمخشری سے بروایت اُم سلمہ و ابن عباس نیز ینابیع المودت مطبوعہ اسلامبول باب ۶۵ ص۱۸۵ میں جامع الصغیر جلال الدین سیوطی سے، ان کے علاوہ تاریخ الخلفا ، ص۱۱۶ میں فیض القدیر جلد ۴ ص۳۵۸ میں ابن عباس سے ، مناقب السبعین ص۲۲۷ حدیث ۴۴ صاحب فردوس سے، صواعق محرقہ باب ۹ فصل دوم ص۲۸۳ میں ام سلمہ سے اور محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب میں، بعض نے ام سلمہ سے بعض نے عائشہ سے اور بعض نے محمد بن ابوبکر سے اور اُنہوں نے رسولؐ خدا سے روایت کی ہے کہ فرمایا :-

علی مع القران والقران مع علی لا یفترقان حتی یردا علی الحوض۔

یعنی علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے، یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر کے کنارے میرے پاس پہنچ جائیں۔

چند حضرات نے اس عبارت کے ساتھ نقل کیا ہے کہ :۔

الحق لن یزال مع علیّ و علیّ مع الحق لن یختلفا ولن یفترقا

یعنی حق ہمیشہ کے لئے علیؑ کے ساتھ اور علیؑ حق کے ساتھ ہیں، ان دونوں میں ہرگز کبھی کوئی اختلاف نہ ہوگا اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔

ابن حجر صواعق محرقہ باب ۹ اواخر فصل دوم ص۷۵ میں نقل کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ نے مرض الموت میں فرمایا۔

انّی مخلّف فیکم کتاب اللہ و عترتی اہل بیتی ثم اخذ بید علی فرفعہا فقال ھذا علی مع القرآن والقرآن مع علی لا یفترقان حتی یردّ علی الحوض فاسئلھما ما خلفت فیھما۔

یعنی میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت اور میرے اہل بیتؑ، پھر علیؑ

کا ہاتھ پکڑ کے بلند کیا اور فرمایا یہ علیؑ قرآن کے ساتھ اور قرآن علیؑ کے ساتھ ہے یہاں تک کہ حوض کوثر کے کنارے میرے پاس پہنچ جائیں، میں ان دونوں سے اپنی قائم مقامی کے بارے میں سوال کروں گا۔

نیز بالعموم نقل کرتے ہیں کہ فرمایا :۔

علی مع الحق والحق مع علی یدور معه حیثما دار۔

یعنی علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علیؑ کے ساتھ ہے جدھر وہ گردش کرتے ہیں ادھر یہ بھی گردش کرتا ہے۔

سبط ابن جوزی تذکرۃ خواص الامہ ص۲۰ ضمن حدیث غدیر میں نقل کرتے ہیں کہ رسولؐ اکرم نے فرمایا۔

وادر الحق معه حیثما دار وکیف ما دار۔

یعنی حق کو علیؑ کے ساتھ گردش دے جہاں اور جس طرح یہ گردش کریں۔

اس کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :۔

فیه دلیل علی انّه ما جری خلاف بین علیؑ وبین احد من الصّحابة الاّ والحق مع علیؑ ۔

یعنی اس حدیث میں دلیل ہے اس بات پر کہ اگر علیؑ اور کسی صحابی کے درمیان کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو حق یقیناً علیؑ کے ساتھ ہوگا۔

علیؑ کی اطاعت خدا و رسولؐ کی اطاعت ہے

جن کتابوں کا ذکر کیا گیا ان میں اور آپ کی دوسری معتبر کتابوں میں منقول ہے کہ خاتم الانبیاء اکثر مقامات اور مختلف عبارتوں کے ساتھ فرماتے رہے۔

من اطاع علیاً فقد اطاعنی ومن اطاعنی فقد اطاع الله ومن انکر علیا فقد انکرنی ومن انکرنی فقد انکر الله۔

یعنی جو شخص علیؑ کی اطاعت کرے اس نے یقیناً میری اطاعت کی اور جو شخص میری اطاعت کرے اس نے درحقیقت خدا کی اطاعت کی، اور جو شخص علیؑ سے انکار کرے اس نے دراصل مجھ سے انکار کیا اور جو شخص مجھ سے انکار کرے قطعی طور پر اس نے خدا سے انکار کیا۔

ابو الفتح محمد بن عبدالکریم شہرستانی ملل ونحل میں نقل کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم نے فرمایا۔

لقد کان علی علی الحق فی جمیع احواله یدور الحق معه حیث دار

یعنی حق یہ ہے کہ علیؑ ہر حال میں حق پر ہیں اور جس طرف یہ گردش کرتے ہیں حق بھی اُن کے ساتھ گردش کرتا ہے)

آیا باوجود اتنے اخبار صریحہ کے جو خود آپ کی معتبر کتابوں میں درج ہیں علی علیہ السّلام کی تردید آپ سے انکار اور آپ کے اوپر اعتراض کرنا خدا اور رسولؐ کی شان میں تردید و انکار اور اعتراض کرنا نہیں تھا؟ اور کیا یہ حق و حقیقت سے روگردانی نہیں تھی؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ ابوالموید موفق بن احمد خوارزمی نے مناقب میں، محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ نے صاف صاف فرمایا ہے:۔

من أكرم عليّاً فقد اكرمني ومن اكرمني فقد اكرم الله ومن اهان عليّاً فقد اهانني ومن اهانني فقد اهان الله؟

یعنی جس نے علیؑ کی عزت کی اُس نے میری عزّت کی اور جس نے میری عزّت کی اُس نے خدا کی عزّت کی، اور جس شخص نے علیؑ کی توہین کی اس نے میری توہین کی اور جس نے میری توہین کی اُس نے خدا کی توہین کی۔

عدل و انصاف سے فیصلہ کیجئے

صاحبان انصاف! مذکورہ واقعات کو ان اخبار و احادیث سے جو آپ کی معتبر کتابوں میں بھی منقول ہیں مطابق کر کے ذرا عادلانہ فیصلہ کیجئے اور بے خطا شیعوں سے اس قدر بدظنی اختیار نہ کیجئے!

اور دوسری بات آپ نے یہ فرمائی ہے کہ خلیفہ شریعت کے ظاہری دستور پر عمل کرنے کے لئے مجبور تھے اس لئے کہ آیت شہادت اپنی عمومیت پر باقی تھی اور شرعی معیار پر گواہ پیش نہ ہونے کی وجہ سے صرف دعویٰ کی بنیاد پر مسلمانوں کا مال فاطمہ سلام اللہ علیہا کو نہیں دے سکتے تھے (بلکہ اتنے محتاط تھے کہ خلافِ شرع آپ نے متصرف اور قابض سے گواہ مانگے)

اوّلاً میں پہلے ہی عرض کر چکا کہ یہ مسلمانوں کا مال نہیں بلکہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کا نحلہ اور زیر تصرّف ملکیّت تھی۔

دُوسرے اگر خلیفہ واقعی قانون شرع کا نفاذ کرنے والے تھے تو ان کا فرض تھا کہ سر مو اس کے خلاف نہ کریں۔

پس آخر دو رنگی سے کس لئے کام لیتے تھے کہ دُوسرے اشخاص کو تو بغیر کسی گواہ کے صرف زبانی دعوے پر مسلمانوں کا مال دے دیتے تھے لیکن خاص طور سے امانت رسولؐ جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے بارے میں اس قدر شدید اور سخت گیری کے ساتھ حکم دینا ضروری سمجھتے تھے؟۔

چنانچہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد چہارم صفحہ ۷۸ میں درج کیا ہے کہ میں نے علی بن الفارقی مدرس مدرسۂ غربی بغداد سے سوال کیا کہ اكانت فاطمة صادقة قال نعم (آیا فاطمہ صادقہ و راست گو تھیں (اپنے دعویٰ میں)؟ انہوں نے کہا ہاں) میں نے کہا کہ جب وہ صادقہ اور سچی تھیں تو خلیفہ نے اُن کو فدک کیوں واگزار نہیں کیا؟ وہ مسکرائے (حالانکہ کوئی شوخ طبیعت آدمی نہیں تھے اور ایک

لطیف و دلچسپ بات کہی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر اُس روز فاطمہؑ کے دعوے پر فدک واگزار کردیتے تو وہ دوسرے روز آکر اپنے شوہر کے لئے خلافت کا دعویٰ کرتیں اور اُس وقت خلیفہ مجبور ہوتے کہ یہ حق بھی واپس کریں کیونکہ اس سے قبل اُن کی صداقت تسلیم کر چکے ہوتے، انتہیٰ کلامہ

معلوم ہوا کہ آپ کے بڑے بڑے علماء کے نزدیک اصلیت واضح و آشکار تھی اور انہوں نے از روئے انصاف حقیقت کا اعتراف بھی کیا ہے کہ روز اوّل ہی سے حق جناب فاطمہ مظلومہ سلام اللہ علیہا کے ساتھ تھا لیکن دراصل اپنا منصب بچانے کے لئے سیاست کا تقاضا یہی تھا کہ جان بوجھ کر جناب معصومہ کو اُن کے یقینی حق سے محروم کردیں۔

حافظ۔ کس شخص کو خلیفہ نے بغیر گواہ کے مسلمانوں کا مال دے دیا؟

جابرؓ کا واقعہ اور اُن کو مال عطا کرنا باعث عبرت ہے

خیر طلب۔ جس وقت جابر نے دعویٰ کیا کہ پیغمبرؐ نے بحرین کے مال میں سے مجھ کو عطا کرنے کا وعدہ کیا تھا تو بغیر کسی تردید اور گواہ طلب کرنے کے اُن کو مسلمانوں کے مال میں سے یعنی بیت المال سے پندرہ سو دینار دے دیئے۔

حافظ۔ اوّل تو میں نے یہ روایت دیکھی ہی نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ آپ کی کتابوں میں ہو۔ دُوسرے یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ گواہ نہیں مانگے تھے؟۔

خیر طلب۔ بہت تعجّب ہے کہ آپ نے نہیں دیکھا کیونکہ آپ کے علماء نے اس بات کے ثبوت میں کہ عادل صحابی کی خبر واحد قابل قبول ہے جو دلائل قائم کئے ہیں اُن میں سے جابر ابن عبداللہ انصاری کی یہ روایت بھی ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام حافظ ابوالفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی فتح الباری فی شرح صحیح البخاری باب من یکفل عن میت دینا" میں کہتے ہیں:۔

ان ھذا الخبر فیہ دلالۃ علی قبول خبر العدل من الصحابہ ولو جر ذالک نفعا نفسہ لان ابابکر لم یلتمس من جابر شاھدا علیٰ صحۃ دعواہ۔

یعنی یہ خبر عادل صحابی کی روایت قابل قبول ہونے پر دلالت کرتی ہے چاہے اُسی کی ذات کو نفع پہنچاتی ہو، اس لئے کہ ابوبکر نے جابر سے اُن کے دعوے کی صحت پر گواہ نہیں مانگے۔

اسی روایت کو بخاری نے اپنی صحیح میں مزید تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔ باب من یکفل عن میت دینا اور کتاب الخمس فی باب ما قطع النبی من البحرین میں لکھا ہے کہ جس وقت بحرین کا مال مدینہ لایا گیا تو ابوبکر کے منادی نے اعلان کیا کہ جس شخص سے رسول اللہؐ نے وعدہ کیا ہو یا آنحضرتؐ پر کسی کا مطالبہ ہو تو وہ آ کر لے جائے۔ جابر آئے اور کہا کہ رسولِ اکرمؐ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب بحرین فتح ہو کر مسلمانوں کے تصرّف میں آجائے گا تو وہاں کے مال سے تمہیں دوں گا، پس فوراً بغیر کسی شاہد کے محض ادعا پر ان کو پندرہ سو دینار دے دیئے۔

نیز جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء کی فصل خلافت ابوبکر اور اُس کے واقعات میں جابر کے اسی قضیے کو نقل کیا ہے۔

صاحبان انصاف! خدا کے لئے بتایئے کیا یہ دو رنگی کا برتاؤ نہیں تھا؟

اگر کوئی خاص جذبہ کار فرما نہیں تھا تو ابوبکر کے لئے جس طرح یہ جائز ہو گیا تھا کہ آیۂ شہادت کے خلاف عمل کر کے بغیر کسی گواہ کے محض ادعا پر جابر کو مسلمانوں کے مال میں سے عطا کر دیں اسی طرح (بقول اُن کے) اگر فرض کر لیا جائے کہ فدک مسلمانوں ہی کا مال تھا (حالانکہ یہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی مقبوضہ ملکیت تھی) تب بھی لازم تھا کہ مقام رسالت کی رعایت کرتے ہوئے ودیعۂ رسولؐ خدا جناب فاطمہؑ صدیقہ کا دل نہ توڑیں اور ان کا دعویٰ تسلیم کر کے فدک واپس دے دیں۔

علاوہ اس کے بخاری اپنی صحیح میں اور آپ کے دوسرے علماء و فقہاء عادل صحابی کی خبر واحد کو قبول کرتے ہیں چاہے اس سے ذاتی فائدہ ہی مقصود رہا ہو لیکن علی علیہ السّلام کے ادعا اور آپ کے بیان کو اس عذر کے ساتھ ناقابل قبول جانتے ہیں کہ جرّ النفع الی نفسہ (یعنی وہ اپنا ذاتی نفع چاہتے تھے ۱۲ مترجم) تو کیا علی علیہ السّلام اصحاب کی ایک کامل فرد نہیں تھے؟ اگر آپ انصاف کے ساتھ غور کیجئے تو تصدیق کیجئے گا کہ یہ حق اور حقیقت کا نفاذ نہیں بلکہ محض دھاندلی تھی۔

حافظ۔ میرا خیال ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جابر سے گواہ اس لئے نہیں مانگے کہ یہ رسُولِ خدا کے مقرب اور تربیت یافتہ اصحاب میں سے تھے اور قطعاً آں حضرتؐ سے سُن چکے تھے کہ:۔

من کذب علیّ متعمّدا فلیتبوّ مقعده من النار

یعنی جو شخص عمداً مجھ پر جھوٹ باندھے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔

لہٰذا اتنی شدید وعید کے بعد ظاہر ہے کہ ایک مقرب و تربیت یافتہ مومن صحابی ہرگز ایسا غلط اقدام نہیں کرے گا اور اس پست و حقیر دنیائے فانی کے لئے رسولؐ اللہ کی طرف جھوٹا قول منسوب کر کے اپنی عاقبت برباد نہیں کرے گا۔

خیر طلب۔ آیا جابر رسول خدا سے زیادہ قریب تھے یا علی و فاطمہ علیہما السّلام، جن کی آں حضرت نے خاص طور پر تربیت فرمائی تھی۔

حافظ۔ ظاہر ہے کہ علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما ہر شخص سے زیادہ رسولؐ اللہ سے قریب تھے کیونکہ بچپن ہی سے آں حضرتؐ کے زیر تربیت رہے۔

خیر طلب۔ پس آپ کو ماننا پڑے گا کہ علی و فاطمہ علیہما السّلام سب سے بڑھ کے اس کے پابند تھے کہ اس وعید کے بعد قول رسولؐ کی بنیاد پر کوئی جھوٹا دعویٰ نہ کریں، اور اُن لوگوں پر فرض تھا کہ جناب فاطمہؑ صدیقہ کا دعویٰ تسلیم کریں اس لئے کہ قطعاً اور یقیناً ان دونوں بزرگواروں کی منزل جابر سے بالاتر تھی (جیسا کہ خود آپ کو بھی اعتراف ہے) بلکہ سارے اصحاب سے بلند۔ کیونکہ آیۂ تطہیر کے مصداق اور معصُوم تھے۔ اور ان پانچ افراد (یعنی محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کے لئے جو آیت تطہیر میں داخل ہے) یہ آیت عصمت و پاکیزگی کی صراحت کر رہی ہے۔

اس کے علاوہ آپ کے اکابر علماء نے بھی ان حضرات کی صداقت درست گوئی کی تصدیق کی ہے۔
حضرت المومنینؑ کے متعلق تو میں پہلے ہی عرض کر چکا کہ رسولؐ اکرم نے آپ کو اس اُمّت کا صدیق اور راست گو فرمایا ہے اور خدا نے بھی قرآن مجید میں آپ کو صادق بتایا ہے۔ لیکن صدیقہ کبریٰ جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے بارے میں بھی ایسی روایتیں کثرت سے ہیں۔ من جملہ اُن کے حافظ ابو نعیم اصفہانی حلیۃ الاولیاء جلد دوم ص۴۲ میں عائشہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا۔ ما رأيت احداً قط اصدق من فاطمة غيرا بيها یعنی میں نے ہرگز کسی کو فاطمہ سے زیادہ سچا نہیں دیکھا سوا اُن کے باپ کے۔

آیۂ تطہیر کی شانِ نزول میں اشکال

حافظ - ان پانچ بزرگواروں کی شان میں آیۂ تطہیر نازل ہونے کے بارے میں آپ کا دعویٰ مسلّم نہیں ہے چونکہ ان جلسوں میں ہم لوگوں پر واضح ہو چکا ہے کہ آپ ہماری کتابوں سے پوری واقفیت رکھتے ہیں لہٰذا تصدیق فرمایئے کہ اس موضوع میں آپ کو دھوکا ہوا۔ اس لئے کہ قاضی بیضاوی اور زمخشری جیسے مفسرین کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ آیۂ شریفہ ازواج رسولؐ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور اگر کوئی قول ان پانچوں حضرات کے حق میں نازل ہونے کے لئے ہو بھی تو وہ قطعاً ضعیف ہوگا۔ سبب یہ ہے کہ آیت خود ہی اس مفہوم کے خلاف دلالت کر رہی ہے کیونکہ آیۂ تطہیر کا سیاق و سباق ازواج سے مربوط ہے اور درمیانی حصے کو الگ کر کے دُوسروں سے ملحق نہیں کیا جا سکتا۔

جوابِ اشکال اور اس کا ثبوت کہ آیت ازواج کے حق میں نہیں ہے

خیر طلب - جناب عالی کا یہ ادّعا کئی پہلوؤں سے باطل ہے۔ اوّل یہ کہ آپ نے فرمایا ہے کہ سیاق و سباق آیت ازواج سے مربُوط ہے لہٰذا علیؑ و فاطمہ علیہا السلام شمول آیۂ شریفہ سے خارج ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ عرف عام اکثر ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ اثنائے کلام میں روئے سخن کسی دُوسرے کی طرف کر کے خطاب کرتے ہیں اس کے بعد پھر پہلی گفتگو پر آ جاتے ہیں عرب کے فصحاء و بلغاء اور ادیبوں کے اشعار میں تو اس کی کافی مثالیں ملتی ہی ہیں۔ خود قرآن کریم میں بھی ایسی نظیریں بہت ہیں۔ خصوصاً اسی سورہ احزاب میں غور فرمایئے کہ ازواج سے خطاب کرتے ہوئے روئے سخن مومنین کی طرف موڑ دیا گیا اس کے بعد پھر ان کو مخاطب کیا گیا ہے۔ لیکن وقت کے اندر اتنی گنجائش نہیں کہ مزید وضاحت کے لئے مفصّل شواہد پیش کئے جائیں۔
دُوسرے اگر یہ آیت ازواج رسول کے بارے میں ہوتی تو ان کے لئے ضمیر تانیث استعمال ہوتی۔ اور ارشاد ہوتا لیذھب

عنکن الرجس ویطہرکم تطہیراً۔ لیکن چونکہ ضمیر مذکر ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ ازواج کے لئے نہیں بلکہ عترت و اہل بیت پیغمبرؐ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

نواب ۔ جب بقول آپ کے فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی اس جماعت میں داخل ہیں تو اُن کا لحاظ کیوں نہیں کیا گیا اور تانیث کے ساتھ اُن کا ذکر کیوں نہیں ہوا؟

خیر طلب ۔ (علماء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) آپ حضرات جانتے ہیں کہ اس آیۂ شریفہ میں فاطمہ سلام اللہ علیہا کے باوجود صیغۂ تذکیر باعتبار تغلیب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس جماعت میں مذکر و مونث دونوں صنفوں کے افراد شامل ہوں وہاں مذکر کو مونث پر غالب قرار دیتے ہیں، اور اس آیت میں صیغۂ تذکیر خود دلیل قاطع ہے کہ یہ قول ضعیف نہیں ہے بلکہ مکمل قوت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ غلبہ تعداد کے لحاظ سے بھی ضمیر مذکر ہونا چاہیئے کیونکہ پنج تن میں ایک عورت اور چار مرد ہیں۔

اگر یہ آیت ازواج رسولؐ کے حق میں نازل ہوتی تو جمع مونث میں مذکر کا لفظ بالکل ہی غلط ہوتا۔ علاوہ اس کے خود آپ کی معتبر کتابوں میں روایات صحیحہ کا یہی فیصلہ ہے کہ یہ آیہ مبارکہ آں حضرتؐ کی عترت اور اہل بیت کے بارے میں ہے ازواج کے واسطے نہیں۔

چنانچہ ابن حجر مکی اپنے انتہائی تعصّب کے باوجود صواعق محرقہ میں لکھتے ہیں کہ زیادہ تر مفسّرین کا عقیدہ یہی ہے کہ یہ آیت علیؑ و فاطمہ اور حسن و حسین (علیہم السّلام) کی شان میں نازل ہوئی ہے لتذکر ضمیر عنکم و یطہرکم اس لحاظ سے کہ عنکم اور یطہرکم میں جمع مذکر کی ضمیریں ہیں۔

ازواجِ رسولؐ اہل بیتؑ میں داخل نہیں

ان روشن دلیلوں سے قطع نظر ازواج رسولؐ تو اہل بیت میں داخل بھی نہیں ہیں۔

چنانچہ صحیح مسلم اور جامع الاصول میں روایت ہے کہ حصین ابن سمرہ نے زید ابن ارقم سے پوچھا کہ آیا رسولؐ اللہ کی بیویاں اہل بیت میں سے ہیں؟ زید نے کہا کہ خدا کی قسم نہیں، اس لئے کہ عورت ایک مدّت تک اپنے شوہر کے گھر رہتی ہے لیکن جب وہ طلاق دے دیتا ہے تو یہ اپنے باپ کے گھر جا کر اپنے میکے والوں سے ملحق ہو جاتی ہے اور شوہر سے بالکل الگ ہو جاتی ہے۔

اہل بیتؑ تو دراصل آں حضرت کے وہ گھر والے ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور چاہے جہاں چلے جائیں اہل بیتؑ سے جُدا نہیں ہوتے۔

تیسرے عترت و اہل بیت طہارت کی روایتوں پر مذہب شیعہ امامیہ کا جو اجماع ہے اس سے ہٹ کے خود آپ کے طریقوں سے بکثرت روایتیں اس نظریے کے خلاف وارد ہیں۔

اخبار عامہ اس بارے میں کہ آیت تطہیر پنجتنؑ کی شان میں آئی ہے

چنانچہ امام ثعلبی تفسیر کشف البیان میں، امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد ششم صفحہ ۷۸۳ میں جلال الدین سیوطی در المنثور جلد پنجم صفحہ ۱۹۹ اور خصائص الکبریٰ جلد دوم صفحہ ۲۶۴ میں نیشاپوری اپنی تفسیر جلد سوم میں، امام عبدالرزاق الرسعنی تفسیر رموز الکنوز میں، ابن حجر عسقلانی اصابہ جلد چہارم صفحہ ۲۰۷ میں، ابن عساکر اپنی تاریخ جلد چہارم صفحہ ۲۰۴ و صفحہ ۲۰۶ میں، امام احمد ابن حنبل مسند جلد اول صفحہ ۳۳۱ میں، محب الدین الطبری ریاض النضرہ جلد دوم صفحہ ۱۸۸ میں، مسلم بن حجاج اپنی صحیح جلد دوم صفحہ ۱۳۳۱ اور جلد ہفتم صفحہ ۱۴۰ میں، نبہانی شرف المؤید مطبوعہ بیروت صفحہ ۱۰ میں، محمد بن یوسف گنجی شافعی کفایت الطالب باب ۱۰۰ میں چھ سند اخبار کے ساتھ اور شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودت باب ۳۳ میں صحیح مسلم اور شواہد حاکم سے بسند ام المومنین عائشہ اور دس روایتیں ترمذی، حاکم علاء الدولہ سمہانی، بیہقی، طبرانی، محمد بن جریر، احمد بن حنبل، ابن ابی شیبہ، ابن منذر، ابن سعد، حافظ زرندی اور حافظ ابن مردویہ سے ام المومنین ام سلمہ، عمر بن ابی سلمہ (ربیب رسولؐ) انس بن مالک، سعد بن ابی وقاص، واثلہ بن اسقع اور ابو سعید خدری کی سندوں کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ آیت تطہیر پنجتن پاک و آل عبا کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ ابن حجر مکی جیسے سخت و متعصب عالم نے بھی صواعق محرقہ صفحہ ۸۵، صفحہ ۸۶ سات طریقوں سے اُن کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے اس اہم حقیقت کو نقل کیا ہے کہ یہ آیت محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسن اور حسینؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے اور صرف یہی پانچ مقدس ہستیاں اس آیۂ شریفہ کی طہارت سے مخصوص کی گئی ہیں۔

سید ابوبکر بن شہاب الدین علوی نے کتاب رشفۃ الصادی من بحر فضائل بنی النبی الہادی مطبوعہ مطبع اعلامیہ مصر ۱۳۰۳ھ کے باب ۱ صفحہ ۱۴ تا صفحہ ۱۹ میں ترمذی، ابن جریر، ابن منذر، حاکم، ابن مردویہ، بیہقی ابن ابی حاتم، طبرانی، احمد ابن حنبل، ابن کثیر، مسلم بن حجاج، ابن ابی شیبہ اور سمہودی سے آپ کے اکابر علماء کی گہری تحقیقات کے ساتھ روایت کی ہے کہ یہ آیۂ شریفہ مقدس آل عبا اور پنج تن پاک کی شان میں نازل ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ استدلال کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ تمام اولاد اہل بیت رسولؐ جن پر صدقہ حرام ہے۔ قیامت تک اس آیۂ شریفہ کے مصداق رہیں گے۔

جمع بین الصحاح الستہ موطا امام مالک بن انس الاصبحی و صحاح بخاری و مسلم و سنن ابی داؤد سجستانی و ترمذی، اور جامع الاصول میں، یہاں تک کہ بالعموم آپ کے علماء و فقہا اور مورخین و محدثین اقرار کرتے ہیں کہ یہ آیت انہیں پنج تن آل عبا کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اور یہ آپ کے یہاں تقریباً تواتر کی حد میں ہے۔ اگر بعض اشخاص نے حق کشی اور بغض و عناد کے جذبے میں اس روایت کو ضعیف کہہ دیا ہے تو اس سے اتنی کثیر التعداد اور معتبر روایات پر جو آپ ہی کے اکابر علماء کی معتبر کتب میں درج ہیں کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔

نیست خفاشک عدوے آفتاب　　　　او عدوے خویش آمد در حجاب

حریرۂ فاطمہؑ کے بارے میں امّ سلمہؓ اور نزول آیۂ تطہیر

مختصر یہ کہ بعض نے حریرہ والی روایت کے ساتھ ذرا تفصیل سے اور بعض نے اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔ من جملہ ان کے امام ثعلبی نے اپنی تفسیر میں، امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں صحیح ترمذی و مسلم سے الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ زوجۂ رسولؐ ام المومنین امّ سلمہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا رسولؐ اللہ میرے یہاں صفّے میں بیٹھے ہوئے تھے جو آں حضرتؐ کی خوابگاہ تھی اور پائے مبارک کے نیچے خیبری عبا بچھی ہوئی تھی، میں حجرے میں نماز پڑھ رہی تھی کہ اتنے میں فاطمہ سلام اللہ علیہا آں حضرتؐ کے لئے ایک ظرف میں حریرہ لائیں، پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جاؤ اپنے شوہر اور اپنے فرزندوں کو بلا لاؤ! ابھی کچھ دیر نہیں گزری تھی کہ علی اور حسنین علیہم السّلام آئے اور حریرہ کھانے میں مشغول ہوئے، اسی وقت جبرئیل نازل ہوئے اور آں حضرتؐ کے سامنے یہ آیت پڑھی۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً۔

یعنی سوائے اس کے نہیں ہے کہ خدا یہ ارادہ رکھتا ہے کہ اہل بیت رسولؐ تم سے ہر گندگی کو دور رکھے اور تم کو اس طرح پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔

(آیت ۳۳ سورہ ۳۳ (احزاب)۔

امّ سلمہ کہتی ہیں میں نے عبا کے اندر اپنا سر بڑھا کر عرض کیا انا معکم یا رسولؐ اللہ قال انکِ علی خیر یا رسولؐ اللہ میں بھی آپ حضرات کے ساتھ ہوں تو آں حضرتؐ نے فرمایا کہ تم نیکی پر ہو (مطلب یہ ہے کہ تم کو میرے اہل بیتؑ کا درجہ حاصل نہیں ہے اور تم ان میں شامل نہیں ہو البتہ تمہارا انجام بخیر ہے) پس یہ آیہ مبارکہ اس بات پر پوری دلالت کرتی ہے کہ یہ پانچوں بزرگوار کفر و شقاق، شرک و نفاق، شک و شبہہ، کذب و ریا اور ہر گناہ صغیرہ و کبیرہ سے معصوم اور پاک ہیں۔

چنانچہ امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں کہتے ہیں۔ لیذھب عنکم الرجس یعنی تم سے تمام گناہوں کو زائل کر دیا۔ ویطھرکم تطھیرا یعنی تم کو اپنی کرامت کی خلعتیں پہنائیں۔

واقعی اُن بے انصاف علماء پر سخت تعجب ہوتا ہے جو اپنی معتبر کتابوں میں یہ بھی نقل کرتے ہیں کہ علیؑ و فاطمہ علیہما السّلام آیۂ تطہیر میں شامل اور ہر رجس و پلیدی سے معرّا و مبرّا تھے اور سب سے بڑا رجس جھوٹ بولنا ہے، اور پھر حضرت کے دعوی الامّت کی تکذیب بھی کرتے ہیں، جناب فاطمہؑ کے حق میں آپ کی شہادت کو غلط قرار دیتے ہیں اور فدک کے بارے میں طاہرہ اور معصومہ بی بی کے بیان کو جھٹلاتے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ مدعیان انصاف اس مقام پر کس قاعدے سے فیصلہ کرتے ہیں؟

اب میں پھر اصل مقصد کی طرف آتا ہوں، ذرا انصاف سے فیصلہ کیجئے کہ آیا یہ مناسب تھا کہ علیؑ و فاطمہؑ کے بیانات کو تو مسترد

کر دیں جن کے لئے خدا گواہی دے رہا ہے کہ تمام ظاہری و باطنی رجس و گندگی سے پاک و منزّہ یعنی جملہ صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے معصوم ہیں، اور اس جلیل القدر خاندان کا مقررہ حق سرے سے غائب ہی کر دیں، لیکن جابر کا دعویٰ بے چون و چرا تسلیم کر لیں جو صرف ایک مرد مسلمان اور معمولی مومن تھے ؟

حافظ - یہ ہرگز باور نہیں کیا جا سکتا کہ خلیفۂ رسولؐ اور مومن صحابی جن کو پیغمبرؐ سے انتہائی قربت حاصل ہو جان بوجھ کر فدک کو غصب کرنے پہ آمادہ ہو جائیں۔ انسان جو کام کرتا ہے قطعاً اس کا کوئی مقصد بھی ہوتا ہے، جس خلیفہ کے تصرف میں مسلمانوں کا سارا بیت المال تھا اُس کو فدک کے ایک باغ یا گاؤں کی کیا ضرورت تھی جو اس کو غصب کرتا ؟

خیر طلب - کھلی ہوئی بات ہے کہ کسی احتیاج کا سوال نہیں تھا بلکہ اُس وقت کے سیاسی طبقے کی نظر میں خاندان رسول اور آں حضرتؐ کی عترت طاہرہ کو تباہ کرنا ضروری تھا۔ مقصد یہ تھا کہ یہ حضرات چونکہ منصب خلافت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں لہٰذا ان کو اس قدر پریشانی اور فقر و تہی دستی میں مبتلا کر دیا جائے کہ خلافت کا خیال ہی دل میں نہ لائیں اس لئے کہ دنیا طلب لوگ اسی کی طرف جاتے ہیں جس سے اُن کی دنیا سنورتی ہو۔

یہ لوگ سمجھتے تھے کہ جو خاندان جلیل علم و فضل اور ادب و تقویٰ کے زیور سے مکمل طور پر آراستہ ہے اگر اس کا ہاتھ مالِ دنیا سے بھی پُر ہو گا تو یقیناً لوگ اس کی طرف رجوع کریں گے، لہٰذا بربنائے سیاست تنہا فدک ہی غصب نہیں کیا بلکہ ان حضرات پر تمام وہ راستے مسدود کر دیے جن کے ذریعے کوئی مالی منفعت پہنچ سکتی تھی۔

عترتِ رسولؐ پر خمس کی بندش

من جملہ اُن کے ایک مستقل حق خمس کا تھا جس کی قرآن مجید میں بھی تاکید کی گئی تھی۔ چونکہ خدا نے صدقات کو رسولؐ اور آل علیہم الصلوٰۃ والسلام پر حرام قرار دیا تھا لہٰذا باجماع جمہور اُمّت ان کے لئے خمس کا دروازہ کھول دیا۔

چنانچہ آیت ۴۲ سورہ ۸ (انفال) میں صریحاً فرمایا:۔

واعلموا انما غنمتم من شیءٍ فانّ للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل۔

(یعنی جان لو کہ تم کو جو کچھ غنیمت اور فائدہ حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ و رسولؐ، آنحضرت کے اقربا، یتیموں مسکینوں اور مجبور مسافروں کے لئے مخصوص ہے (تاکہ پیغمبرؐ کی عترت قیامت تک خوش حالی اور آسائش میں رہے، اور اپنی رعایا کی محتاج نہ ہو)

لیکن آں حضرتؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی اس رُخ سے بھی عترت و اہل بیت رسولؐ کو فشار کیا گیا۔ خلیفہ ابوبکر نے اپنے جتھے

والوں کے اتفاق رائے سے یہ واجبی حق ان حضرات سے سلب کر لیا اور کہا کہ خمس جنگی ساز و سامان، خریداری اسلحہ اور دیگر ضروریات حرب میں صرف ہونا چاہیئے۔ غرضیکہ ان کو ہر صورت سے بے دست و پا کر دیا گیا، کیونکہ صدقات تو ان پر حرام تھے ہی خمس کا کھلا ہوا حق بھی روک دیا گیا۔

چنانچہ امام شافعی محمد بن ادریس کتاب الامّ کے اس باب میں صفحہ ۶۹ پر کہتے ہیں۔

واما آل محمّد الذین جعل لھم الخمس عوضًا من الصدقۃ فلا یعطون من الصدقات المفروضات شیئًا قلّ اوکثر لا یحلّ لھم ان یاخذوھا ولا یجزی عمن یعطیھموھا اذا عرفھم یہاں تک کہ کہتے ہیں ولیس منھم حقھم فی الخمس یحلّ لھم ما حرّم علیھم من الصدقۃ۔

یعنی آل محمدؐ کو جن کے لئے خدا نے صدقے کے عوض خمس متعیّن کیا ہے۔ صدقات واجبہ میں سے کم یا زیادہ کچھ بھی نہیں دیا جا سکتا اور ان کے لئے اس کا لینا جائز نہیں ہے۔ اور جو لوگ جان بوجھ کر ان کو دیں وہ اپنی ذمّہ داری سے سبکدوش نہیں ہوں گے اور ان کے اوپر ان کا حق خمس بند کر دینے سے صدقہ جو ان پر حرام ہو چکا ہے حلال نہیں ہوگا۔

عمر ابن خطاب کے دور خلافت میں بھی اس بہانے سے کہ خمس زیادہ ہو چکا ہے لہٰذا یہ سب ذوی القربیٰ کو نہیں دیا جا سکتا بلکہ سامان جنگ کی تیاری میں صرف ہونا چاہیئے ان کو اپنے اس مسلّم اور خدا داد حق سے محروم کیا گیا اور آج تک محروم کئے جاتے ہیں۔

حافظ - امام شافعی رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ خمس پانچ حصّوں پر تقسیم ہونا چاہیئے سہم پیغمبرؐ جو مسلمانوں کے مصارف اور ضروریات میں خرچ ہو، دوسرا حصہ ذوی القربیٰ کے لئے ہو اور بقیہ تین حصّے یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے صرف میں آئیں۔

خیر طلب - جمہور مفسّرین کا اتفاق ہے کہ زمانۂ رسولؐ میں یہ آیت آں حضرتؐ کی اولاد و اقارب کی اعانت کے لئے نازل ہوئی تھی اور خمس انہیں حضرات کے صرف میں دیا جاتا تھا پس فقہائے امامیہ کے نزدیک عترت اور آئمہ اطہار کی پیروی میں نیز صراحت آیۂ شریفہ کے مطابق خمس چھ حصّوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ سہم خدا، سہم رسولؐ اور سہم ذوی القربیٰ امام کو پہنچتا ہے اور غیبت امام میں نائب امام یعنی مجتہد فقیہ و عادل کو دیا جاتا ہے جو مسلمانوں کے مناسب ضروریات میں جہاں مصلحت ہوتی ہے صرف کرتا ہے اور بقیہ تین حصے بنی ہاشم اور اولاد رسولؐ میں سے یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کے لئے مخصوص ہو، لیکن وفات پیغمبرؐ کے بعد اس حق کو سادات سے سلب کر لیا گیا، چنانچہ آپ کے اکابر علماء جیسے جلال الدّین سیوطی در المنثور جلد سوم میں طبری، امام ثعلبی تفسیر کشف البیان میں جار اللہ زمخشری کشاف میں، قوشچی شرح تجرید میں، نسائی کتاب الفئے میں اور دوسرے حضرات بالاتفاق اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ بدعت رسولِ خدا کے بعد چالاک سیاسی لوگوں نے اپنے مقاصد پر قابو پانے کے لئے قائم کی۔

حافظ - آیا آپ کے نزدیک مجتہد کو رائے قائم کرنے اور فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے؟ خلیفۂ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے قطعًا مسلمانوں کی امداد کے لئے اجتہاد کر کے یہ فیصلہ کیا۔

خیر طلب ۔ ہاں مجتہد کو اپنی رائے قائم کرنے کا حق حاصل ہے لیکن نص کے مقابلے میں نہیں۔ کیا آپ خلیفہ ابوبکر و عمر کی رائے اور فیصلے کو آیت اور عمل رسول کے مقابلے لاتے ہیں؟ آیا انصافاً یہ جائز ہے کہ خدا اور رسول تو کوئی حکم نافذ کریں لیکن خلیفہ پیغمبر امت کی مصلحت کو اس سے بہتر سمجھتا ہو اور نص کے مقابلے میں اپنے اجتہاد سے کام لے؟ خدا کے لیے حق و انصاف سے کہیئے کہ ان کاموں کا کوئی خاص مقصد تھا یا نہیں؟ اگر کوئی عقلمند انسان غیر جانبدار انسان گہری توجہ کے ساتھ نتیجہ نکالے گا تو اس کو اس ترکیب عمل سے قطعی طور سخت سوء ظن پیدا ہوگا اور وہ سمجھ لے گا کہ یہ معاملات معمولی نہیں تھے بلکہ خاندان رسول کو بے بس بنانا تھا۔

خدا نے علیؑ کو پیغمبرؐ کا شاہد قرار دیا ہے

ان چیزوں کے علاوہ خدا نے علی علیہ السلام کو پیغمبرؐ کا شاہد و گواہ قرار دیا ہے اور آیت ۲۰ سورہ ۱۱ (ہود) میں صاف طور سے فرماتا ہے افمن کان علیٰ بینۃ من ربہ ویتلوہ شاہد منہ (یعنی آیا وہ پیغمبر جو اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل (قرآن) رکھتا ہے اور اس کے ہمراہ اس کا سچا گواہ ہے، یعنی علی علیہ السلام جو ہمہ تن صداقت رسالت کے گواہ ہیں)۔

حافظ ۔ جہاں تک مجھ کو علم ہے صاحب بیّنہ سے مراد رسول خدا ہیں اور ان کا شاہد قرآن کریم ہے آپ نے کس دلیل و برہان سے شاہد کو علی کرم اللہ وجہہ سے تعبیر کیا ہے۔

خیر طلب ۔ مجھ میں اتنی طاقت و جرأت نہیں کہ آیات قرآنی میں تصرف یا تفسیر بالرائے کر سکوں۔ ہم کو عترت و اہل بیت رسول سے جو عدیل قرآن ہیں یہی تعلیم پہنچی ہے کہ شاہد سے مراد علی علیہ السلام ہیں، اور علماء و مفسرین نے اسی طرح نقل کیا ہے۔ چنانچہ تقریباً تیس حدیثیں آپ کے اکابر علماء میں سے، امام ابو اسحاق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں تین حدیثیں جلال الدین سیوطی نے در المنثور میں ابن مردویہ، ابن ابی حاتم اور ابو نعیم سے، ابراہیم بن محمد حموینی نے فرائد السمطین میں تین سندوں کے ساتھ، سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت باب ۲۲ میں ثعلبی، حموینی، خوارزمی، ابو نعیم، واقدی اور ابن مغازلی سے ابن عباس اور جابر ابن عبداللہ انصاری وغیرہ کی سندوں کے ساتھ، حافظ ابو نعیم اصفہانی نے تین طریقوں سے، طبری نے ابن مغازلی فقیہ شافعی نے، ابن ابی الحدید معتزلی نے اور محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۶۲ میں نقل کی ہیں۔ اور آپ کے دوسرے بہت سے علماء یہی عقیدہ رکھتے ہیں اور الفاظ و عبارت کے مختصر سے فرق کے ساتھ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں شاہد سے مراد علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔

خطیب خوارزمی مناقب میں کہتے ہیں کہ لوگوں نے ابن عباس سے پوچھا شاہد سے کون مراد ہے؟ انہوں نے کہا ھو علیؑ یشھد للنبیؐ وھو منہ وہ علی ہیں جنہوں نے پیغمبرؐ کی گواہی دی اور وہ پیغمبرؐ سے ہیں پس ان دلائل و اخبار معتبرہ کی بناء پر جن کی خود آپ نے اکابر علماء تصدیق کرتے ہیں امت پر حضرت کی شہادت قبول کرنا واجب تھا۔ کیونکہ خدا نے آپ کو پیغمبرؐ پر گواہ قرار دیا ہے۔

اس طرح سے رسولِ اکرم نے خزیمہ بن ثابت کی خصوصیت کا اقرار فرمایا تھا کہ ان کی شہادت دو مسلمانوں کے برابر قرار دی، اور ذوالشہادتین کا لقب عطا فرمایا، اسی طرح خدائے تعالیٰ نے بھی اس آیت میں مسلمانوں کے درمیان حضرت علیؑ کی فضیلت کا اظہار فرمایا کہ آپ کو پیغمبر پر شاہد اور گواہ قرار دیا قطع نظر اس سے کہ بحکم آیۂ تطہیر آپ معصوم اور ہر خطا سے مبّرا تھے اور اپنی نفع اندوزی کے لئے ہرگز جھوٹی گواہی نہیں دے سکتے تھے ۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں نے کیونکر اتنی جرأت کی اور شرع کے کس اصول سے آپ کی شہادت رد کی، بلکہ توہین بھی کی اور گواہی کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ علی کی شہادت قابل قبول نہیں ہے لانّہ یجرّ النفع الی نفسہ یعنی چونکہ علیؑ اس قضیے میں خود کسب منفعت کر رہے ہیں لہٰذا اُن کی گواہی مردود ہے، علاوہ اُن اہانتوں اور بہت سے اشارات وکنایات کے جو مجمع کے اندر آپ کے منہ پر اور پیٹھ پیچھے زبان پر لائے، اور جن میں سے بعض کی طرف میں بھی اشارہ کر چکا ہوں۔ اب اس سے زیادہ میں اس مطلب کے جزئیات میں نہیں پڑنا چاہتا، البتہ اتنا عرض کروں کہ آیا آپ سننے کے لئے رضامند ہیں کہ مولائے متقیاں امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام جیسی بزرگ شخصیت کو جس نے دنیا کو تین طلاقیں دی ہوں، جو تمام انسانوں سے زیادہ دولت، دنیا کی طرف سے بے پروا ہو اور جس کی رفتار و کردار کو دوست و دشمن بھی مانتے ہوں، دنیا طلب بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ کہے جائیں جن کو ادا کرنے کی میری زبان میں طاقت نہیں اور جو خود آپ کی کتابوں میں درج ہیں ؟

خلاصہ یہ کہ جملہ یجر النفع الی نفسہ استعمال کر کے لوگوں کو یہ فریب دیں کہ علیؑ چونکہ اس معاملے میں صاحب نفع ہیں لہٰذا ممکن ہے کہ اپنے اہل وعیال کے فائدے کے لئے (معاذ اللہ) جھوٹی شہادت دے دیں، اس وجہ سے ان کی گواہی قابلِ قبول نہیں ہے خدائے تعالیٰ تو آپ کو معتبر قرار دے لیکن چند ترکیبی لوگ اس کو ردّ کر دیں ؟

علی علیہ السّلام کا دردِ دل

آیا علیؑ کے بارے میں نزول آیاتِ قرآنی، منصب ولایت کی توثیق اور رسول اللہؐ کی وصیت وسفارش کا یہی نتیجہ تھا کہ آپ کو اس قدر آزار و اذیت پہنچائیں کہ آپ خطبۂ شقشقیہ میں اپنے دردِ دل کا اس طرح اظہار فرمائیں صبرت وفی العین قذی وفی الحلق شجی (یعنی میں نے صبر کیا اس حال میں کہ گویا میری آنکھ میں خس وخاشاک اور حلق میں ہڈی پھنسی ہوئی ہو) حضرت کے یہ جملے شدید غم وغصۂ اندوہ والم اور تلخی صبر کی ترجمانی کر رہے ہیں ۔

آپ یہ بے خودی میں نہیں فرماتے تھے کہ واللہ لابن ابی طالب انس بالموت من الطفل بثدی امہ (یعنی قسم خدا کی ایک شیر خوار بچّے کو جس قدر اپنی ماں کے پستان سے انس ہوتا ہے اس سے زیادہ فرزند ابو طالب کو موت کا شوق ہے) آپ کا قلب اس قدر مجروح اور زندگانی دُنیا سے سیر تھا کہ جس وقت اوّلین وآخرین کے شقی ترین آدمی عبدالرحمان ابن ملجم مرادی

نے زہر میں بجھائی ہوئی تلوار فرق مبارک پر لگائی تو محراب عبادت کے اندر آپ فرماتے تھے فزت ورب الکعبۃ یعنی رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہوا ۔

حضرات تاریخ کی شہادت اور آپ کے بزرگ مؤرخین کے قول کے مطابق ہوا جو نہ ہونا چاہیئے تھا، کیا گیا جو نہ کرنا چاہیئے تھا اور کہا گیا جو نہ کہنا چاہیئے تھا۔ لیکن اب آج کے روز مناسب نہیں ہے کہ آپ جیسے دانشمند علماء خدا و رسولؐ کے عزیز و محبوب کو مزید اذیت پہنچائیں اور بے خبر لوگوں میں غلط فہمی پھیلائیں درانحالیکہ خوب واقف ہیں کہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو ایذا دینا درحقیقت رسول اللہ کو ایذا دینا ہے ۔

علیؑ کو اذیّت دینے والوں کی مذمّت میں احادیث

جیسا کہ آپ کے اکابر علما مثلاً امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں کئی طریقوں سے امام ثعلبی نے تفسیر میں اور شیخ الاسلام حموینی نے فرائد میں نقل کیا۔ ہے کہ رسولؐ اکرم نے فرمایا :۔

من اذی علیاً فقد اذانی ایہا الناس من اذی علیاً بعث یوم القیمۃ یہودیا او نصرانیا

یعنی جس نے علیؑ کو ایذا دی اس نے یقیناً مجھ کو ایذا دی۔ ایہا الناس ! جو شخص علی کو اذیّت دے وہ قیامت کے دن یہودی یا نصرانی اٹھے گا ۔

ابن حجر مکی باب ۹ فصل دوم ص۶ حدیث ۱۶ میں سعد ابن ابی وقاص سے اور محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۶ میں سند کے ساتھ رسول اللہ سے نقل کیا ہے کہ فرمایا :۔

من اذا علیاً فقد اذانی ۔

یعنی جس نے علیؑ کو اذیت دی اُس نے درحقیقت محمدؐ کو اذیّت دی ۔

مجھ کو اس وقت ایک اور حدیث یاد آگئی، اجازت ہو تو عرض کروں اس لئے کہ حدیث رسولؐ کا بیان کرنا اور سننا عبادت ہے۔ اس حدیث کو بخاری نے اپنی صحیح میں، امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، میر سید علی ہمدانی شافعی نے مودۃ القربیٰ میں، حافظ ابو نعیم اصفہانی نے کتاب ما نزل من القرآن فی علی میں، خطیب خوارزمی نے مناقب میں، ابن مغازلی شافعی نے مناقب میں اور حاکم ابوالقاسم حسکانی نے حاکم ابوعبداللہ حافظ سے انہوں نے احمد بن محمد بن ابی داؤد حافظ سے انہوں نے علی بن احمد عجلی سے انہوں نے عباد بن یعقوب سے انہوں نے ارطاۃ بن حبیب سے انہوں نے ابو خالد واسطی سے انہوں نے زید بن علی علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے باپ علی ابن الحسین علیہما السلام سے آپ نے اپنے باپ حسین ابن علی علیہما السلام سے اور آپ نے اپنے پدر بزرگوار علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے نقل کیا ہے اور اُن میں سے ہر ایک راوی نے اپنی داڑھی کا بال پکڑ کے کہا کہ رسولؐ اللہ نے اس

طرح سے اپنا موئے مُبارک ہاتھ میں لے کر فرمایا۔

یا علی من اذی شعرۃ منک فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فعلیہ لعنۃ اللہ

یعنی اے علیؑ جو شخص تمہارے ایک بال کو بھی تکلیف پہنچائے اُس نے درحقیقت مجھ کو تکلیف پہنچائی۔ اور جو شخص مجھ کو تکلیف پہنچائے اُس نے حقیقتاً خدا کو تکلیف پہنچائی اور جو خدا کو تکلیف پہنچائے اُس پر اللہ کی لعنت ہے۔

سید ابوبکر بن شہاب الدین علوی نے کتاب رشفۃ الصادی من بحر فضائل بنی النبی الہادی مطبوعہ مطبع اعلامیہ مصر ۱۳۰۳ھ باب ۴ ص ۶۰ میں کبیر طبرانی، صحیح ابن حبان اور حاکم سے صحت حدیث کی تصدیق کے ساتھ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے روایت کی ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا:۔

من اذانی فی عترتی فعلیہ لعنۃ اللہ — یعنی جو شخص مجھ کو میری عترت کے بارے میں اذیت پہنچائے۔ پس اس پر خدا کی لعنت ہو۔

اُمید ہے کہ میرے سچے معروضات بے اثر نہ ثابت ہوں گے اور آپ حضرات اب اس سے زیادہ آں حضرتؐ کی مقدس رُوح کو آزردہ کرنے پر رضامند نہ ہوں گے، کیونکہ محکمہ عدل الٰہی میں جواب دہی بہت مشکل ہے۔

(جیسے کہ اس ساری مدّت میں مَیں خود بھی رو رو کر بیان کرتا رہا اور اکثر حاضرین کی آنکھوں میں بھی آنسو بھرے رہے بلکہ بعض کے رخساروں پر جاری ہو گئے تھے، یہاں تک کہ جناب حافظ صاحب بھی کبھی کبھی اشکبار ہو جاتے تھے۔)

حضرات! ذرا غائر نظر ڈالیئے اور اپنے معرض عمل میں قرار دیجئے تو معلوم ہو کہ جماعت اُمّت کے درمیان، وہی اُمّت جو دو مہینے قبل حضرت علی علیہ السّلام کے پائین پا میں حاضر ہوئی تھی اور آپ کو پیغمبرؐ اپنے ہاتھوں پر بلند کئے ہوئے تھے، سب نے آپ کی بیعت کی تھی اور خدا و رسولؐ کے حکم سے آپ کے سامنے سر تسلیم خم کیا تھا، جس وقت امیرالمومنین علیہ السّلام کی شہادت رد کی گئی اور قطعی حکم دے دیا گیا کہ صدیقۂ مظلومہ جناب فاطمہؑ کی زیر تصرف جاگیر اور آپ کے بچوں کی پرورش کا ذریعہ ضبط کر لیا جائے تو اتنی سخت اہانتوں سے پیغمبرؐ کی ان دونوں امانتوں پر کیا گزری ہوگی؟ یہاں تک کہ دشمن مسجد رسول سے خوش ہو کر اُٹھے۔

یہ غیظ و غضب جناب معصومہ پر ایسا موثر اور مستولی ہوا کہ عین عالم شباب میں انتہائی غصّے اور درد و الم کے ساتھ دُنیا سے اُٹھ گئیں۔

حافظ - بدیہی چیز ہے کہ بی بی فاطمہ شروع شروع میں ضرور دل تنگ اور غضب ناک ہوئیں لیکن آخر کار جب دیکھا کہ خلیفہ نے حکم صحیح دیا ہے تو ناراضگی جاتی رہی اور ان لوگوں سے خوش ہو گئیں۔ یہاں تک کہ انتہائی رضا و خوشنودی کے ساتھ دُنیا سے گئیں۔

فاطمہؑ مرتے دم تک ابوبکر و عمر سے خوش نہیں تھیں

خیر طلب۔ اگر یہی بات ہے تو آپ کے بڑے بڑے علماء اس کے برعکس کیوں لکھتے ہیں؟ مثلاً دو موثق عالم بخاری اور مسلم نے اپنی صحیحین میں لکھا ہے :-

فوجدت[1] ای فغضبت فاطمة علی ابوبکر فهجرته فلم تکلمه حتی توفیت فلما توفیت دفنها زوجها علیؑ لیلا ولم یوذن بها ابابکر یصلی علیها ۔

یعنی فاطمہؑ نے غیظ و غضب کے عالم میں ابوبکر کو ترک کر دیا اور ناراضگی کی وجہ سے مرتے دم تک اُن سے بات نہیں کی یہاں تک کہ جب وفات پائی تو اُن کے شوہر علیؑ نے رات کے وقت دفن کیا اور ابوبکر کو اس کی اجازت نہیں دی، کہ جنازے میں شریک ہوں اور ان پر نماز پڑھیں۔

چنانچہ بخاری نے اپنی صحیح جزء پنجم باب غزوۂ خیبر ص۹ نیز جلد ہفتم باب قول النبیؐ لانورث ماترکنا صدقة ص۸۲ میں نقل کیا ہے کہ۔

فهجرته فاطمة فلم تکلمه حتی ماتت ۔

یعنی فاطمہ نے ابوبکر کو چھوڑ دیا اور اُن سے کلام نہیں کیا یہاں تک کہ وفات پائی (۱۲۔ مترجم)

محمد یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۹۹ میں بھی اسی روایت کو نقل کیا ہے۔ ابو محمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری نے الامامة والسیاسة ص۱۴ میں روایت کی ہے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا نے بستر بیماری پر ابوبکر و عمر سے فرمایا :-

انی اشهد الله وملئکته انکما اسخطمانی وما ارضیتمانی لئن لقیت النبی لاشکونکما ۔

یعنی میں خدا اور فرشتوں کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں (ابوبکر و عمر) نے مجھ کو غضبناک کیا ہے اور مجھ کو راضی نہیں کیا۔ اگر پیغمبرؐ سے ملاقات کروں گی تو ضرور بالضرور تم دونوں کی شکایت کروں گی۔

نیز اسی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

غضبت فاطمة من ابی بکر وهجرته الی ماتت ۔

یعنی فاطمہؑ ابوبکر پر خشمناک ہوئیں اور ان کو ترک کر دیا یہاں تک کہ اُسی حالت میں وفات پائی۔

ان روایتوں کے مقابل آپ کی معتبر کتابوں میں اور بھی بہت سے اخبار و احادیث درج ہیں خیر ذرا آپ حضرات

---

[1] وجد لغت میں جیسا کہ فیروز آبادی نے قاموس لکھا ہے خشم و غضب کے معنی میں ہے۔ ۱۲

غیر جانبداری اور عدل و انصاف کی نظر ڈالیں اور مجھ سے ان روایات کے درمیان جمع کرنے کا طریقہ بیان فرمائیں۔

فاطمہؑ کی اذیّت خُدا و رسُولؐ کی اذیّت ہے

من جملہ اُن کے وہ مشہور حدیث ہے جس کو بالعموم آپ کے علماء جیسے امام احمد ابن حنبل مسند میں سلیمان قندوزی نے ینابیع المودۃ میں، میر سیّد علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ میں اور ابن حجر نے صواعق میں ترمذی اور حاکم وغیرہ سے نقل کرتے ہوئے الفاظ و عبارات کی مختصر کمی و بیشی کے ساتھ درج کیا ہے کہ رسولؐ اللہ مکرر فرماتے تھے۔

فاطمۃ بضعۃ منی وھی نور عینی وثمرۃ فؤادی وروحی التی بین جنبی من اذاھا فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن اغضبھا فقد اغضبنی یؤذینی ما اذاھا۔

یعنی فاطمہؑ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، یہ میری آنکھوں کا نور، میرا میوۂ دل اور میرے دونوں پہلوؤں کے درمیان میری رُوح ہے، جس نے فاطمہؑ کو اذیّت دی اُس نے مجھ کو اذیّت دی اور جس نے مجھ کو اذیّت دی اُس نے خدا کو اذیّت دی جس نے فاطمہؑ کو غضب ناک کیا اُس نے مجھ کو غضب ناک کیا۔ جس چیز سے فاطمہؑ کو تکلیف پہنچتی ہے اُس سے مجھ کو تکلیف پہنچتی ہے۔

ابن حجر عسقلانی نے اصابہ میں حضرت فاطمہؑ سلام اللہ علیہا کے حالات بیان کرتے ہوئے صحیحین بخاری و مسلم سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا۔

فاطمۃ بضعۃ منی یؤذینی ما اذاھا ویریبنی ما ازابھا۔

یعنی فاطمہ میرا پارہ تن ہے جو چیز اس کو اذیت پہنچائے وہ مجھ کو بھی اذیّت پہنچاتی ہے اور جو چیز اُس کی بزرگی قائم رکھے وہ میری بزرگی بھی قائم رکھتی ہے۔

محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول ص۶ میں، حافظ ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء جلد دوم ص۴۰ میں اور امام ابوعبدالرحمٰن نسائی نے خصائص العلوی میں روایت کی ہے کہ رسولؐ اکرم نے فرمایا:۔

انما فاطمۃ ابنتی بضعۃ منی یریبنی ما ارابھا ویؤذینی ما اذاھا۔

یعنی سوائے اس کے نہیں ہے کہ فاطمہ میری بیٹی میرے بدن کا ٹکڑا ہے، جو اس لئے باعث عزّت ہے وہ میرے لئے بھی باعث عزّت ہے اور جو اُس کے لئے ایذا رساں رہے وہ میرے لئے بھی ایذا رساں ہے۔

ابو القاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی، محاضرات الادباء جلد دوم ص۲۰۴ میں نقل کرتے ہیں کہ:۔
رسُولؐ خدا نے فرمایا:۔

فاطمۃ بضعۃ منّی فمن اغضبہا فقد اغضبنی ۔

یعنی فاطمہؑ میرے جسم کا حصّہ ہے پس جس نے اس کو غصّہ دلایا اُس نے مجھ کو غصّہ دلایا ۔

حافظ ابوموسیٰ بن المثنیٰ بصری متوفی ۲۵۲ھ ہجری نے اپنی معجم میں، ابن حجر عسقلانی نے اصابہ جلد ۴ ص۳۷۵ میں، ابویعلیٰ موصلی نے سنن میں، طبرانی نے معجم میں، حاکم نیشاپوری نے مستدرک جلد سیم ص۱۵۴ میں، حافظ ابونعیم اصفہانی نے فضائل الصحابہ میں، حافظ ابن عساکر نے تاریخ شام میں، سبط ابن جوزی نے تذکرہ ص۱۷۵ میں، محبّ الدین طبری نے ذخائر ص۳۹ میں، ابن حجر مکّی نے صواعق ص۱۰۵ میں اور ابوالعرفان الصّبان نے اسعاف الراغبین ص۱۷۱ میں نقل کیا ہے کہ رسولؐ اللہ نے اپنی دختر سلام اللہ علیہا سے فرمایا۔

یا فاطمۃ انّ اللہ یغضب لغضبك ویرضی لرضاك

یعنی اے فاطمہؑ یقیناً تم ناراض ہوتی ہو تو اللہ بھی ناراض ہوتا ہے اور تم راضی ہو تو خدا بھی راضی ہوتا ہے ۔

اور محمد بن اسمٰعیل بخاری نے اپنی صحیح باب مناقب قرابۃ رسولؐ اللہ ص۷۱ میں مسور بن مخرمہ سے نیز ص۸۵ میں نقل کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :-

فاطمۃ بضعۃ منّی فمن اغضبہا فقد اغضبنی ۔

یعنی فاطمہؑ میرے جسم کا ٹکڑا ہے پس جو شخص فاطمہؑ کو غصّہ میں لایا در حقیقت وہ مجھ کو غصّہ میں لایا ۔

اسی قسم کی حدیثیں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سُنن ابوداؤد، ترمذی، مسند امام احمد حنبل، صواعق ابن حجر اور ینابیع المودت شیخ سلیمان بلخی حنفی وغیرہ جیسی آپ کی معتبر کتابوں میں کثرت سے مروی ہیں، پس ان اخبار کو ان روایات کے ساتھ کیونکر جمع کیجئے گا کہ جناب فاطمہؑ ان لوگوں سے غضبناک اور ناراض دنیا سے نہ اٹھیں ؟

شیخ - یہ روایتیں صحیح ہیں لیکن علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں وارد ہوا ہے کہ جب انہوں نے ابوجہل کی بیٹی کے ساتھ عقد کا پیغام دینا چاہا تو رسولِ خدا اُن پر غضبناک ہوئے اور فرمایا کہ جو شخص فاطمہؑ کو آزار دے اُس نے مجھ کو آزار دیا اور جو شخص مجھ کو آزار دے وہ مغضوب خدا ہے اور اُس سے مُراد علیؑ تھے ۔

دخترِ ابوجہلؑ کے لئے پیغام دینے کا جواب

خیر طلب - انسان اور دُوسرے حیوانات میں بہت فرق ہے ۔ انسان کو جو امتیازی خصوصیات حاصل ہیں اُن میں سب سے اہم عقل اور غور وفکر کی قوّت ہے جو اُس کے دماغ میں ودیعت کی گئی ہے یعنی حیوان پر اُسی آدمی کو برتری حاصل ہے جو زندگی کی تمام منزلوں میں عقل وفکر کی ہدایت پر عمل کرلے، اس طریقے سے کہ جو کچھ سُنے اُس کو فوراً آنکھ بند کرکے قبول نہ کرلے بلکہ اُس کے ہر پہلو پر گہری نظر ڈالے، اگر عقل اس کو قبول کرے تو مان لے ورنہ ردّ کردے ۔

جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

فبشّر عباد الّذین یستمعون القول فیتّبعون احسنہ اولٰئک الّذین ھدیٰھم اللہ واولٰئک ھم اولوا الالباب ۔

(یعنی (اے رسولؐ) بشارت دے دو اُن بندوں کو جو بات سنتے ہیں پس اُس کے بہترین حصّے کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں اور یہی لوگ درحقیقت صاحبانِ عقل ہیں۔

(آیت ۱۹ سورہ ۳۹ (زمر))

ایک روایت آپ کے اسلاف نے نقل کی اور آج آپ بھی اپنی عادت اور گذشتہ لوگوں کی فریب کاری کا اتّباع کرتے ہوئے بغیر عقل کی کسوٹی پر کسے اور جرح و تعدیل کئے ہوئے یہ غیر معقول جملے زبان پر جاری کر رہے ہیں لہٰذا میں بھی مجبور ہوں کہ مختصر جواب عرض کروں۔

اوّل تو خود آپ کے علماء نے تصدیق کی ہے (جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا) کہ علی علیہ السّلام آیۂ تطہیر میں شامل اور طہارت ذاتی کے حامل ہیں یعنی ہر رجس و کثافت، لہو و لعب اور اخلاق رذیلہ سے منزّا و مبرّا ہیں۔

دُوسرے یہ کہ آیۂ مباہلہ میں خدا نے ان کو بمنزلۂ نفس پیغمبرؐ فرمایا ہے جس کے متعلق ہم گذشتہ راتوں میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں، اس کے باب علم رسولؐ تھے لہٰذا قرآن کے احکام و قوانین سے بخوبی واقف تھے اور جانتے تھے کہ خدا نے آیت ۵۳ سورہ ۳۳ (احزاب) میں فرمایا ہے :-

وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ۔ — یعنی تمہارے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ رسولؐ اللہ کو (زندگی میں یا بعد وفات) اذیت پہنچاؤ۔

پس عقل کیونکر باور کر سکتی ہے کہ آپ کوئی ایسا اقدام کریں کہ آپ کے قول یا فعل سے رسولِ خدا آزردہ خاطر اور غضبناک ہوں؟ اور یہ کیونکر سمجھ میں آ سکتا ہے کہ مجسمۂ خلق عظیم پیغمبرؐ اس ہستی پر ناراض ہو جو خدا کو محبوب ہو اور وہ بھی ایک مُباح کام کے لئے کیونکہ خدائے تعالےٰ نے قرآن مجید میں کوئی استثناء نہیں فرمایا ہے۔ آیت ۳ سورہ ۴ (نساء)

فانکحوا ما طاب لکم من النّساء مثنیٰ وثلاث ورباع ۔ — یعنی تم کو جو بہتر معلوم ہو دو دو تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کر سکتے ہو۔

اس حکم سے امر نکاح انبیاء و اوصیاء اور ساری اُمّت میں عمومیّت رکھتا ہے اگر فرض کر لیا جائے کہ امیرالمومنینؑ کوئی ایسا قصد کر بھی رہے تھے تو شرعاً جائز تھا اور رسولؐ اکرم کسی امر مباح کے لئے ہرگز غضبناک نہیں ہوتے تھے اور نہ ایسے کلمات فرماتے تھے۔

چنانچہ ہر عقل مند انسان غور و تحقیق کے بعد سمجھ لیتا ہے کہ یہ روایت بنی امیّہ والوں کے موضوعات میں سے ہے اور آپ کے اکابر علماء بھی اس حقیقت کے معترف ہیں۔

عہدِ معاویہ کی حدیث سازی اور ابوجعفر اسکافی کا بیان

چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ جلد اوّل ص۳۵۸ میں اپنے شیخ واستاد ابوجعفر اسکافی بغدادی سے اس بارے میں ایک بیان نقل کرتے ہیں کہ معاویہ ابن ابوسفیان نے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کو معین کیا تھا کہ علی علیہ السّلام کی مذمّت میں روایتیں وضع کریں اور اُن حضرت کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں تاکہ لوگ آپ سے بیزاری اختیار کریں۔

منجملہ اُن کے ابوہریرہ، عمرو بن عاص، مغیرہ بن شعبہ اور تابعین میں سے عروہ بن زبیر بھی تھے۔ لکھتے ہیں کہ انہوں نے ان لوگوں کی بعض جعلی روایتوں کا بھی تذکرہ کیا ہے، یہاں تک کہ جب ابوہریرہ کا نام آیا تو کہا کہ ابوہریرہ وہ شخص ہے جس نے ایک حدیث اس مفہوم کی روایت کی ہے کہ علی علیہ السّلام نے، رسولِ خدا کی زندگی میں دخترِ ابوجہل کی خواستگاری کی جس سے آں حضرتؐ نے اُن پر غیظ و غضب کا اظہار کیا اور بالائے منبر فرمایا کہ دوستِ خدا اور دشمنِ خدا میں یکجائی نہیں ہو سکتی، فاطمہؑ میرا پارۂ تن ہے جو شخص اُس کو اذیّت دے اُس نے مجھ کو اذیت دی، جو شخص ابوجہل کی بیٹی کو لانا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ میری بیٹی سے علیحدہ ہو جائے۔

اس کے بعد ابوجعفر کہتے ہیں والحدیث مشهور من رواية الكرابيسي یعنی یہ حدیث روایت کرابیسی کے نام سے مشہور ہے اس لئے کہ ہر بے بنیاد روایت کو کرابیسی کہتے ہیں۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیحین بخاری و مسلم میں مسور بن مخرمہ الزہری سے مروی ہے۔ اور سید مرتضیٰ علم الہدیٰ (جو اکابر و مفاخر محققین علمائے شیعہ میں سے ہیں) کتاب تنزیہ الانبیاء والائمہ میں کہتے ہیں کہ یہ روایت حسین کرابیسی سے منقول ہے جو اہلِ بیت طاہرین کی مخالفت میں مشہور ہے، یہ اس خاندان جلیل کے سخت دشمنوں اور نواصب میں سے تھا اور اس کی روایت قابلِ قبول نہیں ہے۔ چونکہ خود آپ کی معتبر کتابوں میں مروی اخبار کثیرہ کی بنا پر علیؑ کا دشمن منافق ہے اور منافق بحکم قرآن مجید جہنمی ہے لہٰذا اُس کی روایت مردود ہے۔

اس کے علاوہ فاطمہ سلام اللہ علیہا کو اذیت دینے والوں کی مذمت میں روایتیں صرف کرابیسی کے بیان یا دخترِ ابوجہل کے گڑھے ہوئے واقعہ میں ابوہریرہ کی نقل سے مخصوص نہیں ہیں بلکہ اس موضوع میں بکثرت روایات وارد ہیں۔

من جملہ اُن کے خواجہ پارسائے بخاری فصل الخطاب میں، امام احمد ابن حنبل مسند میں اور میر سید علی ہمدانی شافعی مودۃ القربیٰ مودۃ سیزدہم میں سلمان محمدی سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا:۔

حُبّ فاطمة ينفع فى مائة من المواطن ايسر تلك المواطن الموت والقبر والميزان والصراط والحساب فمن رضيت عنه ابنتى فاطمة رضيت عنه ومن رضيت عنه

رضی اللہ عنہ ومن غضبت علیہ ابنتی فاطمۃ غضبت علیہ ومن غضبت علیہ
غضب اللہ علیہ ویل لمن یظلمھا ویظلم بعلھا علیًا وویل لمن یظلم ذریتھما وشیعتھما
یعنی فاطمہؑ کی محبت سو مقامات پر نفع پہنچاتی ہے۔ جن میں سب سے آسان موت، قبر، میزان صراط اور حساب ہے
پس جس سے میری بیٹی فاطمہ خوش ہے اُس سے میں بھی راضی ہوں اور جس سے میں راضی ہوں اس سے خدا راضی ہے
اور جس پر میری بیٹی فاطمہ ناراض ہے اُس پر میں بھی ناراض ہوں اور جس پر میں غضبناک ہوں اُس پر خدا غضب ناک ہے
وائے ہو اُس پر جو فاطمہؑ پر اور ان کے شوہر علی پر ظلم کرے اور وائے ہو اُس پر جو علیؑ و فاطمہؑ کی اولاد اور ان دونوں
کے شیعوں پر ظلم کرے ۔

جس قدر روایتیں پیش کی گئیں ثبوت اور نمونے کے لئے اتنی ہی کافی ہیں۔ اب آپ حضرات یہ فرمائیں کہ یہ اخبار صحیحہ جو فریقین کی کتب معتبرہ میں کثرت سے منقول ہیں اُن روایات کے ساتھ جو پہلے عرض کر چکا کہ آپ کے اکابر علماء جیسے بخاری و مسلم وغیرہ نے روایت کی ہے کہ فاطمہؑ ابوبکر و عمر پر غضبناک اور ناراض رہیں یہاں تک کہ دنیا سے اُٹھ گئیں، کیونکر جمع کی جا سکتی ہیں؟

حافظ ۔ یہ روایتیں صحیح ہیں اور ہماری معتبر کتابوں میں بکثرت اور بہت تفصیل سے منقول ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ دختر ابوجہل کے لئے علی کرم اللہ وجہہ کی خواستگاری کے سلسلہ میں حدیث کرابیسی خود میرے دل میں کھٹکتی تھی اور مجھ کو اس پر یقین نہیں آتا تھا، میں بہت ممنون ہوں کہ آج آپ نے اس گتھی کو حل فرما دیا

غضب فاطمہؑ کے دینی ہونے میں اشکال اور اس کا جواب

دوسری یہ کہ ان احادیث میں غضب سے غضب دینی مراد ہے نہ کہ معمولی دنیاوی غصہ۔ اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما فاطمہؑ رضی اللہ عنہا کا یہ غصہ جو ہماری تمام صحیح کتابوں میں منقول ہے غضب دینی نہیں تھا۔ یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شیخین رضی اللہ عنہما پر دینی فرائض کے خلاف کوئی عمل کرنے کی وجہ سے غصہ نہیں کیا البتہ جو شخص فاطمہؑ کو دینی غصہ دلائے قطعاً اس پر خدا اور رسولؐ کا غضب نازل ہوگا ۔

دراصل فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ غصہ ان کی حالت میں اس قسم کا تغیر تھا جو ہر حساس انسان میں اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب وہ اپنی مراد اور مقصد کو حاصل نہ کر سکے ۔

چونکہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فدک کی درخواست کی تھی اور خلیفہ نے فدک واپس کرنے سے موافقت نہیں کی لہٰذا فطری طور پر متاثر ہوئیں اور اُس وقت غضب ناک ہوئیں لیکن بعد کو یہ معمولی غصہ بھی اُن کے دل سے نکل گیا اور خلیفہ کے حکم پر راضی ہو گئیں اور اُن جلیل القدر بی بی کی رضامندی کا ثبوت اُن کی خاموشی تھی ۔

یہاں تک کہ جب علی کرم اللہ وجہہ کو خلافت ملی تو باوجود اپنے اُس اثر واقتدار کے فدک کو ضبط نہیں کیا، چنانچہ یہ بھی ایک دلیل قاطع ہے کہ آپ سابق خلفا کے فیصلے پر راضی تھے۔

خیر طلب۔ آپ نے ایسے مطالب بیان فرمائے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کا ایک مفصل جواب ہے چونکہ رات کافی گزر چکی ہے لہٰذا اگرچہ حضرات سامعین میں کوئی کسل نظر نہیں آتا پھر بھی بہتر ہوگا کہ اگر آپ کی رائے ہو تو جوابات کل شب پر رکھے جائیں۔

(تمام اہل جلسہ بول اُٹھے اور کہنے لگے کہ ہم ہرگز رضامند نہیں۔ چونکہ ہم ایک فیصلہ کن مرحلے پر پہنچ چکے ہیں لہٰذا جب تک اس مسئلہ کا نتیجہ معلوم نہ ہو جائے گا نہ جائیں گے۔

خیر طلب۔ مجھ کو منظور ہے، لیکن وقت کے لحاظ سے مفصل جواب ترک کرکے مختصر طور پر عرض کرتا ہوں۔

فاطمہؑ کے قلب و جوارح ایمان سے مملو تھے

اوّل یہ کہ آپ نے فرمایا ہے کہ فاطمہ صدیقہ سلام اللہ علیہا کا غصّہ دینی نہیں بلکہ نفسانی تھا تو یہ غلط فہمی ہے اور آپ نے بغیر تحقیق اور غور و فکر کے فرما دیا، اس لئے کہ اصول اخلاق، آیات قرآنی اور احادیث رسولؐ کے مطابق ایک مومن کامل بھی ایسا غصّہ نہیں کرتا نہ کہ جناب فاطمہؑ جن کی بزرگی آیۂ تطہیر، آیۂ مباہلہ اور سورہ ہل اتیٰ سے واضح ہے۔

ہماری اور آپ کی معتبر کتابوں میں کثرت سے وارد ہے کہ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا کمال ایمان کے درجہ پر فائز تھیں، اور رسولؐ اکرم نے خاص طور فرمایا ہے۔

ان ابنتی فاطمة ملاء الله قلبها وجوارحها ایمانا الی مشاشها -

یعنی یقیناً خدا نے میری بیٹی فاطمہ کے قلب و جوارح کو سر تا قدم ایمان سے بھر دیا ہے۔

فاطمہؑ کا غصّہ دینی تھا

وہ مومن و مومنہ جن کے ایمان کی علامت حق کو تسلیم کرنا ہو ہرگز ایسا عمل نہیں کرتے کہ جب کوئی حاکم سچا فیصلہ کرے یعنی خدا کا حکم جاری کرے تو اُس پر غصّہ دکھائیں اور وہ بھی ایسا غصّہ جو کینے اور عداوت کے ساتھ ہو، پھر اسی غیض و غضب پر مرتے دم تک قائم رہیں یہاں تک کہ وصیت کر جائیں کہ ان ناحق حکم دینے والوں میں سے کسی کو میرے جنازے پر نماز نہ پڑھنے دینا۔

حق تو یہ ہے کہ وہ فاطمہؑ جن کی طہارت کا ثبوت خدا دے رہا ہو قطعاً کوئی جھوٹا دعویٰ ہی نہیں کر سکتیں تاکہ حاکم اُن کے خلاف حکم دے۔

دوسرے اگر بی بی فاطمہ کا غصّہ صرف حالت کا تغیّر تھا تو جلد زائل بھی ہو جانا چاہیئے تھا، بالخصوص اس عذر خواہی کے بعد تو دل بالکل صاف ہو جانا چاہیئے جو بعد کو ان لوگوں نے کی، کیونکہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے المومن لیس بحقود مومن کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ طبیعتاً اور ہوائے نفسانی کی بنا پر دل میں بغض و عداوت نہ رکھتا ہو۔ نیز حدیث میں ارشادِ رسولؐ ہے کہ اگر مومن سے کوئی غلطی ہو جائے تو مومن تین روز سے زیادہ اپنے دل میں عداوت نہیں رکھتا۔ پس صدیقہ طاہرہ فاطمہ زہرا کی ذات جو سرتاپا ایمان میں غرق اور شہادتِ خداوندی کی بنا پر ہر قسم کے رجس و کثافت اور اخلاق رذیلہ سے پاک و مبرا تھی ہرگز کینہ پرور نہیں ہو سکتی۔ اور دوسری طرف فریقین کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ فاطمہ سلام اللہ علیہا ابوبکر و عمر سے ناراض اور غضبناک دنیا سے گئیں لہٰذا معلوم ہوا کہ جناب معصومہ کا غصّہ دینی تھا کہ جب خدا اور اپنے پدر بزرگوار کے حکم کے خلاف فیصلہ صادر ہوتے دیکھا تو غضب دینی کے ساتھ غضب ناک ہوئیں اور یہی وہ غصّہ ہے جو غضب خدا و رسولؐ کا ذریعہ ہے۔

فاطمہؑ کا سکوت رضامندی کی دلیل نہیں تھا

تیسرے آپ نے فرمایا ہے کہ فاطمہؑ کی خاموشی اُن معصومہؑ مظلومہ کی رضامندی کی دلیل تھی تو اس میں بھی آپ کو دھوکا ہوا ہے۔ ہر سکوت رضامندی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ بعض مواقع پر ظالم کے سخت اقتدار کے سبب سے مظلوم خاموشی پر مجبور ہو جاتا ہے تاکہ ہنگامے اور فساد کے مقابلے میں اپنی آبرو بچائے۔

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا صرف یہی نہیں کہ راضی نہیں بلکہ دنیا سے غضب ناک بھی گئیں جیسا کہ میں خود آپ کے اکابر علماء کے اقوال پیش کر چکا ہوں، بالخصوص آپ کے وہ بزرگ اور مؤثق عالم بخاری و مسلم لکھتے ہیں :۔

فغضبت فاطمة علی ابی بکر فهاجرته ولم تكلمه حتی توفيت ۔

یعنی فاطمہ ابوبکر پر غضب ناک ہوئیں، پس اُن سے دُوری اختیار کی اور اُن سے بات نہیں کی یہاں تک کہ وفات پائی۔

علیؑ کو اپنی خلافت میں عمل کی آزادی نہیں تھی

چوتھے آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ علی علیہ السّلام نے اپنی خلافت (ظاہری) کے اقتدار میں چونکہ فدک پر تصرف نہیں کیا اور اُس کو اولاد فاطمہ کے سپرد نہیں کیا لہٰذا یہ فیصلے پر آپ کی رضامندی کی دلیل ہے، اس میں بھی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے اس لئے کہ حضرت اپنے دورِ خلافت میں عمل کے لئے آزاد نہیں تھے کہ جو چاہتے اقدام کرتے یا کوئی حق واگذار کرتے یا کوئی بدعت دفع کرتے۔ آپ جونہی اس قسم کا کوئی قدم اُٹھاتے تھے فوراً واویلا مچ جاتی تھی۔

اگر آپ اولادِ فاطمہؑ کو فدک واپس کر دیتے تو یقیناً مخالفین اور خاص طور سے معاویہ اور اُن کے چیلوں کو موقع ہاتھ آجاتا کہ پہلے والوں نے جو بات کہی تھی کہ علیؑ اپنے لئے کسب منفعت کر رہے ہیں اُس کو صحیح ثابت کریں اور یہ پروپیگنڈا کر کے اپنے قدم مضبوط کریں کہ علیؑ نے ابوبکر و عمر کے برخلاف عمل کیا۔

اس کے علاوہ ایسا حکم دینے کے لئے قدرت اور خود مختاری ضروری تھی حالانکہ لوگوں نے حضرت کے لئے ایسی طاقت اور اختیارات ہی باقی نہیں رکھے تھے کہ سابق خلفاء کے قول و فعل کے خلاف کوئی طریقہ رائج کر سکیں۔ چنانچہ منبر اور تراویح کے قضیہ سے یہ بات صاف ہوگئی۔

چونکہ حضرت سے پہلے دوسرے خلفاء نے منبر کو اُس مقام سے ہٹا دیا تھا جہاں پر رسولِ خداؐ نے رکھا تھا لہٰذا جس وقت آپ کو خلافتِ ظاہری حاصل ہوئی تو چاہا کہ منبر رسولؐ کو پھر اُس کی اصلی جگہ لے جائیں لیکن لوگوں نے ہنگامہ برپا کر دیا اور اس کے لئے تیار نہیں ہوئے کہ سیرت شیخین کے خلاف عمل کیا جائے چاہے وہ عمل پیغمبرؐ کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔

اسی طرح لوگوں کو نماز تراویح باجماعت سے منع فرمایا تو پھر شور و غوغا بلند ہوا کہ علی خلیفہ عمر کے خلاف چلنا چاہتے ہیں۔

نواب ۔ قبلہ صاحب! نماز تراویح کیا تھی کہ علی کرم اللہ وجہہ نے اس کی جماعت سے منع کیا؟۔

خیر طلب ۔ تراویح لغت میں ترویحہ کی جمع ہے جو دراصل نشست کے معنی میں ہے۔ بعد کو ماہ رمضان المبارک کی راتوں میں چار رکعت نماز کے بعد استراحت کے لئے بیٹھنے کا نام قرار پایا، پھر شبہائے ماہ مبارک میں چار رکعت مستحبی نماز کا (یا تمام شبوں میں بیس رکعت مستحبی نماز کا) نام ہوگیا۔

یہی مسئلہ ہے کہ اسلامی دینیات میں صرف فریضہ اور واجب نمازیں تو جماعت سے پڑھی جا سکتی ہیں لیکن مستحبی نمازیں ممنوع ہیں کیونکہ خود پیغمبرؐ کا ارشاد ہے :۔

ان الصّلوۃ باللّیل فی شہر رمضان من النافلۃ فی جماعۃ بدعۃ وصلاۃ الضحٰی معصیۃ الا فلا تجتمعوا شہر رمضان فی النافلۃ ولا تصلّوا صلاۃ الضحٰی فان قلیلاً من السنّۃ خیر من کثیر من بدعۃ الا وان کل بدعۃ ضلالۃ و کل ضلالۃ سبیلہا الی النار۔

یعنی درحقیقت شبہائے ماہ رمضان کی نماز نافلہ جماعت سے پڑھنا بدعت ہے اور نماز چاشت پڑھنا گناہ ہے۔ لوگو! ماہ رمضان کا نافلہ جماعت سے نہ پڑھو اور نماز چاشت بھی نہ پڑھو۔ بس یقیناً تھوڑا سا عمل جو سنّت کے مطابق ہو اُس بہت سے عمل سے بہتر ہے جو بدعت ہو۔ جان لو کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا راستہ آتش جہنم کی طرف ہے۔

ایک رات عمر اپنے دورِ خلافت کے ۱۴ھ ہجری میں مسجد کے اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ چراغ روشن ہیں اور لوگ

جمع ہیں، پوچھا کیا بات ہے؟ لوگوں نے کہا کہ سب سنّتی نماز جماعت سے پڑھنے کے لئے جمع ہوئے ہیں. عمر نے کہا: بدعة ونعمت البدعة. یہ عمل بدعت ہے لیکن اچھی بدعت ہے۔

بخاری اپنی صحیح میں عبدالرحمٰن ابن عبدالقادری سے نقل کرتے ہیں کہ خلیفہ نے جب دیکھا کہ لوگ الگ الگ نماز پڑھ رہے ہیں تو کہا کہ جماعت سے پڑھیں تو بہتر ہے اور ابی بن کعب کو حکم دیا کہ ان کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھاؤ۔ دوسری رات مسجد میں آنے تو دیکھا کہ لوگ اُن کے حکم کی تعمیل میں جماعت سے پڑھ رہے ہیں، کہا نعمت البدعة هذه ؛ کیا اچھی بدعت ہے یہ بدعت ۔

اُس زمانہ سے عہد خلافت امیرالمومنین علیہ السلام تک یہ عمل جاری رہا۔ حضرت نے اس کو منع فرمایا کہ رسولؐ خدا صلعم کے زمانے میں چونکہ یہ طریقہ نہیں تھا بلکہ اس کی ممانعت تھی لہٰذا اسے ترک کر دینا چاہیئے۔ یہاں تک کہ آپ کوفے میں تشریف لائے تو اہل کوفہ نے درخواست کی کہ ہمارے لئے ایک پیشنماز معیّن فرما دیجئے تا کہ ہم نافلۂ شبہائے رمضان جماعت سے پڑھیں حضرت نے اس سے منع فرمایا لیکن اس کے باوجود چونکہ ان لوگوں کی عادت ہو چکی تھی لہٰذا باز نہیں آئے اور جونہی آپ تشریف لے گئے سب نے جمع ہو کر آپس میں ایک شخص کو امام مقرر کیا تا کہ جماعت سے نماز پڑھیں۔ فوراً یہ خبر امیرالمومنینؑ کو پہنچی تو آپ نے اپنے بڑے فرزند امام حسنؑ کو بلا کر حکم دیا کہ تازیانہ لے کر جاؤ اور اس مجمع کو نماز نافلہ جماعت کے ساتھ پڑھنے سے روکو! جب لوگوں نے یہ کیفیت دیکھی تو نالہ و فریاد کی آوازیں بلند کیں کہ ہائے علیؑ تو ہم کو نماز نہیں پڑھنے دیتے ۔

باوجودیکہ خود جانتے تھے کہ رسولِ خدا کے عہد میں نماز کا یہ طریقہ نہیں تھا بلکہ عمر کے زمانے میں رائج ہوا ہے پھر بھی حضرت علی علیہ السّلام کے فرمان اور ہدایت پر عمل پیرا نہیں ہوئے جو حکم رسول کے مطابق تھی ۔

پس حضرت فدک کو اولاد فاطمہؑ کے سپرد کیونکر کر سکتے تھے؟ اگر ایسا کرتے اور فرماتے کہ اُس کو ظلم سے غصب کیا گیا تھا لہٰذا مظلوم کے وارثوں کو واپس ملنا چاہیئے، تو فوراً لوگ چیخنے لگتے کہ علی ابن ابی طالبؑ دنیا کی طرف مائل ہیں اور اپنی اولاد کے فائدے کے لئے مسلمانوں کا حق ضبط کر لیا ہے۔ چنانچہ سابق کی طرح آپ نے صبر ہی مناسب سمجھا۔ اور چونکہ اصلی حقدار بھی دنیا سے اُٹھ چکا تھا لہٰذا آپ نے استقرار حق کو ملتوی کر دیا تا کہ جب خلائق کو واگزار کرانے کے لئے امام مہدی آخر الزمان عجل اللہ فرجہ تشریف لائیں تو اُن کا یہ حق واپس لیں ۔

ایسی صورت میں حضرت کی خاموشی بھی فیصلہ پر راضی ہونے کی دلیل نہیں تھی۔ اگر آپ فدک کے معاملے میں سابق خلفاء کے طرز عمل کو حق سمجھتے تو اوّلاً ان کے مقابلے میں استدلال نہ فرماتے ۔

دوسرے اپنے دردِ دل اور ناراضگی کا اظہار نہ کرتے اور خدائے حکیم مطلق کو حکم قرار نہ دیتے ۔

چنانچہ نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت نے اپنے عامل بصرہ عثمان ابن حنیف انصاری کے نام ایک خط اپنا دلی صدمہ ظاہر کرتے ہوئے لکھا :-

کانت فی ایدینا فدکٌ من کلّ ما اظلتہ السماء فشحت علیھا نفوس قوم وسخت عنھا نفوس قوم اٰخرین ونعم الحکم اللہ ۔

یعنی دنیا کی جن چیزوں پر آسمان نے سایہ ڈالا ہے ان میں سے ہمارے قبضے میں صرف فدک تھا لیکن ایک گروہ (خلفائے ماسبق) نے اُس کے لئے بخل دکھایا (اور ہم سے چھین لیا) اور دُوسری جماعت (فاطمہ اور ان کی اولاد) نے بھی اس سے ہاتھ کھینچ لیا اور اللہ سب سے اچھا اور فیصلہ کرنے والا ہے ۔

رہا آپ کا یہ فرمانا کہ فاطمہ مظلومہ سلام اللہ علیہا آخر عمر میں اس پر راضی ہوگئیں اور ان لوگوں سے درگذر کی تو یہاں پھر آپ نے سخت دھوکا کھایا کیونکہ ہرگز ایسی صورت پیدا نہیں ہوئی، جیسا کہ ان روایتوں سے جو پہلے عرض کی جا چکیں تم نے ثابت کیا ہے کہ وہ مظلوم بی بی مرتے دم تک ناراض اور غضب ناک رہیں ۔

ابوبکر اور عمر کی عیادت فاطمہؑ

اب میں خاتمۂ کلام پر مزید ثبوت کے لئے ایک روایت اور پیش کرتا ہوں کہ ابو محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری متوفی ۲۷۶ ہجری نے تاریخ الخلفاء الراشدین معروف بہ الامامۃ والسیاسۃ جلد اول ص۱۴ میں اور آپ کے دیگر علماء جیسے ابن ابی الحدید وغیرہ نے اپنی معتبر کتابوں میں نقل کیا ہے کہ :-

قال عمر لابی بکر انطلق بنا الی فاطمۃ فانا قد اغضبنا ھا ۔

یعنی عمر نے ابوبکر سے کہا کہ آؤ ہم فاطمہؑ کے پاس چلیں کیونکہ ہم نے یقیناً اُن کو غضب ناک کیا ہے ۔

(اور بعض روایتوں میں ہے کہ ابوبکر نے عمر سے کہا کہ ہمارے ساتھ فاطمہؑ کے پاس چلو اور بظاہر یہی ہے)

خلاصہ یہ کہ دونوں ایک ساتھ بی بی فاطمہ مظلومہؑ کے دروازے پر گئے لیکن جناب معصومہؑ نے ملاقات کی اجازت نہیں دی جب انہوں نے علی علیہ السلام کو واسطہ قرار دیا تو آپ نے سکوت اختیار کیا۔ حضرتؑ نے اسی پر اکتفا کرکے ان لوگوں کو اندر آنے کی اجازت دے دی۔ انہوں نے پہنچ کر سلام کیا تو اُن مظلومہ نے دیوار کی طرف منہ پھیر لیا ابوبکر نے کہا اے رسولِ خدا کی پارۂ جگر خدا کی قسم میں رسولؐ اللہ کے رشتے کو اپنے رشتے سے زیادہ محبوب اور تم کو اپنی بیٹی عائشہ سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔ کاش کہ میں رسولؐ اللہ کے بعد ہی مرگیا ہوتا۔ میں تمہاری منزلت اور فضل و شرف کو سب سے زیادہ جانتا ہوں، اگر میں نے تم کو حق وراثت سے محروم کیا ہے تو یہ آں حضرتؐ ہی کی طرف سے تھا کیونکہ میں نے خود سُنا ہے کہ فرمایا لا نورّث ما ترکناہ صدقۃ

حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا نے امیرالمومنین علیہ السلام سے کہا کہ میں رسولِ اکرم کی ایک حدیث ان لوگوں کو یاد دلاتی ہوں تم دونوں کو خدا کی قسم دیتی ہوں کیا تم نے آں حضرتؐ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سُنا ہے کہ :-

رضا فاطمۃ من رضائی وسخط فاطمۃ من سخطی فمن احب فاطمۃ ابنتی فقد احبّنی ومن ارضی فاطمۃ فقد ارضانی ومن اسخط فاطمۃ فقد اسخطنی ۔

یعنی فاطمہؑ کی خوشنودی میری خوشنودی سے ہے اور فاطمہؑ کا غصہ میرے غصے سے ہے ۔ پس جو شخص میری بیٹی فاطمہؑ کو دوست رکھے اُس نے یقیناً مجھ کو دوست رکھا، جو شخص فاطمہؑ کو خوش رکھے اُس نے مجھ کو خوش رکھا اور جو شخص فاطمہؑ کو خشمناک کرے اُس نے مجھ کو خشمناک کیا ۔

قالا نعم سمعناہ من رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ۔

دونوں نے کہا ہاں ہم نے رسولؐ اللہ سے یہ کلمات سُنے ہیں، اُس وقت جناب فاطمہ نے فرمایا ۔

فانّی اشہد اللہ وملئکتہ انکما اسخطتمانی وما ارضیتمانی ولئن لقیت النبیّ لاشکوتکما الیہ ۔

یعنی پس میں اللہ اور اُس کے فرشتوں کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ تم دونوں نے مجھ کو خشمناک کیا ہے اور مجھ کو راضی نہیں رکھا اور اگر میں پیغمبرؐ سے ملاقات کروں گی تو ضرور بالضرور تم دونوں کی شکایت کروں گی ۔

ابوبکر آپ کے ان الفاظ و بیانات سے دل تنگ ہو کر رونے لگے اور کہا میں تمہارے اور آں حضرتؐ کے غیظ و غضب سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں، اُس وقت فاطمہ زہراؑ نے نالہ و فریاد کے ساتھ فرمایا ۔

واللہ لادعوّن اللہ فی کلّ صلٰوۃ اصلّیہا ثم خرج باکیًا ۔

یعنی خدا کی قسم میں اپنی ہر نماز میں تم پر ضرور بالضرور بددعا اور نفرین کروں گی ۔

ابوبکر یہ سن کر روتے ہوئے باہر چلے گئے ۔ لوگ اُن کے گرد جمع ہو گئے اور تسلّی دینے لگے تو انہوں نے کہا وائے ہو تم پر تم سب تو خوش و خرم اپنے اپنے گھروں اپنی بیبیوں کے پاس آرام کرتے ہو اور میں اس حال میں ہوں لاحاجۃ فی بیعتکم اقیلونی ببیعتی مجھے تمہاری بیعت کی کوئی احتیاج نہیں مجھ کو اس سے چھٹکارا دو، خدا کی قسم میں نے جو کچھ فاطمہؑ سے سُنا اور دیکھا ہے اس کے بعد یہ خواہش نہیں رکھتا کہ کسی مسلمان کی گردن پر میری بیعت رہے ۔ انتہیٰ

پس اس قسم کی روایتوں سے جن کو خود آپ کے اکابر علماء نے لکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم و مغموم بی بی فاطمہ زہراؑ سلام اللہ علیہا آخری وقت تک ابوبکر و عمر سے ناراض و غضبناک رہیں، غصّے سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ دُنیا سے گئیں اور ہرگز اُن سے خوش نہیں ہوئیں ۔

فاطمہؑ کو شب میں دفن کیا

اُمّت کے ان وضیع اور ذات شریف لوگوں سے جناب معصومہ کی ناراضگی اور غم و غصّہ کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ نے اپنے شوہر امیرالمومنین حضرت علی علیہ السّلام سے یہ وصیّت کی۔

وما تشهد احد جنازتی من هؤلاء الّذين ظلمونی واخذوا حقّی فانهم عدوّی وعدوّ رسول الله ولا تترك ان يصلّی علیّ احد هم ولا من اتباعهم وادفنی فی اللّيل اذا هدأت العيون ونامت الابصار۔

یعنی ان لوگوں میں سے جنہوں نے مجھ پر ظلم کیا ہے اور میرا حق چھینا ہے ایک شخص بھی میرے جنازے پر نہ آئے کیونکہ یقیناً یہ لوگ میرے اور رسولؐ اللہ کے دشمن ہیں۔ اُن میں سے اور ان کے پیروؤں میں سے کسی کو میرے جنازہ پر نماز نہ پڑھنے دیجئے گا اور مجھ کو شب میں دفن کیجئے گا جب لوگ سو رہے ہوں۔

چنانچہ بخاری اپنی صحیح میں کہتے ہیں کہ علیؑ نے فاطمہؑ کی وصیّت پر عمل کیا اور اُن کو رات کے وقت دفن کیا، لوگوں نے ہر چند جستجو کی کہ فاطمہ کو کہاں دفن کیا ہے لیکن پتہ نہ پا سکے۔

فاطمہؑ کا دردِ دل قیامت تک رُلائے گا

یہ بات بالاتفاق ثابت ہے کہ فاطمہؑ طاہرہ سلام اللہ علیہا اپنی وصیّت کے موافق رات کو دفن کی گئیں۔

محترم حضرات! خدا کے لئے انصاف سے کام لیجئے کہ جس پیغمبرؐ نے اُمّت کی اصلاح و فلاح کے لئے اس قدر صبر آزما زحمتیں برداشت کی ہوں اور اُس اُمّت کے آرام و خوش حالی کے لئے ساری زندگی صرف کر دی ہو وہ وقتِ وفات اپنی یادگار میں صرف ایک بیٹی چھوڑے اور اُس کے لئے شب و روز اور خفیہ و علانیہ اس قدر پُر زور وصیتیں اور ہدایتیں فرمائے جن سے آپ کے اکابر علماء کی معتبر کتابیں پُر ہیں کہ فاطمہؑ میرے جسم کا حصّہ اور میری ودیعت و امانت ہے، میری ہی طرح اس کا بھی لحاظ رکھنا اور کوئی کام ایسا نہ کرنا جس سے یہ تم پر ناراض ہو، کیونکہ اگر یہ ناراض ہوگی تو میں بھی تم سے ناراض ہوں گا۔

چنانچہ میر سید علی ہمدانی فقیہ شافعی مودۃ القربیٰ میں کہتے ہیں کہ پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ جو لوگ فاطمہؑ کو آزار دیں گے میں قیامت کے روز اُن سے سخت مواخذہ کروں گا، اس لئے کہ فاطمہؑ کی رضامندی میری رضامندی ہے اور فاطمہؑ کا غصّہ میرا غصّہ ہے وائے ہو اُس شخص پر جس سے میں ناراض و غضبناک ہوں۔

اس کے بعد بھی یہ اُمت آں حضرتؐ کی سفارشوں اور وصیت و ہدایت کی کوئی پروا نہ کرے بلکہ آپ کا حق ثابت چھین لے اور اس قدر اذیت پہنچائے اور غم و غصہ دلائے کہ عین عالم شباب میں اپنی ناکامی پر فریاد کریں اور کہیں۔

صبّت علی مصائب لو انہا　　صُبّت علی الایام صرن لیالیا

یعنی مجھ پر اتنی مصیبتیں ڈالی گئیں کہ اگر وہ دنوں پر ڈالی جاتیں تو رات ہو جاتے۔

چنانچہ غم و غصہ اور مصائب و اندوہ کے فشار سے مجبور ہو کر وہ مظلوم و ناکام بی بی اور رسولِ خدا کی عزیز و محبوب بیٹی بارگاہِ خداوندی میں برابر موت کے لئے دعا کیا کرتی تھیں کہ اللّٰھمّ عجّل وفاتی سریعًا۔ (یعنی خداوندا مجھ کو جلد از جلد موت دے دے ۱۲ مترجم) آخر کار اس کی وصیت بھی کر جائیں کہ میری میت رات کے وقت سپردِ خاک کیجئے گا اور میرے مخالفین میں سے کسی کو نہ میرے جنازے میں شرکت کرنے دیجئے گا نہ مجھ پر نماز پڑھنے دیجئے گا۔

بزرگانِ محترم! سچے دل سے فیصلہ کیجئے کہ آیا یہ حالت فاطمہؑ مظلومہ سلام اللہ علیہا کی خوشنودیِ مزاج کا نتیجہ تھے یا آپ کے شدید غیظ و غضب کا کھلا ہوا ثبوت؟ پھر ان اخبار کو ایک دوسرے سے ملا کر حقیقت آشکار کا مشاہدہ کیجئے ؎

اندکے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم　　کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ان بیانات کے دوران میں سارے حاضرین جلسہ روتے رہے، خصوصاً جناب حافظ صاحب جنہوں نے اپنا سر نیوڑا لیا تھا، آنسوؤں کے قطرات اُن کے دامن پر گر رہے تھے اور کلمات استرجاع و استغفار اُن کی زبان پر جاری تھے، چنانچہ اس شب کے بعد پھر اُنہوں نے بحث نہیں کی، معلوم ہو رہا تھا کہ بہت متاثر ہیں اور چونکہ ایک منصف مزاج عالم تھے لہٰذا ہمارے منطقی دلائل نے اُن کے عقائد میں انقلاب پیدا کر دیا ہے، جیسا کہ آخری شب میں اشارۃً مذہب شیعہ قبول کرنے کے بعد ہم سے رخصت ہوئے۔

تقریباً پندرہ منٹ تک مجمع پر سکوت و حیرانی اور حزن و اندوہ کی کیفیت طاری رہی، چائے لائی گئی لیکن کسی نے نہیں پی اور تین بجے شب کو اذان صبح کے قریب یہ نشست ختم ہوئی۔

نویں نشست

شب شنبہ ۲ رشعبان المعظّم ۱۳۴۵ ہجری

غروب آفتاب کے وقت شرکاء جلسہ میں سے چند سُنّی حضرات، نواب عبدالقیوم خان، غلام امامین مولوی عبدالاحد، غلام حیدر خاں اور سید احمد علی شاہ آئے اور رسمی صاحب سلامت کے بعد کہا کہ ان تمام راتوں میں بالخصوص گزشتہ شب ہمارے اُوپر حق بالکل ظاہر ہو گیا اور جو کچھ چاہیئے ہم کو معلوم ہو گیا ہے، چونکہ ہم لوگ ضدّی اور متعصّب نہیں ہیں اور جاہ و منصب کی خواہش بھی نہیں رکھتے، صرف عادت اور ماحول کے اثرات سے بغیر سمجھے بُوجھے اتنی زندگی گمراہی میں بسر کر دی لہٰذا اب جب کہ حق آشکار ہو چکا ہے۔ انصاف کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ پھر بھی ہم لکیر کے فقیر بنے رہیں، چنانچہ ہم نے طے کر لیا ہے کہ آج کی رات تمام حاضرین جلسہ کے سامنے بالاعلان حضرات اہلِ سُنّت کے طریقے سے بیزاری کا اظہار کر دیں (جیسا کہ آخری شب میں کیا بھی اور باقاعدہ تشیع کا اعلان کر دیا)

میں نے تھوڑی اخلاقی گفتگو کے بعد ان حضرات سے خواہش کی کہ جب تک مناظرے کے جلسے ہو رہے ہیں خاموشی سے سُنتے رہیں اور ابھی اپنے عقیدے کا اظہار نہ کریں بلکہ انتظار کریں کہ ان کا آخری نتیجہ کیا نکلتا ہے۔

اُنہوں نے کہا کہ تنہا ہمیں لوگوں پر نہیں بلکہ رسائل و اخبارات کو پڑھنے اور طرفین کے مباحثات اور دلائل کا مطالعہ کرنے کے بعد بہت سے پاک نفس لوگوں پر مطلب واضح اور حقیقت ظاہر ہو گئی ہے اور اُنہوں نے اپنی شیعیت کا اظہار کیا ہے لیکن دُوسرے اشخاص کے دباؤ اور خجالت کی وجہ سے وہ آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے۔ اور اُن میں سے بعض افراد تو اپنے ضروریاتِ زندگی اور شہر والوں کے ساتھ معاشرتی پابندیوں کے سبب سے مجبُور ہیں کہ اپنے خیالات کو پوشیدہ رکھیں۔

نمازِ مغرب کے بعد ہی علماء اور دیگر حضرات بھی تشریف لے آئے جن کا باقاعدہ استقبال کیا گیا اور جب مجلس مناظرہ منعقد ہوئی تو شیخ عبدالسّلام صاحب ہمارے فریقِ مقابل قرار پائے۔ حافظ صاحب چونکہ کل شب کے بیانات سے بہت متاثر تھے لہٰذا وہ صرف طرفین کی گفتگو سُنتے رہے۔

شیخ ۔ مولانا صاحب ان جلسوں میں جب سے ہم آپ کی ملاقات سے فیض یاب ہو رہے ہیں علاوہ علم و منطق کے

آپ کے حسنِ اخلاق اور بلند تہذیب و ادب نے ہم سب کو مسخر کر لیا ہے آپ کے سامنے اگر کوئی دشمن بھی آ جائے سر تسلیم خم کر دے، دوستوں کا کیا ذکر۔

آپ ہر مقام پر اہل سنّت والجماعت کے اعمال و افعال کا تو شکوہ کرتے ہیں لیکن شیعوں کے طور طریقوں پر کوئی توجّہ نہیں کرتے بلکہ برابر اُن کی طرف سے دفاع کرتے رہتے ہیں، درانحالیکہ اہل تشیّع کے اعمال قبیحہ اور افعال شنیعہ اس قدر گندے ہیں کہ ان کی اصلاح ممکن نہیں۔

خیر طلب ۔ میں صرف حق کی طرف سے دفاع کرنے کا عادی ہوں وہ چاہے جہاں ہو، اس لئے کہ ہمارے مولا و آقا امیر المومنین علیہ السّلام نے اپنے فرزندوں بالخصوص حسنین علیہما السّلام کو جو وصیتیں فرمائی ہیں اُن میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

قولا للحق واعملا للاٰخرۃ کونا للظالم خصمًا و للمظلوم عونًا ۔

یعنی حق بات کہو اور آخرت کے لئے عمل کرو، ظالم کے دشمن رہو اور مظلوم کی مدد کرو۔

اگر میں نے مخالفین کی شکایت یا شیعوں کی طرف سے کوئی دفاع کیا ہے تو حق کی رو سے کیا ہے، میں نے جو کچھ شکوہ کیا ہے اُس کو عقلی اور منطقی دلیلوں سے ثابت کر دیا ہے، اب اس کا ثبوت آپ کے ذمّے ہے کہ شیعوں کے وہ کونسے بُرے اعمال ہیں جن کی آپ اس قدر سخت مذمّت اور تنقید کر رہے ہیں کہ اُن کی اصلاح ہی نہیں ہو سکتی؟

شیعوں پر اعتراض کہ عائشہ کو زنا کاری کی نسبت دیتے ہیں اور اس کا جواب

شیخ ۔ بدترین حرکت جو شیعوں سے سرزد ہوتی ہے اور عقلی و نقلی حیثیت سے مذموم ہے وہ یہ ہے کہ اُمّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو بعض بُرے کاموں اور زنا کاری سے نسبت دیتے ہیں حالانکہ یہ مسلّم ہے کہ آپ نے رسول اللہ کی ہمبستری کا شرف پایا ہے، اور آنحضرتؐ کی محبوب بیوی تھیں۔ وہ اس کا بھی کوئی لحاظ نہیں کرتے کہ عائشہ پر بدکاری اور زنا کاری کی تہمت کا اثر کہاں تک پہنچتا ہے۔ کیا انہوں نے سورۂ نور نہیں پڑھا جس میں خدا فرماتا ہے:۔

الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات والطیّبات للطیّبین والطیّبون للطیّبات واولٰئک مبرّؤن ممّا یقولون ۔

یعنی بدکار و ناپاک عورتیں اسی قسم کے مردوں کے لئے اور بدکار و ناپاک مرد اسی طرح کی عورتوں کے لئے مناسب ہیں اور نیک و پاکیزہ عورتیں اسی طریقے کے مردوں کے لئے اور نیک و پاکباز مرد اسی صفت کی عورتوں کے لائق ہیں اور یہ پاک و پاکیزہ افراد اُن اتہامات سے مبرّا ہیں جو اُن پر لوگ عائد کرتے ہیں۔

خیر طلب ۔ اوّلاً آپ نے اُمّ المومنین عائشہ کے بارے میں آوارگی اور زنا کاری کی تہمت کا جو الزام شیعوں پر لگایا ہے وہ سراسر

جھوٹ اور زبردست دھوکا ہے۔ حاشا ثم حاشا شیعوں کی جانب سے بلکہ شیعہ عوام کی طرف سے بھی ہرگز ایسی کوئی بات نہیں کہی گئی۔ آپ کا یہ فرمانا ایک کھلا ہوا بہتان ہے جو جذبات برانگیختہ کرنے کے لئے صدیوں پہلے چند نواصب اور خوارج کی زبانوں سے نکلا تھا وہ جو کچھ خود کہنا چاہتے تھے اُس کو شیعوں کے سر تھوپ کے اُن کی زبانی بیان کرنا شروع کیا اور بیچارے شیعوں کو بدنام کیا، پھر کچھ دوسرے لوگ بھی یکے بعد دیگرے بغیر جانچ پڑتال کے ان الزامات کو تسلیم کر کے اعتراض پر تل گئے جیسا کہ جناب عالی ایراد اور عیب جوئی کر رہے ہیں۔ آپ اگر علمائے شیعہ کی تمام کتابوں کا ایک ایک ورق اُلٹ ڈالیں گے تب بھی ہرگز کہیں نظر نہیں آئے گا کہ کسی نے اُمّ المومنین عائشہ پر بدکاری اور زنا کی تہمت لگائی ہو۔ یہ دعویٰ نرا جھوٹا الزام ہے۔

قضیۂ افک اور تہمتِ زنا سے عائشہ کی برّیت

آپ شیعوں کی تفسیروں اور کتب اخبار کا مطالعہ کیجئے تو پتہ چلے کہ قضیۂ افک میں انھوں نے اُمّ المومنین عائشہ کی طرف سے کیونکر دفاع کیا ہے درآنحالیکہ اگر شیعوں کے ایسے عقائد ہوتے تو اُمّ المومنین عائشہ کی ذات پر حملہ کرنے کے لئے آوارگی و زناکاری کی تہمت لگانے کا سب سے اچھا موقع افک ہی کا معاملہ تھا۔

درحقیقت اس قسم کے اتہامات تو خود رسولؐ اللہ کے زمانے میں منافقین صحابہ کی ایک جماعت نے عائد کئے تھے، جیسے مسطح ابن اثاثہ، حسان بن ثابت اور عبداللہ بن اُبی وغیرہ، چنانچہ عائشہ کی برأت ذمّہ اور منافقین کی غلط بیانی پر قرآن مجید میں سات آیتیں بھی نازل ہوئیں۔

آپ کی یاد داشت کے لئے عرض کرتا ہوں کہ ہم شیعوں کا عقیدہ اس بات پر ہے کہ جو شخص رسول اللہ کی بیوی کو چاہے وہ عائشہ اور حفصہ ہی ہوں آوارگی و زناکاری کی نسبت دے وہ ملحد و کافر اور ملعون ہے اور اس کا خون و مال حلال ہے، اس لئے کہ ایسی نسبت خود آں حضرتؐ کے مقدس مرتبے کی شان میں بہت بڑی اہانت ہے۔

اس کے علاوہ شیعوں کو یہ بھی علم ہے کہ کسی مسلمان پر بھی زناکاری اور حرام کاری کی تہمت لگانا حرام ہے نہ کہ حرم رسولؐ پر، چاہے وہ عائشہ اور حفصہ ہی کیوں نہ ہوں۔

شوہر و زوجہ نیکی اور بدی میں ایک دُوسرے کے مثل نہیں

دوسرے جو آیۂ شریفہ آپ نے تلاوت کی اُس کے معنی وہ نہیں ہیں جو آپ سمجھے ہوئے ہیں کہ شوہر و زوجہ کو نیکی اور بدی میں ہر پہلو سے ایک دُوسرے کا شریک و مماثل ہونا چاہیئے یعنی اگر اُن میں سے ایک نیک بخت، مومن اور جنّت کا مستحق

ہو تو دوسرا بھی ایسا ہی ہو۔ یا اگر ایک بدبخت وفاسق یا کافر و مستحق جہنم ہو تو دوسرا بھی اُسی کے مثل ہو۔

اگر مطلب یہی ہو جیسا آپ کا خیال ہے تو اس کی زد میں بہت سے لوگ آجائیں گے جن میں شیخ الانبیاء حضرت نوحؑ اور حضرت لوط علیٰ نبینا وآلہ وعلیہما السلام، اُن کی بیویاں اور آسیہ و فرعون بھی ہیں۔ کیونکہ آیت نمبر ۱۰، ۱۱ سورہ نمبر ۲۶ (تحریم) میں ارشاد ہے۔

ضرب اللہ مثلاً للذین کفروا امرأۃ نوح وامرأۃ لوط کانتا تحت عبادنا صالحین فخانتا هما فلم یغنیا عنهما من اللہ شیئاً وقیل ادخلا النار مع الداخلین وضرب اللہ مثلاً للذین اٰمنوا امرأۃ فرعون اذ قالت رب ابن لی عندک بیتاً فی الجنة ونجنی من فرعون وعمله ونجنی من القوم الظالمین۔

یعنی خدائے تعالیٰ نے کافروں کے لئے زوجۂ نوح اور زوجۂ لوط کی مثال دی ہے جو ہمارے دو صالح بندوں کے تحت میں تھیں پس ان عورتوں نے دونوں کے ساتھ خیانت کی اور یہ دونوں (نوح و لوط) ان کو قہر خدا سے نہیں بچا سکے ان دونوں عورتوں کے لئے حکم دے دیا گیا کہ دوسرے دوزخیوں کے ساتھ آگ میں جھونک دی جائیں نیز خدا نے مومنین کے لئے (آسیہ) زن فرعون کی مثال دی ہے جب کہ اُنہوں نے دُعا کی کہ بارالٰہا میرے لئے جنت میں ایک گھر بنا اور مجھ کو فرعون اور اُس کے عمل سے نجات دے اور قوم جفا کار سے بچالے۔

نوحؑ ولوطؑ کی بیویاں جہنّم میں اور فرعون کی زوجہ جنّت میں جائیگی

یہ دونوں آیتیں صاف صاف بتا رہی ہیں کہ زوجیت طرفین کے لئے ایک ہی قسم کا نتیجہ اور ثمر نہیں دیا کرتی، چنانچہ شیخ الانبیاء حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں نے اپنے شوہروں کے ساتھ جو خیانت کی اُس کی وجہ سے ان دو بزرگ پیغمبروں کی زوجیت نے اُن کو کوئی نفع نہیں بخشا۔ دونوں کافر ہیں اور جہنّم میں جائیں گی جیسا کہ آیت کا آخری حصّہ وقیلا ادخلا النار مع الداخلین صراحت کر رہا ہے یعنی حکم دے دیا گیا کہ ان دونوں عورتوں کو دوزخیوں کے ساتھ آگ میں ڈال دو۔

اور اسی کے برعکس آسیہ زن فرعون کو اپنے کافر شوہر سے کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ فرعون جہنّم میں اور یہ بہشت میں جائیں گی۔

پس زوجیت کا رشتہ جس کو آپ سبب شرافت سمجھتے ہیں کوئی حقیقت نہیں رکھتا، البتہ یہ تعلق اس وقت اثر انداز ہوگا جب کہ ظاہر و باطن اور اخلاق و سیرت میں ایک دُوسرے سے مشابہ ہوں۔ ورنہ کافر و مسلم اور منافق و مومن کو آپس میں ازدواجی سلسلہ کی وجہ سے کوئی نفع یا ضرر نہیں پہنچتا۔ چنانچہ اگر کوئی شخص مومن ہے اور اس کی زوجہ بے دین ہو کر اُس کو بُرا کہے

اور اس کے اخلاق کی مذمت کرے تو اس سے شوہر کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ اور اگر لوگ اس عورت کے فاسد اخلاق کی بدگوئی کریں تو اس سے بھی مومن شوہر کی کوئی اہانت نہ ہوگی۔

شیخ ۔ سخت تعجب ہے کہ تھوڑی ہی دیر میں آپ کے بیان کے اندر کھلا ہوا تضاد نظر آیا۔

خیر طلب ۔ صرف ایک نشست ہی نہیں بلکہ اوّل عمر سے آخری دم تک ممکن نہیں ہے کہ میں متضاد گفتگو کروں کیونکہ دینی و مذہبی امور علمی اور عقلی ہیں، ان کا ایک مرتب نقشہ ہے جو ہمارے ہاتھوں میں دیا گیا ہے۔ ہم عقائد میں ذاتی نظریات کو دخل نہیں دیتے، نہ فلاسفہ اور حکماء کے ایسے عقیدے رکھتے ہیں جو برابر بدلتے رہیں ہر ایک ذاتی مفروضات پر کاربند ہو اور اپنے ہی نظریات پر عملدرآمد کرے۔ افلاطون کے نظریے اُس کے استاد سقراط سے مطابقت نہیں کرتے اور فیض و فیاض کے خیالات اُن کے اُستاد صدرالمتالہین سے میل نہیں کھاتے۔

لیکن مکتب انبیاء کے تربیت یافتہ لوگوں میں بالخصوص حضرت خاتم الانبیاءؐ کے بلند تعلیمات میں جو آں حضرتؐ کے باب علم حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے وسیلے سے ہم تک پہنچے ہیں کوئی تناقض نہیں ہے۔ لہٰذا ہم بھی متناقض اور متضاد باتیں نہیں کہتے۔

در پسِ پردہ کہ طوطی صفتم داشتہ اند آنچہ اُستاد ازل گفت ہماں میگویم

اگر جناب عالی رسائل و اخبارات کی طرف رجوع کریں اور گذشتہ راتوں کے میرے تمام بیانات اور گفتگو پر غور کریں تو نظر آئے گا کہ میں اپنے بزرگانِ دین حضرت رسولِ خدا اور آئمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے ہدایات و ارشادات سے جو قرآن مجید کی بنیادوں پر قائم ہیں کہیں پر الگ نہیں ہوا اور نہ الگ ہوں گا۔ یہ میرے ذاتی نظریات نہیں تھے جو کبھی فراموش ہو جائیں یا نقطۂ خیال بدل جائے۔ جو کچھ میں نے اب تک عرض کیا یا آئندہ کروں گا وہ قرآن مجید اور اقوال بزرگان دین سے استفادہ ہوگا، لہٰذا میرے کلمات اور گفتگو میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ اب ذرا آپ بیان فرمائیے تاکہ میں بھی دیکھوں کہ وہ کون سے جملے تھے جن میں آپ کو تناقض نظر آیا؟

شیخ ۔ ایک جگہ تو آپ فرماتے ہیں کہ کسی آدمی کو بھی زنا اور حرام کاری کی نسبت دینا حرام ہے اور دوسرے مقام پر یہ فرمایا کہ نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی۔ کیا یہ دونوں جملے متناقض نہیں ہیں؟ اور آیا آپ کی گفتگو بیجا نہیں ہے کہ انبیاء کی بیویوں پر آوارگی و زناکاری اور خیانت کی تہمت رکھ رہے ہیں؟

خیر طلب ۔ مجھ کو یقین ہے کہ آپ جان بوجھ کر انجان بن رہے ہیں اور بلاوجہ جلسے کا وقت لے رہے ہیں۔ آپ خود جانتے ہیں کہ اس مقام پر آپ نے مغالطہ دیا ہے لیکن مجھ کو آپ جیسے دانشمند عالم سے اس غلط بحث کی اُمید نہیں تھی کیونکہ آیۂ شریفہ میں خیانت کے معنی آپ کو خود معلوم ہیں۔ ازواجِ انبیاء کے لئے آپ کی یہ طرفداری قطعاً اسی غرض سے ہے کہ ایسا نہ ہو یہ بات آگے بڑھے اور آپ کے مقصد کے خلاف حقیقتوں کا انکشاف ہونے لگے۔

نوحؑ و لوطؑ کی بیویوں کی خیانت کا مطلب

آپ سے تعجب ہے کہ خیانت کو زناکاری سے تعبیر کر رہے ہیں حالانکہ دونوں چیزوں کے درمیان بہت فرق ہے۔ انبیاء کی عورتیں آوارگی سے بالکل معرّا و مُبرّا تھیں، یہاں تو صرف خیانت کا تذکرہ ہے۔

اوّل۔ یہ کہ کسی پیغمبر کی زوجہ ہو اگر وہ اُس پیغمبر کی رفتار و گفتار اور ہدایت کے خلاف عمل کرے تو یقیناً خائن ہے۔

دُوسرے۔ یہ میرا قول نہیں ہے کہ انھوں نے خیانت کی جس پر آپ غلط فہمی پھیلانے اور اعتراض قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بلکہ آیۂ شریفہ میں صاف صاف ارشاد ہے فخانتاھما (یعنی دونوں عورتوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی ۱۲ مترجم) اور اُن کی خیانت زناکاری نہیں تھی جیسا میں عرض کر چکا کہ ازواج انبیاء بالعموم اس قسم کی خیانت سے مُبرّا تھیں، پس اُن کی خیانت کا مطلب نافرمانی اور کفر و نفاق تھا۔

حضرت نوحؑ کی زوجہ اپنے شوہر کی مخالف تھی اور لوگوں سے آپ کی بدگوئی کرتی تھی، کہتی تھی کہ میرا شوہر دیوانہ ہے چونکہ میرا اور اس کا رات دن کا ساتھ ہے لہذا میں اس کے حالات سے بخوبی واقف ہوں، اس کے فریب میں نہ آنا۔ اور حضرت لوطؑ کی زوجہ آپ کی قوم کو تازوارد مہمانوں کی خبر پہنچاتی تھی اور آپ کے دشمنوں اور ظالموں کو شوہر کے گھر کے راز بتا کر فتنہ و فساد برپا کرتی تھی۔

آیۂ مُبارکہ کے معنی

اور سورۂ نور کی جس آیت سے آپ نے اپنے مطلب پر استدلال کیا ہے، بر بنائے تحقیق مفسرین اور بقول معصوم اُس کے معنی اس طرح سے ہیں کہ ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لائق ہیں اور ناپاک مرد اُن کی طرف مائل ہیں، اور پاک عورتیں پاک مردوں کے قابل ہیں اور پاک مرد اُن کی طرف مائل ہیں، اور اسی سورے میں اس سے قبل کی ایک آیت کے بھی یہی معنی ہیں۔ جس میں ارشاد ہے:۔

الزّانی لاینکح الّا زانیۃ او مشرکۃ والزّانیۃ لاینکحھا الّا زان او مشرک۔

یعنی زناکار مرد صرف زناکار اور مشرک عورت سے نکاح کرتا ہے اور زناکار عورت سے صرف زناکار اور مشرک مرد ہی نکاح کرنا چاہتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ آیۂ شریفہ الخبیثات للخبیثین ہرگز آپ کے مدعا کو ثابت نہیں کرتی اور اُس کے معنی آپ کے نظریے اور مقصد سے کوئی ربط نہیں رکھتے۔

حالاتِ عائشہ کی طرف اشارہ

اُمّ المومنین عائشہ پر تنقید کی جاتی ہے تو کسی جانبداری یا تعصب کی وجہ سے نہیں بلکہ اُن کے غلط طرزِ عمل کی وجہ سے ہے کہ وہ ساری زندگی سکون سے نہیں بیٹھیں اور برابر اُن سے ایسے افعال سرزد ہوتے رہے جو رسولؐ اللہ کی کسی بیوی سے حتٰی کہ حفصہ دختر عمر سے بھی سرزد نہیں ہوئے۔ جماعت شیعہ کی تنقید اور تبصرہ انہیں تنقیدوں کے حدود کے اندر ہے جن کو خود آپ کے علما نے نقل کیا ہے کہ اس مضطرب الحال عورت نے اپنی تاریخ زندگی کو داغدار بنایا ہے۔

شیخ ۔ آپ خود انصاف کیجئے کہ آپ کے سابق بیانات کے پیش نظر کیا آپ جیسے شریف اور متین انسان کے لئے ایسے جملے زبان سے نکالنا مناسب ہے کہ اُمّ المومنین نے اپنی تاریخ کو داغدار بنا دیا ۔ ؟

خیر طلب ۔ رسولؐ اللہ کی بیویاں سوا اُمّ المومنین جناب خدیجہ کے سب کی سب ہمارے لئے یکساں ہیں۔ اُمّ سلمہ، سودہ، عائشہ، حفصہ اور میمونہ وغیرہ سبھی اُمّہات المومنین ہیں لیکن عائشہ کی رفتار و گفتار اور اعمال و افعال نے ان کو دوسری عورتوں سے الگ اور ان کی تاریخ کو داغدار کر دیا۔ یہ میرا ہی قول نہیں ہے بلکہ خود آپ کے اکابر علماء نے ان کی زندگی کو داغدار لکھا ہے کسی شخص کے نیک و بد افعال چھپے نہیں رہتے، ایک دن حقیقت کھل جاتی ہے ۔

اصلیت یہ ہے کہ آپ حضرات اپنی والہانہ محبت کی بنا پر چشم پوشی سے کام لیتے ہوئے بجائے اس کے کہ روایات کی مطابقت کریں ہر بات کو صحت پر محمول کر کے دفاع کرنے لگتے ہیں ۔

ہم بھی وہی کہتے ہیں جو آپ کے علما کہتے ہیں البتہ حیرت تو اس پر ہے کہ اگر سنّی علماء و مورخین لکھیں اور کہیں تو کوئی قباحت نہیں اور نہ آپ اُن کی کوئی گرفت کرتے ہیں، لیکن اگر بیچارہ کوئی شیعہ وہی بات لکھ دے یا کہہ دے تو آپ اُس پر ہزاروں عیب اور تہمتیں لگا کر اعتراضات کی بھرمار کر دیتے ہیں۔ اگر آپ کے پاس کوئی ایراد و اعتراض ہے تو سب سے پہلے اپنے علماء پر وارد کیجئے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا کیوں ؟

شیخ ۔ یقیناً بات یہ ہے کہ انہوں نے چونکہ علی کرم اللہ وجہہ کی مخالفت کی ہے اس وجہ سے آپ خردہ بینی کرتے ہیں۔

خیر طلب ۔ اوّلاً ہمارے یہاں خردہ بینی نہیں بلکہ کلّی بینی ہے۔ امیرالمومنین، امام حسن اور اہل بیت طہارت علیہم السلام کی مخالفت تو اپنی جگہ پر ایک مستقل چیز ہے ہی، لیکن ام المومنین عائشہ کی بدنما تاریخ زندگی کی داغ بیل تو خود رسولؐ اللہ کے زمانے میں پڑ چکی تھی جب کہ وہ فطرت اور ذاتی خصلتوں کی بنا پر خود پیغمبرؐ کو اذیت و آزار پہنچاتی رہتی تھیں دوسروں کا کیا تذکرہ اور ہمیشہ آں حضرتؐ کی نافرمانی پر کمربستہ رہتی تھیں ۔

شیخ ۔ تعجب ہے کہ اُمّ المومنین اور رسولِ خدا کی محبوبہ کو آپ اس قدر پست سمجھتے ہیں کہ یہاں تک کہنے پر تیار ہو گئے کہ وہ آنحضرتؐ

کو اذیت پہنچاتی تھیں۔ آپ کا یہ دعویٰ کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ درآنحالیکہ امّ المومنین نے قطعاً قرآن کریم کو پڑھا تھا اور آیۂ شریفہ:۔

ان الّذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدّنیا والاٰخرۃ واعدّ لھم عذابا مھینًا

یعنی جو لوگ خدا اور رسولؐ کو (نافرمانی اور مخالفت وغیرہ سے) آزار و اذیت پہنچاتے ہیں یقیناً خدا نے اُن پر دُنیا و آخرت میں لعنت کی ہے اور اُن کے لئے ذلّت و خواری کے ساتھ عذاب مہیّا کر رکھا ہے۔

اُن کی نظر سے گذر چکی تھی لہٰذا کیسے ممکن تھا کہ آں حضرتؐ کو اذیّت و آزار دے کر دنیا و آخرت میں خدا کی ملعون بنیں اور آخرت میں اپنے لئے ذلّت و خواری کے ساتھ عذابِ سخت مہیّا کریں؟ پس قطعاً یہ مضمون خالص جھوٹ اور شیعوں کی لگائی ہوئی تہمتوں میں سے ہے۔

خیر طلب ۔ میری درخواست ہے کہ اس قدر گندی باتیں نہ کہئے کیونکہ میں کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ شیعہ تہمت طراز اور افترا پرداز نہیں ہیں، اس لئے کہ ان کے ہاتھوں میں ایسی واضح دلیلیں ہیں جن کے بعد اُن کو کسی جعلسازی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

رہا آیۂ شریفہ کا معاملہ تو میں بھی تصدیق کرتا ہوں کہ تنہا امّ المومنین عائشہ ہی نے اس آیت کو نہیں دیکھا تھا بلکہ اُن کے باپ ابوبکر اور کبار صحابہ سبھی نے دیکھا تھا۔ اس کے بعد اُن اخبار و احادیث کی مطابقت سے جو میں گذشتہ شبوں میں پیش کر چکا ہوں بہت سی حقیقتوں کا انکشاف بھی ہوتا ہے بشرطیکہ انصاف سے کام لیا جائے۔

پیغمبرؐ کو عائشہ کی ایذا رسانی

اور رسولؐ اللہ کو عائشہ کی ایذا رسانی کا مضمون صرف علمائے شیعہ ہی کی کتابوں میں نہیں ہے بلکہ آپ کے اکابر علماء اور بڑے بڑے مورخین نے بھی لکھا ہے کہ انہوں نے بار بار آں حضرتؐ کو تکلیف پہنچائی اور رنجیدہ خاطر کیا۔

چنانچہ امام غزالی نے احیاء العلوم جزء دوم باب۳ کتاب آداب النکاح ص۱۳۵ میں عائشہ کی مذمّت میں کئی روایتیں نقل کی ہیں، من جملہ اُن کے رسولؐ خدا سے اُن کا مقابلہ اور ابوبکر کا فیصلہ ہے جس کو مولوی علی متقی نے کنز العمال جلد ہفتم ص۱۱۶ میں ابو یعلیٰ نے مسند میں اور ابو الشیخ نے کتاب امثال میں بھی روایت کیا ہے کہ :۔

ابوبکر اپنی بیٹی عائشہ سے ملنے گئے تو وہاں پیغمبرؐ اور عائشہ کے درمیان رنجش ہو گئی تھی جس کا فیصلہ ابوبکر کے اوپر رکھا گیا عائشہ اپنی گفتگو میں توہین آمیز الفاظ کہہ رہی تھیں، چنانچہ اسی سلسلہ میں آں حضرتؐ سے کہا کہ اپنی بات چیت اور طرز عمل میں انصاف کا طریقہ اختیار کرو! اس گستاخانہ کلام سے ابوبکر کو اتنا غصّہ آیا کہ اپنی بیٹی کے منہ پر ایک زوردار تھپیڑ رسید کر دیا جس سے خون اُن کے کپڑوں پر بہہ نکلا۔

نیز امام غزالی نے اسی باب نکاح میں اور دوسروں نے بھی نقل کیا ہے کہ :۔

ابوبکر اپنی بیٹی کے گھر پہنچے تو اُن کو معلوم ہوا کہ رسولؐ اللہ عائشہ سے ناراض ہیں، انہوں نے کہا کہ تمہارے درمیان جو قضیہ ہوا اس کو بیان کرو تاکہ میں فیصلہ کردوں پیغمبرؐ نے عائشہ سے فرمایا تکلمین او اتکلم تم کہو گی یا میں بیان کروں؟ انہوں نے جواب دیا بل تکلم ولا تقل الا حقا تم ہی بتاؤ لیکن بات سچ ہی کہنا (جھوٹ نہ بولنا)

اور اپنے دُوسرے جملہ میں آں حضرتؐ سے کہا :-

انت الذی تزعم انک نبی اللہ -

تم تو وہ ہو کہ اپنے کو واقعی خدا کا نبی سمجھ بیٹھے ہو۔

آیا ان جملوں سے مقام نبوّت پر حملہ نہیں ہوا؟ معلوم تو یہ ہوتا ہے کہ شاید عائشہ رسولؐ خدا کو برحق پیغمبر ہی نہیں سمجھتی تھیں اور جب تو آں حضرتؐ کی شان میں ایسے فقرے استعمال کرتی تھیں۔

اس قسم کی اہانتیں آپ کی کتابوں میں کثرت سے منقول ہیں جو سب کی سب آں حضرتؐ کے آزار و اذیّت اور دلی رنجش کا باعث تھیں۔

آخر فریقین کے علماء و مؤرخین بلکہ غیروں نے بھی تاریخ اسلام میں دوسرے ازواج رسولؐ کے لئے کوئی بات کیوں نہیں لکھی؟ اور کوئی تنقید کیوں نہیں کی؟ حتیٰ کہ حفصہ دختر عمر کے لئے بھی اس قسم کے ایرادات نہیں کئے، فقط عائشہ ہی کے طور طریقے ان کی بدنامی کا سبب بنے اور ہم بھی عائشہ کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو خود آپ کے اکابر علماء نے کہا ہے آیا آپ نے امام غزالی کی کتابیں، تاریخ طبری، مسعودی اور ابن اعثم کوفی وغیرہ کا مطالعہ نہیں کیا ہے کہ آپ کے بڑے بڑے علماء نے ان کو احکام خدا اور رسولؐ کے مقابلہ میں سرکش اور نافرمان قرار دیا ہے؟ آیا اللہ اور اُس کے رسولؐ کے حکم سے انحراف نیک بختی اور سعادت کی دلیل ہے؟ اس کے بعد بھی آپ اس کی شکایت کرتے ہیں کہ میں نے امّ المومنین کی تاریخ زندگی کو داغدار کیوں کہا؟ خدا و رسولؐ کے احکام سے سرکشی، خلیفۂ رسولؐ کے مقابلے میں بغاوت اور آں حضرتؐ کے ستم النبوت وصی سے جنگ کرنے سے بڑھ کے اور کونسا تاریخی داغ ہو سکتا ہے؟۔

حالانکہ آیت ۳۳ سورہ ۳۳ (احزاب) میں خدا آں حضرتؐ کی تمام بیویوں سے خطاب فرماتا ہے۔

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ ۔

یعنی اپنے اپنے گھروں میں سکون سے بیٹھو اور پہلے زمانۂ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگار نہ دکھاؤ۔

چنانچہ آں حضرتؐ کی دُوسری بیویوں نے اس حکم کی پابندی بھی کی اور بغیر کسی ضروری کام کے گھر سے باہر قدم نہیں رکھتی تھیں یہاں تک کہ اعمش نے بھی اس کی روایت کی ہے۔

سودہ زوجہ رسولؐ کی گفتگو

چنانچہ صحاح کے اندر اور آپ کے محدثین و مؤرخین کی کتابوں میں درج ہے کہ سودہ زوجہ رسولؐ خدا سے لوگوں نے کہا کہ تم حج و عمرہ کیوں نہیں کرتیں اور اس سعادتِ عظمیٰ سے کس لئے محروم ہو؟ سودہ نے جواب دیا کہ مجھ پر ایک مرتبہ حج واجب تھا اس کو بجالائی، اب اس کے بعد میرا حج و عمرہ حکم خداوندی کی اطاعت ہے کیوں کہ اس کا ارشاد ہے وقرن فی بیوتکن۔ (یعنی اپنے گھروں میں سکون سے بیٹھو ۱۲ مترجم) پس میں اس کی تعمیل میں گھر سے باہر نہیں نکلوں گی بلکہ میرا تو ارادہ یہ ہے کہ جس حجرے میں رسولؐ اللہ مجھ کو بٹھا گئے ہیں حتی الامکان اُس سے کبھی قدم باہر نہ رکھوں گی یہاں تک کہ مر جاؤں (چنانچہ انہوں نے کیا بھی یہی کہ گھر سے باہر نہیں نکلیں اُن کا جنازہ ہی باہر نکلا)

ہمارے لئے سودہ یا عائشہ اور اُمّ سلمہ میں کوئی فرق نہیں، سبھی پیغمبرؐ کی بیویاں اور امہات المومنین ہیں۔ البتہ ان کے اعمال کے لحاظ سے فرق ہے۔

اُمت کے نزدیک عائشہ و حفصہ کا جو احترام ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ ابوبکر و عمر کی بیٹیاں تھیں (اگرچہ آپ اسی جہت سے احترام کرتے ہیں) بلکہ اس لئے ہے کہ رسولؐ اللہ کی زوجہ اور شریک حیات تھیں۔ لیکن ازواج رسولؐ کو فخر و شرف اسی وقت حاصل ہوگا جب وہ متقی اور پرہیزگار ہوں جیسا کہ آیت ۳۲ سورہ ۳۳ (احزاب) میں صاف صاف ارشاد ہے:

یا نساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ اے زنان پیغمبرؐ تم کسی دوسری عورت کے مانند نہیں ہو (یعنی شرافت فضیلت کی حیثیت سے سب پر فوقیت رکھتی ہو) لیکن شرط یہ ہے کہ خدا ترسی اور پرہیزگاری اختیار کرو۔

علی علیہ السّلام سے عائشہ کی مخالفت اور جنگ

پس سودہ رسولؐ اللہ کی ایک متقی اور مطیع و فرمانبردار بیوی تھیں، اور عائشہ آں حضرتؐ کی وہ سرکش زوجہ تھیں جو طلحہ و زبیر کے فریب میں آکر (با حضرت علی علیہ السّلام سے اپنے ذاتی بغض و عداوت کی بنا پر) بصرہ پہنچیں جہاں علی علیہ السّلام کی طرف سے والی بصرہ اور بزرگ صحابی عثمان ابن حنیف کو گرفتار کر کے اُن کے سر اور چہرے کے سب بال اکھاڑ ڈالے گئے۔ تازیانوں کی زبردست مار دے کر اُن کو نکال دیا اور بیچارے سو نفر سے زیادہ نہتے لوگوں کو قتل کر دیا گیا۔ چنانچہ ابن اثیر، مسعودی، محمد بن جریر طبری اور ابن ابی الحدید وغیرہ سب نے اس کو تفصیل سے لکھا ہے۔

اس کے بعد عسکر نامی اونٹ پر سوار ہو کر جس کو تیندوے کی کھال اور زرہ پہنائی گئی تھی ایک زمانۂ جاہلیت کے، جنگی سپاہی کے میدان میں آگئیں اور محض ان کی بغاوت کی وجہ سے ہزاروں مسلمانوں کے خون بہہ گئے۔ آیا یہ داغ نہیں تھا کہ بے حیثیت اور خدا ناشناس لوگ اپنی عورتوں کو تو گھروں کے اندر پردے میں بٹھائیں لیکن رسولؐ خدا کی بیوی کو اس فضیحت و رسوائی کے ساتھ مجمع عام میں لا کھڑی کریں۔

آیا یہ اقدام خدا و رسولؐ کے حکم سے سرتابی نہیں تھا؟

فضائل علیؑ شمار سے باہر ہیں

اور وہ بھی علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی ایسی بزرگ شخصیت کے مقابلے میں جس کے فضائل و مناقب میں خود آپ کے اکابر علماء نے اتنی کثرت سے روایتیں نقل کی ہیں کہ اُن کا شمار و احصار دشوار ہے۔

چنانچہ امام احمد ابن حنبل مسند میں، ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں، امام فخر الدین تفسیر کبیر میں، خطیب خوارزمی مناقب میں، شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودت میں، محمد بن یوسف گنجی شافعی کفایت الطالب باب ۶۲ میں اور میر سید علی ہمدانی شافعی مودۃ القربیٰ مودت پنجم میں خلیفۂ ثانی عمر ابن خطاب اور جبرامت عبد اللہ بن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلعم نے علی علیہ السلام سے فرمایا:-

لو انّ البحر مداد والریاض اقلام والانس کتاب والجن حساب ما احصوا فضائلک یا ابا الحسنؑ۔

یعنی اگر سمندر روشنی بن جائے، درخت قلم بن جائیں، سارے انسان لکھنے والے ہوں اور پوری قوم جن حساب کرنے والی ہو تب بھی اے ابوالحسن (علی)، تمہارے فضائل کا شمار نہیں کر سکتے۔

جن بزرگوار کے حق میں جناب رسالت مآبؐ ایسے کلمات ارشاد فرمائیں کہ تمام جن و انس مل کر بھی اُن کے فضائل کا حساب نہیں کر سکتے تو بھلا ہم لوگ اپنی کند زبانوں اور شکستہ قلموں سے آپ کے مراتب و مناقب عالیہ کا حصر کیونکر کر سکتے ہیں؟

پھر بھی جہاں تک طاقت و قدرت تھی اکابر علمائے شیعہ کے علاوہ خود آپ کے علماء نے باوجود اپنے پورے تکلف کے اور بعض نے اپنے انتہائی تعصب کے بعد بھی جیسے قوشجی، ابن حجر اور روزبہان وغیرہ نے حضرت علیؑ کے لاتعدو لا تحصیٰ فضائل میں سے صرف ایک جزو کو درج کر کے اپنی کتابوں کو بھر دیا ہے۔

علیؑ کے فضائل ومناقب میں روایتیں

آپ صحاح ستّہ کو غور سے ملاحظہ فرمایئے، ان کے علاوہ مودت القربیٰ پر سیّد علی ہمدانی، معجم طبرانی، مطالب السئول محمّد بن طلحہ شافعی، مسند و فضائل امام احمد ابن حنبل، جمع بین الصحیحین حمیدی، مناقب اخطب الخطبا خوارزمی، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد دوم صـ۴۴۹ اور فصول المہمہ ابن صباغ مالکی بالخصوص صـ۱۲۴ میں کتاب معالم العترۃ النبویہ حافظ عبدالعزیز بن الاخضر الجنابذی سے بروایت جناب فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا میرے پدر بزرگوار حضرت رسولؐ خدا عرفہ کی شام کو ہمارے پاس تشریف لائے اور ارشاد فرمایا۔

ان اللّٰہ عزّ وجلّ باھی بکم الملائکۃ عامۃ وغفرلکم عامّۃ ولعلیّ خاصّۃ وانی رسولؐ اللّٰہ غیر محاب لقرابتی ان السعید کل السعید من احبّ علیاً فی حیاتہ وبعد موتہ وانّ الشقیّ کلّ الشقیّ من ابغض علیاً فی حیاتہ وبعد مماتہ ۔

یعنی خدائے عزّ وجل فرشتوں کے سامنے بالعموم تم لوگوں پر فخر کرتا ہے اور بالعموم تم لوگوں کو بخش دیا ہے اور خصوصیّت کے ساتھ علیؑ کو، اور میں جو کہ خدا کا رسولؐ ہوں بغیر رشتے اور قرابت والے جذبۂ محبت کے کہتا ہوں کہ درحقیقت پوری سعادت کے ساتھ سعید و نیک بخت وہی ہے جو علیؑ کو ان کی زندگی میں اور وفات کے بعد دوست رکھے اور پوری شقاوت کے ساتھ شقی و بدبخت وہی ہے جو علیؑ سے ان کی زندگی میں اور موت کے بعد بغض رکھے ۔

انہیں کتابوں میں ایک مفصّل حدیث جس کو غالباً میں گذشتہ شبوں میں عرض بھی کر چکا ہوں خلیفہ عمر ابن خطاب سے وہ رسولؐ اللہ سے نقل کرتے ہیں جس کے آخر میں علی علیہ السّلام سے فرمایا ہے ۔

کذب من زعم انّہ یحبّنی وھو مبغضک یا علی من احبک فقد احبّنی ومن احبّنی فقد احبّہ اللّٰہ ومن احبّہ اللّٰہ ادخلہ الجنّۃ ومن ابغضک فقد ابغضنی ومن ابغضنی ابغضہ اللّٰہ وادخلہ النّار ۔

یعنی جھوٹا ہے وہ شخص جو اے علیؑ تم کو دشمن رکھتا ہو اور پھر میری دوستی کا دعویٰ کرے، اے علیؑ جس نے تم کو دوست رکھا اُس نے مجھ کو دوست رکھا اور جس نے مجھ کو دوست رکھا اس کو خدا دوست رکھتا ہے اور جس کو خدا دوست رکھتا ہے اس کو جنّت میں داخل کرتا ہے۔ اور جس نے تم کو دشمن رکھا اُس نے مجھ کو دشمن رکھا اور جس نے مجھ کو دشمن رکھا اس کو خدا دشمن رکھتا ہے اور دوزخ میں ڈال دیتا ہے ۔

علیؑ کی دوستی ایمان اور آپؑ کی دشمنی کُفر و نفاق ہے

نیز کتاب الآل ابن خالویہ سے بروایت ابو سعید خدری نقل کرتے ہیں کہ رسولِ اکرمؐ نے علیؑ سے فرمایا :-
حبّك ایمان و بغضك نفاق واول من یدخل الجنّة محبّك واوّل من یدخل النار مبغضك -
یعنی اے علیؑ تمہاری محبت ایمان اور تمہاری عداوت نفاق ہے، اور سب سے پہلے جو شخص جنت میں داخل ہوگا، وہ تمہارا دوست ہوگا اور سب سے پہلے جو شخص جہنّم واصل ہوگا وہ تمہارا دشمن ہوگا -
میر سیّد علی ہمدانی شافعی مودۃ القربٰی مودت سیوم میں اور حموینی فرائد میں نقل کرتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے اصحاب کے درمیان فرمایا :-
لا یحبّ علیّا الاّ مؤمن ولا یبغضه الا کافر -
یعنی علیؑ کو دوست نہیں رکھتا لیکن مومن اور اُن کو دشمن نہیں رکھتا لیکن کافر -
اور دُوسرے مقام پر فرمایا :-
لا یحبّك الاّ مؤمن ولا یبغضك الاّ منافق -
یعنی اے علیؑ تم کو دوست نہیں رکھتا لیکن مومن اور دشمن نہیں رکھتا لیکن منافق -
محمّد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۶۲ ص۱۱۹ میں تاریخ دمشق، محدّثِ شام اور محدّث عراق سے اور انہوں نے حذیفہ اور جابر سے روایت نقل کی ہے کہ رسولِؐ خدا نے فرمایا :-
علی خیر البشر من ابی فقد کفر - یعنی علیؑ بہترین بشر ہیں، جو شخص اس سے انکار کرے وہ کافر ہے۔
نیز عطا سے روایت کی ہے کہ لوگوں نے عائشہ سے علیؑ کا حال دریافت کیا تو انہوں نے کہا :-
ذاك خیر البشر لا یشك - یعنی یہ بہترین بشر ہیں، اس میں سوا کافر کے کوئی شک نہیں کرتا۔
اور کہتے ہیں کہ حافظ ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں جس کی سو جلدیں ہیں اور ان میں سے تین جلدیں علی علیہ السلام کے فضائل و مناقب میں ہیں پچاسویں جلد میں عائشہ سے اسی روایت کو نقل کیا ہے -
محمّد بن طلحہ شافعی مطالب السئول ص۱۷ میں اور ابن صباغ مالکی فصول المہمہ میں ترمذی اور نسائی سے اور وہ ابو سعید خدری سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ماکنّا نعرف المنافقین علی عهد رسول اللهؐ الا ببغضهم علیّا (یعنی ہم زمانۂ رسولؐ میں منافقین کو صرف علیؑ کی عداوت سے پہچانتے تھے) نیز فصول المہمہ میں نقل کرتے ہیں کہ رسولِؐ اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے امیر المومنین علی علیہ السّلام سے فرمایا حربك حربی ودمك دمی وانا حرب لمن حاربك لا یحبّك الّا طاھر الولادۃ ولا یبغضك الّا خبیث الولادۃ لا یحبّك الّا مومن ولا یبغضك الّا منافق ۔
یعنی اے علیؑ تم سے جنگ کرنا مجھ سے جنگ کرنا ہے، تمہارا خون میرا خون ہے اور جو شخص تم سے جنگ کرے اُس سے میری بھی جنگ ہے۔ تم سے وہی محبت رکھتا ہے جو حلال زادہ ہے اور تم سے وہی بغض رکھتا ہے جو ولد الحرام ہو، تم کو دوست نہیں رکھتا مگر مومن اور تم کو دشمن نہیں رکھتا مگر منافق)

شیخ ۔ اس قسم کی حدیثیں صرف علی کرم اللہ وجہہ سے مخصوص نہیں، بلکہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی وارد ہوئی ہیں ۔

خیر طلب ۔ ممکن ہو تو ان حدیثوں میں سے کوئی نمونہ بیان فرمایئے تاکہ حقیقت کھل جائے ۔

شیخ ۔ عبد الرحمٰن ابن مالک مغول اپنی سند کے ساتھ جابر سے نقل کرتے ہیں کہ رسولِ خدا نے فرمایا لا یبغض ابا بکر وعمر مومن ولا یحبھما منافق (یعنی ابو بکر و عمر کا بغض مومن اور محبت منافق نہیں رکھتا ۔

خیر طلب ۔ آپ کے بیان سے پھر مجھ کو تعجب ہوا۔ کیا آپ پہلی شب کا یہ معاہدہ بھول گئے کہ ہم لوگ یک طرفہ حدیثوں سے استدلال نہیں کریں گے ؟ پھر بھی اگر آپ ایسا کرنا ہی چاہتے ہیں تو اس قسم کے ضعیف و موضوع اور ناقابلِ قبول حدیثیں نہیں جن کے راوی جھوٹے اور جعلساز ہوں بلکہ صحیح الاسناد احادیث پیش کیجئے ۔

شیخ ۔ آپ نے طے کر لیا ہے جو حدیث بھی ہم سے سنیں گے اس کو اہانت کے ساتھ رد کریں گے ۔

خیر طلب ۔ مجھ کو افسوس ہے تنہا میں نے ہی تردید نہیں کی ہے بلکہ خود آپ کے اکابر علماء نے بھی رد کیا ہے بہتر ہوگا کہ آپ میزان الاعتدال ذہبی اور تاریخ خطیب بغدادی جلد دہم صـ ۲۳۶ کی طرف رجوع کیجئے تو نظر آئے کہ اکثر ائمہ جرح و تعدیل نے عبد الرحمٰن ابن مالک کے حالات میں نقل کیا ہے کہ انّہ کذاب افّاك وضّاع لا یشك فیہ احد ۔ یعنی درحقیقت یہ عبد الرحمٰن سخت جھوٹا، بڑا تہمت باندھنے والا اور بہت حدیثیں گڑھنے والا ہے جس میں کسی شخص کو بھی شک و شبہ نہیں ۔

آپ کو خدا کا واسطہ انصاف سے بتایئے کہ آیا آپ کی یک طرفہ حدیث جو ایک دروغ گو اور جعل ساز شخص سے مروی ہے اُن تمام احادیث و روایات کا مقابلہ کر سکتی ہے جو آپ کے اکابر علماء سے منقول ہیں اور جن میں سے بعض نمونے کے طور پر پیش کی جا چکی ہیں ؟ ۔

مہربانی کر کے جامع الکبیر سیوطی جلد ششم صـ ۳۹۰ ریاض النضرہ محب الدین جلد دوم صـ ۲۱۵ جامع ترمذی جلد دوم صـ ۲۹۹، استیعاب ابن عبد البر جلد سوم صـ ۴۶ ، حلیۃ الاولیا حافظ ابو نعیم جلد ششم صـ ۲۹۵ ، مطالب السئول محمد بن طلحہ شافعی صـ ۱۷، اور فصول المہمہ ابن صباغ مالکی صـ ۱۲۶ ، کو ملاحظہ فرمایئے کہ ہر ایک نے مختلف عبارتوں کے ساتھ ابوذر غفاری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ماکنا نعرف المنافقین علی عھد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ الّا بتکذیبھم اللہ ورسولہ

والتخلف عن الصّلوٰۃ وبغضھم علی ابن ابی طالب۔ وعن ابی سعید الخذری قال کنا نعرف المنافقین ببغضھم علیا وماکنا نعرف المنافقین علی عھد رسولؐ اللہ الا ببغضھم علیاً (یعنی ہم لوگ عہد رسولؐ میں منافقین کو صرف تین علامتوں سے پہچانتے تھے (خدا ورسولؐ کو جھٹلانے سے، ترک نماز سے اور علی ابن ابی طالب کی عداوت سے)

اور ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ہم منافقین کو بغض علی سے پہچانتے تھے اور عہد رسولؐ میں ہمارے پاس منافقین کی سوا اس کے اور کوئی پہچان نہیں تھی کہ وہ علی سے دشمنی رکھتے تھے۔ نیز امام احمد بن حنبل نے مسند جلد اوّل ص۹۵ و ص۱۳۱ میں، ابن عبدالبر نے استیعاب جلد سوم ص۳۷ میں، احمد خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد جلد چہارم ص۴۲۶ میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد چہارم ص۲۶۴ میں، امام نسائی نے سنن جلد ہشتم ص۱۱۱، اور خصائص العلوی ص۲۷ میں، حموی نے فرائد باب۲۲ میں، ابن حجر نے اصابہ جلد دوم ص۵۰۹ میں، حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیا جلد چہارم ص۱۸۵ میں، سبط ابن جوزی نے تذکرہ ص۱۵ میں، سیوطی نے جامع الکبیر ص۱۵۲ و ص۴۰۸ میں، محمد ابن طلحہ شافعی نے مطالب السئول ص۱۷ میں اور ترمذی نے جامع جلد دوم ص۱۳ میں مختلف عبارات کے ساتھ کہیں امّ سلمہ اور کہیں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسولِ اکرم صلعم نے فرمایا یا علی لا یحبّک منافق ولا یبغضک مؤمن لا یحبّک الا مؤمن ولا یبغضک الا منافق لا یحبّ علیاً المنافق ولا یبغضہ مؤمن (یعنی اے علیؑ منافق تم سے محبت نہیں رکھتا اور مومن تم سے بغض نہیں رکھتا۔ تم کو دوست نہیں رکھتا۔ مگر مومن اور تم کو دشمن نہیں رکھتا مگر منافق، علی سے منافق محبت نہیں رکھتا اور مومن ان سے عداوت نہیں رکھتا) اور ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد اوّل ص۳۶۴ میں شیخ معتزلہ شیخ ابوالقاسم بلخی سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں وقد اتفقت الاخبار الصحیحہ التی لا ریب فیھا عند المحدثین علی ان النبیؐ قال لہ لا یبغضک الا منافق ولا یحبّک الا مومن (یعنی اخبار صحیحہ کا اتفاق ہے اور تمام محدثین اس پر متفق ہیں کہ یقیناً پیغمبرؐ نے علیؑ سے فرمایا کہ تم کو سوا منافق کے کوئی دشمن نہیں رکھتا اور سوا مومن کے کوئی دوست نہیں رکھتا)

نیز جلد چہارم ص۲۶۴ میں امیرالمومنین علیہ السّلام کا ایک خطبہ نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا لوضربت خیشوم المؤمن بسیفی ھذا علی ان یبغضنی ما ابغضنی ولو صببت الدّنیا بجمّاتھا علی المنافق علی ان یحبّنی ما احبّنی وذالک انّہ قضیٰ فانقضی علی لسان النبیّ الامیّ صلّی اللہ علیہ وآلہ انّہ قال یا علی لا یبغضک مؤمن ولا یحبّک منافق (یعنی اگر میں اپنی اس تلوار سے مومن کی ناک پر ماروں کہ مجھ کو دشمن رکھے تب بھی وہ مجھ کو دشمن نہ رکھے گا اور اگر میں تمام دنیا منافق کو دے دوں کہ مجھ کو دوست رکھے تب بھی وہ مجھ کو دوست نہ رکھے گا۔ اور یہ وہی فیصلہ ہے جو زبان رسولؐ پر جاری ہو چکا ہے کہ آپ نے فرمایا اے علیؑ مومن تم سے بغض نہیں رکھتا اور منافق تم سے محبت نہیں کرتا) اس قسم کے اخبار واحادیث آپ کی معتبر کتابوں میں کثرت سے مروی ہیں۔ میں نے وقت کے لحاظ سے یہ چند حدیثیں جو اس وقت پیش نظر تھیں عرض کر دیں۔

اب میں آپ حضرات سے حق کے نام پر سوال کرتا ہوں کہ علی علیہ السلام سے عائشہ کی بغاوت اور جنگ آیا رسولِ خدا سے جنگ نہیں تھی؟ آیا یہ لڑائی اور لوگوں کو علی علیہ السلام سے جنگ کرنے پر آمادہ کرنا خلوص و محبت اور دوستی کی وجہ سے تھا یا بغض وکینہ اور عداوت کی بنا پر؟ ظاہر ہے کہ کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ دو آدمیوں کے درمیان محبت کے سبب سے جنگ ہوتی ہے لہٰذا قطعاً بغض و عداوت کی وجہ سے تھی، تو ان تمام احادیث میں جن کا نمونہ پیش کیا گیا ہے کہ رسولِ اکرم نے علیؑ سے دشمنی اور جنگ کرنے کو کفر و نفاق کی ایک علامت قرار نہیں دیا ہے؟ آیا ان اخبار و احادیث کو علی سے عائشہ کے مقابلے اور جنگ پر منطبق کرنے سے کیا نتیجہ نکلے گا؟

گذارش ہے کہ بغیر کسی طرفداری اور جذبۂ محبت و عداوت کے از روئے انصاف سچا فیصلہ فرمایئے۔ عجیب چیز ہے کہ اس وقت مجھ کو ایک ایسی حدیث یاد آ گئی جس کو فقیہ ہمدانی میر سید علی شافعی نے مودۃ القربیٰ کی مودت سیم میں خود عائشہ ہی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انّ اللہ قد عہد الیّ من خرج علی علیّ فھو کافر فی النار (یعنی بتحقیق اللہ نے قطعی طور پر مجھ سے قول و قرار فرمایا ہے کہ جو شخص بھی علیؑ پر خروج اور بغاوت کرے وہ کافر ہے۔ اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے) پھر تعجب یہ ہے کہ جب لوگوں نے ان پر اعتراض کیا کہ جب آپ پیغمبرؐ سے ایسی بات سن چکی تھیں تو علیؑ پر خروج کیوں کیا؟ تو یہ پھسپھسا عذر پیش کر دیا کہ نسیت ھذا الحدیث یوم الجمل حتّیٰ ذکرتہ بالبصرۃ (یعنی میں اس حدیث کو جنگ جمل کے روز بھول گئی تھی یہاں تک کہ بصرے میں یاد آئی۔

شیخ۔ جب آپ خود ایسا بیان دے رہے ہیں تو اب امّ المومنین رضی اللہ عنہا پر کیا اعتراض ہے؟ بدیہی چیز ہے کہ انسان سہو و نسیان کا مرکز ہے۔

خیر طلب۔ اگر میں یہی مان لوں کہ جنگ جمل کے روز وہ اس حدیث کو بھول گئی تھیں تو کیا جس روز وہ مکّہ معظمہ سے واپس ہو رہی تھیں اور تمام خیر خواہوں نے یہاں تک کہ رسول اللہ کی پاک بیویوں نے بھی ان کو منع کیا تھا کہ یہ بیجا حرکت نہ کرو اس لئے کہ علیؑ سے مخالفت کرنا پیغمبرؐ سے مخالفت کرنا ہے اس وقت بھی یہ حدیث یاد نہیں تھی؟

آیا آپ کے مورخین جنہوں نے واقعۂ جمل تحریر کیا ہے متوجہ نہیں کر چکے ہیں کہ رسولِ اکرم نے فرمایا تھا عائشہ اس راستے سے (جس میں حوأب کے کتّے تم پر بھونکیں۔ چنانچہ جب یہ بصرے جا رہی تھیں اور چشمۂ بنی کلاب پر پہنچیں تو کتّوں نے چاروں طرف سے محمل کو گھیر لیا اور بھونکنا شروع کیا انہوں نے پوچھا کہ یہ کون سا مقام ہے؟ تو لوگوں نے جواب دیا کہ حوأب اس پر ان کو پیغمبرؐ کا ارشاد یاد آ گیا تھا تو پھر کس لئے طلحہ و زبیر کے فریب میں آئیں اور آگے بڑھتی گئیں، یہاں تک کہ بصرے پہنچ کر ایسا عظیم فتنہ برپا کر دیا۔؟

آیا اس کے لئے بھی آپ کہہ سکتے ہیں کہ بھول گئی تھیں یا بالقصد و بالارادہ جان بوجھ کر یہ راستہ طے کیا؟ آیا یہ حقیقت میں ایک بہت بڑا دھبہ نہیں تھا جس نے امّ المومنین عائشہ کا دامن آلودہ کر دیا اور جو کسی پانی سے دھویا نہیں جا سکتا کیونکہ انہوں نے

سب سمجھتے ہوئے عمداً خدا اور رسولؐ کے حکم سے مُنہ موڑا اور طلحہ و زبیر کی بات مان کے خلیفہ اور وصیِ رسولؐ سے لڑنے کے لئے پہنچ گئیں باوجودیکہ خود بھی کہتی تھیں کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص علیؑ سے جنگ کرے اور ان پر خروج کرے وہ کافر ہے؟ آیا امیرالمومنین علیہ السلام سے جو رسولؐ اللہ کے وصی اور خلیفہ تھے جنگ کرنا اور مسند خلافت پر بیٹھتے ہی آپ کے لئے پریشانی کے اسباب اور جنگی انقلاب پیدا کرنا آں حضرت صلعم کے لئے باعث تکلیف نہیں تھا؟ کیا جیسا کہ میں گذشتہ شب مع اسناد کے عرض کر چکا ہوں حدیث میں نہیں ہے کہ رسولِ خدا نے فرمایا من اذیٰ علیا فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ایھا الناس من اذی علیا بعث یوم القیامۃ یھودیا او نصرانیا (یعنی جس نے علیؑ کو ایذا دی اُس نے یقیناً مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے درحقیقت خدا کو ایذا دی۔ اے گروہ ناس جس نے علیؑ کو تکلیف پہنچائی وہ قیامت کے روز یہودی یا نصرانی اٹھایا جائے گا۔

عائشہ کے حکم سے بصرے میں صحابہ اور بے گناہ مومنین کا قتلِ عام

جب یہ تمام روایتیں آپ کی معتبر کتابوں میں موجود ہیں تو آپ کس حق سے شیعوں پر اعتراض فرماتے ہیں؟

آیا بے خطا مومنین کا خون، رسولؐ اللہ کے محترم صحابی عثمان ابن حنیف کی زجر و توبیخ اور ستر نفر سے زیادہ خزانے کے محافظین کا قتل جو غیر مسلح تھے اور جنگی سپاہیوں میں سے نہیں تھے اور جن میں سے چالیس اشخاص مسجد کے اندر مارے گئے، یہ سب جنگ کے محرک اور بانی کی گردن پر نہیں تھا؟

چنانچہ علامہ مسعودی نے مروج الذہب جلد دوم ص۷ میں اس عبارت کے ساتھ لکھا ہے فقتل منھم سبعون رجلا غیر من جرح وخمسون من السبعین ضربت رقابھم صبرا من بعد الاسر وھولاء اوّل من قتلوا ظلمًا فی الاسلام (یعنی علاوہ اُن لوگوں کے جو زخمی کئے گئے بیت المال کے نہتے محافظین میں سے ستر آدمیوں کو قتل کیا جن میں سے پچاس کی اسیری اور مجبوری کی حالت میں گردنیں ماری گئیں، اور یہ لوگ اسلام کے اندر سب سے پہلے ظلم کے ساتھ قتل کئے گئے) اور آپ کے علماء و مورخین میں سے ابن جریر اور ابن اثیر وغیرہ نے ان واقعات کو پوری تفصیل سے نقل کیا ہے اب آپ یا تو ان روایات کو اپنی معتبر کتابوں سے خارج کیجئے (جیسا کہ جدید مطبوعات میں آپ کے علماء تحریف سے کام لے رہے ہیں بلکہ بعض مطالب کو توسرے سے غائب ہی کر دیتے ہیں) اور اپنے علمائے اعلام و اکابر مورخین کو جھٹلایئے یا شیعوں پر طعن و تشنیع اور اعتراض کرنے سے باز آیئے کہ شیعہ تو وہی کہتے ہیں جو آپ کی کتب معتبرہ میں درج ہو چکا ہے۔ خدا کی قسم اس میں جماعت شیعہ کا کوئی قصور نہیں ہے، ہمارے اور آپ کے درمیان فرق صرف اتنا ہے کہ آپ اپنی معتبر کتب میں ان اخبار و احادیث کا سطحی نظر سے مطالعہ کرتے ہیں اور حُبّ الشیئ یعمی ویصم (یعنی کسی چیز کی محبت اندھا اور بہرا بنا دیتی

ہے۔ ۱۲۰ مترجم) کے مصداق تاریخ کے ان اہم واقعات کو اخبار کے مطابق نہیں کرتے، ہمیشہ محض حسن ظن اور بے موقع دفاع سے کام لیتے ہیں اور حقائق پر کوئی توجہ نہیں کرتے، یا اگر توجہ کرتے بھی ہیں تو پردہ پوشی کی کوشش کرتے ہوئے اُس کی صفائی اس طرح سے پیش کرتے ہیں کہ بسپر مردہ عورت بھی ہنس پڑے۔

لیکن ہم غیر جانبداری کے ساتھ منصفانہ اور گہری نظر ڈالتے ہیں اور کتب فریقین میں مروی اخبار و احادیث کو واقعات کے مطابق کر کے حقائق کا انکشاف کرتے ہیں۔ اس مطابقت میں بھی آپ کو جس مقام پر کوئی شبہ یا غلطی اور خود غرضی نظر آئے منطقی اعتراض کے ساتھ اُس کی تردید کر دیجئے میں انتہائی ممنون ہوں گا۔

شیخ ۔ آپ کے بیانات درست ہیں لیکن اُمّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بھی انسان تھیں معصوم تو نہیں تھیں یقیناً دھوکے میں آکر اُن سے ایک خطا سرزد ہو گئی۔ اپنی سادگی کی وجہ سے دو بڑے صحابیوں کے فریب میں آ گئی تھیں لیکن بعد میں توبہ کر لی اور خدا نے بھی ان سے درگذر فرمائی۔

خیر طلب ۔ اوّلاً آپ نے اقرار کر لیا کہ کبار صحابہ خطاکار اور فریبی تھے حالانکہ حاضرین تحت شجرہ اور بیعت رضوان والوں میں سے تھے، پس آپ کی وہ حدیث جو صحابہ کی پاک دامنی کے لئے آپ پچھلی راتوں میں پیش کر چکے ہیں کہ سارے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کی جائے ہدایت حاصل ہو جائے گی خود بخود باطل ہو جاتی ہے۔

دُوسرے آپ نے فرمایا کہ اُمّ المومنین عائشہ نے توبہ کر لی تو یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ کیونکہ بغاوت و جنگ اور مسلمانوں کا قتل عام تو بالاتفاق ثابت ہے لیکن ان کی توبہ کا کوئی ثبوت نہیں لہٰذا اس کا سہارا نہیں لیا جا سکتا۔

امام حسنؑ کو پیغمبرؐ کے پاس دفن کرنے سے عائشہ کی ممانعت

البتہ یہ مسلّم ہے کہ عائشہ کی طبیعت میں سکون نہیں تھا، اُن سے پے در پے ایسی طفلانہ حرکتیں سرزد ہوتی رہیں جن میں سے ہر ایک نے اُن کی تاریخ زندگی کو فاسد بنایا۔ بقول آپ کے اگر توبہ کر لی تھی اور پشیمان ہو کر خاموش بیٹھ گئی تھیں تو پھر کس لئے بعد کو سبط رسولؐ امام حسن علیہ السّلام کے جنازے کے ساتھ ایسا سلوک کیا اور ایسا فساد برپا کیا جس سے ہر سُننے والا بغیر متاثر ہوئے نہیں رہتا؟

فقط یہی نہیں کہ رسولؐ اللہ کو رنجیدہ اور آزردہ کرتی تھیں یا زمانۂ جاہلیت کی عورتوں کی طرح اونٹ پر سوار ہو کر پیغمبرؐ کے وصی اور خلیفہ سے لڑنے جاتی تھیں جس سے ہم کہہ سکیں کہ صرف زندہ افراد سے ضد اور مخالفت رکھتی تھیں، بلکہ خچر پر سوار ہو کر رسُولِ خداؐ کے بڑے نواسے حضرت امام حسن علیہ السلام کے جنازے کا راستہ بھی روکا۔ چنانچہ آپ کے اکابر علماء و مورخین بالخصوص یوسف سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامۃ ص۱۲۲ میں، علّامہ مسعودی صاحب مروج الذہب نے اثبات الوصیہ ص۱۳۶ میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد چہارم ص۱۸ کے شروع میں ابو الفرج اور یحییٰ بن الحسن صاحب کتاب النسب سے نقل کرتے ہوئے خداوند شاہ نے

روضۃ الصفا جلد دوم میں واقدی نے، متوفی احمد بن محمد حنفی نے ترجمہ تاریخ اعثم کوفی میں، ابن شحنہ نے روضۃ المناظر میں اور ابوالفداء وغیرہ نے اپنی تاریخوں میں نقل کیا ہے کہ جس وقت حضرت کا جنازہ لے چلے تو عائشہ خچر پر سوار ہو کر بنی اُمیہ اور اُن کے غلاموں کی ایک جماعت کو ساتھ لئے ہوئے سدِّ راہ ہوئیں اور کہا کہ ہم امام حسنؑ کو قبرِ رسولؐ کے پہلو میں دفن نہ کرنے دیں گے۔

بروایت مسعودی ابن عباس نے کہا کہ عائشہ تمہارے حال پر تعجب ہے اما کفاک ان یقال یوم الجمل حتی یقال یوم البغل یومًا علی جمل یومًا علی بغل بارزۃ عن حجاب رسول اللہ تریدین اطفاء نور اللہ واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (یعنی آیا تمہارے لئے روز جمل کی شہرت کافی نہیں ہوئی تھی، (یعنی اونٹ پر سوار ہو کر میدانِ جنگ میں نکل پڑیں) یہاں تک کہ لوگ یوم البغل کا ذکر کریں (یعنی خچر پر سوار ہو کر فرزندِ رسولؐ کا جنازہ روکا) تم نے کبھی خچر پر بیٹھ کر حجابِ پیغمبر کو چاک کر دیا تمہارا عزم ہے کہ اللہ کے نور کو بجھا دو حالانکہ خدا اپنے نور کو کامل کرنے والا ہے چاہے مشرکین کو ناگوار ہی ہو یقینًا ہم اللہ کے لئے ہیں اور یقینًا ہم کو اُسی کی طرف پلٹ کے جانا ہے)

اور بعض نے لکھا ہے کہ اُن سے یہ فرمایا تجمّلت تبغّلت وان عشت تفیّلت لک تسع من الثمن و فی الکل تصرّفت۔ (یعنی تم کبھی اونٹ پر سوار ہوئیں کبھی خچر پر، اور اگر زندہ رہوگی تو ہاتھی پر بھی سوار ہوگی۔ تمہارا آٹھویں حصّے میں سے صرف نواں حصّہ ہے لیکن سب پر قابض ہوگئیں) بنی ہاشم نے چاہا کہ تلوار کھینچ کر ان لوگوں کو دفع کریں لیکن حضرت امام حسین علیہ السّلام مانع ہوئے اور فرمایا میرے بھائی نے وصیّت فرمائی ہے کہ میں اس پر راضی نہیں ہوں کہ میرے جنازے کے پیچھے ایک فصد کے برابر بھی خون ریزی ہو، چنانچہ آپ کے حکم سے جنازہ واپس لائے اور بقیع میں دفن کیا۔

شہادت امیر المومنینؑ پر عائشہ کا سجدہ اور اظہار مسرّت

اگر یہ صحیح ہے کہ عائشہ نے توبہ کر لی تھی اور امیر المومنینؑ سے جنگ کرنے پر نادم تھیں تو حضرت کی خبر شہادت سُننے کے بعد سجدۂ شکر کیوں بجا لائیں؟ جیسا کہ ابو الفرج اصفہانی صاحب اغانی نے مقاتل الطالبین میں حضرت کے حالات بیان کرتے ہوئے آخر میں نقل کیا ہے کہ لما جاء عائشۃ قتل امیر المومنین علیؑ سجدت (یعنی جب عائشہ کو قتل و شہادت امیر المؤمنین علی علیہ السّلام کی خبر ملی تو انہوں نے (شکر کا) سجدہ کیا)

اگر واقعی توبہ کر لی تھی اور پشیمان تھیں تو حضرت کی خبر شہادت سُن کر مسرّت و شادمانی کا اظہار کس لئے کیا؟ جیسا کہ محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ حوادث سنہ ۴۰ ہجری میں اور ابو الفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین آخر حالات حضرت علی علیہ السّلام میں روایت کی ہے کہ جس وقت ان کو ایک غلام نے حضرت کی شہادت سے مطلع کیا تو انہوں نے کہا ؎

فالقت عصاھا واستقرت بھا النوی کما قرّ عیناہ بالایاب المسافر

القاء عصاء اطمینانِ قلب اور خاطر جمعی کا کنایہ ہے یعنی جس وقت کسی مخصوص موقع پر کسی شخص کے دل کو اطمینان اور دماغ کو سکون حاصل ہوتا ہے تو کہا جاتا ہے القی عصاہ (جیسا کہ مسکویہ نے تجارب الامم اور دمیری نے حیات الحیوان میں بیان کیا ہے) یہ شعر پڑھنے سے عائشہ کا مطلب یہ تھا کہ علیؑ کے بارے میں میرے خیالات کو تسکین، میرے دل کو فرحت اور میرے دماغ کو آسودگی حاصل ہوگئی اس لئے کہ میں اسی اطلاع کی منتظر تھی، جیسے کوئی شخص اپنے مسافر کی واپسی کا انتظار کر رہا ہو اور اس کے آجانے پر اس کی آنکھیں روشن اور دل باغ باغ ہو جائے اس کے بعد خبر لانے سے دریافت کیا کہ کس نے ان کو قتل کیا؟ جواب ملا کہ قبیلۂ بنی مراد کے عبدالرحمٰن ابن ملجم نے، تو فوراً کہا ؎

فان یك نائیاً فلقد نعاہ   غلام لیس فی فیہ التراب

یعنی اگر علیؑ مجھ سے دُور ہیں تو اُن کی موت کی خبر وہ غلام لایا ہے جس کے مُنہ میں خاک نہ ہو۔

زینب دخترِ اُمّ سلمہ موجود تھیں انہوں نے کہا، آیا علیؑ کے بارے میں تم کو اس طرح خوش ہوتا اور ایسی باتیں کہہ کے اظہارِ مسرّت کرنا مناسب ہے؟ انہوں نے دیکھا کہ یہ تو بُرا ہوا لہٰذا جواب دیا کہ میں آپے میں نہیں تھی اور بھول چوک میں اس قسم کے الفاظ کہہ دیئے، چنانچہ اگر پھر یہ کیفیت مجھ پر طاری ہو اور یہ باتیں دُہراؤں تو مجھ کو یاد دلا دینا تاکہ باز رہوں۔

بہتر ہوگا کہ آپ حضرات محبّت و عداوت کے جذبات کو الگ رکھ کے عبرت حاصل کریں تو معلوم ہو کہ مسئلہ توبہ کی کوئی حقیقت نہ تھی بلکہ یہ مرتے دم تک اپنی دشمنی پر قائم رہیں، ورنہ اظہارِ مسرّت اور سجدۂ شکر کیوں کرتیں؟ حضرات! ان افعال کو کس چیز پر محمول کیجئے گا؟ کیا اس کے علاوہ اور کوئی مطلب نکل سکتا ہے کہ امّ المومنین عائشہ عقل کی اوچھی عورت تھیں اور زندگی بھر چین سے نہیں بیٹھیں؟ اس وقت مجھ کو ایک اور بات یاد آگئی، آپ حضرات شیعوں پر اعتراض کرتے ہیں اور ان کو عداوت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ یہ لوگ خلیفۂ سوم عثمان پر نکتہ چینی کیوں کرتے ہیں اور ان کے وہ مطاعن جن کو خود آپ کے علماء نے بھی نقل کیا ہے کیوں بیان کرتے ہیں؟۔

عثمان کی نسبت عائشہ کے متضاد فقرے

اگر یہی بات ہے تو آپ کو امّ المومنین عائشہ سے بھی حُسنِ ظن نہ رکھنا چاہیئے اس لئے کہ بالعموم آپ کے اکابر علماء و مؤرخین جیسے ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص۷۷ میں، مسعودی نے کتاب اخبار الزمان اور اوسط میں، سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامہ ص۳۶ میں، نیز ابن جریر، ابن عساکر اور ابن اثیر وغیرہ نے لکھا ہے کہ امّ المومنین عائشہ برابر عثمان کی بدگوئی کرتی رہتی تھیں یہاں تک کہ آواز دیتی تھیں اقتلوا نعثلا قتلہ اللہ فقد کفر (یعنی نعثل (عثمان) کو قتل کر دو، خدا اس کو قتل کرے کیونکہ بتحقیق یہ کافر ہوگیا ہے) لیکن جیسے ہی عثمان قتل ہوئے تو علی علیہ السلام سے اپنے کینے اور عداوت کی بناء پر

کہنے لگیں قتل عثمان مظلوما واللہ لاطلبن بدمہ فقوموا معی (یعنی عثمان مظلوم قتل ہوئے، خدا کی قسم میں ان کے خون کا مطالبہ کروں گی پس میری حمایت میں اُٹھ کھڑے ہو)

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں ان عائشہ کانت من اشد الناس علی عثمان حتی انہا اخرجت ثوبا من ثیاب رسول اللہ فنصبتہ فی منزلہا و کانت تقول للداخلین الیہا ھذا ثوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ لم یبل و عثمان قد ابلی سنتہ (یعنی درحقیقت عائشہ تمام لوگوں سے زیادہ عثمان کی دشمن تھیں، یہاں تک کہ رسول اللہ کا پیراہن نکال کے اپنے گھر میں لٹکا دیا تھا اور آنے والوں سے کہتی تھیں کہ ابھی رسول اللہ کا پیراہن بوسیدہ نہیں ہوا اور عثمان نے آنحضرتؐ کی سُنّت کو فرسودہ اور بیکار بنا دیا)۔

نیز ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ جس وقت مکّے میں عائشہ کو قتل عثمان کی خبر ملی تو کہا ابعدہ اللہ ذالک بما قدمت یداہ وما اللہ بظلام للعبید (خدا ان کو اپنی رحمت سے دور کرے، یہ انہیں کی کرتوت کا نتیجہ ہے، اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا)۔

آپ خلیفہ عثمان کے حق میں عائشہ سے بغیر کسی دلیل کے اس قسم کے الفاظ سُنتے ہیں اور قطعاً کوئی اثر نہیں لیتے لیکن یہی باتیں اگر بے چارے شیعوں کی زبان سے نکلیں تو آپ فوراً رفض اور کفر کا حکم لگا کر اُن کا قتل واجب جانتے ہیں۔

انسان کی نظر بے لوث ہونا چاہیئے، کیونکہ بدگمانی ہی سے ساری خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ حقیقت مسلّم ہے کہ اُمّ المومنین عائشہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السّلام کی طرف سے شدید کینے اور عداوت کا جذبہ رکھتی تھیں، چنانچہ جس وقت یہ سُنا کہ مسلمانوں نے حضرت سے بیعت کر لی تو کہا لوددت ان السماء انطبقت علی الارض ان تمّ ھذا قتلوا ابن عفان مظلوما۔ (یعنی میرے نزدیک آسمان کا زمین پر پھٹ پڑنا بہتر ہے اگر یہ اس (خلافت) کو مکمل ہو جانے دوں، ابن عفان (عثمان) کو مظلوم قتل کیا)

آیا اس قسم کے مختلف اور متضاد جملے اُمّ المومنین عائشہ کے تلوّن مزاج کو ثابت نہیں کرتے!

شیخ۔ اُمّ المومنین عائشہ کے طرز عمل اور رفتار و گفتار میں ایسے اختلافات کثرت سے منقول ہیں لیکن دو چیزیں مسلّم اور ثابت ہیں۔ ایک یہ کہ عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کو لوگوں نے فریب دیا اور وہ اُس روز علی کرم اللہ وجہہ کے مرتبہ ولایت کی طرف متوجہ نہیں تھیں جیسا کہ انہوں نے خود کہا ہے کہ میں بھول گئی تھی اور مجھ کو بصرے میں یاد آیا۔

دوسرے توبہ کر لی تھی لہٰذا قطعاً خداوند عالم پچھلی غلطیوں کو معاف کر کے ان کو بہشت کے بلند درجات میں جگہ دیگا۔

خیر طلب۔ توبہ کے موضوع پر میں بار بار اپنی گفتگو نہیں دہراؤں گا اور یہ نہیں پوچھوں گا کہ اتنے زیادہ بے گناہ مسلمانوں کا خون بہائے جانے، اُن کی ہتک حرمت کئے جانے اور اُن کے اموال تاخت و تاراج کئے جانے کے بعد کیونکر ممکن ہے کہ بغیر محاکمے اور بازپرس کے چھٹی مل جائے؟ یہ صحیح ہے کہ خدا ارحم الراحمین ہے لیکن فی موضع العفو والرحمۃ واشد المعاقبین فی موضع النکال والنقمۃ (یعنی خدا عفو و رحمت کے موقع پر سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے اور عذاب و عقوبت کے

محل پر سب سے زیادہ سخت سزا دینے والا بھی ہے) اس کے علاوہ ان کو خود مرتے دم اعتراف رہا کہ وہ خود ان واقعات و حوادث کی باعث ہوئیں۔ اور اسی وجہ سے جیسا کہ آپ کے اکابر علماء نے نقل کیا ہے وصیت کی تھی کہ مجھ کو پیغمبرؐ کے پہلو میں دفن نہ کرنا اس لئے کہ میں خود جانتی ہوں کہ میں نے آں حضرتؐ کے بعد کون کون سے حادثات رونما کئے ہیں چنانچہ حاکم نے مستدرک میں، ابن قتیبہ نے معارف میں، محمد بن یوسف زرندی نے کتاب اعلام بسیرۃ النبی میں اور ابن البیع نیشاپوری وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ عائشہ نے عبداللہ ابن زبیر کو وصیت کی ادفنوفی مع اخواتی بالبقیع فانی قد احدث امورا بعدہ (یعنی مجھ کو بقیع کے اندر میری بہنوں کے پہلو میں دفن کرنا اس لئے کہ میں نے رسول اللہؐ کے بعد نئی نئی باتیں پیدا کی ہیں) اور آپ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ام المومنین پر نسیان طاری تھا، فضائل علیؑ کی حدیثوں کو بصرے میں بار کیا اور اسی بنا پر پیغمبرؐ کی ممانعت بھی بھول گئی تھیں، تو یہ آپ کی غلط فہمی ہے بہتر ہوگا کہ اپنے اکابر علماء کی معتبر کتب کا مطالعہ کیجئے تاکہ اس حسن ظن کی حقیقت واضح ہو جائے خصوصیت کے ساتھ ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ جلد دوم صؔ کو پڑھیئے تو اصلیت کا پتہ چل جائے۔

اب میں مطلب روشن ہونے کے لئے اس کتاب کے بعض مندرجات کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

عائشہ کو امِ سلمہ کی نصیحتیں

ابن ابی الحدید نے تاریخ ابی مخنف لوط بن یحییٰ ازدی سے نقل کیا ہے کہ اس موقع پر ام المومنین ام سلمہ بھی بسلسلۂ حج مکۂ معظمہ میں موجود تھیں، جب انہوں نے سنا کہ عائشہ عثمان کی خون خواہی کے لئے اٹھی ہیں اور بصرہ جا رہی ہیں تو بہت متاثر ہوئیں اور ہر مجمع میں علی علیہ السلام کے فضائل و مناقب بیان کرنے لگیں۔ عائشہ ام سلمہ کے پاس آئیں تاکہ ان کو فریب دے کر اپنا شریک کار بنالیں تب بصرہ روانہ ہوں۔

ام سلمہ نے فرمایا کہ تم کل تک تو عثمان کو اس قدر گالیاں دیتی تھیں، ان کی مذمت کرتی تھیں، اور ان کو نعثل کہتی تھیں اور اب انہیں کے خون کا قصاص لینے کے لئے علی علیہ السلام کے مقابلے میں اٹھی ہو، کیا تم ان حضرت کے فضائل سے آگاہ نہیں ہو؟ اگر بھول گئی ہو تو میں اب پھر یاد دلاتی ہوں۔

عائشہ کو فضائل علی علیہ السلام کی یاد دہانی

یاد کرو کہ ایک روز میں رسول خداؐ کے ہمراہ تمہارے حجرے میں آئی تھی کہ اتنے میں علیؑ بھی آ گئے اور پیغمبرؐ سے کچھ خفیہ باتیں کرنے لگے، جب اس سرگوشی میں دیر لگی تو تم ان حضرت کو سخت و سست کہنے کے لئے اٹھیں، میں نے منع بھی کیا لیکن تم نے دھیان

نہیں دیا اور اُن بزرگوار پر غصہ دکھاتے ہوئے کہا کہ تو دنوں میں سے ایک دن میری باری کا ہے اس میں بھی تم آگئے اور پیغمبرؐ کو مشغول کر لیا، اس پر رسُولِ اکرم اس قدر غضبناک ہُوئے کہ چہرۂ مبارک سُرخ ہوگیا اور تم سے فرمایا۔ ارجعی وراءك واللہ لا یبغضہ احد من اھل بیتی ولا من غیرھم من الناس الا وھو خارج من الایمان (یعنی پیچھے ہٹو خدا کی قسم کوئی میرا گھروالا ہو یا غیر شخص اگر علیؑ سے بغض رکھے گا تو وہ قطعاً ایمان سے خارج ہے) پس تم نادم اور شرمندہ ہوکر لوٹ آئی تھیں! عائشہ نے کہا ہاں مجھ کو یاد ہے۔ اُمِّ سلمہ نے فرمایا یاد کرو ایک روز تم پیغمبرؐ کا سرِ مبارک دھو رہی تھیں اور میں حیس (ایک قسم کا کھانا) تیار کر رہی تھی، آں حضرتؐ نے سرِ مُبارک بلند کرکے فرمایا کہ تم دونوں میں سے اونٹ پر بیٹھنے والی کُنہ گار عورت کون ہے جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے اور وہ پل صراط پر مُنہ کے بل گرے گی؟ میں نے حیس کو چھوڑ دیا اور عرض کیا یا رسولؐ اللہ میں ایسے کام سے اللہ اور اُس کے رسُولؐ سے پناہ مانگتی ہوں۔ اس کے بعد آں حضرتؐ نے تمہاری پیٹھ پر ہاتھ مار کر فرمایا کہ بچو اس سے کہ یہ حرکت کرنے والی تمہیں ہو! عائشہ نے کہا ہاں مجھ کو یاد ہے۔

اُمِّ سلمہ نے کہا میں تم کو یاد دلاتی ہوں کہ ایک سفر میں ہم دونوں پیغمبرؐ کے ہمراہ تھیں، ایک روز علی علیہ السّلام پیغمبر صلعم کی کفشیں سی رہے تھے اور ہم دونوں ایک درخت کے سائے میں بیٹھی تھیں۔ اتفاق سے تمہارے باپ ابوبکر اور عمر نے آکر اجازت چاہی ہیں اور تم پردے میں چلی گئیں اور یہ لوگ بیٹھ گئے تھوڑی گفتگو کے بعد انہوں نے کہا یا رسُولؐ اللہ انا لا ندری قدر ما تصحبنا فلو اعلمتنا من یستخلف علینا لیکون لنا بعدك مفزعا فقال لهما اما انی قد اری مکانہ ولو فعلت لتفرقتم عنہ کما تفرقت بنو اسرائیل عن ھارون بن عمران فسکتا ثم خرجا۔ مطلب یہ کہ ہم لوگ آپ کی مصاحبت کی قدر نہیں جانتے ہیں ہماری خواہش ہے کہ ہم سے بتائیے کہ ہم پر آپ کا خلیفہ اور جانشین کون ہوگا تاکہ آپ کے بعد وہ ہمارے لیئے فریاد رس اور پناہ گاہ ہو، آں حضرتؐ نے ان دونوں (ابوبکر و عمر) سے فرمایا میں اس کے مقام اور منزل کو دیکھ رہا ہوں لیکن اگر عملاً ایسا کروں اور اُس کو پہنچوا دوں تو تم لوگ اُس کو چھوڑ کے الگ ہوجاؤ گے جس طرح بنی اسرائیل ہارون کو چھوڑ کر الگ ہوگئے تھے، پس وہ دونوں خاموش ہوکر چلے گئے، ان دونوں کے جانے کے بعد ہم لوگ باہر آئے اور میں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ من کنت مستخلفا علیھم فقال خاصف النعل فنزلنا فلم نر احدا الا علیا فقلت یا رسول اللہ ما اری الا علیا فقال ھو ذاك (یعنی ان لوگوں پر آپ کا خلیفہ کون ہوگا؟ آں حضرتؐ نے فرمایا جو شخص میری جوتیاں سی رہا ہے، ہم لوگوں نے نکل کے دیکھا تو سوا علیؑ کے اور کوئی نظر نہ آیا، پس میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! مجھ کو تو سوا علیؑ کے اور کوئی نظر نہیں آرہا ہے فرمایا وہی (علیؑ) خلیفہ ہیں) عائشہ نے کہا ہاں مجھ کو یاد ہے، اُمِّ سلمہ نے کہا کہ جب ان احادیث کو جانتی ہو تو پھر کہاں جا رہی ہو؟ انہوں نے جواب دیا میں لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے جا رہی ہوں۔ اب تو آپ حضرات کو بھی تصدیق کرنا چاہیئے کہ اُمّ المومنین عائشہ نے فریب نہیں کھایا بلکہ جان بوجھ کر فتنہ انگیزی پر آمادہ تھیں اور سب کچھ سمجھتے ہوئے عمداً بغاوت کی، باوجودیکہ اُمِّ سلمہ نے رسولؐ اللہ کی حدیثیں بھی یاد دلائیں لیکن باز نہیں آئیں اور امیر المومنینؑ کی عظمت و منزلت

کا اقرار کرنے کے بعد بھی بصرے کی طرف سفر کرکے اتنا بڑا فتنہ برپا کیا جس کے نتیجے میں بے شمار مسلمانوں کا خون بہہ گیا خصوصیت کے ساتھ اس حدیث خاصف النعل میں حضرت کی امامت وخلافت پر بہت بڑی نص اور حجت موجود ہے کیونکہ جس وقت اُمّ سلمہؓ عرض کرتی ہیں کہ یارسولؐ اللہ کون ہے وہ شخص جس کو آپ اپنے بعد خلیفہ بنا رہے ہیں تو آں حضرتؐ نے فرمایا میری نعلین کا سینے والا، اور وہ سوا علیؑ کے کوئی دوسرا نہیں تھا۔ شیعوں کا گناہ صرف یہ ہے کہ کسی عادت سے متاثر نہیں ہوتے بلکہ تحقیق کے دور میں سے چودہ سو برس قبل کے اہم واقعات کا معائنہ کرتے ہیں اور بغیر تعصب یا جانبداری کے آیات قرآن مجید اور علمائے فریقین کی معتبر کتابوں سے استفادہ کرکے سچّا سچّا فیصلہ کرتے ہیں۔

اسی بنا پر ان کا عقیدہ ہے کہ اگرچہ سیاسی چالبازیوں کی وجہ سے بظاہر تاریخ میں علی علیہ السّلام کی خلافت چوتھے نمبر پر آتی ہے لیکن یہ پس ماندگی حضرت کی افضلیت اور حضرت کے حق میں جو نصوص وارد ہیں اُن کو قطع نہیں کرسکی اور نہ کرسکے گی۔

ہمارا بھی اعتقاد ہے اور ہم بھی اقرار کرتے ہیں کہ جیسا تاریخ میں درج ہے ابوبکر (سیاسی داؤں پیچ سے) سقیفے کے اندر بغیر علی علیہ السّلام، بنی ہاشم اور کبار صحابہ کی موجودگی کے اور انصار کے قبیلۂ خزرج کی مخالفت کے باوجود خلیفہ نامزد کردیئے گئے، پھر اس کے بعد شخصی ڈکٹیٹری اور شوریٰ کے بل پر عمرو عثمان ظاہری طور پر علی علیہ السّلام سے قبل مسند خلافت پر قابض ہوگئے۔

لیکن فرق یہ ہے کہ یہ لوگ اُمّت والوں کے خلیفہ تھے یعنی ان کے چند ساتھی یا تی لوگوں نے زور آزمائی کرکے ان کی گردن میں خلافت کا قلادہ ڈال دیا۔ اور حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام خلیفۂ رسولؐ ہیں کیونکہ اللہ اور اُس کے پیغمبرؐ کی طرف سے منصوص تھے۔

شیخ ۔ آپ بے لطفی کی باتیں کر رہے ہیں، ان کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا جن لوگوں نے خلفائے ثلاثہ ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کو اجماع کے ساتھ مقامات خلافت پر نصب کیا انہیں نے علی کرم اللہ وجہہ کو بھی خلافت پر مقرر کیا۔

خلفائے ثلاثہ کی تعیین میں اختلاف اُن کی خلافت باطل ہونے کی دلیل ہے

خیرطلب ۔ خلافت خلفاء کے طریق تعیین میں مختلف پہلوؤں سے کھلا ہوا تفاوت ہے۔ اولاً آپ نے اجماع کی طرف اشارہ کیا ہے تو یہ بڑی بے لطفی کی بات ہے کہ ایک ہی مطلب بار بار دُہرایا جائے، کیونکہ میں پچھلی راتوں میں دلیل اجماع کے بے بنیاد ہونے پر مکمل روشنی ڈال چکا ہوں اور ثابت کرچکا ہوں کہ خلفائے ثلاثہ میں سے کسی ایک کی خلافت بھی اجماع اُمّت کے ساتھ قائم نہیں ہوئی۔ ملاحظہ ہو اسی کتاب کا صـ۲۹ ۔

بطلانِ اجماع پر دُوسرے دلائل

دوسرے اگر دلیل اجماع پر آپ کا اعتماد ہے اور آپ کے نزدیک خدا و رسولؐ کی جانب سے اُمّت کے لئے یہ حق

شرعاً ثابت ہے تو قاعدے کے رُو سے چاہیئے یہ تھا کہ جو خلیفہ بھی دنیا سے اُٹھے ساری اُمّت جمع ہو یا زمانۂ حال کی رسم کے مطابق ایک نمائندہ جماعت یا انتظامی کمیٹی کی تشکیل کرے جو خلیفہ معین کرنے کا مسئلہ طے کرے اور جس پر سب کا اجماع ہو جائے یا (بقول آپ کے، صاحبانِ عقل متفق ہو جائیں اور اتفاقِ رائے ثابت ہو جائے وہ شخص لوگوں کا منتخب خلیفہ قرار پائے (رسولِ خدا کا خلیفہ نہیں) نیز ضروری تھا کہ اس تمدنی اصول پر ہر زمانے میں عملدرآمد ہوتا رہتا۔

یقیناً آپ تصدیق کریں گے کہ کسی اسلامی خلیفہ کے لئے اس قسم کا اجماع قطعاً واقع نہیں ہوا حتیٰ کہ ناقص اجماع بھی (جس کے متعلق ہم پہلے ہی ثابت کر چکے ہیں کہ کبار صحابہ بنی ہاشم اور انصار اس میں شامل نہیں تھے) سوا ابوبکر بن ابی قحافہ کے کسی اور کے لئے منعقد نہیں ہوا۔

اس لئے کہ اسلام کے جملہ مورخین و محدثین کا اتفاق ہے کہ عمر کی خلافت فقط خلیفہ ابوبکر کی نص پر قائم ہوئی، اگر تعیین خلافت میں اجماع شرط ہے تو ابوبکر کے بعد عمر کے لئے اجماع کی تشکیل کیوں نہیں ہوئی اور رائے عامہ کا سہارا کیوں نہیں لیا گیا؟۔

شیخ۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ چونکہ ابوبکر کو اجماعِ اُمّت نے خلافت پر معین کیا تھا لہٰذا اپنے بعد والے خلیفہ کے تقرر میں تنہا خلیفۂ اوّل کا قول ایک مضبوط سند ہے اور ان کے بعد بھی دوبارہ اجماع یا خلیفہ کے تعیین میں اُمّت کی رائے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہر خلیفہ کا قول خلیفۂ مابعد کی تعیین میں مستحکم سند ہے اور یہ خلیفہ کا مخصوص حق ہے کہ اپنے بعد کے لئے خلیفہ معین کر جائے اور لوگوں کو حیران و سرگرداں نہ چھوڑے، چنانچہ مسلم الثبوت اجماعی خلیفہ ابوبکر نے جب عمر کو خلافت پر نصب کر دیا تو وہ پیغمبرؐ کے مستقل خلیفہ ہو گئے۔

خیر طلب۔ اوّل یہ کہ اگر آپ (اپنے عقیدے کے مطابق) مسلم الثبوت خلیفہ کے لئے خلیفۂ مابعد کے تقرر میں ایسے حق کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ خلیفہ کا فرض ہے کہ اُمّت کو حیران نہ چھوڑے نیز اپنے بعد خلیفہ معیّن کرنے کے لئے بس اُسی کی نص کافی ہے، تو آپ نے اسی حق کو مسلم الثبوت پیغمبر اور رسول برحق سے آخر کیوں سلب کر لیا؟ اور اُن تمام مخصوص اور واضح نصوص کو جن کے ذریعہ رسولِ اکرم نے صراحتہً و کنایتہً بار بار اور مختلف مقامات پر علی علیہ السلام کو معیّن فرمایا (جن میں سے بعض کی طرف ہم پچھلی شبوں میں اشارہ کر چکے ہیں اور آج کی رات بھی حدیثِ اُمّ سلمہ کی کھلی ہوئی نص پیش کی جا چکی ہے) کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں اور اُن سے اثر لینے کے بجائے ہر ایک کے لئے فضول تاویلیں کرتے ہیں جیسے ابن ابی الحدید نے حدیثِ اُمّ سلمہ میں مضحکہ خیز تاویل و ترمیم کر کے اس نصِّ صریح کو رد کیا ہے؟۔

واقعی بڑے تعجب کا مقام ہے کہ آخر کس بنیاد پر آپ فرماتے ہیں کہ عمر کو خلافت پر نصب کرنے کے لئے ابوبکر کا قول سند ہے لیکن رسولِ خدا کے قول میں کوئی سندیت نہیں؟ اور آں حضرتؐ کے حکیمانہ ارشادات سے بے ربط مطالب پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟

دُوسرے آپ کہاں سے اور کس دلیل سے فرماتے ہیں کہ خلیفۂ اوّل جو اجماع سے معین ہوئے اپنے بعد خلیفہ مقرر کرنے کا حق رکھتے ہیں؟ آیا پیغمبرؐ کی طرف سے اس قسم کی کوئی ہدایت نافذ ہوئی ہے؟ جواب قطعاً نفی میں ہو گا۔

تیسرے آپ کہتے ہیں کہ جب خلیفۂ اوّل اجماع سے مقرر ہو چکے تو اب دوسرے خلفاء کی تعیین میں دوبارہ اجماع کی ضرورت نہیں ہے، وہی منصوب خلیفہ اُمّت کی جانب سے اس کا حق رکھتے ہیں کہ اپنے بعد کے لئے خلیفہ معیّن کر دیں اور تنہا انہیں کی نص کافی ہے۔

مجلس شوریٰ پر اعتراض

اگر حقیقت یہی ہے تو یہ اصول صرف عمر ہی کی خلافت میں کیوں برتا گیا؟ بلکہ خلافت عثمان میں تو اس کے برخلاف عمل کیا گیا اور عمر نے خود خلیفہ معین کرنے کے عوض یہ معاملہ چھ اشخاص کے شوریٰ پر چھوڑ دیا۔ معلوم نہیں اثبات خلافت پر آپ حضرات کی دلیل کیا ہے؟ آپ جانتے ہیں کہ جب دلائل میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اصل موضوع ہی باطل ہو جاتا ہے۔

اگر اثبات خلافت پر آپ کی دلیل اجماع اُمّت ہے اور ساری اُمّت کو جمع ہو کر متفقہ رائے دینا چاہیئے (قطع نظر اس سے کہ ابوبکر کی خلافت میں بھی ایسا اجماع واقع نہیں ہوا) تو عمر کی خلافت میں اس طرح کا اجماع کیوں تشکیل نہیں دیا گیا؟ اگر آپ اجماع کو صرف پہلی ہی خلافت میں ضروری سمجھتے ہیں اور بعد والے خلفاء کی تعیین میں فقط اجماع کے ذریعے منتخب کئے ہوئے خلیفہ کی نص ہی کافی ہے، تو عثمان کی خلافت میں اس قاعدے پر کیوں عمل نہیں کیا گیا؟ اور خلیفہ عمر نے ابوبکر کے رویّے کے برخلاف خلیفہ کا انتخاب (ہٹلر شاہی نمونے کے) شوریٰ کے اوپر کیوں چھوڑا؟ وہ بھی ایسی مجلس شوریٰ جیسی دنیا کے کسی گوشے میں (یہاں تک کہ وحشی اقوام کے درمیان بھی) قائم نہیں ہوئی، بجائے اس کے کہ مجلس کے نمائندوں کو قوم منتخب کرے (تاکہ اس میں اکثریت کے قول اور خیال کی کچھ تو جھلک موجود ہے) خلیفہ عمر نے خود ہی نامزد کر دیا۔

عبدالرحمٰن ابن عوف کی حکمیّت پر اعتراض

اور سب سے عجیب تر بات یہ کہ جملہ ارکان کے اختیارات پامال کر کے ہر ایک ممبر کو عبدالرحمٰن بن عوف کا ماتحت اور محکوم بنا دیا۔

معلوم نہیں کون سی شرعی، عرفی، علمی، یا عملی بنیاد پر عبدالرحمٰن کو یہ امتیازی درجہ دے دیا (سوا اس کے کہ یہ عثمان کے عزیز قریب تھے اور یقین تھا کہ عثمان کو چھوڑ کے دوسرے کا ساتھ نہیں دیں گے) کہ اپنے دستورالعمل میں کہہ دیا، جس طرف عبدالرحمٰن ہوں وہی حق ہے اور عبدالرحمٰن جس کی بیعت کر لیں دوسروں کو بھی اس کی اطاعت کرنا چاہیئے؟

جب ہم گہری نگاہ سے دیکھتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ یہ ایک آمرانہ حکم تھا جس کو شوریٰ کے بھیس میں نافذ کیا گیا تھا۔ ورنہ ہم آج دیکھتے ہیں کہ جمہوریت کا قانون اس طرز عمل کے بالکل برعکس ہے۔ واقعی تعجب اور افسوس کا مقام ہے کہ جیسا میں گزشتہ شبوں

میں بھی سلسلۂ اسناد کے ساتھ عرض کر چکا ہوں۔ باوجودیکہ رسول اللہ نے بار بار فرمایا ہے علیّ مع الحق والحق مع علیّ حیث دار (یعنی علیؑ حق کے ساتھ اور حق علیؑ کے ساتھ ہے جدھر وہ گردش کریں) نیز فرمایا ہے ھذا علیّ فاروق ھذہ الامّۃ یفرق بین الحق والباطل (یعنی یہ علیؑ اس اُمت کے فاروق ہیں جو حق و باطل کے درمیان فرق قائم کرتے ہیں) چنانچہ حاکم نے مستدرک میں، حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء میں، طبرانی نے اوسط میں، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں، محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب میں، محب الدین طبری نے ریاض النضرہ میں، حموینی نے فرائد میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں، اور سیوطی نے درالمنثور میں، ابن عباس، سلمان، ابوذر اور حذیفہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا ستکون بعدی فتنۃ فاذا کان ذالک فالزموا علیّ بن ابی طالب فانہ اوّل من یصافحنی یوم القیمۃ وھو الصدّیق الاکبر وھو فاروق ھذہ الامّۃ یفرق بین الحق والباطل وھو یعسوب المومنین (یعنی عنقریب میرے بعد ایک فتنہ برپا ہوگا پس اس موقع پر تم کو لازم ہے کہ علی ابن ابی طالب کا ساتھ پکڑو اس لئے کہ یہ پہلے وہ شخص ہیں جو قیامت کے روز مجھ سے مصافحہ کریں گے، یہ سب سے بڑے راست گو اور اس اُمت کے فاروق ہیں جو حق و باطل کے درمیان تفریق کرتے ہیں اور یہی مومنین کے بادشاہ ہیں) اور عمار کی مشہور حدیث میں ہے جس کو سلسلہ اسناد کے ساتھ پچھلی راتوں میں تفصیل سے عرض کر چکا ہوں کہ آں حضرتؐ نے عمار یاسر سے فرمایا ان سلک الناس کلھم وادیا وسلک علیّ وادیا فاسلک وادی علیّ وخلّ عن النّاس یا عمّار علیّ لا یردّک عن ھدی ولا یدلک علی ردی یا عمّار طاعۃ علیّ طاعتی وطاعتی طاعۃ اللہ (یعنی اگر تمام لوگ ایک راستے پر ہو جائیں اور علیؑ ایک راستے پر تو علیؑ ہی کے راستے پر چلنا اور تمام لوگوں کا ساتھ چھوڑ دینا۔ اے عمار علیؑ تم کو ہدایت سے برگشتہ نہ کریں گے اور ہلاکت کی طرف نہ لے جائیں گے، اے عمار علیؑ کی اطاعت میری اطاعت اور میری اطاعت خدا کی اطاعت ہے)

حضرت امیر المومنینؑ کی منزلت پر بدترین ظلم

لیکن پھر بھی خلیفہ عمر پیغمبرؐ کی ہدایت کے برخلاف علیؑ کو شوریٰ میں عبدالرحمٰن کا محکوم اور ماتحت قرار دیتے ہیں آیا ایسی حکومت حق بجانب ہو سکتی ہے جس نے دوسرے تمام بزرگانِ صحابہ کو دودھ کی مکھی بنا دیا اور امر خلافت میں اُن کے حق رائے دہی کو کالعدم کر دیا؟ پھر اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ خود شوریٰ میں بھی علی علیہ السلام پر شرمناک ظلم ڈھایا اور اُن حضرت کی انتہائی اہانت کی کہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والے (فاروق) کو عبدالرحمٰن کا ماتحت اور محکوم بنایا؟

محترم حضرات! انصاف سے فیصلہ کیجئے اور استیعاب، اصابہ، اور حلیۃ الاولیاء وغیرہ جیسی کتب رجال کا مطالعہ کرنے کے بعد علی علیہ السلام کے حالات کا عبدالرحمٰن بلکہ شوریٰ کے پانچوں ممبروں کی حیثیت کے ساتھ موازنہ کیجئے اور دیکھئے کہ حاکم بننے

کی لیاقت عبدالرحمٰن کے اندر تھی یا حضرت امیرالمومنین علیہ السلام میں ؟ اس کے بعد اندازہ کیجئے کہ سیاسی پارٹی بندی کے ماتحت بھی حضرت علیؑ کے حق ولایت کو پامال کر دیا جائے۔

خلاصہ یہ کہ اگر خلیفہ ثانی عمر ابن خطاب کا یہ دستور قابل عمل تھا کہ تعیین خلافت کے لئے مجلس شوریٰ ضروری ہے تو حضرت امیرالمومنینؑ کی خلافت میں اس کا سہارا کیوں نہیں لیا گیا ؟۔

حیرت ہے کہ خلافت خلفائے اربعہ (راشدین) ابوبکر، عمر، عثمان اور علیؑ، میں چار طریقے بروئے کار آئے تو آیا ان چاروں قسموں میں سے کون سی قسم بنیادی برحق اور قابل اعتماد تھی اور کون سے اقسام باطل ؟ اگر آپ کے حسب دل خواہ چاروں طریقے حق تھے تو ماننا پڑے گا کہ آپ کے پاس تعیین خلافت کے لئے کوئی مستقل اصول اور محکم دلیل ہی موجود نہیں ہے۔

اگر آپ حضرات اپنی عادت سے ذرا ہٹ کے منصفانہ اور گہری نظر سے حقائق کا معائنہ کیجئے تو اعتراف کیجئے گا کہ حقیقت اس کے علاوہ ہے جس کا ظاہر بظاہر شہرہ اور رواج ہے ؎

چشم باز و گوش باز و ایں عمی خیرتم از چشم بندئی خدا

شیخ ۔ اگر آپ کے یہ بیانات صحیح ہوں کہ (بقول آپ کے) اس معاملے پر گہری نگاہ ڈالنا چاہیئے تو ایسی صورت میں علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت بھی ڈانواں ڈول ہو جاتی ہے، کیونکہ جس اجماع نے خلفائے سابق (ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم) کو خلافت پر نصب کیا اور تقویت دی اُسی نے علی کرم اللہ وجہہ کو بھی منتخب کیا اور خلافت پر مقرر کیا ہے۔

خیر طلب ۔ آپ کا یہ بیان اُس وقت درست ہو سکتا ہے جب کہ پہلے سے رسولِ خدا کے نصوص اور ارشادات موجود نہ ہوں حالانکہ علی علیہ السلام کی خلافت اجماع اُمت کی پابند نہ تھی بلکہ خدا و رسولؐ کی جانب سے منصوص تھی۔

خلافت علیؑ خدا و رسولؐ کی طرف سے منصوص تھی

اگر حضرت نے خلافت کا بار سنبھالا تو وہ اجماع یا لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اپنا حق واپس پانے کی صورت میں تھا، اس لئے کہ اگر کسی حق دار کا حق غصب کر لیا جائے تو چاہے مدتیں گذر جائیں لیکن جس وقت موقع ہاتھ آجائے، حالات سازگار ہو جائیں اور مانع برطرف ہو جائے وہ اپنا حق وصول کر سکتا ہے، چنانچہ جس روز مانع برطرف ہوا اور ماحول مقتضی ہو گیا حضرت نے احقاق حق فرمایا اور حق اپنے مرکز سے ملحق ہو گیا۔

آپ حضرات اگر بھول گئے ہوں تو رسائل و اخبارات کے صفحات اور خصوصی اشاعتوں کا مطالعہ فرمائیے جن میں وہ دلائل اور نصوص خلافت درج ہیں جن کو ہم نے گذشتہ راتوں میں پیش کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ خلافت ظاہری کی مسند پر حضرت کا قیام اجماع یا لوگوں کی توجہ کے سبب سے نہیں بلکہ آیات قرآنی و نصوص پیغمبرؐ کی بنیاد پر تھا اور اپنے حق کی واپسی تھی۔

آپ تو ایسی ایک بھی متفق علیہ حدیث نہیں پیش کر سکتے جس میں رسولؐ اکرم نے فرمایا ہو کہ ابوبکر، عمر اور عثمان میرے وصی اور خلیفہ ہیں یا جس میں اموی اور عباسی خلفاء میں سے کسی کا نام لیا ہو۔ البتہ (علاوہ تواتر کتب شیعہ کے) آپ کی تمام معتبر کتابوں میں پیغمبرؐ سے ایسی حدیثیں ضرور کثرت سے منقول ہیں جن میں آں حضرتؐ نے علی علیہ السلام کو اپنی خلافت و وصایت پر نصب فرمایا ہے چنانچہ ان میں سے چند پچھلی راتوں میں اور حدیث اُمّ سلمہ آج کی شب عرض کر چکا ہوں۔

شیخ۔ ہماری روایتوں میں بھی وارد ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ابوبکر میرے خلیفہ ہیں۔

خیر طلب۔ گویا آپ اُن دلائل کو بالکل بھول ہی گئے جو میں سابق راتوں میں ان احادیث کے بطلان پر قائم کر چکا ہوں اور آج کی شب بھی میں آپ کو بغیر جواب کے نہیں چھوڑوں گا۔ شیخ مجدالدین فیروز آبادی صاحب قاموس اللغات کتاب سفر السعادت میں کہتے ہیں ان ما ورد فی فضائل ابی بکر فھی من المفتریات التی یشھد بدیھۃ العقل بکذبھا (یعنی فضائل ابوبکر میں جو کچھ بھی نقل ہوا ہے وہ ایسی افترا پردازیوں میں سے ہے کہ عقل بدیہی طور پر اُس کے جھوٹ ہونے کی گواہی دیتی ہے)

علیؑ کی خلافت اجماع سے قریب تر تھی

ان چیزوں کے علاوہ اگر آپ خلافت کے ظاہری طریقے پر اچھی طرح غور کریں تو خلفائے راشدین (ابوبکر، عمر، عثمان اور علیؑ) اور اُموی و عباسی خلفاء میں سے کسی ایک کے لئے بھی کوئی اجماع منعقد نہیں ہوا کہ تمام اُمّت جمع ہوتی یا ساری اُمّت کے باقاعدہ چنے ہوئے نمائندے اکٹھا ہوتے اور بالاتفاق اس کی خلافت کے لئے رائے دیتے۔ پھر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ دوسرے خلفاء کی نسبت بظاہر حضرت علی علیہ السلام ہی کی خلافت اجماع سے قریب تر تھی، اس لئے کہ آپ کے علماء و مؤرخین لکھتے ہیں کہ خلافت ابوبکر میں پہلے صرف عمر اور ابوعبیدہ گورکن مسروف بہ جراح شریک تھے بعد میں قبیلۂ اوس کے چند افراد نے محض ضد اور قبیلۂ خزرج کے ساتھ اپنی مخالفت کی وجہ سے بیعت کر لی کیونکہ اُس نے سعد بن عبادہ کو امارت کا امیدوار نامزد کیا تھا۔ پھر آگے چل کر بعض نے ڈرانے دھمکانے سے (جس کی تفصیل عرض کر چکا ہوں) اور ایک جماعت نے لالچ دلانے سے بیعت کی لیکن پھر بھی ایک گروہ نے مثلاً سعد بن عبادہ کی پیروی میں انصار نے آخر تک خلافت تسلیم نہیں کی پھر عمر کی خلافت تنہا ابوبکر کی تجویز سے قائم ہوئی جس میں اجماع اور رائے عامہ کا قطعاً کوئی دخل نہیں تھا بلکہ یہ خلافت شاہانہ انداز کا ایک نمونہ تھی۔

اس کے بعد عثمان عمر کی بنائی ہوئی آمرانہ مجلس شوریٰ کی سیاسی ترکیب سے مسند خلافت پر بیٹھے۔ البتہ علی علیہ السلام کے قیام خلافت میں تقریباً سارے بلاد مسلمین کے اکثر نمائندوں نے جو اتفاق سے دربارِ خلافت سے داد خواہی کرنے کے لئے مدینے آئے ہوئے تھے، شریک ہو کر ایک بڑے اجماع کی تشکیل کی اور سبھی کے اصرار سے حضرت خلافت ظاہری

کی مسند پر بیٹھے۔

نواب - قبلہ صاحب مدینے میں بلاد مسلمین کے نمائندوں کا اجماع کیا تعیین خلافت کے لئے تھا؟

خیر طلب - نہیں، ابھی تو خلیفہ سوم ہی مسند خلافت پر موجود تھے، اور اکثر بلاد مسلمین کے سرداران قوم اور بزرگان قبائل کی ایک بہت بڑی جماعت، عرض حال اور بنی اُمیہ وغیرہ کے جابر و ظالم عمال و حکام اور دربار خلافت کے مخصوصین جیسے مروان وغیرہ کے زشت و قبیح حرکات کی شکایت کرنے کے لئے مدینے میں اکٹھا ہوئی تھی، بالآخر اسی اجماع کا جس میں کبار صحابہ بھی شامل تھے انجام یہ نکلا کر خود عثمان کی غلط کاریوں اور امیرالمومنین و کبار صحابہ کی مشفقانہ نصیحتوں پر دھیان نہ دینے کی وجہ سے اُن کے قتل کی نوبت آئی۔

اس کے بعد بلاد مسلمین کے اُن تمام بزرگان قبائل اور رؤسائے قوم کے ہمراہ جو مدینے میں موجود تھے مدینے والے بصورت اجماع حضرت امیرالمومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو التماس و اصرار کے ساتھ مسجد میں لائے، پھر سب نے بالاتفاق اس بزرگوار کی بیعت کی۔ حضرت سے قبل خلفائے ثلاثہ میں سے کسی ایک کی بیعت میں بھی ایسا کھلا ہوا اجماع واقع نہیں ہوا کہ اپنی خواہش اور عزم و اختیار سے سارے اہل مدینہ اور زعمائے ملت نے مل کر ایک مخصوص فرد کی طرف بیعت کا ہاتھ بڑھایا ہو اور اُس کو خلیفہ تسلیم کیا ہو۔

لیکن ایسے اجماع اور اجتماع کے باوجود جو امیرالمومنینؑ کے لئے منعقد ہوا ہم اس کو حضرت کے لئے دلیل خلافت نہیں سمجھتے بلکہ آپ کی خلافت پر ہماری دلیل قرآن مجید اور خدا و رسول خدا کی نص ہے، جس طرح تمام انبیاء کی سیرت تھی کہ حکم خداوندی سے اپنا وصی اور خلیفہ معین فرماتے تھے۔

تیسرے آپ نے فرمایا کہ امیرالمومنین علی علیہ السّلام اور دوسرے خلفاء کے درمیان کوئی فرق نہیں تھا معلوم نہیں آپ جان بوجھ کر ایسا کہہ رہے ہیں یا واقعی غلط فہمی کا شکار ہیں، اس لئے کہ عقلی و نقلی دلائل بلکہ اُمت کے اجماع سے بھی ثابت ہے کہ علیؑ اور دوسرے خلفاء بلکہ ساری اُمت کے درمیان بہت بڑا فرق تھا۔

علیؑ دوسرے تمام خلفائے سے ممتاز تھے

پہلی خصوصیت جو حضرت امیرالمومنین علی علیہ السّلام کو حاصل تھی اور اسی جہت سے آپ تمام دوسرے خلفاء سے ممتاز تھے یہ ہے کہ وہ سب صرف مخلوق کی ایک جماعت کے مقرر کئے ہوئے تھے لیکن علی علیہ السّلام خدا اور رسولؐ کی طرف سے معین ہوئے ہیں، اور ظاہر ہے کہ خدا اور اُس کے پیغمبرؐ کا مقرر کیا ہوا خلیفہ یقیناً ان لوگوں سے افضل ہے جن کو مخلوق نے مقرر کیا ہو۔ ہر عقلمند انسان جانتا ہے کہ خلیفہ منصوص اور خلیفہ غیر منصوص میں بہت فرق ہے اور سب سے بڑی امتیازی صفت جو علی علیہ السّلام کو دیگر خلفاء اور ساری اُمت سے بلند قرار دیتی ہے وہ حضرت کے علم و فضل اور شرف و تقویٰ کا درجہ ہے، کیونکہ تھوڑے سے خوارج و نواصب اور

بکر بین کے علاوہ جن کی حالت سب کو معلوم ہے) جملہ علمائے اُمّت کا اتفاق ہے کہ علی علیہ السلام پیغمبر صلعم کے بعد ساری اُمّت سے اعلم، افضل، اقضیٰ، اشرف اور اتقیٰ تھے۔

چنانچہ میں اس بارے میں قرآن مجید کی تائیدوں کے ساتھ کافی روایتیں حتیٰ کہ ابوبکر و عمر کی زبان سے بھی پچھلی شبوں میں آپ کی معتبر کتابوں سے نقل کر چکا ہوں اور اس وقت پھر ایک حدیث یاد آگئی ہے جو پہلے بیان نہیں کی تھی لہذا انکشاف حقیقت کے لئے اس کو بھی آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، ابو المؤید موفق بن احمد خوارزمی نے مناقب میں، میر سید علی ہمدانی شافعی نے مودۃ القربیٰ میں، حافظ ابوبکر بیہقی شافعی نے اپنی سنن میں اور دوسروں نے بھی رسول اکرمؐ سے مختلف الفاظ و عبارات کے ساتھ مکرر نقل کیا ہے کہ فرمایا علی اعلمکم و افضلکم و اقضاکم والرّاد علیہ کالرّاد علیّ والرّاد علیّ کالرّاد علی اللہ وھو علیٰ حدّ الشرک باللہ۔ (یعنی علیؑ تم سب سے اعلم، افضل اور اقضیٰ ہیں، جو شخص اُن کے قول و فعل یا رائے کو رد کرے اُس نے گویا میری تردید کی اور جس نے میری تردید کی اُس نے گویا خدا کی تردید کی اور وہ شخص شرک باللہ کی حد میں ہے)

ابن ابی الحدید معتزلی نے جو آپ کے جلیل القدر علماء میں سے ہیں شرح نہج البلاغہ کی جلدوں میں کئی مقامات پر لکھا ہے کہ تفضیل امیر المومنین علی علیہ السلام کا قول ایک قدیم قول ہے جس کے بہت سے اصحاب اور تابعین قائل تھے اور بغداد کے شیوخ نے اس حقیقت کی تصدیق کی ہے (اس موقع پر عشاء کی اذان ہوئی اور مولوی صاحبان نماز کے لئے اُٹھ گئے، ادائے فریضہ اور چائے نوشی کے بعد خیر طلب نے افتتاح کلام کیا)

چوٹی کے فضائل و کمالات کیا ہیں؟

خیر طلب ۔ جب آپ حضرات نماز میں مشغول تھے تو غور کرنے سے ایک موضوع نظر میں آیا ہے جو سوال کے طور پر آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

یہ فرمائیے کہ کسی شخص کی ایسی شرافت و فضیلت جس سے اس کو دوسرے افراد کے مقابلے میں فوقیت کا حق حاصل ہو کس چیز سے ہے؟

شیخ ۔ (تھوڑے سکوت کے بعد) حقیقتاً شرافت اور فضیلت کے طریقے بہت ہیں لیکن اوّل درجے میں جن کو چوٹی کے فضائل و کمالات کہہ سکتے ہیں وہ خدا اور رسولؐ پر ایمان کے بعد میرے نزدیک تین چیزیں ہیں۔

(۱) پاکیزہ نسب اور نسل (۲) علم و دانش (۳) تقویٰ و پرہیزگاری۔

خیر طلب ۔ جزاک اللہ۔ میں بھی انہیں تین طریقوں سے بحث میں قدم رکھتا ہوں جن کو آپ نے بلند ترین فضائل و کمالات

کے عنوان سے انتخاب فرمایا ہے۔ یہ مان لینے کے بعد بھی کہ ہر ایک صحابی چاہے وہ خلیفہ ہو یا نہیں کسی نہ کسی خصوصیت کا حامل تھا عقلی و نقلی قواعد کے رُو سے یہ مسلّم ہے کہ ان میں سے جو فرد بھی ان بلند خصوصیات اور اعلیٰ فضائل کی جامع تھیں وہ سب سے مقدم اور بالاتر تھیں۔ اگر میں ثابت کر دوں کہ ان تینوں خصوصیات میں حضرت امیر المومنین علیہ السّلام ہی سب کے سیّد و سردار تھے تو آپ کو تصدیق کرنا چاہیئے کہ حضرت رسولِ خدا سے وارد نصوص کی موجودگی میں یہ بزرگوار امر خلافت میں بھی اولیٰ اور سب سے زیادہ حقدار تھے، اور اگر تخت خلافت سے محروم رہے تو محض اُن سیاسی حیلہ سازیوں کی وجہ سے جن کا نام مصلحت رکھ دیا گیا۔

(جیسا کہ شرح نہج البلاغہ جلد اوّل صـ۴۶ میں ابن ابی الحدید کا عقیدہ ہے)

علی علیہ السّلام کا پاکیزہ نسب

اوّلاً نسل و نسب کے معاملے میں مسلّم ہے کہ ذات خاتم الانبیاؐ کے بعد شرافت میں کوئی شخص بھی علی علیہ السّلام کو نہیں پہنچا اور حضرت کی اصل و نسل اس قدر پاک و پاکیزہ اور درخشاں ہے کہ صاحبان عقل کی عقلیں حیران اور وہم بخود ہیں، یہاں تک کہ آپ کے متعصب اکابر علما (جیسے علاءالدین مولوی علی بن محمد قوشجی، ابو عثمان عمرو بن بحر جاحظ ناصبی اور سعد الدین مسعود بن عمر تفتازانی بھی کہتے ہیں کہ ہم علی کرم اللہ وجہہ کے کلمات میں دم بخود اور حیران ہیں، چنانچہ آپ فرماتے ہیں نحن اھل البیت لا یقاس بنا احد۔ (یعنی ہم اہل بیت رسالت ہیں ہمارے اوپر کسی دوسرے کا قیاس نہیں کیا جا سکتا) نیز نہج البلاغہ کے دوسرے خطبے میں ہے کہ خلافت ظاہری حاصل ہونے کے بعد حضرت نے فرمایا۔ لا یقاس بآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ من ھذا الامۃ احد ولا یستوی بھم من جرت نعمتھم علیہ ابداً ھم اساس الدین وعماد الیقین الیھم یفئ الغالی وبھم یلحق التالی ولھم خصائص حق الولایۃ وفیھم الوصیۃ والوارثۃ الان اذ رجع الحق الیٰ اھلہ ونقل الیٰ منتقلہ (یعنی اس اُمّت کے کسی ایک شخص کا بھی آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ قیاس اور موازنہ نہیں ہو سکتا، جس شخص پر ہمیشہ اہل بیت کی نعمت و رحمت جاری رہی ہو وہ اُن کے برابر کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ دین کی بنیاد اور ایمان و یقین کے ستون ہیں، حد سے آگے بڑھ جانے والا پلٹ کے انہیں کی طرف آتا ہے اور پیچھے رہ جانے والا بڑھ کے انہیں سے ملحق ہوتا ہے، حق ولایت و امامت کے خصوصیت انہیں کے لئے ہیں اور (رسولِ خدا کی) وصیت و وراثت انہیں میں ہے۔ اس وقت حق اپنے اہل کی طرف پلٹ آیا ہے اور جہاں سے منتقل کیا گیا تھا وہیں پھر پہنچ گیا ہے)

امیر المومنینؑ کے یہ بیانات حق خلافت میں حضرت کے اور خاندان آلِ محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین کے اولیٰ اور مقدم ہونے پر پوری دلالت کرتے ہیں:

یہ جملے صرف آپ ہی نے نہیں فرمائے ہیں بلکہ مخالفین بھی اس مفہوم کی تصدیق کرتے ہیں۔ چنانچہ کسی شب میں عرض کر چکا

ہوں کہ میر سید علی ہمدانی مودۃ القربیٰ مودت ہفتم میں ابی وائل سے اور وہ عبداللہ ابن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا، اصحاب پیغمبرؐ کو شمار کرتے ہوئے ہم نے ابوبکر، عمر اور عثمان کا ذکر کیا تو ایک شخص نے کہا علیؑ کا نام کہاں گیا؟ ہم نے کہا علی من اھل البیت لا یقاس بہ احد ھو مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ فی درجتہ (یعنی علیؑ اہل بیت نبوت میں سے ہیں ان کے ساتھ کسی اور کا قیاس نہیں کیا جاسکتا، وہ رسولِ خدا صلعم کے ساتھ انہیں کے درجے میں ہیں)

نیز احمد بن محمد کرزی بغدادی سے نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ بن احمد حنبل نے کہا میں نے اپنے باپ (امام حنابلہ احمد بن حنبل) سے تفضیل صحابہ کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا ابوبکر، عمر اور عثمان، میں نے کہا بابا علی ابن ابی طالبؑ کیا ہوئے؟ تو کہا ھو من اھل البیت لا یقاس بہ ھٰؤلاء (یعنی وہ اہلبیت میں سے ہیں ان کے ساتھ ان لوگوں کا موازنہ نہیں ہو سکتا)

غیر معمولی بات یہ ہے کہ علی علیہ السلام کا نسب دو پہلو رکھتا ہے۔ نورانی اور جسمانی، اور اس حیثیت سے رسولؐ خدا کے بعد حضرت کی ذات منفرد تھی۔

علیؑ کی نورانی خلقت اور پیغمبرؐ کے ساتھ آپ کی شرکت

بنیۂ نورانیت اور حقیقت خلقت کے لحاظ سے تقدم کا حق امیرالمومنین علیہ السلام کے ساتھ ہے۔ چنانچہ آپ کے اکابر علماء مثلاً امام احمد ابن حنبل اپنی باعظمت کتاب مسند میں، میر سید علی ہمدانی فقیہ شافعی مودۃ القربیٰ میں، ابن مغازلی شافعی مناقب میں اور محمد بن طلحہ شافعی مطالب السئول فی مناقب آل الرسول میں رسول اکرمؐ سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا کنت انا و علی بن ابی طالب نورا بین یدی اللہ من قبل ان یخلق آدم باربعۃ عشر الف عام فلما خلق اللہ تعالیٰ آدم رکب ذالک النور فی صلبہ فلم یزل فی نور واحد حتّی افترقنا فی صلب عبد المطلب ففی النبوۃ وفی علی الخلافۃ (یعنی میں اور علی ابن ابی طالب دونوں خلقت آدم سے چودہ ہزار سال قبل بارگاہ خداوندی میں ایک نور تھے، پس جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تو اس نور کو ان کے صلب میں قرار دیا اور ہم برابر ایک نور کی صورت میں رہے یہاں تک کہ عبدالمطلب کے صلب میں ایک دوسرے سے الگ ہوئے پس مجھ میں نبوت اور علیؑ میں خلافت آئی)

میر سید علی ہمدانی فقیہ شافعی نے مودۃ القربیٰ کی مودت ہشتم کو اس عبارت کے ساتھ اسی موضوع سے مخصوص کیا ہے المودۃ الثامنۃ فی ان رسول اللہ وعلیاً من نور واحد اعطی علیؑ من الخصال مالم یعط احد من العالمین (یعنی آٹھویں مودت اس باب میں کہ رسولؐ خدا اور علیؑ ایک نور سے ہیں، علیؑ کو ایسی خصلتیں عطا کی گئیں جو عالمین میں کسی کو نہیں ملیں) من جملہ ان احادیث کے جو اس مودت میں نقل کی ہیں اور ابن مغازلی شافعی نے بھی ذکر کیا ہے خلیفۂ سوم عثمان بن عفان سے روایت ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا خلقت انا و علی من نور واحد قبل ان

یخلق آدم باربعۃ آلاف عام فلما خلق اللہ آدم رکب ذالک النور فی صلبہ فلم یزل شئ واحد حتیٰ افترقنا فی صلب عبد المطلب ففی النبوۃ وفی علی الوصیۃ اور اسی کے بعد دوسری حدیث میں لکھتے ہیں کہ علی سے خطاب فرمایا ففی النبوۃ والرسالۃ وفیک الوصیۃ والامامۃ یا علی (یعنی میں اور علی خلقت آدم سے چار ہزار برس قبل ایک نور سے پیدا ہوئے پس جب اللہ نے آدم کو پیدا کیا تو اس نور کو اُن کے صلب میں ودیعت فرمایا پھر ہم برابر ایک نور رہے یہاں تک کہ صلب عبد المطلب میں ایک دوسرے سے جُدا ہوئے، پس مجھ میں نبوّت اور علیؑ میں وصایت قرار پائی۔ یا یہ کہ میرے اندر نبوّت و رسالت اور اے علیؑ تمہارے اندر وصیّت و امامت آئی) نیز اسی حدیث کو ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص۴۵ (مطبوعۂ مصر) میں صاحب کتاب فردوس سے نقل کیا ہے، اور شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت باب اوّل میں جمع الفوائد، مناقب ابن مغازلی شافعی، فردوس دیلمی، فرائد السمطین حموینی اور مناقب خوارزمی سے بہ الفاظ و عبارات کے تھوڑے سے تفاوت لیکن وحدت مفہوم کے ساتھ نقل کیا ہے کہ محمدؐ و علی صلوات علیہما کی نورانی خلقت کائنات کی خلقت سے ہزاروں سال پہلے ہوئی اور یہ کہ دونوں ایک ہی نور تھے یہاں تک کہ صلب عبد المطلب میں ایک دوسرے سے جُدا ہوئے۔ ایک حصّہ صلب عبداللہ میں قائم ہوا جس سے خاتم الانبیاؐ کی پیدائش ہوئی اور دوسرا حصّہ صلب ابوطالب میں پہنچا جس سے علی علیہ السّلام کی ولادت ہوئی، محمدؐ صلعم کا نبوّت و رسالت کے لئے اور علی علیہ السّلام کا وصایت و امامت اور خلافت کے لئے انتخاب ہوا، جیسا کہ تمام اخبار میں خود رسُولِ اکرمؐ کا ارشاد ہے۔ اور ابوالموئد موفق بن احمد خوارزمی مناقب فصل چہار دہم اور مقتل الحسین فصل چہارم میں، سبط ابن جوزی تذکرہ ص۲۸ میں، ابن صباغ مالکی فصول المہمہ میں، محمد بن یوسف گنجی شافعی کفایت الطالب باب۸۷ میں پانچ حدیثیں حافظ محدّث شام کی سند سے اور حافظ محدّث عراق معجم طبرانی سے اپنے اسناد کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا میں اور علیؑ دونوں ایک نور سے پیدا ہوئے اور ایک ساتھ رہے یہاں تک صلب عبد المطلب میں ایک دُوسرے سے جُدا ہوئے۔ ان میں سے بعض اخبار مفصّل اور بہت بلند و مفید ہیں لیکن اختصار کے لحاظ سے میں نے مکمّل طور پر ذکر نہیں کیا (شائقین اصل کتاب کی طرف رجوع فرمائیں) عبارتوں اور لفظوں کا اختلاف اس وجہ سے نہیں ہے کہ آں حضرتؐ نے ایک ہی موقعہ پر ارشاد فرمایا اور ہر راوی نے ایک عبارت کے ساتھ نقل کر دیا، بلکہ بہت ممکن ہے مختلف مقامات پر یہ بیان فرمایا ہو جیسا کہ خود حدیثوں کے سیاق سے ظاہر ہو رہا ہے۔

علی علیہ السّلام کا نسبِ جسمانی

اور جسمانی جنبہ بھی ماں باپ دونوں کی طرف سے بہت بڑی شرافت کا حامل ہے جو حضرت کے مخصوص خصائص و فضائل میں سے ہے۔

دوسروں کے برخلاف آپ کے آباؤ اجداد ابوالبشر حضرت آدم تک سب کے سب موحّد اور خدا پرست تھے اور کسی ناپاک صلب یا رحم میں یہ پاک نور جاگزیں نہیں ہُوا۔ یہ فخر صحابہ میں سے کسی ایک کو بھی حاصل نہیں تھا۔ سلسلۂ نسب یہ ہے۔
علیؑ[1] ابن ابی طالبؑ[2] بن عبدالمطلبؑ[3] بن ہاشم[4] بن عبد مناف[5] بن قصی[6] بن کلابؑ[7] بن مرہ[8] بن کعب[9] بن لوی[10] بن غالبؑ[11] بن فہر[12] بن مالکؑ[13] بن نضر[14] بن کنانہ[15] بن خزیمہ[16] بن مدرکہ[17] بن الیاس[18] بن مضر[19] بن نزار[20] بن معد[21] بن عدنان[22] ادو[23] بن الیسع[24] بن الہمیسع[25] بن بنت[26] بن سلامان[27] بن حمل[28] بن قیدار[29] بن اسمٰعیل[30] بن ابراہیم[31] خلیل اللہ بن تارخ[32] بن ناحور[33] بن شاروع[34] بن ابرغو[35] بن تالغ[36] بن عابر[38] بن شالغ[39] بن ارفخشد[40] بن سام[41] بن نوحؑ[42] بن ملک[43] بن متوشلخ[44] بن اخنوخ[45] بن یارد[46] بن مہلائیل[47] بن قینان[48] بن انوش[49] بن شیث[50] بن آدم[51] ابوالبشر علیہم السّلام (رسُولِ خدا صلعم کے بعد کسی کو بھی ایسا درخشاں نسب نصیب نہیں ہوا)

شیخ ۔ آپ نے جو یہ فرمایا کہ آدم ابوالبشر تک علی کرم اللہ وجہہ کے سبھی آباؤ اجداد موحّد تھے تو بظاہر اس میں آپ کو دھوکا ہوا ہے کیونکہ دراصل ایسا نہیں ہے، ہم بھی ظاہر پر مامور ہیں چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوار کے آباؤ اجداد میں مشرکین اور بُت پرست بھی تھے جیسے ابراہیم خلیل کے باپ آزر جن کے لئے آیۂ شریفہ میں صاف صاف ارشاد ہے واذ قال لابیہ آزر اتتخذ اصنامًا الھۃ انی اراٰک وقومک فی ضلال مبین (یعنی یاد کرو اُس وقت کو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ آیا تم بتوں کو اپنا خدا بناتے ہو؟ میں تم کو اور تمہاری قوم کو کھُلی ہوئی گمراہی میں دیکھتا ہوں۔ سورہ ۶ (انعام) آیت ۷۴)

اِس اشکال کا جواب کہ ابراہیم کا باپ آزر تھا

خیر طلب ۔ بغیر سوچے سمجھے ہوئے آپ کا یہ بیان میری نظر میں عادتاً اپنے اسلاف کی پیروی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس لئے کہ آپ کے اگلے اور پچھلے لوگ محض اس غرض سے کہ اپنے بزرگ اور چہیتے صحابیوں کو جن کی طرف قطعی طور سے کفر و شرک کی نسبت موجود ہے پاک قرار دے دیں یعنی یہ نسبی عیب اُن سے دُور ہو جائے اور ماں باپ کا مشرک ہونا معیوب نہ سمجھا جائے، اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ اپنے عظیم المرتبت پیغمبر کے آباؤ اجداد میں بھی مشرک کو داخل کر دیں اور آں حضرتؐ کے نسب کو کفر و شرک سے ملا دیں تاکہ اپنے اسلاف اور بزرگان دین کی صفائی پیش کر سکیں۔

واقعی صاحبان عقل و دانش کی طرف سے ایسی مطلب پرستیاں بہت افسوسناک ہیں جن کو سوا تعصب و عناد اپنے پیشواؤں کی اندھا دھند محبّت اور بے محل ہاتھ پاؤں مارنے کے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟ اور آپ بھی ان کی ہاں میں ہاں ملانے کی عادت سے مجبور ہو کر ایسے جلسے میں ان باتوں کو دہراتے ہیں۔ حالانکہ آپ خود جانتے ہیں کہ علمائے انساب کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ تارخ تھے آزر نہیں تھا۔

شیخ ۔ آپ نص کے مقابلے میں اجتہاد کر رہے ہیں اور علمائے انساب کے عقائد و نظریات کو قرآن کے مقابلے میں لا رہے ہیں

باوجودیکہ قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ حضرت ابراہیم کا باپ آزر بت پرست تھا۔

خیر طلب - میں کبھی نص کے مقابلے میں اجتہاد نہیں کرتا بلکہ قرآنی حقائق کو سمجھنے کے علاوہ چونکہ میرا کوئی اور مقصد نہیں ہے۔ لہٰذا جب میں قرآن کے عدیل ومفسّر یعنی اہل بیت اور عترتِ رسول کی رہنمائی میں تھوڑے غور وفکر اور دقت نظر سے کام لیتا ہوں تو سمجھ میں آتا ہے کہ اس آیۂ شریفہ میں عرف عام کا قاعدہ استعمال ہوا ہے اس لئے کہ عام اصطلاح میں چچا اور ماں کے شوہر کو بھی باپ کہا جاتا ہے۔

اور آزر کے بارے میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ حضرت ابراہیم کا چچا تھا، اور دوسرا یہ کہ چچا ہونے کے علاوہ اپنے بھائی تارخ یعنی حضرت ابراہیم کے والد کی وفات کے بعد اُس نے حضرت کی والدہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا تھا لہٰذا حضرت دو وجہوں سے ہمیشہ اس کو باپ کہہ کر خطاب فرماتے تھے، ایک چچا ہونے کی جہت سے اور دوسرے ماں کا شوہر ہونے کے سبب سے۔

شیخ - ہم قرآن کی صراحت سے چشم پوشی نہیں کر سکتے جب تک خود قرآن ہی میں اس کی دلیل نہ مل جائے کہ چچا یا ماں کے شوہر کو باپ کہا گیا ہو، اور اگر آپ ایسی دلیل پیش نہ کر سکیں (اور نہ ہرگز پیش نہ کر سکیں گے) تو آپ کا استدلال ناقص اور ناقابلِ قبول ہے۔

خیر طلب - ایسا حتمی دعویٰ نہ کیجئے کہ جب اُس کے خلاف دلیل قائم کی جائے تو سارا زورِ بیان ٹوٹ جائے، اس لئے کہ خود قرآن مجید میں ایسی نظیریں موجود ہیں جن میں عرف عام کے قاعدے سے بیان کیا گیا ہے من جملہ ان کے سورۂ ۲ (بقرہ) کی آیت ۱۲۷ ہے جو میری گذارش کا ثبوت دے رہی ہے اور جس میں موت کے وقت حضرت یعقوب کا اپنے بیٹوں کے ساتھ سوال وجواب مذکور ہے۔ ارشاد ہے۔ اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الٰھک والٰہ اٰبائک ابراھیم واسماعیل واسحاق الٰھًا واحدًا (یعنی جس وقت جناب یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم لوگ میرے بعد کس کی پرستش کروگے تو انہوں نے کہا کہ تمہارے خدا اور تمہارے باپوں ابراہیم واسماعیل اور اسحاق کے خدا کی جو یکتا معبود ہے)

اس آیت میں میرے دعوے کی دلیل لفظ اسماعیل ہے کیونکہ قرآن مجید کی شہادت سے حضرت یعقوب کے باپ حضرت اسحاق ہیں اور حضرت اسمٰعیل باپ تو نہیں بلکہ چچا ہیں لیکن آپ اصطلاح عام کے قاعدے سے ان کو باپ ہی کہتے تھے۔ چونکہ فرزندانِ یعقوب بھی عرفاً چچا کو باپ کہتے تھے لہٰذا اپنے پدر بزرگوار کے جواب میں چچا کو باپ ہی کہا اور خدا نے اُن کے سوال وجواب کو اسی طرح سے نقل کیا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السّلام اپنے چچا اور ماں کے شوہر کو عرفاً باپ کہتے تھے لہٰذا قرآن مجید نے بھی ان کو باپ کہا ورنہ تاریخ اور علم الانساب کی مضبوط دلیل سے یہ مسلّم ہے کہ حضرت ابراہیم کے باپ آزر نہیں بلکہ تارخ تھے۔

پیغمبرؐ کے آباؤ اُمّہات مُشرک نہیں بلکہ سب مومن تھے

اس کی دوسری دلیل کہ پیغمبرؐ کے آباؤ اجداد مشرک اور کافر نہیں تھے۔ سورۂ ۲۶، شعراء کی آیت ۲۱۹ ہے جس میں ارشاد ہے وتقلبك فی الساجدین (یعنی اور خدا پرستوں میں تمہاری گردش۔ ۱۲ مترجم) اس آیۂ شریفہ کے معنی میں شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت باب ۲ میں نیز آپ کے دوسرے علماء نے ابن عباس (حبر امت و مفسر قرآن) سے روایت کی ہے کہ تقلبه من اصلاب الموحدین نبی الی نبی حتیٰ اخرجه من صلب ابیه من نکاح غیر سفاح من لدن آدم (یعنی خدا نے پیغمبرؐ کو پشتِ آدم سے ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کی طرف اہل توحید کے اصلاب میں منتقل فرمایا، یہاں تک کہ آپ کو اپنے باپ کے صلب سے ظاہر فرمایا بذریعۂ نکاح نہ کہ حرام سے)

من جملہ اور دلائل کے ایک مشہور حدیث ہے جس کو آپ کے سبھی علماء نے نقل کیا ہے، یہاں تک کہ امام ثعلبی جو اصحابِ حدیث کے امام ہیں اپنی تفسیر میں اور سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودت باب ۲ میں ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا۔ اھبطنی اللہ الی الارض فی صلب آدم وجعلنی فی صلب نوح فی السفینه وقذف بی فی صلب ابراھیم ثم لم یزل اللہ ینقلنی من الاصلاب الکریمة الی الارحام الطاھرة حتیٰ اخرجنی من بین ابوین لم یلتقیا علیٰ سفاح قط (یعنی خدا نے مجھ کو زمین کی طرف صلب آدم میں اتارا اور کشتی کے اندر مجھ کو صلب نوح میں قرار دیا اور مجھ کو صلب ابراہیم میں منتقل کیا اور اللہ مجھ کو ہمیشہ بزرگ و محترم اصلاب سے پاک و پاکیزہ ارحام کی طرف منتقل کرتا رہا یہاں تک کہ مجھ کو میرے ماں باپ سے پیدا کیا جنہوں نے ہرگز حرام طریقے سے باہم ملاقات نہیں کی۔

اور دوسری حدیث میں فرمایا ہے لم یدنسنی بدنس الجاھلیة (یعنی مجھ کو جاہلیت کی گندگی سے آلودہ نہیں کیا)

اسی باب میں کتاب ابکار الافکار شیخ صلاح الدین بن زین الدین بن احمد معروف بہ ابن الصلاح حلبی اور علاء الدولہ سمنانی کی شرح کبریت احمر میں شیخ عبدالقادر سے بروایت جابر ابن عبداللہ انصاری ایک مفصل حدیث نقل کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ سے اوّل ما خلق اللہ کے متعلق دریافت کیا گیا اور آں حضرتؐ نے جوابات دیئے ہیں (جن کی تشریح کا وقت نہیں) یہاں تک کہ آخر حدیث میں فرمایا ہے وھٰکذا ینقل اللہ نوری من طیّب الی طیّب ومن طاھر الی طاھر الی ان اوصله اللہ الی صلب ابی عبداللہ بن عبدالمطلب ومنه اوصله اللہ الی رحم اُمّی آمنة ثم اخرجنی الی الدنیا فجعلنی سیّد المرسلین وخاتم النبیین (یعنی اور اسی طرح خدائے تعالےٰ میرے نور کو طیّب و طاہر اور پاک و پاکیزہ سے طیّب و طاہر اور پاک و پاکیزہ کی طرف منتقل کرتا رہا یہاں تک کہ میرے باپ عبداللہ ابن عبدالمطلب کے صلب میں ودیعت کیا اور اُن سے میری ماں آمنہ کے رحم میں لایا، پھر مجھ کو دُنیا میں ظاہر کیا اور سیّد المرسلین و خاتم النبیین قرار دیا)

یہ ارشاد کہ میں طیب سے طیب اور طاہر سے طاہر کی طرف منتقل ہوتا رہا، اس بات کا ثبوت ہے کہ آں حضرتؐ کے آباؤ اجداد میں کوئی کافر نہیں تھا، اس لئے کہ قرآن مجید کے حکم انّما المشرکون نجس کے مطابق ہر کافر و مشرک نجس ہے پس جب یہ فرمایا کہ لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات یعنی میں برابر اصلاب طاہرین سے پاک و پاکیزہ ارحام کی طرف منتقل ہوتا رہا تو ثابت ہوا کہ مشرکین چونکہ نجس ہیں لہٰذا آں حضرتؐ کے آباؤ اجداد مشرک نہیں تھے۔

نیز ینابیع المودۃ کے اسی باب میں کبیر سے بروایت ابن عباس نقل کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا ما ولدنی فی سفاح الجاهلية شئ وما ولدنى الا نكاح كنكاح الاسلام (یعنی میں زمانۂ جاہلیت کے کسی حرام طریقے سے پیدا نہیں ہوا بلکہ اسلامی نکاح کے ذریعہ متولد ہوا) آیا آپ نے نہج البلاغہ کا خطبہ نمبر ۱۰۵ نہیں پڑھا ہے جس میں امیر المومنین علی علیہ السّلام نے رسول اللہ کے آباؤ اجداد کی اس طرح توصیف کی ہے کہ فاستودعهم فى افضل مستودع واقرهم فى خير مستقر تناسختهم كرائم الاصلاب الى مطهرات الارحام كلما مضى سلف قام منهم بدين الله خلف حتى افضت كرامة الله سبحانه الى محمد صلى الله عليه وآله فاخرجه من افضل المعادن منبتا واعز الارومات مغرسا من شجرة التى صدع منها انبياءه وانتجب منها امناءه (یعنی خدا نے ان (انبیاء) کو بزرگ ترین جائے امانت (یعنی اُن کے آبائے کرام کے اصلاب) میں امانت رکھا اور اُن کو بہترین جائے قیام (یعنی اُن کی اُمّہات کے ارحام طاہرہ) میں قرار دیا، اُن کو بزرگ واحترام اصلاب سے پاک و پاکیزہ ارحام کی طرف منتقل فرمایا، جب اُن کے کسی سلف نے رحلت کی تو ایک خلف دین خدا کے ساتھ اُن کا قائم مقام ہوا، یہاں تک کہ خدائے تعالے کی کرامت (یعنی نبوّت و رسالت) محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف آئی، پس آں حضرتؐ کو سب سے افضل معدن پیدائش اور سب سے معزز اصل و بنیاد سے ظاہر فرمایا، ایسے شجرۂ طیبہ سے جس سے اپنے انبیاء کو پیدا کیا، اور جس سے اپنے امانت داروں کو برگزیدہ کیا)۔

اگر میں چاہوں تو اس طرح کے دلائل جلسے کا وقت ختم ہونے تک برابر پیش کرتا ہوں، لیکن میرا خیال ہے کہ مطلب ثابت کرنے کے لئے اور وہ بھی صاحبانِ انصاف کے سامنے اسی قدر کافی ہوگا جس سے آپ حضرات سمجھ لیں کہ آدم ابو البشر تک پیغمبرؐ کے سارے آباؤ اجداد مومن و موحّد تھے۔ بدیہی چیز ہے کہ اهل البيت ادرى بما فى البيت کے مصداق اہلبیت طہارت اور خاندانِ رسولؐ کے افراد اپنے بزرگوں کے حالات سے دُوسروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ آگاہ تھے۔

پس جب یہ ثابت ہوگیا کہ پیغمبرؐ کے آباؤ اجداد بھی سب کے سب مومن و موحد تھے تو یہ بات خود بخود ثابت ہو جاتی ہے کہ علی علیہ السّلام کے آباؤ اجداد بھی سب کے سب مومن اور خدا پرست تھے۔ کیونکہ میں (تواتر اخبار شیعہ کے علاوہ) صرف اُن اخبار و احادیث سے جن کو آپ کے علماء نے نقل کیا ہے پہلے ہی ثابت کر چکا ہوں کہ محمد و علی علیہما الصّلوٰۃ والسّلام ایک نور تھے اور تمام پاک و پاکیزہ اصلاب و ارحام میں ایک ساتھ رہے یہاں تک کہ صلب عبد المطلب میں ایک دُوسرے سے جُدا

ہوئے۔ نورانی اور جسمانی دونوں منزلوں میں جہاں رسُولِ خدا تھے وہیں علیؑ بھی تھے (پس ہر عقلمند کی عقل فیصلہ کرلے گی کہ جو بزرگ شخصیت ایسے روشن و منزّہ اور پاک و پاکیزہ نسب اور نسل کی حامل اور تمام اشخاص سے زیادہ رسولؐ اللہ سے قریب بھی وہی منصب خلافت کے لئے اولیٰ اور سب سے زیادہ حقدار تھی)۔

شیخ۔ اگرچہ آپ نے آزر اور تارخ کے مسئلے میں کامیابی کا راستہ نکال لیا ہے اور رسُولِؐ خدا کے آباؤ اجداد کی طہارت ثابت کردی ہے لیکن علی کرم اللہ وجہہ کے لئے اس قسم کا ثبوت ناممکن ہے کیونکہ (چاہے ہم اس کو تسلیم بھی کرلیں کہ عبد المطلب تک سب موحد تھے لیکن) علی کرم اللہ وجہہ کے باپ ابوطالب کے بارے میں ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ ثابت ہے کہ وہ کفر کی حالت میں دنیا سے اُٹھے۔

ایمان ابوطالبؑ میں اختلاف

خیر طلب۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ جناب ابوطالب کے بارے میں اُمّت کے اندر اختلاف پیدا کردیا گیا، لیکن کہنا چاہیئے کہ اللّٰھمّ العن اوّل ظالم ظلم حقّ محمّد وآل محمّد (یعنی خداوندا لعنت کر اُس پہلے ظالم پر جس نے محمّد و آل محمّد کے حق میں ظلم کیا) لعنت ہو خدا کی اُس شخص پر جس نے روزِ اوّل علی علیہ السّلام کو ایذا اور نقصان پہنچانے کے لئے سبّ و لعن اہانت اور جھوٹی حدیثیں گڑھنے کا وہ طریقہ ایجاد کیا جس پر ایسے مطالب کی بنیاد قائم ہوئی کہ بعد کو خوارج و نواصب جو حضرت سے مخصوص طور پر عداوت رکھتے تھے اور آپ کے چند تنگ نظر اور نافہم علماء اپنے اسلاف کی پیروی میں عداوت اور تعصّب کی بناء پر آپ کے اس قول کے قائل ہوگئے اور خیال قائم کرلیا کہ جناب ابوطالب بغیر ایمان کے دنیا سے اُٹھے۔

حالانکہ جمہور علمائے شیعہ اور تمامی اہل بیت طہارت و خاندان رسالت جن کے اقوال سند اور جن کا اجماع حجّت ہے کیونکہ عدیل قرآن ہیں، نیز آپ کے بیشتر محققین و انصاف پسند علماء جیسے ابن ابی الحدید، جلال الدین سیوطی، ابو القاسم بلخی، ابو جعفر اسکافی، فرقہ معتزلہ میں سے ان کے اساتذہ اور امیر سید علی ہمدانی فقیہ شافعی وغیرہ سب بالاتفاق جناب ابوطالب کے اسلام و ایمان کے قائل ہیں۔

ایمان ابوطالبؑ پر اجماع شیعہ

اور جماعت شیعہ کا تو اجماعی عقیدہ ہے کہ انّہ قد آمن بالنبی فی اوّل الامر (یعنی ابوطالب درحقیقت شروع ہی میں پیغمبرؐ پر ایمان لے آئے تھے

پھر سب سے بالاتر یہ کہ جناب ابوطالب کا ایمان دیگر بنی ہاشم یا آپ کے بھائی حمزہ اور عباس کے مانند کفر سے نہیں بلکہ

فطری تھا، اور اہل بیت طاہرین کے اتباع میں جماعت شیعہ کا مسلّمہ مسئلہ ہے کہ انہ لم یعبد صنما قط بل کان من اوصیاء ابراهیم (یعنی ابو طالب نے قطعاً کبھی کسی بُت کی پرستش نہیں کی بلکہ آپ حضرات ابراہیمؑ کے اوصیاء میں سے تھے)

اور آپ کے محقق علماء کی معتبر کتابوں میں اس مطلب کی طرف کثرت سے اشارے موجود ہیں۔ من جملہ اُن کے ابن اثیر نے جامع الاصول میں کہا ہے وما اسلم من اعمام النبی غیر حمزۃ والعباس وابی طالب عند اهل البیت علیهم السلام (یعنی اہل بیت علیہم السّلام کے نزدیک پیغمبرؐ کے اعمام میں سے صرف حمزہ، عباس اور ابوطالب ایمان لائے)

بدیہی چیز ہے کہ اہل بیت رسول علیہم السّلام کا اجماع ہر مسلمان کے نزدیک حجت ہونا چاہیئے کیونکہ حدیث ثقلین اور اُن دیگر احادیث کی بنا پر جن کو میں پچھلی راتوں میں پیش کر چکا ہوں اور جن سے باتفاق فریقین ثابت ہے کہ رسولؐ اللہ نے ان حضرات کے حق میں وصیتیں اور سفارشیں فرمائی ہیں، یہ ہستیاں عدیل قرآن اور ثقلین میں سے ایک ہیں اور ہم سب مسلمان اس پر مامور ہیں کہ ان کی گفتار و کردار سے تمسک رکھیں تاکہ گمراہ نہ ہوں۔

دوسرے یہ کہ قاعدۂ اهل البیت ادری بما فی البیت (یعنی گھر کی چیزوں سے گھر والے ہی زیادہ واقف ہوتے ہیں ۱۲ مترجم) کے مطابق یہ جلیل القدر خاندان جو تقویٰ و پرہیزگاری کا مجسمہ تھا اپنے آباؤ اجداد اور اعمام کے ایمان و کفر سے مغیرہ بن شعبہ، و دیگر بنی اُمیّہ، خوارج و نواصب اور بے خبر لوگوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ آگاہ تھا۔ واقعی تعجب تو ہوتا ہے آپ کے علماء پر کہ تمام اہل بیت رسالت اور امام المتقین حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کا قول تو قبول نہیں کرتے جن کی صداقت و راست گوئی کی تصدیق خود آپ ہی کی معتبر روایتوں کے مطابق خدا اور رسولؐ نے فرمائی ہے اور جو بالاتفاق یہی کہتے ہیں کہ جناب ابوطالب مومن و موحد دنیا سے اُٹھے، لیکن امیرالمومنین کے ایک جانی دشمن، فاسق و فاجر اور جانتے بوجھتے ہوئے آدمی مغیرہ ملعون اور چند اموی اور خارجی و ناصبی اشخاص کی بات ماننے کے لئے تیار ہیں بلکہ اُس پر اصرار اور مقابلہ بھی کرتے ہیں۔

ابن ابی الحدید معتزلی جو آپ کے بزرگ علماء میں سے ہیں شرح نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۳۱۲ میں کہتے ہیں کہ ابوطالب کے اسلام میں اختلاف ہے، جماعت شیعۂ امامیہ اور اکثر زیدیہ نے کہا ہے کہ وہ دنیا سے مسلمان اُٹھے علاوہ اجماع جمہور علمائے شیعہ کے ہمارے بعض شیوخ علماء بھی جیسے ابو القاسم بلخی اور ابو جعفر اسکافی وغیرہ بھی اسی عقیدے پر ہیں کہ ابوطالب اسلام لائے، لیکن اپنا ایمان ظاہر نہ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ پیغمبرؐ کی پوری امداد کر سکیں اور مخالفین ان کے لحاظ سے آنحضرتؐ کی مزاحمت نہ کر سکیں۔

حدیث ضحضاح اور اُس کا جواب

شیخ ۔ معلوم ہوتا ہے آپ نے حدیث ضحضاح نہیں دیکھی ہے جس میں ارشاد ہے ان اباطالب فی ضحضاح من نار (یعنی ابوطالب جہنّم کے پانی میں ہیں)

خیر طلب ۔ یہ حدیث بھی اُن دوسری موضوع اور جعلی حدیثوں کے مانند ہے جن کو زمانۂ بنی اُمیہ اور بالخصوص منافقین کے رئیس معاویہ ابن ابوسفیان کے دورِ خلافت میں آلِ محمدؐ اور اہل بیت طہارت علیہم السّلام کے چند دشمنوں نے خوشامد اور جذبۂ کفر و نفاق کے ماتحت تصنیف کیا تھا، اور بعد کو بنی اُمیہ اور اُن کے پیروؤں نے بھی علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کی عداوت میں ان گڑھی ہوئی حدیثوں کو تقویت دی اور مشہور کیا، انہوں نے اس کا موقع ہی نہیں دیا کہ جناب حمزہ و عباس کی طرح جناب ابوطالب کا ایمان بھی شہرت پا سکے، بلکہ اس کو قوم کی نگاہ سے بالکل اوجھل ہی کر دیا۔

حدیثِ ضحضاح کی مجہولیّت

عجیب تر چیز یہ ہے کہ حدیث ضحضاح کو وضع اور نقل کرنے والا بھی حضرت امیر المومنین علیہ السّلام کا فاسق و فاجر دشمن تنہا مغیرہ بن شعبہ ہی تھا جس کے لئے ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد سوم ص۱۵۹ تا ص۱۶۳ میں، مسعودی مروج الذہب میں اور دیگر علماء لکھتے ہیں کہ مغیرہ نے بصرہ میں زنا کی، لیکن جس روز خلیفہ عمر کے سامنے اس کے گواہ پیش ہوئے تو تین آدمیوں نے شہادت دی اور چوتھا شخص بیان دینے آیا تو اس کو ایسا جملہ سکھا دیا گیا کہ گواہی ٹوٹ گئی، چنانچہ اُن تینوں پر حد جاری کی گئی اور مغیرہ چھوڑ دیا گیا۔

ایک ایسے فاسق و فاجر زنا کار اور شرابی آدمی نے جس پر شرعی حد جاری ہونے والی تھی اور جو معاویہ ابن ابوسفیان کا جگری دوست تھا اس حدیث کو امیر المومنین علیہ السّلام کے بغض و عداوت اور معاویہ کی چاپلوسی میں گڑھا اور معاویہ اُن کے اتباع اور دیگر اموی افراد نے اس جعلی حدیث کو تقویت دی اور تصدیق کرنے لگے کہ ان اباطالب فی ضحضاح من نار (ترجمہ گزر چکا ہے)۔

نیز جو افراد اس کے سلسلۂ روایت میں داخل ہیں جیسے عبد الملک بن عمیر، عبد العزیز دراوردی اور ابوسفیان ثوری وغیرہ وہ بھی آپ کے اکابر علمائے جرح و تعدیل کے نزدیک جیسا کہ ذہبی نے میزان الاعتدال جلد دوم میں لکھا ہے ضعیف و مردود اور ناقابلِ قبول ہیں اور ان میں سے بعض مثلاً سفیان ثوری جعلسازوں اور سخت جھوٹے لوگوں میں شمار کئے گئے ہیں لہٰذا ایسی حدیث پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے جس کو ایسے مشہور و معروف ضعیف و کذّاب لوگوں نے نقل کیا ہو؟

ایمان ابوطالبؑ پر دلائل

حقیقت یہ ہے کہ جناب ابوطالب کے ایمان پر کثرت سے دلیلیں موجود ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور ایسے

واضح دلائل سے صرف وہی بے حس یا متعصّب اور ضدّی لوگ انکار کر سکتے ہیں جو حق کو قبول نہیں کرنا چاہتے۔

(۱) رسولِ اکرم کا ارشاد ہے کہ انا وکافل الیتیم کھاتین فی الجنۃ (یعنی داپنی دونوں انگلیاں ملاکر فرمایا) میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا ان دو انگلیوں کی طرح جنّت میں باہم ایک دوسرے کے ساتھ ہیں)

ابن ابی الحدید نے بھی اس حدیث کو شرح نہج البلاغہ جلد چہارم صفحہ ۳۱۲ میں نقل کیا ہے، اور لکھا ہے کہ بدیہی چیز ہے کہ ارشادِ رسولؐ سے ہر یتیم کی کفالت کرنے والا مراد نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اکثر یتیم کے کفیل فاسق وفاجر بلکہ گمراہ و بے دین اور جہنم کے مستحق ہوتے ہیں۔ پس آں حضرتؐ کی مراد اس سے جناب ابو طالب اور آپ کے جدّ بزرگوار جناب عبدالمطلب تھے جو پیغمبرؐ کے کفیل رہے اور خصوصیت کے ساتھ مکّہ معظّمہ میں آں حضرتؐ یتیم ابو طالب کے لقب سے مشہور تھے کیوں کہ وفات عبدالمطلب کے بعد آٹھ سال کے سن سے رسولؐ اللہ کی کفالت اور دیکھ بھال آپ ہی کے ذمّہ رہی۔

(۲) ایک مشہور حدیث ہے جس کو فریقین (شیعہ وسُنّی) نے مختلف طریقوں سے نقل کیا ہے، اور بعض نے اس طریقے سے روایت کی ہے کہ آں حضرت صلعم نے فرمایا، جبرئیل مجھ پر نازل ہوئے اور ان الفاظ میں مجھ کو بشارت دی کہ انّ اللہ حرّم علی النار صلبا انزلک وبطنا حملک وثدیا ارضعک وحجرا کفلک (یعنی قطعی طور پر اللہ نے آگ پر حرام کردیا ہے اُس پشت کو جس سے آپ کا نزول ہوا، اُس شکم کو جس نے آپ کو اُٹھایا، اُس پستان کو جس نے آپ کو دودھ پلایا اور اُس گود کو جس نے آپ کی کفالت کی)۔

میر سیّد علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ میں، شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودّۃ میں اور قاضی شوکانی نے حدیث قدسی میں اس طرح روایت کی ہے کہ رسُول اکرم نے فرمایا، جبرئیل مجھ پر نازل ہوئے اور کہا انّ اللہ یقرئک السلام ویقول انی حرمت النار علی صلب انزلک وبطن حملک وحجر کفلک (یعنی پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ یقیناً میں نے حرام کردی ہے آتش جہنّم اُس پشت پر جس نے آپ کو اُتارا، اُس شکم کو جس نے آپ کا بار اُٹھایا اور اس آغوش کو جس نے آپ کی کفالت کی)

(صاحب صلب سے جناب عبداللہ، صاحب شکم سے حضرت آمنہ اور صاحب آغوش سے جناب عبدالمطلب وابو طالب مُراد تھے)۔

اس قسم کے اخبار واحادیث پیغمبرؐ کے کفیل جناب عبدالمطلب، جناب ابوطالب اور ان کی زوجہ فاطمہ بنت اسد کے، نیز آں حضرت صلعم کے باپ اور ماں جناب عبداللہ اور آمنہ بنت وہب اور آں حضرتؐ کی دایہ حلیمہ سعدیہ کے ایمان پر پوری دلالت کرتے ہیں۔

مدح ابوطالبؑ میں ابن ابی الحدید کے اشعار

من جملہ ان دلائل کے وہ اشعار ہیں جو آپ کے بہت بڑے عالم عزالدین عبدالحمید ابن ابی الحدید معتزلی نے جناب ابوطالبؑ کی مدح میں نظم کئے ہیں اور شرح نہج البلاغہ جلد سوم صہ ۳۱۸ (مطبوعہ مصر) نیز دوسری کتابوں میں درج ہیں کہتے ہیں ؎

ولولا ابوطالب وابنہ　　لما مثّل الدین شخصا فقاما
فذاک بمکۃ اوی وحامی　　وھذا بیثرب جس الحماما
تکفل عبد مناف بامر　　واودی فکان علی تما ما
فقل فی ثبیر مضی بعد ما　　قضی ما قضاہ وابقی شما ما
فللہ ذا فاتحًا للھدی　　وللہ ذا للمعالی ختا ما
وما ضرّ مجد ابی طالب　　جھول لغا او بصیر تعا ما
کما لا یضرّ ایات الصباح　　من ظنّ ضوء النھار الظلا ما

(مطلب یہ کہ اگر ابوطالب اور اُن کے فرزند (علی بن ابی طالبؑ) نہ ہوتے تو دین اسلام کو کوئی امتیاز اور مضبوطی حاصل نہ ہوتی، ابوطالب نے مکّے میں آں حضرتؐ کو پایا اور حمایت کی اور علی علیہ السّلام نے مدینے میں آں حضرتؐ کے لئے جان نثار کی۔ عبدمناف (ابوطالب) (اپنے پدر بزرگوار عبدالمطلب کے) حکم سے آں حضرتؐ کی کفالت کرتے رہے اور علیؑ نے ان خدمات کی تکمیل کی۔

ابوطالب نے قضائے الٰہی سے وفات پائی تو اس سے کوئی کمی نہیں ہوئی کیوں کہ انہوں نے اپنی خوشبو (علی علیہ السّلام) کو یادگار چھوڑا۔ ابوطالب نے خدا کی راہ میں ہدایت پر چلنے کے لئے ان خدمتوں کی ابتدا کی اور علی علیہ السّلام نے اللہ کے لئے ان کو انتہا تک پہنچا کر بلندیاں حاصل کیں۔

ابوطالب کی بزرگی کو کسی نادان کی بکواس یا کسی بینا کی چشم پوشی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ جس طرح کوئی دن کی روشنی کو اندھیرا سمجھے تو اس سے آثارِ صبح کا کوئی نقصان نہیں ۱۲ مترجم عفی عنہ)

ابوطالبؑ کے اشعار اُن کے اسلام کی دلیل ہے

اسی طرح خود جناب ابوطالب نے آں حضرتؐ صلعم کی مدح میں جو اشعار نظم کئے ہیں وہ بھی ان کے ایمان کا کھلا ہوا ثبوت

ہیں، چنانچہ ان میں سے کچھ شعر ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد سوم ص۳۱۶ میں نقل کئے ہیں اور آپ کے بہت سے اکابر علماء جیسے شیخ ابو القاسم بلخی اور ابو جعفر اسکافی نے انہیں اشعار سے آپ کے ایمان پر استدلال کیا ہے، حق یہ ہے کہ ان جناب نے اپنے ایمان کو ان اشعار کی صورت میں بالکل ظاہر و ہویدا کردیا ہے، اُن کے قصیدۂ لامیہ کے چند شعر یہ ہیں۔

اعوذ برب البیت من کل طاعن	علینا بسوء او یلوح بباطل
ومن فاجر یغتابنا بمغیبة	ومن ملحق فی الدین مالم نحاول
کذبتم وبیت الله یبزی محمداً	ولما نطاعن دونه ونناضل
وننصره حتی نصرع دونه	ونذهل عن ابناءنا والحلائل
وابیض یستسقی الغمام بوجهه	ثمال الیتامی عصمة للارامل
یلوذ به الهلاک من آل هاشم	فهم عنده فی نعمة وفواضل
لعمری لقد کلفت وجداً باحمد	واحببته حب الحبیب المواصل
وجدت بنفسی دونه فحمیته	ودافعت عنه بالذرا والکواهل
فلازال للدنیا جمالا لاهلها	وشینا لمن عادی وزین المحافل
وایده رب العباد بنصره	واظهر دیناحقه غیر باطل

(یعنی پناہ چاہتا ہوں میں رب کعبہ کی طرف اُن لوگوں سے جو ہم پر بُرائی کے ساتھ طعن کرتے ہیں یا ہم کو باطل کے ساتھ نسبت دیتے ہیں۔ اور اُس بدکار سے جو ہماری غیبت اور بدگوئی کرتا ہے اور اس شخص سے جو دین میں ایسی باتیں شامل کرتا ہے جن سے ہم دور ہیں۔ قسم خانہ خدا کی تم نے جھوٹ کہا کہ ہم محمدؐ کا ساتھ چھوڑ دیں گے، حالانکہ ابھی ہم نے ان کے مخالف سے نیزہ و تیر کے ساتھ جنگ نہیں کی ہے۔ اور ہم اُن کی نصرت کریں گے یہاں تک کہ اُن کے دشمن کو پچھاڑ دیں اور ایسی جان نثاری کریں گے کہ اپنے بیوی بچّوں کو بھول جائیں گے۔ اُن کی نُورانیت ایسی ہے کہ اُن کے روئے روشن کے ذریعے بارانِ رحمت طلب کیا جاتا ہے، وہ یتیموں کے فریادرس اور بیوہ عورتوں کے پناہ دہندہ ہیں۔ بنی ہاشم کے بے بس افراد ان کے پاس پناہ لیتے ہیں اور ہر طرح کی نعمتوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ قسم اپنی جان کی مجھ کو احمدؐ سے والہانہ محبّت ہے اور میں ان کو ایک خالص دوست کی طرح محبوب رکھتا ہوں۔ میں نے اپنے نفس کو اس قابل پایا کہ اُن پر فدا ہو جاؤں پس میں نے اُن کی حمایت کی اور سر و گردن کے ذریعہ ان کی طرف سے دفاع کیا۔ خدا ان کو قائم رکھے کہ وہ اہلِ دُنیا کے لئے جمال، دشمنوں کے لئے مصیبت اور محفلوں کی زینت ہیں۔ پروردگارِ عالم اپنی نصرت سے اُن کی تائید کرے اور اُن کے دین کو ظاہر کرے جو برحق ہے اور اس میں باطل کی گنجائش نہیں)

آپ کے جو مخصوص اشعار ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد سوم ص۳۱۲ میں نیز اور لوگوں نے نقل کئے ہیں اور جن سے آپ کے ایمان پر استدلال کیا گیا ہے اُن میں سے قصیدہ میمیہ میں فرماتے ہیں۔

یرجون مناحظۃ دون نیلھا　　ضراب وطعن بالوشیج المقوّم

یرجون ان نسخی بقتل محمّد　　ولم تختضب سم العوالی من الدم

کذبتم وبیت اللہ حتّٰی تفلقوا　　جماجم یلقی بالحطیم وزمزم

وظلم نبیّ جاء ید عوالی الھدی　　وامرا تی من عند ذی العرش قیّم

(خلاصہ یہ کہ لوگ ہم سے دین اسلام کے خلاف نیزہ و شمشیر سے جنگ کرنے کی اُمید کرتے ہیں۔ وہ اُمید کرتے ہیں کہ ہم محمدؐ کو قتل کرکے اس کو منسوخ کر دیں، حالانکہ ابھی اُن کی نصرت میں چہرے خون سے رنگین نہیں ہوئے۔ خانۂ خدا کی قسم تم نے جھوٹ کہا، یہاں تک کہ تم مصیبت میں پڑ جاؤ اور حطیم و زمزم کٹے ہوئے سروں سے پٹ جائیں۔ اور اس نبی پر جو ہدایت خلق کے لئے مبعوث ہوا ہے اور اس کتاب پر جو مالک عرش نے نازل کی ہے ظلم ہو رہا ہے)، من جملہ ان واضح دلائل کے جن سے حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے اور اُن جناب کے ایمان کا کھلا ہوا ثبوت ملتا ہے۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد سوم ص۳۱۵ میں آپ کا یہ کلام نقل کیا ہے

یاشاھد اللہ علیّ فاشھد　　انی علی دین النّبی احمد

من ضلّ فی الدین فانی مھتد

(یعنی اے اللہ کی گواہی دینے والے گواہ رہو کہ میں یقیناً پیغمبرؐ خدا احمد کے دین پر ہوں۔ اگر کوئی دین میں گمراہ ہے تو میں ہدایت یافتہ ہوں)

حضرات! خدا کے لئے انصاف کیجئے، کیا ایسے اشعار کہنے والے کو کافر کہا جا سکتا ہے جو صاف صاف اقرار کر رہا ہے کہ میں محمد صلعم کے دین پر ہوں اور ایسے برحق پیغمبرؐ کی نصرت کرتا ہوں جس کے یہاں باطل کی کوئی گنجائش ہی نہیں؟ -

شیخ - یہ اشعار دو وجہوں سے قابل قبول و استدلال نہیں ہیں۔ اوّل یہ کہ ان میں کوئی تواتر نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی مقام پر یہ نہیں دیکھا گیا کہ ابوطالب نے اسلام و ایمان کا اقرار اور شہادتین کا اعتراف کیا ہو، لہٰذا چند شعر نقل کر دینے سے اُن پر اسلام کا حکم جاری نہیں کیا جا سکتا۔

خیر طلب - تواتر کے بارے میں آپ کا ایراد عجیب ہے، جہاں آپ کا دل چاہتا ہے وہاں تو خبر واحد کو حجّت سمجھتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں لیکن جہاں آپ کی مرضی کے خلاف ہو وہاں فوراً عدم تواتر کا حربہ استعمال کرنے لگتے ہیں۔

اگر آپ حضرات تھوڑا سا غور کر لیں تو بخوبی سمجھ میں آ جائے کہ یہ اشعار اگر فرداً فرداً متواتر نہ ہوں تب بھی یہ سب مجموعی طور پر اس ایک امر پر متواتر حیثیت سے دلالت کرتے ہیں کہ جناب ابوطالب باایمان اور خاتم الانبیاء کی نبوّت و رسالت کے معتقد تھے۔ اکثر امور ایسے ہیں جن کا تواتر اسی طریقے سے معین ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کی جنگیں اور غزوات میں آپ کی شجاعتیں اور حملے سبھی خبر واحد ہیں لیکن ان کے مجموعے سے معنوی تواتر پیدا ہو جاتا ہے جس سے حضرت کی بہادری کا

ضروری علم حاصل ہوتا ہے۔ اور حاتم کی سخاوت یا نوشیرواں کے عدل وغیرہ کی بھی یہی صورت ہے
علاوہ اس کے آپ جو تواتر کے اس قدر دل دادہ ہیں، یہ فرمایئے کہ گڑھی ہوئی حدیث ضحضاح کا تواتر کہاں سے ثابت کیجئے گا۔

آخری وقت ابوطالبؑ کا اقرار وحدانیت

رہا آپ کا دوسرا اشکال تو اس کا جواب بالکل ظاہر ہے، اس لئے کہ توحید و نبوت کا اقرار اور مبدأ و معاد کا اعتراف ضروری نہیں ہے کہ نثر ہی میں ہو، مثلاً کہے اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ، بلکہ اگر کوئی غیر شخص ایسے شعر کہے جو وحدانیت خدا اور رسالت خاتم الانبیاؐ کے اقرار و اعتراف کے قائم مقام ہوں تو قطعاً کافی ہے۔ پس جس وقت جناب ابو طالب نے فرمایا ؎

یا شاھد اللہ علی فاشھد انی علی دین النبی احمد

تو اس کا بھی وہی حکم ہوگا جو نثر میں اقرار کرنے کا ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ موت کے وقت نثر میں بھی اقرار کیا ہے، چنانچہ سید محمد رسولی برزنجی، حافظ ابو نعیم اور بیہقی نے نقل کیا ہے کہ ابو جہل اور عبداللہ ابن ابی امیہ وغیرہ سرداران قریش کی ایک جماعت مرض الموت میں جناب ابو طالب کی عیادت کے لئے گئی، اس موقع پر رسول اللہ نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا کہ کہیئے لا الٰہ الا اللہ تاکہ میں خدائے تعالیٰ کے سامنے اس پر گواہی دوں! فوراً ابو جہل اور ابن ابی امیہ نے کہا، اے ابو طالب! کیا عبدالمطلب کی ملت سے پلٹ جاؤ گے؟ اور بار بار ان الفاظ کو دہرایا، یہاں تک کہ آپ نے فرمایا، تم لوگ جان لو کہ ابو طالب عبدالمطلب ہی کی ملت پر ہے، چنانچہ وہ لوگ خوش خوش چلے گئے، ادھر آں جناب پر موت کے آثار طاری ہوئے تو اُن کے بھائی عباس نے (جو سرہانے بیٹھے ہوئے تھے) دیکھا کہ آپ کے ہونٹ جنبش کر رہے ہیں، کان قریب لے گئے تو سنا کہ کہہ رہے ہیں لا الٰہ الا اللہ عباس نے رسول اللہ کی طرف رُخ کر کے عرض کیا کہ اے بھتیجے واللہ لقد قال اخی الکلمۃ التی امرتہ بھا خدا کی قسم میرے بھائی (ابو طالب) نے وہی بات کہی ہے جس کا تم نے حکم دیا تھا۔ لیکن چونکہ اس وقت تک عباس اسلام نہیں لائے تھے۔ لہٰذا کلمۂ شہادت کو خود اپنی زبان پر جاری نہیں کیا۔ انتہیٰ۔

جب کہ ہم اس سے قبل ثابت کر چکے ہیں کہ پیغمبرؐ کے آباؤ اجداد سب کے سب موحد و مومن تھے تو آپ کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ابو طالب نے مصلحتاً یہ حیلہ فرمایا تھا کہ میں عبدالمطلب کی ملت پر ہوں، کیونکہ بظاہر تو اُن لوگوں کو خوش اور مطمئن کر دیا لیکن بباطن توحید کا اقرار بھی کیا، اس لئے کہ جناب عبدالمطلب ملت ابراہیم پر اور موحد تھے، مزید برآں یہ کہ صریحی طور پر کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ بھی زبان پر جاری کیا۔ اگر آپ حضرات تھوڑی دیر کے لئے اپنی عادت سے ہٹ کے جناب ابو طالب کے تاریخی

حالات کا انصاف سے مطالعہ کرلیں تو بے ساختہ اُن کے ایمان کی تصدیق کریں گے۔

ابتدائے بعثت میں ابُوطالبؑ سے پیغمبرؐ کی گفتگو

اگر جناب ابو طالب کافر و مشرک اور بُت پرست تھے تو پہلے ہی روز جب پیغمبرؐ مبعوث برسالت ہوئے اور اپنے چچا عباس کے ہمراہ ابو طالب کے پاس جا کر فرمایا ان اللہ قد امرنی باظہار امری وقد انبأنی واستنبأنی فما عندک یا عمّ (یعنی بہ تحقیق اللہ نے مجھ کو اپنا امر ظاہر کرنے کا حکم دیا ہے اور قطعی طور پر مجھ کو اپنا نبی بنایا ہے، پس آپ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے)؟

تو قریش کے سردار، بنی ہاشم کے رئیس اہل مکّہ کے نزدیک مقبول القول اور پیغمبرؐ کے کفیل زندگی ہونے کے بعد یہ دیکھتے ہوئے کہ آں حضرتؐ ہمارے دین کے خلاف ایک نیا دین پیش کر رہے ہیں قاعدے کے موافق (اور اس تعصّب کے پیش نظر جو اہل عرب اپنے دین میں رکھتے تھے) چاہیئے تو یہ تھا کہ فوراً مخالفت پر آمادہ ہو جاتے اور آں حضرتؐ کو سختی کے ساتھ اس اقدام سے روکنے کی کوشش کرتے اور اگر اس طرح کام نہ چلتا تو چونکہ اُن کے عقیدے کے برخلاف نبوّت کا دعویٰ کر کے مدد مانگنے آئے تھے۔ لہٰذا آں حضرتؐ کو نظر بند کر دیتے یا کم از کم اپنے پاس سے نکال ہی دیتے اور نصرت و حمایت کا وعدہ نہ کرتے تاکہ اس عظیم ارادے سے باز رہیں، جس سے اپنا مذہب بھی محفوظ رہے اور اپنے ہم مشرب لوگ ممنون احسان بھی ہو جائیں۔ جس طرح آزر نے اپنے بھتیجے حضرت ابراہیم کو جھڑکا اور دھتکارا تھا۔

بعثت ابراہیمؑ اور آزر سے آپ کی گفتگو

چنانچہ سورہ ۱۹ (مریم) کی آیت ۴۴ میں خدائے تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کی بعثت کا تذکرہ فرماتا ہے کہ جب آپ رسالت پر مبعوث ہوئے تو اپنے چچا آزر کے پاس گئے اور کہا انی قد جاءنی من العلم ما لم یاتک فاتبعنی اھدک صراطاً سویا قال اراغب انت عن الٰھتی لئن لم تنتہ لارجمنک واھجرنی ملیا (یعنی یقیناً میرے پاس (وحی کے ذریعہ) وہ علم آیا ہے جو تمہارے پاس نہیں آیا، پس تم میری پیروی کرو تاکہ میں تم کو راہ راست کی ہدایت کروں آزر نے جواب میں کہا، کیا تم میرے خداؤں سے منحرف ہو گئے ہو؟ اگر تم اپنے عقیدے سے دست بردار نہ ہوگے تو میں تم کو سنگسار کر دوں گا، اور تم میرے پاس سے عرصۂ دراز کے لئے دور ہو جاؤ)

لیکن اس کے برعکس جب حضرت خاتم الانبیاء نے جناب ابو طالب سے اعانت طلب کی تو آپ نے کہا:۔

اجرج ابن اخی فانک الرفیع کعبا والمنیع حزبا والاعلیٰ ابًا واللہ لایسلقک لسان الا سلقتہ السن حداد واجتذ بتہ سیوف حداد واللہ لتذلّن لک العرب ذلّ البھم لحاضنھا۔

(یعنی اے میرے بھتیجے خروج کرو کیونکہ تم یقیناً مرتبے میں بلند قبیلے اور گروہ کے لحاظ سے مضبوط اور نسل کے اعتبار سے سب سے بزرگ و برتر ہو۔ قسم خدا کی جو زبان تم کو سخت و سست کہے گی میں تیز و تند زبانوں اور تیز دھار والی تلواروں سے اُس کا جواب دُوں گا۔ قسم خدا کی سارا عرب تمہارے سامنے اس طرح گھٹنے ٹیک دے گا۔ جس طرح جانور اپنے مالک کے آگے ذلیل رہتے ہیں)۔

اس کے بعد مندرجہ ذیل اشعار سے جن کو ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد سوم ص۳۱۲ (مطبوعہ مصر) میں اور سبط ابن جوزی نے تذکرہ ص۵ میں درج کیا ہے۔ پیغمبرؐ کو خطاب کیا۔

واللہ لن یصلوا الیک بجمعھم ۔۔۔ حتی اوسّد فی التراب دفینا

فانفذ لامرک ما علیک مخافۃ ۔۔۔ وابشر وقرّ بذاک منہ عیونا

ودعوتنی وزعمت انک ناصحی ۔۔۔ ولقد صدقت وکنت قبل امینا

وعرضت دینا قد علمت باللہ ۔۔۔ من خیر ادیان البریہ دینا

لولا الملامۃ اوحذاری سبّۃ ۔۔۔ لوجدتنی سمحا بذاک مبینا

(یعنی قسم خدا کی وہ لوگ اپنی جماعت کے ساتھ تم تک نہیں پہنچ سکتے، یہاں تک کہ میں اُن کو قبروں کے اندر سُلا دوں پس تم بےخوف ہو کر اپنا فرض ادا کرو، میں تم کو کامیابی کی خوشخبری دیتا ہوں، تم اس کے ذریعے آنکھوں میں خنکی پیدا کرو۔ تم نے مجھ کو اپنے دین کی طرف دعوت دی اور میں یقین کرتا ہوں کہ تم نے مجھ کو صحیح راستے کی ہدایت کی، تم یقیناً سچے اور ہمیشہ سے امانت دار ہو۔ تم نے ایسا دین پیش کیا ہے جس کے لئے مجھ کو معلوم ہے کہ دنیا کے تمام ادیان سے بہتر ہے۔ اگر مجھ کو ملامت اور بدگوئی کا خوف نہ ہوتا تو تم مجھ کو با علان اس کا ہمنوا پاتے)۔

خلاصہ یہ کہ پیغمبرؐ سے ناراض ہونے اور آں حضرتؐ کو اس ارادے سے باز رکھنے یا قتل و اسیری اور گھر سے نکال دینے کی دھمکی دینے کے عوض اس قسم کے ہمّت بڑھانے والے اشعار اور ہمدردانہ گفتگو سے آپ کی حوصلہ افزائی اور ترغیب کی کہ کھلم کھلا اپنا فرض ادا کرو تمہارے لئے کسی ذلّت و رسوائی یا نقصان کا خوف نہیں ہے۔ تم اپنے عقیدے کا اعلان کرو تاکہ اس سے لوگوں کی آنکھیں روشن ہوں۔ تم نے مجھ کو دعوت دی ہے اور میں بھی جانتا ہوں کہ تم ہادی برحق اور سچے ہو، اور جس طرح پہلے سے امانتدار ہو اس دعویٰ میں بھی صادق ہو۔ میں نے اچھی طرح سے سمجھ لیا ہے کہ درحقیقت یہ دین تمہارے ادیانِ عالم سے بہتر ہے۔

جس قدر میں نے پیش کیا ہے اس کے علاوہ ایسے اشعار بہت ہیں جن کو اس موضوع پر ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد سوم میں، نیز دوسرے علماء نے نقل کیا ہے لیکن اُن سب کو پیش کرنے کا وقت نہیں ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ نمونے کے لئے

اسی قدر کافی ہوگا۔

اب آپ حضرات خدا کو حاضر و ناظر جان کر انصاف سے بتایئے کہ ایسے جملے اور اشعار کہنے والے کو مشرک اور کافر کہا جائے گا یا مومن و موحّد اور سچّا خدا پرست مانا جائے گا؟

چنانچہ آپ کے بڑے بڑے علماء نے بھی اس حقیقت کی بے ساختہ تصدیق کی ہے۔

ینابیع المودت شیخ سلیمان بلخی حنفی باب ۵۲ کو ملاحظہ فرمایئے جس میں ابوعثمان عمرو بن بحر جاحظ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے جناب ابوطالب کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا ہے وحامی النّبی ومعینہ ومحبّہ اشدّ حبّا وکفیلہ ومربیہ والمقر بنبوّتہ والمعترف برسالتہ والمنشد فی مناقبہ ابیاتا کثیرۃ وشیخ قریش ابوطالب (یعنی ابوطالب پیغمبرؐ کے حامی، مددگار، انتہائی چاہنے والے، کفیل زندگی، مربّی، آں حضرتؐ کی نبوّت کا اقرار کرنے والے، رسالت کے معترف، آں حضرتؐ کی مدح و ثنا میں کثرت سے اشعار کہنے والے اور قریش کے رئیس و بزرگ تھے)

تھوڑے سے غور و تامّل کے بعد ہر مصنف مزاج عقلمند اور غیر جانب دار انسان جناب ابوطالب کے ایمان کی گواہی دیگا۔ البتہ جو بنی اُمیہ اپنے خلیفہ معاویہ کے حسب الحکم اسّی سال تک سید الموحدین حضرت امیرالمومنین اور پیغمبرؐ کے دونوں جان سے زیادہ عزیز نواسوں حسن و حسین علیہم السّلام پر لعنت اور سبّ و شتم کے لئے لوگوں کو آمادہ اور مجبور کرتے رہے اور حضرت کی مدّت میں اس کثرت سے روایتیں وضع کیں قطعی طور پر انہیں نے یہ روایتیں بھی گڑھیں کہ حضرت کے پدر بزرگوار دنیا سے کافر اٹھے اور اہل جہنم سے ہیں تاکہ جس طرح ہر پہلو سے امیرالمومنینؑ کے قلب کو اذیتیں پہنچائیں اسی طرح اس رُخ سے بھی حضرت کو رنج و تکلیف میں مبتلا کریں۔ چنانچہ اس جعلی حدیث کا راوی بھی مغیرہ بن شعبہ ملعون ہے جو حضرت علی علیہ السّلام کا دشمن اور معاویہ کا جگری دوست تھا۔ ورنہ جناب ابوطالب کا ایمان فریقین کے صاحبان عقل کے نزدیک اظہر من الشمس ہے، اور صرف خوارج و نواصب اور ان دونوں گمراہ فرقوں کے بچے کھچے افراد ہی اب تک ہر دور اور ہر زمانے میں جناب ابوطالب کے کفر کا عقیدہ پھیلانے اور اس پر زور دیتے رہے جس کو بے خبر اور سادہ لوح لوگوں نے بربنائے عادت صحیح سمجھ لیا سب سے زیادہ تعجّب خیز اور افسوس ناک تو بات یہ ہے کہ ابوسفیان، معاویہ اور یزید لعنت اللہ علیہم کو تو مومن و مسلمان بلکہ خلیفہ رسول سمجھ لیا حالانکہ ان کے کفر پر بیشمار واضح دلائل موجود ہیں لیکن جناب ابوطالب کو آپ کے ایمان پر ایسی کھلی ہوئی دلیلوں کے باوجود کافر و مشرک کہتے ہیں۔

شیخ ۔ آیا یہ مناسب ہے کہ آپ خال المومنین معاویہ بن ابی سفیان کو کافر کہیں اور ہمیشہ ان پر لعنت کریں آخر معاویہ بن ابی سفیان و یزید رضی اللہ عنہما کے کفر و لعن پر آپ کے پاس دلیل کیا ہے جبکہ یہ دونوں ہی بزرگ خلفاء میں سے ہیں اور بالخصوص معاویہ رضی اللہ عنہ تو خال المومنین اور کاتب وحی بھی تھے؟

خیر طلب ۔ پہلے آپ یہ فرمایئے کہ معاویہ خال مومنین کس صورت سے ہیں؟

شیخ ۔ ظاہر ہے کہ معاویہ کی بہن اُمّ حبیبہ چونکہ رسولؐ اللہ کی زوجہ اور ام المومنین تھیں لہٰذا قطعاً ان کے بھائی معاویہ رضی اللہ عنہ بھی خال المومنین ہوئے۔

خیر طلب ۔ یہ فرمائیے کہ اُمّ المومنین عائشہ کا مرتبہ زیادہ بلند تھا یا ام حبیبہ خواہر معاویہ کا ؟

شیخ ۔ اگرچہ دونوں اُمّ المومنین تھیں لیکن عائشہ کا مقام و مرتبہ یقیناً سب سے بالاتر تھا ۔

محمدؓ ابن ابی بکر علیؑ کے پیرو تھے اس لئے خال المومنین نہیں کہلائے

خیر طلب ۔ آپ کے اس قاعدے سے تو ازواج رسولؐ کے سبھی بھائی خال المومنین ہیں پھر آپ محمد ابن ابوبکر کو خال المومنین کیوں نہیں کہتے ؟ حالانکہ آپ کے نزدیک ان کے باپ معاویہ کے باپ سے بالاتر اور ان کی بہن بھی معاویہ کی بہن سے جلیل القدر ہیں معلوم ہوا کہ معاویہ کا خال المومنین ہونا کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور اس میں اُن کے لئے کوئی شرف بھی نہیں ہے ورنہ صفیہ زوجۂ رسولؐ کے باپ حیّ ابن اخطب یہودی کو بھی صاحب شرف ہونا چاہیے ۔

آپ قطعی طور پر سمجھ لیجئے کہ اُمّ المومنین اور خال المومنین ہونے کا کوئی لحاظ نہیں ہے بلکہ درحقیقت خاندانِ رسولؐ اور عترت و اہل بیت رسالت کی ضد اور مخالفت منظور رہی ۔ چونکہ معاویہ نے عترت رسولؐ سے جنگ کی، امام الموحدین حضرت امیر المومنین اور پیغمبرؐ کے دونوں نواسوں یعنی سرداران جوانان اہل جنّت حسن و حسین علیہم السّلام پر لعنت اور سبّ و شتم کرنے کا حکم دیا ۔ اور فرزند رسولؐ امام حسن مجتبیٰ نیز دوسرے پاکباز صحابہ اور شیعوں کا قتل عام کیا لہٰذا خال المومنین ہو گئے (چنانچہ ابو الفرج اصفہانی نے مقاتل الطالبین میں، ابن عبد البر نے استیعاب میں، مسعودی نے اثبات الوصیّۃ میں اور دوسرے علماء نے نقل کیا ہے کہ اسماء جعدہ نے معاویہ کے حکم اور وعدے پر حضرت ابو محمد حسن ابن علی علیہما السّلام کو زہر دیا ۔ یہاں تک کہ ابن عبد البر اور محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے کہ جس وقت ان بزرگوار کی خبر وفات معاویہ کو ملی تو انہوں نے تکبیر کہی اور اُن کے سارے حاشیہ نشینوں نے بھی جوشِ مسرت میں تکبیر کہی) یقیناً ایسے ہی ملعون کو آپ کے نزدیک خال المومنین ہونا چاہیئے ۔

لیکن جناب محمد ابن ابوبکر چونکہ حضرت امیر المومنین کے پروردہ اور اہل بیت طاہرینؑ کے مخلص شیعوں میں سے تھے جیسا کہ اس جلیل القدر خاندان سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

یا بنی الزہراء انتم عدتی — وبکم فی الحشر میزانی رجح
واذا صحّ ولائی بکم — لا اُبالی ایّ کلب قد نبح

(یعنی اے اولاد فاطمہؑ تم میرے لئے جائے پناہ اور سرپرست ہو اور تمہارے ہی وسیلے سے قیامت کے روز میرے میزانِ عمل کا پلہ بھاری ہو گا ۔ جب میری محبت تمہارے لئے خالص ہو گئی تو میں اس کی پروا نہیں کرتا کہ کوئی میرے گرد بھونکتا رہے)

لہٰذا باوجودیکہ خلیفۂ اول ابوبکر کے فرزند اور اُمّ المومنین عائشہ کے بھائی تھے پھر بھی خال المومنین نہ کہے جائیں بلکہ ان پر سبّ و لعن کی جائے اور باپ کی وراثت سے بھی محروم کر دیئے جائیں ؟ ۔

یہاں تک کہ جس وقت عمرو بن عاص اور معاویہ بن خدیج نے مصر کو فتح کیا تو جناب محمدؐ ابن ابوبکر پر پانی بند کردیا اور سخت پیاس کے عالم میں ان کو قتل کیا، پھر ایک مرے ہوئے گدھے کے پیٹ میں رکھ کے آگ سے جلادیا۔ جب معاویہ کو اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے انتہائی مسرّت اور شادمانی کا اظہار کیا۔

آپ ان واقعات کو سُن کر توقطعی متاثر نہیں ہوتے کہ ان ملاعین نے خلیفہ ابوبکر کے بیٹے خال المومنین جناب محمدؐ کے ساتھ کیوں ایسا سلوک کیا اور ان کو اس ذلّت وخواری کے ساتھ کیوں شہید کیا۔ لیکن معاویہ پر لعن کی جائے تو ناراض ہوجاتے ہیں اگر خال المومنین کا احترام کیوں نہیں کیا جاتا ؟

پس آپ کو تصدیق کرنا چاہیئے کہ جنگ دراصل عترتِ رسول سے تھی اور ہے۔

محمد ابن ابوبکر چونکہ اہلِ بیتؑ کے دوستوں میں سے تھے لہٰذا نہ آپ اُن کو خال المومنین کہتے ہیں نہ ان کے قتل سے رنجیدہ ہوتے ہیں اور معاویہ چونکہ عترت واہل بیت رسولؐ کے پکّے دشمن تھے اور ان حضرات پر علانیہ لعنت کرتے تھے لہٰذا ان کو خال المومنین بھی کہتے ہیں اور ان کی طرف داری بھی کرتے ہیں۔ خدا کی پناہ اس تعصّب وعناد اور ہٹ دھرمی سے۔

معاویہ وحی کے نہیں بلکہ خطوط کے کاتب تھے

دُوسرے معاویہ کاتب وحی بھی نہیں تھے کیوں کہ یہ ہجرت کے دسویں سال اسلام لائے ہیں جب کہ وحی کے سلسلے میں کوئی چیز باقی ہی نہیں رہ گئی تھی، بلکہ کاتب مراسلات تھے۔ چونکہ انہوں نے رسول اللہ کو بہت اذیتیں پہنچائی تھیں اور آں حضرتؐ کی بدگوئیاں کی تھیں، نیز ۸ھ ہجری میں فتح مکّہ کے موقع پر جب ابوسفیان نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے اپنے باپ کو بہت سے خطوط لکھے تھے جن میں توبیخ وسرزنش کی تھی کہ تم کیوں مسلمان ہوئے ؟ لہٰذا جس وقت جزیرۂ عرب میں اور اس سے باہر اسلام کی عام اشاعت کے اثر سے خود بھی مسلمان ہونے پر مجبور ہوئے تو مسلمانوں کے درمیان ان کی کوئی وقعت نہیں تھی۔ پیغمبرؐ کے چچا جناب عباس نے آں حضرتؐ سے درخواست کی کہ معاویہ کو بھی کوئی امتیاز دے دیجئے تاکہ سب کی اور خجالت سے نجات پاجائے آں حضرتؐ نے اپنے چچا کی رعایت سے اُن کو مراسلات کا کاتب مقرر کردیا۔ چنانچہ مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے کہ ان معاویہ یکتب بین یدی النبی صلّی اللہ علیہ و آلہ یعنی معاویہ پیغمبرؐ کے سامنے کتابت کیا کرتے تھے۔ اور مدائنی کہتے ہیں۔ کان زید بن ثابت یکتب الوحی وکان معاویۃ یکتب للنّبی صلّی اللہ علیہ وآلہ فیما بینہ وبین العرب۔ یعنی زید بن ثابت وحی لکھتے تھے اور معاویہ آں حضرتؐ اور عرب کے درمیان خط وکتابت کا کام کرتے تھے۔

معاویہ کے کفر و لعن پر دلائل

تیسرے ان کے کفر اور ان پر لعنت کے ثبوت میں آیات و اخبار اور ان لوگوں کے حرکات سے بکثرت دلیلیں قائم ہیں۔

شیخ ۔ اخبار و آیات کے دلائل سننے کے قابل ہیں۔ التماس ہے کہ ان کو بیان کیجئے تاکہ یہ معمہ حل ہو۔

خیر طلب ۔ آپ تعجب نہ کریں، اس میں کوئی معما نہیں ہے بلکہ اتنی کثرت سے دلیلیں موجود ہیں کہ اگر سب کو نقل کروں تو ایک مستقل کتاب بن جائے لیکن یہاں وقت کے لحاظ سے بعض کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔

معاویہ و یزید کی لعن پر آیات و اخبار کی دلالت

(۱) سورہ ۱۷ (بنی اسرائیل) آیت ۶۲ میں ارشاد ہے وما جعلنا الرؤیا التی اریناک الا فتنۃ للناس والشجرۃ الملعونۃ فی القرآن ونخوفہم فما یزیدہم الا طغیانا کبیرا۔ آپ کے علمائے مفسرین جیسے امام ثعلبی اور امام فخر الدین رازی وغیرہ نے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے عالم خواب میں دیکھا کہ بنی امیہ بندروں کے مانند آں حضرتؐ کے منبر پر چڑھ اتر رہے ہیں اس کے بعد جبرئیل یہ آیت لائے کہ جو کچھ ہم نے تم کو خواب میں دکھایا ہے وہ لوگوں کے لئے فتنہ اور امتحان ہے اور وہ درخت ہے جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے (یعنی شجرۂ نسل بنی امیہ) اور ہم ان کو ان آیات عظیم کے ذریعے خدا سے ڈراتے ہیں لیکن اس سے ان کے سوائے کفر اور سخت سرکشی کے اور کسی چیز کا اضافہ نہیں ہوتا۔ پس جب خدائے تعالیٰ نے نسل بنی امیہ کو جن کے راس و رئیس ابوسفیان اور معاویہ تھے قرآن میں شجرۂ ملعونہ یعنی لعنت کیا ہوا درخت فرمایا ہے تو معاویہ بھی جو اسی درخت کی ایک مضبوط شاخ ہیں قطعاً ملعون ہوئے۔

(۲) سورہ ۴۷ (محمدؐ) آیت ۲۲ و ۲۳ میں فرماتا ہے فھل عسیتم ان تولیتم ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم۔ اولئک الذین لعنہم اللہ فاصمہم واعمی ابصارہم (یعنی اے منافقین کیا عنقریب اگر تم حاکم بن جاؤ تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور اپنے قرابت کے رشتے قطع کرو گے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے پس (گویا) ان کے کانوں کو بہرا اور آنکھوں کو اندھا بنا دیا ہے)

اس آیت میں زمین پر فساد پھیلانے والوں اور قطع رحم کرنے والوں پر کھلی ہوئی لعنت کی گئی ہے اور معاویہ سے زیادہ مفسد کون ہوگا جن کا فساد ان کے دور خلافت میں زبان زد خاص و عام تھا۔ اس کے علاوہ قاطع ارحام بھی تھے جو ان پر ثبوت لعن کے

ثبوت میں ایک دُوسری دلیل ہے ۔

(۳) سورۂ ۳۳ (احزاب) آیت ۵۷ میں ارشاد فرمایا ہے ۔ ان الذین یؤذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعدّلھم عذابا مھینا (یعنی جو لوگ خدا و رسُول کو اذیت پہنچاتے ہیں یقیناً اللہ نے اُن پر دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے اور اُن کے لئے ذلیل و خوار کرنے والا عذاب مہیّا کر رکھا ہے) بدیہی چیز ہے کہ امیرالمومنین اور دونوں ریحانۂ رسول حسن و حسین علیہم السلام نیز عمار یاسر وغیرہ کے ایسے رسول اللہ کے خاص صحابہ کو رنج و اذیت پہنچانا دراصل آں حضرتؐ کو رنج و اذیت پہنچانا ہے اور معاویہ نے چونکہ ان مقدس ہستیوں کو رنج و آزار پہنچایا ہے لہٰذا بصراحت آیت دنیا و آخرت میں ملعون ہوئے ۔

(۴) سورہ ۴۰ (مومن) آیت ۵۵ میں فرمایا ہے ۔ یوم لا ینفع الظالمین معذرتھم ولھم اللعنۃ ولھم سوء الدار (یعنی اُس روز ظالموں کو ان کی معذرت اور پشیمانی کوئی فائدہ نہ دے گی ، اُن کے لئے لعنت اور بُری قیام گاہ موجود ہے)

(۵) سورہ ۱۱ (ہود) آیت ۲۱ میں اعلان ہے الا لعنۃ اللہ علی الظالمین (یعنی جان لو کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہے ۔

(۶) سورۂ ۷ (اعراف) آیت ۴۲ میں ارشاد ہے فاذّن مؤذّن بینھم ان لعنۃ اللہ علی الظالمین ۔ (یعنی اُن کے درمیان ایک منادی نے ندا کی کہ ظالموں پر خدا کی لعنت ہو) اور اسی طرح کی دوسری آیتوں میں بھی جو ظالمین کے بارے میں نازل ہوئی ہیں صاف صاف بتایا گیا ہے کہ ہر ظالم ملعون ہے ۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی اپنا یا غیر معاویہ کے کھلے ہوئے مظالم سے انکار کرے گا ۔ پس اسی دلیل سے کہ وہ ظالم تھے لعنت خداوندی کے مستحق قرار پائے اور ایسے صریحی نصوص کی موجودگی میں ہم بھی اس شخص پر لعن کر سکتے ہیں جو خدا کے نزدیک ملعون ہو ۔

(۷) سورہ ۴ (نساء) آیت ۹۵ میں فرما رہا ہے ۔ ومن یقتل مؤمنا متعمّدا فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا وغضب اللہ علیہ ولعنہ واعدّ لہ عذابا عظیما (یعنی جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کر دے تو اُس کا عوض جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ معذب رہے گا ۔ خدا اس پر غضب ناک ہے اور اُس پر لعنت کرتا ہے اور اُس کے لئے زبردست عذاب مہیّا کر رکھا ہے)

معاویہ کے حکم سے خاص خاص مومنین کا قتل

یہ آیۂ شریفہ واضح کر رہی ہے کہ جو شخص کسی ایک مومن کو بھی عمداً قتل کر دے وہ خدا کا ملعون ہے اور اس کی قیام گاہ جہنّم ہے اب آپ حضرات انصاف سے بتائیے کہ آیا معاویہ عام اور خاص مومنین کے قتل میں شریک نہیں تھے ؟ آیا حجر ابن عدی اور اُن کے سات اصحاب کو انہوں نے اپنے حکم سے عمداً قتل نہیں کرایا ؟ اور خصوصیّت کے ساتھ کیا عبدالرحمٰن ابن حسّان عنزی کو زندہ درگور نہیں کرایا ؟ چنانچہ ابن عساکر اور یعقوب بن سفیان نے اپنی تاریخوں میں ، بیہقی نے دلائل میں ، ابن عبدالبر نے

دستیعاب میں اور ابن اثیر نے کامل میں نقل کیا ہے کہ حجرابن عدی کبار و بزرگان صحابہ میں سے تھے جن کو معاویہ نے مع ان کے سات آدمیوں کے بہت سختی کے ساتھ محض اس خطا پر قتل کرایا کہ انہوں نے علی علیہ السلام پر لعن اور آپ سے تبرّا کیوں نہیں کیا۔ آیا امام حسن ابن علی ابن ابی طالب علیہما السلام رسولؐ اللہ کے بڑے نواسے، اصحاب کساء کی ایک فرد، جوانان اہل جنت کے دو سرداروں میں سے ایک اور اکابر مومنین میں سے نہیں تھے جن کے لئے برابر روایت مسعودی و ابن عبدالبر و ابوالفرج اصفہانی و طبقات محمد بن سعد و تذکرہ سبط ابن جوزی وغیرہ اکابر علمائے اہل سنت، معاویہ نے اسماء جعدہ کے پاس ایک زہر بھیجا اور وعدہ کیا کہ اگر تم حسن ابن علی کو مار ڈالوگی تو تم کو ایک لاکھ درہم دوں گا اور اپنے بیٹے یزید کے ساتھ عقد کروں گا؟ (چنانچہ شہادت امام حسن علیہ السلام کے بعد ایک لاکھ درہم تو دے دیئے لیکن یزید کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کر دیا) آیا قتل مومن کے علاوہ رسولؐ اللہ کے پارۂ جگر حضرت امام حسن علیہ السلام کو شہید کرنے سے آں حضرتؐ کو اذیت نہیں پہنچی؟ اور مذکورہ بالا دونوں آیتوں کے بعد بھی آپ کو ملعون ہونے میں تامل ہے؟ آیا صفین میں رسولِ خدا کے بزرگ صحابی عمار یاسر کی شہادت معاویہ کے حکم سے نہیں ہوئی؟ اور کیا با تفاق اکابر علمائے اہل سنت رسولؐ اللہ نے عمار یاسر سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ستقتلك الفئة الباغية یعنی عنقریب تم کو ایک باغی اور گمراہ گروہ قتل کرے گا؟

آیا آپ کو اس میں کوئی شک ہے کہ معاویہ کے حکم اور عمّال معاویہ کے ہاتھوں سے اتنے بزرگان مومنین قتل ہوئے کہ ان کی تعداد کئی ہزار تک پہنچتی ہے؟ آیا مومن پاک نفس اور بہت بڑے مرد مجاہد مالک اشتر کو معاویہ کے حکم سے زہر نہیں دیا گیا؟ آیا معاویہ کے خاص کارندے عمرو بن عاص اور معاویہ بن خدیج نے مصر میں امیرالمومنینؑ کے گورنر اور صالح و کامل مومن محمد ابن ابوبکر کو ظلم سے شہید نہیں کیا، یہاں تک کہ بعد کو مردہ گدھے کے پیٹ میں رکھ کے آگ سے جلایا بھی؟ اگر میں چاہوں کہ جس قدر مومنین کو معاویہ اور اُن کے عمال نے قتل کرایا ہے سب کی تفصیل بیان کروں تو ایک رات نہیں بلکہ کئی راتیں درکار ہوں گی۔

معاویہ کے حکم سے بُسر بن ارطاۃ کے ہاتھوں تیس ہزار مومنین کا قتل

اُن کا ایک بدترین عمل مومنین اور شیعیان علی کا وہ قتل عام ہے جو معاویہ کے حکم سے خونخوار وسفاک بُسر ابن ارطاۃ نے کیا۔ چنانچہ ابوالفرج اصفہانی و علامہ سمہودی نے تاریخ المدینہ میں، ابن خلکان، ابن عساکر اور طبری نے اپنی تاریخوں میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد اوّل میں اور آپ کے دوسرے اکابر علماء نے لکھا ہے کہ معاویہ نے بُسر کو حکم دیا کہ اپنا لشکر لے کر مدینے اور مکے سے صنعاء اور یمن کی طرف دھاوا کرو اور اسی طرح کا حکم ضحاک بن قیس فہری وغیرہ کو بھی دیا تھا جس کو ابوالفرج نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ۔

فیقتلوا کل من وجدہ من شیعۃ علی ابن ابی طالب و اصحابہ ولا یکفوا ایدیہم عن النساء والصبیان (یعنی علی ابن ابی طالبؑ کے اصحاب اور شیعوں میں سے جو بھی مل جائے قتل کر دیا جائے، یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں کو بھی نہ چھوڑا

جائے، پس یہ لوگ اس شدید حکم کے ساتھ تین ہزار کا جرّار و خونخوار لشکر لے کر روانہ ہوئے اور مدینہ، صنعاء، یمن، طائف اور نجران میں نیز راستے کے درمیان اس قدر مومنین و مسلمین حتیٰ کہ عورتوں اور بچوں کو بھی قتل کیا کہ اُن کے اعمال سے تاریخ کے صفحات سیاہ ہو گئے افسوس کہ ان سارے انسانیت سوز حرکات کی تشریح پیش کرنے کا وقت نہیں لیکن مختصر نمونہ یہ ہے کہ جس وقت یمن میں پہنچے تو والیٔ یمن عبیداللہ ابن عباس شہر سے باہر تھے، یہ ان کے گھر میں گھس گئے اور ان کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں سلیمان اور داؤد کو ماں کی گود میں ذبح کر دیا۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد اوّل ص۱۲۱ سطر اوّل میں لکھتے ہیں کہ اس فوج کشی میں جو لوگ آگ سے جلا دیئے گئے اُن کے علاوہ تیس ہزار افراد قتل کئے گئے۔

آیا آپ حضرات کو اب بھی اس حقیقت میں کوئی شک و شبہ ہے کہ معاویہ پر آیات قرآنی کے حکم سے دُنیا و آخرت میں خدا و رسولؐ کی لعنت ہے؟۔

امیرالمومنینؑ پر سبّ و شتم اور آپ کی مذمّت میں حدیثیں گھڑنے کیلئے معاویہ کا حکم

معاویہ کے کفر اور قابل لعن ہونے کے ثبوت میں من جملہ دُوسرے واضح دلائل کے امیرالمومنینؑ پر سبّ و شتم اور لعنت کرنا نیز لوگوں کو نمازوں کے قنوت اور نماز جمعہ کے خطبے وغیرہ میں اس گناہ عظیم کا حکم دینا بھی ہے جس پر ہم آپ اور جمہور امت یہاں تک کہ غیر اقوام کے مورخین کا بھی اتفاق ہے کہ یہ عمل قبیح اور بدعت کھلّم کھلّا حتیٰ کہ منبروں کے اوپر بھی رائج تھی اور ایک بڑی جماعت کو لعنت نہ کرنے کے جرم میں قتل کر دیا گیا، بالآخر عمر ابن عبدالعزیز نے اپنی خلافت کے زمانے میں اس بدعت کو ختم کیا۔

قطعی چیز ہے کہ جو شخص امام الموحدین برادر رسولؐ زوج بتولؐ امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام پر آپ کی حیات میں یا بعد وفات سبّ و شتم اور لعن کرے یا اس کا حکم دے وہ ملعون اور کافر ہے اس لئے کہ آپ کے اکابر علماء نے اپنی معتبر کتابوں میں جیسے امام احمد نے مسند میں، امام ابو عبدالرحمٰن نسائی نے خصائص العلوی میں، امام ثعلبی و امام فخرالدین رازی نے اپنی تفسیروں میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں، محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب میں، سبط ابن جوزی نے تذکرہ میں، سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ میں، میر سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ میں، دیلمی نے فردوس میں، مسلم بن حجاج نے صحیح میں، محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں، ابن صباغ مالکی نے فصول المہمہ میں، حاکم نے مستدرک میں، خطیب خوارزمی نے مناقب میں، ابراہیم حموینی نے فرائد میں، ابن مغازلی شافعی نے مناقب میں، امام الحرم نے ذخائر العقبیٰ میں اور ابن حجر نے صواعق میں، غرضیکہ آپ کے سبھی بڑے بڑے علماء نے مختلف الفاظ و عبارات کے ساتھ مجمل اور مفصل طور سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ من سبّ علیاً فقد سبّنی ومن سبّنی فقد سبّ اللہ (یعنی جس شخص نے علی کو سبّ و شتم کیا اس نے

یقیناً مجھ کو سبّ و شتم کیا اور جس نے مجھ کو سبّ و شتم کیا اس نے در حقیقت خدا کو سبّ و شتم کیا)

ان میں سے بعض نے اُن اخبار کو نقل کر کے عمومیّت دی ہے جو اس چیز پر دلالت کرتے ہیں کہ علیؑ کو اذیّت دینا اذیّت دینے والے کے ملعون ہونے کا باعث ہے، مثلاً دیلمی نے فردوس میں، سلیمان حنفی نے ینابیع المودت میں مختلف اسناد کے ساتھ نیز اوروں نے نقل کیا ہے اور جس کی طرف میں پچھلی شبوں میں اشارہ بھی کر چکا ہوں کہ فرمایا۔ من اذی علیاً فقد اذانی و من اذانی فعلیہ لعنۃ اللہ (یعنی جو شخص علیؑ کو اذیّت دے اُس نے حقیقتاً مجھ کو اذیّت دی اور جو شخص مجھ کو اذیّت دے اُس پر خدا کی لعنت ہو) یہاں تک کہ ابن حجر مکّی نے صواعق میں اس سے بالاتر کل عترت واہل بیتؑ کے سب ولعن سے متعلق حدیث نقل کی ہے کہ پیغمبرؐ نے فرمایا من سب اھل بیتی فانما یرتد عن اللہ والاسلام ومن اذانی فی عترتی فعلیہ لعنۃ اللہ (یعنی جو شخص میرے اہل بیت کو سب و شتم کرے تو سوا اس کے نہیں ہے کہ وہ دین خدا اور اسلام سے مرتد ہو گیا اور جس نے میری عترت کے بارے میں مجھ کو ایذا دی پس اُس پر خدا کی لعنت ہو) پس معاویہ کا ملعون ہونا ثابت ہے کیوں کہ جب ابن اثیر نے کامل میں اور دوسروں نے نقل کیا ہے وہ نماز کے قنوت میں حضرت امیرالمومنین اور پیغمبرؐ کے دونوں نواسوں امام حسن و امام حسین علیہم نیز ابن عباس اور مالک اشتر پر لعنت کیا کرتے تھے۔

اور امام احمد ابن حنبل نے مسند میں کئی سلسلوں سے نقل کیا ہے کہ رسولِ اکرمؐ نے فرمایا من اذی علیاً بعث یوم القیٰمۃ یہودیاً او نصرانیاً (یعنی جو شخص علیؑ کو اذیّت دے وہ قیامت کے روز یہودی یا نصرانی محشور ہوگا) یقیناً آپ حضرات خود بہتر جانتے ہیں کہ یہ چیز مقدس دین اسلام کے ضروریات میں سے ہے کہ خدا و رسول کو سبّ و شتم کرنا کُفر اور نجاست کا باعث ہے اور ایسے آدمی کا قتل واجب ہے۔

اس قسم کے اخبار و احادیث کے حکم سے جو آپ کی معتبر کتابوں میں کثرت سے منقول ہیں اور پچھلی راتوں میں تفصیل سے بیان ہو چکے ہیں کہ رسُول خدا نے فرمایا، علی علیہ السّلام اور میری عترت و اہل بیت پر سبّ و شتم اور لعن و دشنام دراصل مجھ پر اور میرے پروردگار پر سبّ ولعن اور دشنام ہے" معاویہ کا ملعون اور کافر ہونا قطعاً ثابت ہے۔

چنانچہ محمّد ابن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب دہم میں اپنے اسناد سے نیز دُوسروں نے ایک روایت نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ ابن عباس اور سعید ابن جبیر نے زمزم کے کنارے دیکھا کہ اہل شام کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی ہے اور علی علیہ السّلام کو سبّ و شتم کر رہی ہے انہوں نے قریب جا کر پوچھا ایکم السّابّ للہ عزّوجل تم میں سے کون خدا تعالےٰ کو گالیاں دے رہا تھا؟ ان لوگوں نے کہا ہم میں سے کسی نے یہ حرکت نہیں کی۔ انہوں نے پوچھا ایکم السّبّاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ" تم میں سے کون رسولؐ اللہ کو گالیاں دے رہا تھا؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہم میں سے کسی نے بھی آں حضرتؐ کو دشنام نہیں دی، تو انہوں نے فرمایا" فایکم السّابّ علی بن ابی طالب" پھر تم میں سے کون شخص علی ابن ابی طالب کو گالیاں دے رہا تھا؟ اُن لوگوں نے کہا کہ ہمیں لوگ علی کو دشنام دے رہے تھے انہوں نے کہا کہ تم

لوگ رسولؐ خدا پر گواہ رہو کہ میں نے آں حضرتؐ سے خود سنا ہے کہ آپ نے علی ابن ابی طالب علیہ السّلام سے فرمایا من سبّک فقد سبّنی ومن سبّنی فقد سبّ اللہ ومن سبّ اللہ اکبّہ اللہ علی منخریہ فی النّار (یعنی اے علی جو شخص تم کو دشنام دے اس نے مجھ کو دشنام دیا اور جس نے مجھ کو دشنام دیا اُس نے خدا کو گالی دی اور جس نے خدا کو گالی دی خدا اس کو منہ کے بل آگ میں جھونک دے گا) کسی مسلم یا غیر مسلم عالم کو اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ یہ زبردست بدعت معاویہ کے حکم سے مسلمانوں میں اس طرح رائج ہوئی کہ جیسا عرض کیا گیا۔ اسی سال تک علانیہ اور بے دھڑک حتیٰ کہ منبروں کے اوپر اور خطبوں کے اندر حضرت امیرالمومنین مظلوم پر لعنت اور دشنام طرازی کی جاتی تھی۔ اور چونکہ صحیح و معتبر احادیث کے مطابق علی علیہ السّلام کو دشنام دینا خدا و رسُول کو دشنام دینا ہے اور بدیہی بات ہے کہ خدا و رسولؐ کو سبّ و شتم کرنے والا کافر و ملعون ہے لہذا اسی دلیل سے معاویہ کا کفر واضح اور ان پر خدا کی لعنت ثابت ہے۔

علیؑ کا دُشمن کافر ہے

علاوہ ان دلائل کے آپ کے اکابر علماء کی معتبر کتابوں میں جیسے تفسیر جلال الدین سیوطی، تفسیر امام ثعلبی، مودۃ القربیٰ میر سیّد علی ہمدانی، مسند امام احمد ابن حنبل، صواعق ابن حجر، مناقب خوارزمی، فضائل ابن مغازلی شافعی، ینابیع المودۃ سلیمان بلخی حنفی، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی، اوسط طبرانی، ذخائر العقبیٰ امام الحرم، خصائص العلوی امام ابو عبدالرحمٰن نسائی، کفایت الطالب گنجی شافعی، مطالب السئول محمّد بن شافعی، تذکرۃ خواص الامّہ سبط ابن جوزی اور فصول المہمہ ابن صباغ مالکی وغیرہ میں کثرت کے ساتھ مختلف الفاظ و عبارات میں درج ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا لا یحبّ علیاً الّا مومن ولا یبغضہ الا کافر اور بعض روایتوں میں ہے الّا منافق (یعنی دوست نہیں رکھتا علی کو سوا اس کے جو مومن ہو اور بغض نہیں رکھتا ان سے سوا اس شخص کے جو کافر ہو یا منافق ہو) جیسا کہ پچھلی شبوں میں مفصّل عرض کر چکا ہوں، بدیہی چیز ہے کہ حدیث میں کافر یا منافق دونوں میں سے جو لفظ بھی ہو اس بات کی پُوری دلیل ہے کہ علیؑ کا دشمن دوزخی ہے کیونکہ خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں صاف صاف اعلان فرما رہا ہے کہ کفّار و منافقین کا ٹھکانا طبقاتِ جہنم کے اندر ہوگا۔

چنانچہ محمّد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب آخر باب ۳ میں بسند نقل کیا ہے کہ محمّد بن منصور طوسی نے کہا ہم امام احمد ابن حنبل کے پاس تھے کہ ایک شخص نے ان سے کہا اے ابو عبداللہ لوگ علی کرم اللہ وجہہ سے جو یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا انا قسیم النّار" میں آتش جہنم کا تقسیم کرنے والا ہوں تو اس کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ احمد ابن حنبل نے کہا "کون ہے جو اس حدیث سے انکار کرے؟ کیا ہم نے رسولِ خدا سے روایت نہیں کی ہے کہ آپ نے علیؑ سے فرمایا لا یحبّک الا مومن ولا یبغضک الا منافق۔ یعنی تم کو دوست نہیں رکھتا ہے لیکن مومن اور دشمن نہیں رکھتا ہے لیکن منافق؟ ہم نے کہا آپ کا کہنا درست ہے اس پر احمد بن حنبل نے مطلب کی توجیہہ کی اور کہا، پس مومن کہاں ہے ہم نے کہا بہشت میں پھر انہوں نے کہا منافق کہاں ہے؟ ہم نے کہا جہنّم میں، انہوں نے کہا پھر تو صحیح ہے کہ علیؑ جہنّم کے تقسیم کرنے والے ہیں

(یعنی علی کا دشمن بارشاد پیغمبر منافق ہے اور منافق بحکم آیہ ۱۴۴ سورہ ۴ (نسا) ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار ولن تجد لھم نصیرا (یعنی یقیناً منافقین جہنّم کے سب سے پست طبقے میں ہیں اور تم ان کا ہرگز کوئی یار و مددگار نہیں پاؤگے (جہنّم کے درک اسفل اور سب سے پست طبقے میں رہیے گا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ علی کا دشمن جہنم کے پست ترین طبقے میں معذّب ہوگا اور اس آیت کے مطابق منافقین کا عذاب کفّار سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔)

نیز آپ کی معتبر کتابوں میں درج ہے کہ رسُولؐ اکرم نے فرمایا من ابغض علیا فقد ابغضنی ومن ابغضنی فقد ابغض اللہ۔ یعنی جو شخص علی علیہ السّلام سے دشمنی رکھے پس یقیناً اس نے مجھ کو دشمن رکھا اور جو شخص مجھ کو دشمن رکھے اُس نے درحقیقت خدا کو دُشمن رکھا) اس قسم کے اخبار و احادیث اس کثرت سے ہیں کہ تواتر معنوی کی حد میں آ گئے ہیں۔

شیخ۔ آیا آپ کے ایسے انسان کے لئے یہ مناسب ہے کہ صحابۂ رسولؐ میں سے ایک لائق و فائق ہستی کی شان میں جسارت اور ردّ و قدح کے الفاظ کہیں؟ کیا ایسا نہیں ہے کہ خدا نے آں حضرتؐ کے اصحاب کی مدح و ثنا میں متعدد آیتیں نازل فرمائی ہیں اور ان کے اندر ان لوگوں کو مغفرت اور خوشنودی کی بشارت دی ہے؟ اور خال المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ تو یقیناً بزرگ صحابہ میں سے اور آیات مدح و رضامندی کے مصداق ہیں۔ آیا صحابہ کی اہانت خدا و رسُول کی اہانت نہیں ہے۔

اصحاب رسُولؐ میں اچھّے بُرے سبھی تھے

خیر طلب۔ غالباً آپ بھولے نہ ہوں گے کہ گذشتہ شبوں میں صحابہ کے موضوع پر میں کافی تشریح کر چکا ہوں اور اس وقت بھی آپ کی تقریر کو بغیر جواب کے نہیں چھوڑوں گا۔ مختصراً عرض ہے کہ صحابۂ عظام کی مدح میں آیتوں کے نزول سے کسی نے انکار نہیں کیا ہے لیکن اگر آپ حضرات تھوڑا سا غور کریں اور صحابہ یا اصحاب کے لغوی اور اصطلاحی معنی پر توجہ کریں تو خود تصدیق کریں گے کہ مدح صحابہ میں جو آیتیں نازل ہوئی ہیں وہ کلی اطلاق نہیں رکھتی ہیں جن کی روشنی میں ہم جملہ اصحاب کو پاک عادل اور ہر رجس و گندگی سارے صغیرہ و کبیرہ گناہوں اور ارتداد وغیرہ سے منزّہ و مبرّا سمجھ لیں۔

جناب من آپ بخوبی جانتے ہیں کہ صحبہ لغت میں معاشرت کے معنی رکھتا ہے، چنانچہ فیروزآبادی قاموس میں کہتے ہیں کہ صحبہ بروزن سمعہ یعنی اس کے ساتھ زندگی گزاری اور عرف عامہ میں اس پر ملازمت نصرت اور موازرت کا بھی اضافہ کرتے ہیں چاہے مدّت میں زیادہ ہو یا کم۔

پس لغت عرب اور قرآن و حدیث کے بہت سے شواہد بتاتے ہیں کہ مصاحب نبیؐ اس شخص کو کہتے ہیں جو آں حضرتؐ کے ساتھ زندگی گذار چکا ہو چاہے وہ مسلمان ہو یا کافر، اچھا ہو یا بُرا، پرہیزگار ہو یا بدکار مومن ہو یا منافق۔

جس طرح آپ نے صاحب اور مصاحب نبی کے لفظ کو صرف پاک دامن مومنین کے لئے مخصوص کر دیا ہے کہ

صحابہ سب کے سب جنّتی اور رضائے الہٰی سے ممتاز تھے تو یہ صحیح نہیں ہے اور عقل ونقل کے خلاف ہے۔ سبب واضح کرنے کے لئے میں مجبور ہوں کہ مذکورۂ سابق آیات اور معتبر احادیث واہلِ سنّت کے علاوہ مختصر طور پر کچھ مزید دلائل پیش کردوں تاکہ آپ حضرات لفظ اصحاب سے مرعوب ہوکر حق سے منحرف نہ ہوں اور جان لیں کہ صحبہ، صاحب، مصاحب اور اصحاب کا اطلاق مسلم وکافر، مومن ومنافق اور نیک وبد سب پر ہوتا ہے (۱) آیت ۲ سورہ ۵۳ (نجم) میں مشرکین سے خطاب ہے۔
ماضل صاحبکم وماغوی۔ یعنی تمہارا صاحب (محمدؐ) نہ کبھی گمراہ ہوا نہ بہکا)

(۲) آیت ۲۵ سورہ ۳۴ (سبا) میں فرماتا ہے۔ قل انما اعظکم بواحدۃ ان تقوموالله مثنی وفرادیٰ ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنّۃ (یعنی اُمّت سے کہدو کہ میں تم کو ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم لوگ خالص خدا کے لئے دو دو اور ایک ایک کرکے کھڑے ہو پھر غور وفکر کرو کہ تمہارے صاحب (رسولِ خدا) کو جنون نہیں ہے)

(۳) آیت ۳۲ سورہ ۱۸ (کہف) میں ارشاد ہے فقال لصاحبه وهو یحاوره انا اکثر منك مالا واعزّ نفرا (یعنی اس کافر نے) اپنے مصاحب ورفیق سے (جو مومن وفقیر تھا) گفتگو اور فخر کے موقع پر کہا کہ میں تم سے دولت اور ثروت میں زیادہ اور حشم وخدم کی حیثیت سے بھی عزّت میں بڑھا ہوا ہوں)

(۴) اسی سورہ کی آیت ۳۵ میں فرمایا ہے قال لصاحبه وهو یحاوره۔ اکفرت بالذی خلقك من تراب ثمّ من نطفة ثمّ سواك رجلا (یعنی (باایمان اور فقیر) مصاحب ورفیق نے بات چیت اور نصیحت کرتے ہوئے اپنے (کافر) ساتھی سے کہا کہ آیا تم نے اس خدا سے کفر اختیار کرلیا جس نے تم کو اوّلاً مٹی سے پھر نطفے سے پیدا کیا اس کے بعد تم کو پورا آدمی بنا کر تیار کردیا؟)

(۵) آیت ۱۸۳ سورہ ۷ (اعراف) میں ارشاد ہوتا ہے۔ اولم یتفکروا ما بصاحبکم من جنة (یعنی آیا ان لوگوں نے غور وفکر سے کام نہیں لیا کہ ان کے صاحب (محمدؐ) کو جنون نہیں ہے۔

(۶) آیت ۷۱ سورہ ۶ (انعام) میں فرمارہا ہے۔ قل اندعوا من دون الله مالا ینفعنا ولا یضرنا و نردّ علیٰ اعقابنا بعد اذ هدٰنا الله کالذی استهوته الشّیٰطین فی الارض حیران له اصحاب یدعونه الی الهدی ائتنا قل انّ هدی الله هو الهدی (یعنی کہدو اے پیغمبرؐ کہ ہم اللہ کو چھوڑ کر کیا اس (بُت وغیرہ) کو پکاریں جو نہ ہم کو کوئی نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اور پھر طریقۂ جاہلیّت کی طرف پلٹ جائیں جب کہ خدا ہم کو ہدایت دے چکا ہے! اس شخص کے مانند جس کو شیاطین کے اغوا اور فریب نے زمین میں حیران و سرگردان بنادیا ہے، اس کے کچھ اصحاب ہیں جو ہدایت کے لئے اس کو پکارتے ہیں کہدو کہ ہدایت تو درحقیقت اللہ کی ہدایت ہے۔

(۷) آیت ۳۹ سورہ ۱۲ (یوسف) میں حضرت یوسفؑ کی زبان سے ان کے دو قید خانے کے کافر مصاحبوں کو

خطاب فرماتا ہے یاصاحبی السجن ارباب متفرّقون خیرام اللہ الواحد القہار (یعنی اے میرے قید خانے کے دونوں رفیقو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ بہت سے متفرق خدا بہتر ہیں یا ایک اللہ جو قہار ہے ؟)

نمونے کے طور پر یہ چند آیتیں پیش کر دینے کے بعد ظاہر ہو گیا کہ صرف صحبہ، صاحب، مصاحب اور اصحاب کے ناموں کو بحیثیت لغت مسلم و مومن سے کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ ان کا استعمال مسلم و کافر مومن و منافق اور نیک و بد سبھی کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جیسا میں عرض کر چکا ہوں کسی کے ساتھ معاشرت رکھنے والے کو لغت میں مصاحب یا اصحاب کہتے ہیں۔ بدیہی چیز ہے کہ اصحاب رسولؐ سے وہی لوگ مراد ہیں جو آں حضرتؐ کے ساتھ معاشرت رکھتے تھے اور آیات مبارکہ اس پر گواہ ہیں۔

یقیناً اصحاب اور آں حضرتؐ کے ساتھ رہنے سہنے والوں کے درمیان، چھے اور بُرے (یعنی مومن و منافق) بہت سے لوگ تھے اور جو آیتیں اصحاب کی مدح میں نازل ہوئی ہیں ان کا اطلاق عمومیّت کے ساتھ سب کے اُوپر نہیں ہے بلکہ صرف نیک اصحاب سے تعلق ہے۔ ہم بھی مانتے ہیں کہ آں حضرتؐ کے بزرگ اصحاب ایسے تھے کہ دیگر انبیاء عظام میں سے کسی کو بھی ویسے اصحاب نہیں ملے۔ مثلاً بدر و اُحد اور حنین کے اصحاب، جنہوں نے پُورا امتحان دیا بغیر ہوا وہوس کے پیغمبرؐ کی نصرت اور فرمانبرداری میں ثابت قدم رہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی آں حضرتؐ سے انحراف نہیں کیا۔ لیکن اصحاب کے درمیان بد نفس، صاحبان مکرو فریب، اہل نفاق اور آں حضرتؐ نیز اہل بیت طاہرینؑ علیہم السّلام کے دشمن بھی کثرت سے موجود تھے جیسے عبداللہ بن ابی ابوسفیان حکم بن عاص (یعنی عثمان کا چچا اور طرید رسُولؐ) ابوہریرہ، ثعلبہ، یزید بن سفیان، ولید بن عقبہ، حبیب بن مسلمہ، سمرہ بن جندب، عمرو بن عاص، بسر بن ارطاۃ (سفاک وخونخوار) مغیرہ بن شعبہ معاویہ بن ابی سفیان اور ذوالثدیہ خارجی وغیرہ جنہوں نے رسُول اللہ کے زمانۂ حیات میں اور بعد وفات بھی کافی فتنے اٹھائے۔ اپنی پچھلی حالت پر الٹے پاؤں پلٹ گئے اور بڑے بڑے فسادات پھیلائے چنانچہ انہیں افراد میں سے ایک معاویہ کی ذات بھی ہے جس پر اپنی زندگی میں خود رسُولؐ اللہ نے لعنت کی تھی اور آنحضرتؐ کی وفات کے بعد جب مناسب موقع ہاتھ آیا تو خون خواہی عثمان کے نام سے بغاوت کر دی اور بے شمار مسلمانوں کی خونریزی کا باعث ہوا۔ خصوصیّت کے ساتھ آں حضرتؐ کے عمار یاسر جیسے کئی محترم اصحابی اس فتنے میں شہید ہوئے، جس کی خبر آں حضرتؐ خود دے گئے تھے اور ہم گذشتہ شبوں میں ان روایتوں کو نقل کر چکے ہیں۔ لہٰذا جس طرح سے بزرگان اصحاب اور مومنین صالحین کی تعریف وتوصیف، فضائل و مناقب اور وعدہ بخشش کے سلسلے میں کافی آیات واخبار وارد ہوئے ہیں اسی طرح خائن و بدکار اور منافقین صحابہ کے بارے میں بھی وعید شدید اور عذاب کے لئے کثرت سے آیتیں اور حدیثیں موجود ہیں جو ثابت کرتی ہیں کہ ان لوگوں نے آں حضرتؐ کو آپ کی زندگی میں جو اذیتیں پہنچائی تھیں ان کے علاوہ بعد وفات بھی فتنے برپا کئے، اور مرتد ہو گئے۔

شیخ ۔ تعجب ہے آپ کیونکر فرما رہے ہیں کہ رسُولؐ خدا کے اصحاب مرتد ہو گئے اور انہوں نے فتنہ و فساد برپا کیا؟

خیر طلب رہیں نہیں کہہ رہا ہوں آیتیں اور حدیثیں کہہ رہی ہیں۔ اگر ذرا سنجیدگی سے غور کیجئے تو تعجب رفع ہو جائے اوّلاً خداوند عالم نے آیت ۱۳۸ سورہ ۳ (آل عمران) میں ان کے ارتداد کی خبر دی ہے اور فرمایا ہے افان مات اوقتل انقلبتم علیٰ اعقابکم (یعنی اگر پیغمبرؐ کو موت آجائے یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنے پچھلے پاؤں (یعنی دین جاہلیت) پر پلٹ جاؤ گے؟)

اس آیۂ شریفہ اور سورۂ منافقون نیز دوسرے آیات کے علاوہ خود آپ کے علماء بخاری، مسلم، ابن عساکر، یعقوب بن سفیان احمد ابن حنبل اور عبدالبر وغیرہم کے طرف سے بکثرت اخبار و حدیث اصحاب کی مدح و مذمت، کفر و ارتداد اور نفاق کے بارے میں انفرادی یا اجتماعی طور سے مروی ہیں۔ چونکہ وقت تنگ ہے لہٰذا نمونے کے لئے فی الحال دو روایتوں کا حوالہ دے رہا ہوں تاکہ آپ کا تعجب رفع ہو جائے اور سمجھ لیجئے کہ نیک صحابہ کو نیک اور بد کو بد جاننا چاہیئے۔ اور پھر یہ تو فرمایئے کہ منافقین کے سردار، امیر المومنین علی علیہ السّلام کے سب سے بڑے دشمن اور سب و شتم کرنے والے رسولؐ اللہ کی ذریت طاہرہ اور اصحاب پاک کو قتل کرنے والے اور خدا اور رسولؐ سے باقاعدہ دشمنی کرنے والے کے کفر پر کیا دلیل ہے؟

بخاری نے لفظوں کے معمولی فرق کے ساتھ سہل ابن سعد اور عبداللہ ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا۔ انا فرطکم علی الحوض لیرفعن الیّ رجال منکم حتیٰ اذا اھویت لاناولھم اختلجوا دونی فاقول ای رب اصحابی فیقول لاتدری ما احدثوا بعدک (یعنی میں تم سے پہلے حوض کوثر پر تمہارا منتظر ہونگا اور جب تم میں سے ایک گروہ مجھ سے کترائے گا تو عرض کروں گا کہ خداوندا یہ تو میرے اصحاب ہیں؟ ادھر سے جواب آئے گا کہ تم کو نہیں معلوم کہ ان لوگوں نے تمہارے بعد کیا کیا بدعتیں پھیلائیں)

امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، طبرانی نے کبیر میں اور ابو نصر سجزی نے ابانہ میں ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ رسولِؐ خدا نے فرمایا۔ انا اخذ بحجرکم اقول اتقوا النار واتقوا الحدود فاذا مت ترکتکم وانا فرطکم علی الحوض فمن ورد فقد افلح فیؤتی باقوام فیوخذ بھم ذات الشمال فاقول یا رب امّتی فیقول انھم لم یزالوا بعدک یرتدون علیٰ اعقابکم۔ وفی روایۃ للطبرانی فی الکبیر بعد قولہ یا رب امّتی فیقال انک لاتدری احدثوا بعدک مرتدین علیٰ اعقابھم (یعنی میں تم کو عذاب دوزخ سے بچانا چاہتا ہوں لہٰذا کہتا ہوں کہ نارِ جہنّم سے ڈرو اور دینِ خدا میں کمی بیشی نہ کرو۔ جب میں وفات پا جاؤں گا اور تم سے جدا ہو جاؤں گا تو تم سے پہلے حوض کوثر پر موجود رہوں گا۔ پس جو شخص وہاں میرے پاس پہنچے وہی ناجی اور کامیاب ہے۔ اس وقت میں بہت سے لوگوں کو عذابِ الٰہی میں گرفتار پاؤں گا تو عرض کروں گا کہ خداوندا یہ تو میری امّت کے لوگ ہیں۔ جواب ملے گا، کہ حقیقتاً یہ لوگ تمہارے بعد مستقل طور سے اپنے پچھلے دین پر پلٹ گئے اور یا ربِّ اُمّتی کے بعد کبیر میں طبرانی کی روایت ہے کہ پس کہا جائیگا تم نہیں جانتے کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا بدعتیں پیدا کیں اور اپنے دین جاہلیّت پر مرتد ہو گئے)۔

واقعی یہ دیکھ کر دل جلتا ہے کہ ایک ایسے ملحد کا فرا زیبِ دین کو (جیسا کہ اس سے قبل اس کے کفر و ملعونیت کے

کافی دلائل پیش کرچکا ہوں[1]) اور اس کے دوزخی فرزند یزید پلید کو تو (جس کا کفر گذشتہ راتوں میں ثابت کرچکا ہوں[2]) آپ مسلم و مومن کہیں ان کے ایمان پر اصرار اور کفر سے انکار کریں، ان کو خلیفہ اور جنتی ثابت کرنے کی کوشش کریں بلکہ ناحق امیرالمومنین کا خطاب بھی دے دیں حالانکہ ان کے کفر آمیز حرکات اور اس کے دلائل خود آپ ہی کی معتبر کتابوں میں مکمل طور سے درج ہیں۔ (یہاں تک کہ اہل سنّت کے انصاف پسند اکابر علمائے ان دونوں کے رد میں مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں[3]) لیکن جناب ابوطالبؑ کے کفر پہ شدید اصرار کرکے اس یکتا جوان مرد اور مومن و موحّد کو کافر ثابت کرنے کی سعی بلیغ کریں۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ عقیدہ اور اس قسم کی فضول باتیں محض امیرالمومنین علی علیہ السّلام سے بغض وکینہ رکھنے کا نتیجہ ہیں تاکہ ان بیہودہ الفاظ کے ذریعے جہاں تک ممکن ہو اس محبوب خدا و رسول امام مظلوم کے زخمی قلب پر برابر ظلم و اذیت کے تیر چلائے جائیں۔ ورنہ معاویہ و یزید ملعون کے کفر و نفاق پر جو محکم دلیلیں قائم ہیں ان پر تو ہزاروں طرح کے حاشیے چڑھا کر ان دونوں کو مجتہد کہیں ان کے اعمال و کفر کو ان کے اجتہاد کا نتیجہ بتائیں اور ان کی صفائی میں انتہائی اوچھے دلائل قائم کریں؟ اور جناب ابوطالبؑ کے خدا و رسولؐ پر ایمان رکھنے کے سلسلے میں واضح دلائل اور آپ کے کھلے ہوئے اعلانات کو جھٹلا کر آپ کا کفر ثابت کریں؟ میں نہیں جانتا کہ خارجی، ناصبی، اموی اور ان کے بچے کھچے دوست اشخاص کب تک اور کہاں تک ہمارے سُنّی بھائیوں پر حکومت کریں گے۔ عادت اور تعصّب کی بنیاد پر ان کو اندھا دھند اپنے عقائد کے پیچھے دوڑاتے رہیں گے اور برادران اہل سُنّت کو اتنا موقع نہ دیں گے کہ وہ چشم انصاف کھول کے حق و صداقت کا جلوہ دیکھ سکیں۔

ایمان ابوطالبؑ پر مزید دلائل

آیا پیغمبرؐ کے اہل بیتؑ نے جو آں حضرتؐ کے حسب الارشاد عدیل قرآن ہیں جن کا اجماع مسلمانوں کے لئے حجّت ہے اور جن کے علم و زہد اور ورع و تقوی پر خود آپ کے اکابر علماء کا اتفاق ہے یہ نہیں کہا ہے کہ جناب ابوطالبؑ صاحب ایمان تھے اور دنیا سے مومن ہی اُٹھے؟ -

آیا اصبغ بن نباتہ نے جو آپ کے علماء و رجال کے نزدیک قابل وثوق اور معتمد علیہ تھے امیرالمومنین علی علیہ السّلام سے روایت نہیں کی ہے کہ حضرت نے فرمایا۔ واللہ ما عبد ابی ولا جدی عبدالمطلب ولا ھاشم ولا عبد مناف۔

---

[1] ملاحظہ ہو اسی کتاب کا ص تا ص [2] ملاحظہ ہو اسی کتاب کی جلد اوّل ص تا ص

[3] جیسے ابوالفرج ابن جوزی اور آخر میں جلیل القدر مصنف عالم سیّد محمد بن عقیل علوی متوفی ۱۳۵۰ھ نے ایک کتاب نصائح الکافیہ میں تیو سی معاویہ کے نام سے تالیف کی ہے جس کے اب تک دو ایڈیشن ہوچکے ہیں اور آخری بار ۱۳۰۶ھ میں مطبع النجاح (بغداد میں چھپی)

صنمًا قط (یعنی خدا کی قسم میرے باپ ابوطالب، میرے دادا عبدالمطلب ہاشم اور عبدمناف نے ہرگز کبھی بت پرستی نہیں کی، مقصد یہ کہ خدائے وحدہ لاشریک کی روبقبلہ عبادت کی اور دین حضرت ابراہیم کے پیرو رہے ۔

کیا یہ حق بجانب ہے کہ آپ علی اور اہل بیت طاہرین علیہم السّلام کا قول ترک کر کے مغیرہ ملعون، امویوں، خارجیوں، ناصبیوں اور امیرالمومنینؑ کے شدید ترین دشمنوں کے اقوال کے پیچھے دوڑتے پھریں اور جناب ابوطالب کے صریحی اشعار و کلمات کی اوچھی تاویلیں کرتے رہیں ؟ حضرت امیرالمومنین کے ارشاد کی تائید میں من جملہ دوسرے دلائل کے ام المومنین جناب خدیجہ اور پیغمبر صلعم کے عقد کا وہ خطبہ بھی ہے جس کو سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامہ آخر باب ۲ ص۶ میں نقل کیا ہے کہ جس وقت محفل عقد آراستہ ہوئی تو جناب ابوطالب نے ایسی عبارت کے ساتھ خطبہ پڑھا جو کل کی کل ان کے ایمان اور اعتقاد وحدانیت خدا پر دلالت کر رہی ہے۔ خطبے کی تمہید اس طرح شروع کی ۔ الحمد لله الذی جعلنا من ذریة ابراهیم وزرع اسمٰعیل وضیضئ معد وعنصر مضر وجعلنا حضنة بيته وسواس حرمه وجعل لنا بيتا محجوجا وحرما آمنا وجعلنا الحكام على الناس الی آخرها (یعنی حمد اس خدا کی جس نے ہم کو ابراہیمؑ کی ذریت اسمٰعیل کی اولاد، معد کی اصل اور مضر کے عنصر میں سے قرار دیا ہم کو اپنے گھر کا محافظ اور اپنے حرم کا ذمّہ دار بنایا ہمارے لئے ایسا گھر تجویز کیا جس کا حج کیا جاتا ہے اور ایسا حرم مقرر کیا جو امن و امان کی جگہ ہے ہم کو انسانوں پر حاکم معین کیا ۔ الی آخرہ)

شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودة باب ۵۲ ص۲۳ (مطبوعہ اسلامبول) میں موفق بن احمد خوارزمی سے اور انہوں نے محمد بن کعب سے نقل کیا ہے کہ رای ابوطالب النبی صلی الله علیه وآله وسلم یتفل فی فم علی ای یدخل لعاب فمه علی فقال ما هذا یا بن اخی فقال ایمان وحکمة فقال ابوطالب لعلی یا بنی انصر ابن عمك ووازرہ (یعنی ابوطالب نے دیکھا کہ پیغمبر اپنا لعاب دہن علی کے منہ میں ڈال رہے ہیں تو پوچھا کہ اے میرے بھتیجے اس کا کیا مقصد ہے ؟ آپ نے فرمایا یہ سب ایمان اور حکمت کا فیضان تھا ۔ پس ابوطالب نے علی سے کہا کہ اے بیٹے ابن عم کے ناصر اور وزیر بنو) ۔

آیا یہ بیانات جناب ابوطالب کے ایمان کو ثابت نہیں کرتے ؟ علاوہ اس کے کہ پیغمبرؐ کو کوئی روک ٹوک اور ممانعت نہیں کی اور نہ اپنے دوازدہ سالہ فرزند کو باز رکھنے کی کوشش کی، ان کو تاکید بھی کی کہ اپنے پسر عم رسولِ خدا کی مدد کریں ۔

جعفر طیّار کا باپ کے حکم سے ایمان لانا

نیز آپ کے سبھی علماء نے اپنی کتابوں میں اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ ایک روز جناب ابوطالب مسجد میں آئے تو دیکھا کہ رسولِ اکرمؐ نماز پڑھتے ہیں اور علیؑ آں حضرتؐ کے داہنی طرف مشغول

نماز میں انہوں نے اپنے فرزند جعفر (طیار) سے جو اُن کے ہمراہ تھے اور ابھی ایمان نہیں لائے تھے کہا صل جناح ابن عمک اپنے پسر عم کے پہلو میں کھڑے ہو کر تم بھی اُن کے ساتھ نماز پڑھو۔ جعفر آگے بڑھے اور رسولؐ اللہ کے بائیں جانب کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، اس وقت جناب ابو طالب نے یہ شعر نظم کئے ؎

ان علیا وجعفر ثقتی　　عند ملم الزمان والنوب

لا تخذلا وانصرا ابن عمکما　　اخی لامی من بینھم وابی

واللہ لا اخذل النبی ولا　　یخذلہ من نبی ذو حسب

(یعنی یقیناً علیؑ اور جعفرؑ رنج و مصیبت کے وقت میرے سہارے اور قوت ہیں۔ اے علیؑ و جعفر اپنے چچا کے فرزند اور میرے سگے بھتیجے کا ساتھ نہ چھوڑو بلکہ اُن کی مدد کرو۔ قسم خدا کی میں نبیؐ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا اور کوئی شریف پیغمبر کا ساتھ چھوڑ بھی سکتا ہے؟)

پس آپ کے علماء و مؤرخین کا اتفاق ہے کہ جعفر کا اسلام و ایمان اور رسولؐ اللہ کے ساتھ اُن کا نماز پڑھنا اپنے باپ جناب ابو طالب کے حکم اور اجازت سے تھا۔

کوئی صاحب عقل کیونکر یقین کر سکتا ہے کہ جو باپ مشرک اور کافر ہو وہ اپنے بھتیجے کو اتنے زبردست دعوے سے منع نہ کرے یہاں تک کہ اپنے بیٹوں کو بھی ایسے شخص پر ایمان لانے سے باز رکھنے کی کوشش نہ کرے جو ایک نیا دین لایا ہو اور اس کے دین کا دشمن ہو؟ اور وہ بھی جناب ابو طالبؑ کا ایسا با اقتدار و با اثر باپ جو قریش کا سردار تھا؟ بلکہ مزید برآں اپنے فرزند کو حکم دے کر جاؤ اور اپنے چچا کے بیٹے پر ایمان لاؤ اور ان کی اقتداء کرو؟ پھر اپنے سارے جسمانی و روحانی قویٰ کے ساتھ اپنے دین کے سب سے بڑے دشمن کی حمایت و نصرت کرے؟ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

فریقین کے سارے اکابر علماء نے نقل کیا ہے کہ جب قریش اور مکّے کے باشندوں نے بنی ہاشم کی اقتصادی ناکہ بندی کی تو جناب ابو طالبؑ سارے خاندان کے ساتھ رسولؐ اللہ کی حمایت پر کمربستہ ہو گئے اور چار سال تک شعب ابو طالبؑ میں آں حضرتؐ کی حفاظت و نگہبانی کی، یہاں تک کہ اس ساری مدّت کے اندر جس مقام پر شب کے پہلے حصّے میں رسولؐ اللہ سوتے تھے، ایک ساعت کے بعد جناب ابو طالبؑ آکر آں حضرتؐ کو بیدار کرتے تھے اور اُس سے محفوظ جگہ لے جاتے تھے اور اپنے فرزند دل بند علی علیہ السّلام کو آپ کے بستر پر سُلا دیتے تھے، تاکہ اگر کسی دشمن نے آں حضرتؐ کو ابتدائے شب میں وہاں دیکھا ہو اور آپ کے متعلق کوئی بری نیت رکھتا ہو تو علیؑ آپ پر قربان ہو جائیں اور آپ کا وجود مسعود امن و آسائش اور حفاظت و اطمینان میں رہے۔

آپ کو خدا کی قسم یہ بتائیے کہ آیا کوئی مشرک کسی ایسے موحد کے لئے جو نبوّت کا مدّعی اور مشرکین کو کفر و گمراہی میں مبتلا جانتا ہو اس قدر ہمدردی اور کوشش کر سکتا ہے؟ یقیناً جواب نفی میں ہو گا۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ساری جانفشانی اور فداکاری ایمان کامل کا نتیجہ تھی۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں اور سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامّہ میں طبقات محمّد ابن سعد سے اور انہوں نے واقدی سے نیز علاّمہ سیّد محمّد بن سیّد رسول برزنجی نے کتاب الاسلام فی العم وآباء سیّد الانام میں ابن سعد اور ابن عساکر وغیرہ سے اور انہوں نے صحیح اسناد کے ساتھ محمّد بن اسحاق سے روایت کی ہے کہ علی علیہ السّلام نے فرمایا جب ابوطالب نے وفات پائی تو میں نے رسولؐ اللہ کو خبر دی فبکی بکاء شدیداً ! پس آں حضرتؐ نے شدید گریہ فرمایا پھر مجھ کو حکم دیا کہ اذھب فغسلہ وکفنہ وواندرة غفراللہ لہ ورحمہ جاؤ ان کو غسل وکفن دو اور دفن کرو خدا ان کی مغفرت کرے اور ان پر رحمت نازل فرمائے ۔

خدا کے لئے انصاف کیجئے کہ اسلام میں کافر کو غسل وکفن دینے کی اجازت دی گئی ہے ؟ کیا ہمارے لئے یہ کہنا مناسب ہے کہ رسولؐ خدا نے کافر ومشرک کے لئے مغفرت طلب کی، یہاں تک کہ لکھتے ہیں وجعل رسولؐ اللہ یستغفر لہ ایاماً لا یخرج من بیتہ یعنی رسولؐ خدا کئی روز تک گھر سے باہر نہیں نکلے اور جناب ابوطالب کے لئے استغفار اور دعائے بخشش کرتے رہے ۔

کیا یہ ممکن ہے کہ آں حضرتؐ نے اپنے قرآن میں سورہ ۴ (نسا) کی آیت ۵۱ و ۱۱۶ نہ دیکھی ہو کہ خدائے تعالےٰ نے فرمایا ہے انّ اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر مادون ذالکؕ (یعنی خدا اس کو ہرگز نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ دوسرے گناہوں کو بخشے گا) پروردگار عالم کے اس صریحی اعلان کے باوجود کہ ہم مشرک کو نہیں بخشیں گے ۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ رسولِ اکرمؐ ایک مشرک کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا کریں ؟ درانحالیکہ اس کے لئے طلب رحمت ومغفرت حرام ہے اسی طرح جسم میت کو غسل وکفن دینا بھی مسلمان کے لئے مخصوص ہے اور کفار کے لئے ہرگز جائز نہیں ۔ پس یہی رسولؐ اللہ کا جناب ابوطالب کے لئے استغفار کرنا اور علی علیہ السّلام کو حکم دینا کہ جاؤ اپنے باپ کو غسل وکفن دو، جناب ابوطالب کے ایمان کی ایک واضح دلیل ہے دیدۂ حق بیں اور نگاہ انصاف سے تذکرۂ سبط ابن جوزی ص۶ کا مطالعہ کیجئے اور دیکھئے کہ امیرالمومنین نے اپنے باپ کے لئے کیونکر مرثیہ کہا ہے ۔ فرماتے ہیں ؎

اباطالب عصمة المستجیر	وغیث المحول ونورالظلم
لقد ھدّ فقدک اھل الحفاظ	فصلّی علیک ولیّ النعم
ولقاک ربّک رضوانہ	فقد کنت للطھر من خیر عم

(یعنی اے ابوطالب آپ پناہ چاہنے والے کی پناہ ، افتادہ زمینوں کے لئے بارانِ رحمت اور تاریکیوں کے لئے روشنی تھے ۔ آپ کی موت سے ارکان حفاظت تباہ ہوگئے ، پس آپ پر منعم حقیقی نے اپنی رحمت نازل کی اور پروردگار نے آپ کو اپنی بارگاہِ کرم سے ملحق کرلیا ۔ آپ یقیناً پیغمبر کے بہترین چچا تھے)

آیا یقین کیا جاسکتا ہے کہ ایسی بزرگ شخصیّت جس کے لئے مجسمۂ توحید وحق پرستی (علی علیہ السلام) نے اس قسم کا مرثیہ

کہا ہو وہ دنیا سے کافر اٹھی ہو ؟

یہ ساری دلیلیں ثابت کرتی ہیں کہ جناب ابو طالب دنیا سے مومن گئے ورنہ رسولؐ اکرم نہ ان کو غسل و کفن دیتے اور نہ دفن کرنے کے لئے ایک معصوم امام کو مامور فرماتے اور نہ ان کے لئے دُعائے رحمت ہی کرتے اس لئے کہ آں حضرتؐ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کا مکمل نمونہ تھے آپ کی دوستی اور دشمنی محض خدا کے لئے تھی، خواہش نفس کی وجہ سے نہیں کہ ابُوطالبؑ چونکہ میرے چچا ہیں لہذا چاہیے وہ مشرک ہی ہوں اور حکم خدا کے خلاف ہی کرنا پڑے لیکن میں ان کے واسطے شدید گریہ بھی کروں گا اور استغفار دعائے رحمت بھی ۔

شیخ ۔ اگر ابو طالب مومن و موحد تھے تو کس وجہ سے اپنا ایمان پوشیدہ رکھا اور اپنے بھائی عباس و حمزہ کی طرح علانیہ اظہار ایمان نہیں کیا ۔

خیر طلب ۔ بدیہی چیز ہے کہ عباس و حمزہ اور جناب ابو طالب کے درمیان کافی تفاوت اور فرق تھا کیونکہ جناب حمزہ اس قدر شجاع، نڈر اور شہزور تھے کہ سارے اہل مکّہ ان سے دبتے تھے لہٰذا ان کا اسلام لانا اور ایمان کا اعلان کرنا پیغمبرؐ کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھنے میں معاون ثابت ہوا ۔

عبّاسؓ کا اسلام پوشیدہ تھا !

لیکن جناب عباس نے بھی فوراً اپنا اسلام ظاہر نہیں کیا، چنانچہ ابن عبدالبر استیعاب میں نقل کرتے ہیں کہ عباس مکّہ ہی میں ایمان لے آئے تھے لیکن لوگوں سے پوشیدہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ جب رسولؐ خدا نے ہجرت کی تو انہوں نے بھی آں حضرتؐ کے ساتھ روانہ ہونا چاہا، حضرت نے ان کو لکھا کہ آپ کا مکّے میں ٹھہرنا میرے لئے مفید ہے ۔ چنانچہ یہ مکّے کی خبریں آں حضرتؐ کو پہنچاتے تھے، بدر کبریٰ کی جنگ میں کفّار آپ کو اپنے ہمراہ لائے کافروں کی شکست کے بعد آپ اسیر ہو گئے اور فتح خیبر کے روز مناسب موقع ہاتھ آیا تو اپنے ایمان کو ظاہر کیا ۔

نیز شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۵۶ صفحہ ۲۲۶ (مطبوعہ اسلامبول) میں ذخائر العقبیٰ امام الحرم ابو جعفر احمد بن عبداللہ طبری شافعی سے اور انہوں نے فضائل ابوالقاسم الہٰی سے کہا ہے کہ اہل علم جانتے ہیں کہ عباس پہلے ہی اسلام لے آئے تھے لیکن اس کو چھپاتے تھے جب جنگ بدر میں کفار کے لشکر کے ہمراہ آئے تو پیغمبرؐ نے فرمایا کہ جو شخص عباس سے ملاقات کرے وہ ان کو قتل نہ کرے اس لئے کہ انہوں نے کراہت کے ساتھ کافروں کی ہمراہی اختیار کی ہے، وہ ہجرت پر تیار تھے لیکن میں نے ان کو لکھا کہ وہیں رہ کر مشرکین کی خبریں مجھ کو پہنچائیں ۔ جس روز ابو رافع نے آں حضرتؐ کو عباس کے اظہار اسلام کی خبر دی تو آں حضرتؐ نے اس کو آزاد فرما دیا ۔

ابوطالبؑ نے اپنا ایمان کس لئے چھپایا

اور اگر جناب ابوطالب اپنا ایمان ظاہر کر دیتے تو معاملہ یک طرفہ ہو جاتا یعنی تبلیغ اسلام کی ابتداء ہی میں جب کہ ابھی رسولِ اکرمؐ کے ساتھ اور ناصر و مددگار نہیں تھے۔ سارا قریش اور پورا عرب متحد ہو کر بنی ہاشم کے مقابلے پر آمادہ کھڑا ہوتا اور نبوت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا۔ لہٰذا جناب ابوطالبؑ نے مصلحتاً اپنے ایمان کا اعلان نہیں کیا تاکہ بظاہر ایک ہم مشرب کی حیثیت سے قریش اور دیگر دشمنوں کی روک تھام کر سکیں اور وہ لوگ بھی محض جناب ابوطالب کے احترام اور لحاظ کی وجہ سے زیادہ شدید اقدامات نہ کریں جس سے آں حضرت کو اپنے مقصد کی اشاعت کا پورا موقع ملتا رہے۔ چنانچہ جب تک آپ زندہ رہے یہی صورتِ حال رہی اور رسولِ خداؐ پوری لگن کے ساتھ اپنا فرض انجام دینے میں مشغول رہے لیکن بعثت کا دسواں سال ختم ہونے ہونے جیسے ہی جناب ابوطالبؑ نے وفات پائی جبرئیل نازل ہوئے اور عرض کیا اخرج عن مکّۃ فما لک بھا ناصر بعد ابی طالب اب آپ مکّے سے چلے جایئے کیونکہ ابوطالب کے بعد اب یہاں آپ کا کوئی حامی نہیں ہے۔

شیخ - آیا رسولِ خداؐ کے زمانے میں ابوطالب کا اسلام مشہور تھا اور اُمّت اس کی قائل تھی یا نہیں۔

خیر طلب - ہاں پوری شہرت رکھتا تھا اور ساری اُمّت ان جناب کا نام تعظیم کے ساتھ لیتی تھی۔

شیخ - یہ کیونکر ممکن ہے کہ پیغمبرؐ کے زمانے میں تو ایک معاملہ طشت از بام اور پوری طرح مشہور ہو لیکن تقریباً تیس ۳۰ سال کے بعد (بقول آپ کے) ایک حدیث گڑھ دینے سے حق اور حقیقت کے برخلاف اس طرح سے شہرت پا جائے کہ سابق حقیقت کالعدم ہی ہو جائے ؟۔

خیر طلب - لیس ھذا اول قارورۃ کسرت فی الاسلام (یعنی یہ کوئی (اصلیت کا) پہلا شیشہ نہیں ہے جو اسلام میں توڑا گیا)۔

یہ کوئی نئی بات نہیں تھی کہ رسول اللہؐ کے زمانے میں کوئی اصلیت مشہور رہی ہو لیکن برسوں کے بعد کوئی حدیث گڑھنے کی وجہ سے اس کی پہلی صورت ختم ہو گئی ہو۔

بہت سے اُمور بلکہ دینی احکام بھی ایسے ہیں جو صاحب شریعت حضرت خاتم الانبیاؐ کے عہد میں رائج و نافذ اور جائز بلکہ عمل در آمد کے اندر تھے، لیکن چند سال گزرنے کے بعد لوگوں کے دباؤ اور اثرات کے نتیجے میں ان کی حقیقت ہی بدل گئی اور ایک صورت قائم ہو گئی۔

شیخ - ممکن ہو تو جیسا آپ کہہ رہے ہیں ان بہت سے امور میں سے ایک ہی نمونہ بیان کیجئے۔

خیر طلب - شواہد تو اتنے زیادہ ہیں کہ جلسے کا وقت ان سب کو پیش کرنے کی گنجائش ہی نہیں رکھتا، لیکن نمونے کے طور پر ان میں سے ایک ایسی مثال پیش کرتا ہوں جو سب سے زیادہ اہم اور واضح نیز قرآن مجید کی دلالت اور جمہور مسلمین کے اتفاق سے بالکل مستحکم ہے اور وہ ہیں متعہ کے دو مستقل حکم یعنی عقد منقطع اور حج تمتع، بحکم قرآن اور باتفاق فریقین (شیعہ وسنی) زمانۂ رسولؐ میں یہ دونوں عمل عام شہرت اور رواج کے مالک تھے، یہاں تک کی پوری خلافت ابوبکر اور خلافت عمر ابن خطاب کے ایک حصے میں بھی اُمّت کے اندر جاری رہے، لیکن خلیفہ عمر کے صرف ایک جملے سے کایا پلٹ ہوگئی، انہوں نے کہا متعتان کانتا علی عهد رسول الله انا احرمهما و اعاقب علیهما (یعنی دو متعے جو رسولؐ اللہ کے زمانے میں رائج تھے میں ان دونوں کو حرام کرتا ہوں اور جو کوئی ان پر عمل کرے گا اس کو سزا دوں گا۔

یعنی تیرہ سو سال سے زیادہ ہوگئے حلال خدا حرام ہو چکا ہے عمر کے اس قول پر ان کے زمانۂ خلافت میں اور اس کے بعد اس قدر زور دیا گیا اور بغیر کسی دلیل کے قرآن مجید کی نص صریح اور عمل رسولؐ واصحاب رسولؐ کے برخلاف اس طرح سے اس کی اندھی اور بھیڑیا دھسان تقلید کی گئی کہ سابقہ حقیقت بالکل فراموش ہوگئی اب تک عام طور پر برادران اہل سُنّت کے کروڑوں لوگ اس متعہ کو جو حلال خدا اور پیغمبرؐ کی روش سنّت ہے شیعوں کی ایک بدعت سمجھتے ہیں اور اگر ہم دلائل کے ساتھ بیان کریں تب بھی تسلیم نہیں کرتے کہ پیغمبرؐ اور ابوبکر وعمر کے زمانے میں یہ دونوں متعے شائع اور حلال تھے، صرف خلیفہ عمر کے کہنے سے ان کے اواسط خلافت میں یہ حلال خدا حرام بن گیا، جس جگہ اللہ کا وہ محکم حکم جس کی گواہی قرآن دے رہا ہو۔ رسولؐ اللہ اور پاک صحابہ کی سیرت جس کی تصدیق کر رہی ہو، جس کو شیخین ابوبکر وعمر کی تائید حاصل ہو اور جس کی حلت پر قرآن مجید نیز اہل سُنّت کی معتبر کتابوں میں واضح دلیلیں موجود ہوں، تنہا عمر کے اس اعلان سے جس کو آیات واحادیث کی قطعاً کوئی حمایت حاصل نہ ہو حرام و بدعت ہو جائے وہاں آپ چاہتے ہیں کہ جناب ابو طالبؑ کا اسلام وایمان کفر سے مبدل نہ ہو۔

شیخ - یعنی آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دنیا کے کروڑوں مسلمان صدیوں سے قرآن اور سُنّت رسولؐ کے خلاف عمل کرتے آرہے ہیں حالانکہ سارا عالم ہم کو سنّی کہتا ہے، یعنی ہم سنّتِ رسولؐ کے پیرو ہیں، اور شیعوں کو رافضی کہا جاتا ہے یعنی انہوں نے رسولؐ کی سنّت سے انحراف کیا۔

سُنّی درحقیقت رافضی اور شیعہ اہلِ سُنّت ہیں

خیر طلب - بظاہر آپ لوگ اپنے کو سُنّی اور شیعوں کو رافضی کہتے حالانکہ اگر عادت اور تعصب سے ہٹ کے انصاف سے جائزہ لیجئے تو نظر آئے گا کہ بباطن اور درحقیقت شیعہ سُنّی یعنی قرآن وسُنّت رسولؐ کے تابع اور احکام پیغمبرؐ کے فرمانبردار ہیں اور آپ لوگ رافضی یعنی قرآن سُنّت اور احکامِ رسولؐ سے منحرف ہیں۔

شیخ - یہ خوب رہی۔ آپ نے کروڑوں خالص مسلمانوں کو رافضی کیسے بنا دیا ؟ کیا دلیل ہے - آپ کے پاس اس مقصد پر ؟

خیر طلب اسی طرح جیسے آپ لوگ یعنی سُنّی حضرات دس کروڑ پاک نفس شیعوں اور عترت و اہل بیت رسولؐ کے پیروؤں کو رافضی کافر اور مشرک کہتے ہیں ہیں گذشتہ راتوں میں کافی دلائل کے ساتھ عرض کر چکا ہوں کہ رسولِ اکرمؐ نے ہدایت فرمائی ہے کہ میرے بعد قرآن اور میری عترت کی پیروی کرنا۔ لیکن آپ لوگ جان بوجھ کر عترتؑ سے منہ موڑ کر دُوسروں کے پیرو بنے پیغمبرؐ کی سیرت اور سنّت کو جس کی آن حضرتؐ بحکم قرآن اپنی زندگی میں برابر عملی تاکید فرماتے رہے پامال کر دیا، شیخین کے حکم سے ان حضرات کا ساتھ چھوڑ دیا اور پھر سنّت و سیرت رسول پر عمل کرنے والوں کو رافضی بلکہ مشرک اور کافر تک کہہ دیا۔

من جملہ ان احکام کے آیت ۴۲ سورہ ۸ (انفال) میں صریحاً ارشاد ہے کہ واعلموا انّما غنمتم من شیٔ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ الخ (یعنی جان لو کہ جو کچھ تم کو غنیمت اور فائدہ حاصل ہو اس میں سے خمس یعنی پانچواں حصّہ خدا و رسولؐ اور قرابتداروں کے لئے مخصوص ہے الخ)

چنانچہ آں حضرتؐ اپنی زندگی میں اس حکم پر عمل فرماتے رہے اور خمس غنائم کو اعزّہ و اقارب میں تقسیم فرما دیتے تھے لیکن آپ لوگوں نے اس سے مخالفت اور روگردانی کی ہے

اگر میں سب کی فہرست پیش کرنا چاہوں تو رشتۂ کلام بہت طولانی ہو جائے گا۔

البتہ سب سے بڑی دلیل اس مطلب پر کہ ہم شیعہ رسول اللہ کی سنّت و سیرت کے تابع اور آپ لوگ رافضی، رسولِ خدا اور صحابہ کرام کی سُنّت و سیرت کے تارک اور اس سے منحرف ہیں، یہی متعہ کا موضوع بہ حکم خدا، سُنّت رسولؐ اور عمل صحابہ کی بنا پر خود آں حضرتؐ کے عہد میں پورے زمانۂ خلافت ابوبکر میں" اور خلافت عمر کے درمیان تک حلال اور زیرِ عمل تھا، لیکن عمر کے صرف ایک فقرے سے جو انہوں نے از روئے سیاست اور ایک خاص مقصد کے تحت کہا تھا آپ لوگوں نے حلال خدا کو حرام اور سُنّتِ رسولؐ کو بیکار سمجھ کر ترک کر دیا اس کے باوجود اپنے کو سُنّی اور ہم شیعوں کو جو قرآن اور سُنّت پیغمبرؐ کے تابع ہیں رافضی کہتے ہیں اور بے خبر لوگوں کو یہ سبق اس طرح سے رٹایا ہے کہ چودہ سو برس کے قریب ہو رہے ہیں وہ ہم کو رافضی اور مشرک ہی کہتے ہیں۔

حیرت یہ ہے کہ آپ یعنی برادران اہل سُنّت بالکل مدعی سُست گواہ چُست کا نمونہ بنے ہوئے ہیں۔ کیونکہ خود خلیفہ عمر نے تو اپنی بات کے ثبوت میں کوئی دلیل و برہان پیش نہیں کی لیکن سُنّی علماء نے اپنی کتابوں میں یہ ثابت کرنے کے لئے دسیوں پھسپھسی دلیلیں اکٹھا کی ہیں کہ خلیفہ عمر کا کلام حق ہے چاہے قرآن و سُنّت رسولؐ اور سیرت صحابہ باطل و بے بنیاد ٹھہر جائے۔

شیخ - حلت متعہ و عقد انقطاع پر آپ کی دلیل کیا ہے ؟ کہاں سے اور کس دلیل سے آپ کہہ رہے ہیں کہ خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے قول خدا اور سُنّتِ رسولؐ کے خلاف عمل کیا۔ ملاحظہ ہو اسی کتاب کا صـ

حِلّتِ متعہ پر دلائل

خیر طلب: اس مطلب پر دلائل کثرت سے ہیں اور محکم آسمانی سند قرآن مجید ہے، چنانچہ آیت ۲۸ سورہ ۴ (نساء) میں صاف صاف فرمایا ہے۔ فما استمتعتم به منهن فآتوهن اجورهن فريضة (یعنی جب تم نے ان سے فائدہ اور تمتع حاصل کیا (یعنی متعہ کیا) تو ان کی اُجرت (یعنی مہر معین) ان کو فوراً ادا کرو کیونکہ یہ فرض و واجب ہے۔

ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا حکم ابد تک واجب العمل ہے جب تک خود قرآن میں اس کا کوئی ناسخ نہ پایا جائے چونکہ اس موضوع میں کوئی ناسخ نہیں آیا ہے لہٰذا یہ حکم محکم ہمیشہ کے لئے باقی اور برقرار ہے۔

شیخ: یہ آیت نکاح دائمی سے کیوں مربوط نہیں ہے جب کہ انہیں آیتوں کے ذیل میں آئی ہے اور حکم دے رہی ہے کہ اُن کی اُجرت اور مہر ادا کیا جائے؟

خیر طلب: آپ نے اپنے بیان میں بے لطفی سے کام لیا اور اصطلاح کے اندر غلط مبحث کر دیا کیونکہ آپ ہی کے بڑے بڑے علماء جیسے طبری نے تفسیر کبیر جزء پنجم میں اور امام فخرالدین رازی نے تفسیر مفاتیح الغیب جزء سوم میں نیز اوروں نے اس آیۂ مبارکہ کو متعہ کے بارے میں نقل کیا ہے۔

آپ کے علماء و مفسّرین کی تصریح کے علاوہ آپ حضرات خود ہی بخوبی جانتے ہیں کہ پُورے سورۂ نساء میں اسلام کے اندر نکاح و ازدواج کے اقسام بیان کئے گئے ہیں یعنی عقد دائمی، متعہ منقطعہ اور ملک یمین نکاح دائمی کے لئے آیت ۳ سورہ ۴ (نساء) میں ارشاد ہے۔ فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلاث ورباع فان خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملكت ايمانكم (یعنی عورتوں سے اپنی مرضی کے مطابق دو، تین اور چار تک نکاح کرو، لیکن اگر اس کا ڈر ہو کہ ان کے درمیان انصاف نہ کر سکو گے تو صرف ایک پر اکتفا کرو یا پھر جو تمہاری کنیزی میں ہو) ملک یمین اور کنیزوں کے بارے میں فرماتا ہے (ومن لم يستطع منكم طولا ان ينكح المحصنات المومنات فمن ما ملكت ايمانكم من فتياتكم المومنات والله اعلم بايمانكم بعضكم من بعض فانكحوهن باذن اهلهن وآتوهن اجورهن بالمعروف (یعنی تم میں سے جس شخص کو اتنی قدرت اور استطاعت نہ ہو کہ پارسا اور مومنہ (آزاد) عورتوں کے ساتھ نکاح کر سکے تو ان جوان عورتوں میں سے جو تمہاری ملکیت اور کنیزی میں ہوں اپنی زوجیت میں رکھو اللہ تمہارے ایمان کے متعلق سب سے زیادہ جاننے والا ہے تم میں سے ایک دُوسرے سے ہے، پس ان کے مالکوں کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کرو اور ان کے مہر خوبی کے ساتھ ادا کر دو)

اور متعہ یا عقد منقطع کے سلسلے میں آیت فما استمتعتم به منهن فآتوهن اجورهن فريضة

نازل ہوئی اگر یہ آیت نکاح دائم سے متعلق ہو تو لازم آتا ہے کہ ایک ہی سورے میں دائمی نکاح کا حکم دو مرتبہ دہرایا گیا ہے اور یہ چیز قاعدے کے خلاف ہوگی اور اگر متعہ کے لئے نازل ہوئی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ ایک مستقل اور جدید حکم ہے۔

دوسرے (صرف شیعہ بھی نہیں بلکہ) تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ عقد متعہ صدر اسلام میں رائج اور مشروع تھا۔ اور صحابہ کرام خود رسولؐ اللہ کے زمانے میں اس ہدایت پر عمل کرتے تھے اگر یہ آیت نکاح کے لئے ہے تو آیت متعہ کونسی ہے جس کے عام طور پر مسلمان قائل ہیں؟ پس قطعاً آیت متعہ یہی ہے جس کا خود آپ کے مفسرین نے بھی ذکر کیا ہے اور اس کی شرعی حیثیت کو ثابت کیا ہے، نیز یہ کہ اس کے لئے کوئی ناسخ آیت نہیں آئی جیسا کہ خود آپ کی معتبر کتابوں میں درج ہے۔

حلّتِ متعہ پر روایات اہلِ سُنّت

من جملہ صحیح بخاری اور مسند امام ابن حنبل میں ابو رجاء سے بسند عمران ابن حصین منقول ہے کہ انہوں نے کہا نزلت آیة المتعة فی کتاب الله ففعلنا ما مع رسول الله ولم ینزل قران بحرمته ولم ینه عنها رسول الله حتی اذا مات قال رجل برایه ماشاء۔ قال محمد یقال انه عمر (یعنی آیت متعہ کتاب خدا میں نازل ہوئی پس ہم رسولؐ اللہ کے دور میں اس پر عامل تھے اور اس کی حرمت پر نہ کوئی آیت نازل ہوئی نہ رسولؐ خدا ہی نے مرتے دم تک اس کی ممانعت کی، صرف ایک شخص نے اپنی خود رائی سے جو چاہا کہہ دیا۔ بخاری کہتے ہیں کہ کہا جاتا ہے یہ شخص عمر تھے)

صحیح مسلم جزو اوّل باب نکاح المتعہ ص۵۲۵ میں ہے کہ حدثنا الحسن الحلوانی قال حدثنا عبد الرزاق قال اخبرنا ابن جریج قال قال عطا قدم جابر بن عبد الله الانصاری معتمرا فجئناه فی منزله فسالہ القوم عن اشیاء ثم ذکروا المتعه فقال نعم استمتعنا علی عهد رسولؐ الله و علی عهد ابی بکر و عمر (یعنی ہم سے بیان کیا حسن حلوانی نے کہ ہم سے بتایا عبد الرزاق نے کہ ہم کو خبر دی ابن جریج نے کہ کہا عطا نے کہ جابر ابن عبد اللہ انصاری عمرہ کے لئے مکے میں آئے تو ہم ان کی قیام گاہ پر گئے، لوگوں نے ان سے مختلف باتیں دریافت کیں۔ یہاں تک کہ متعہ کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا کہ ہاں ہم رسولؐ اللہ کے زمانے میں اور ابو بکر و عمر کے عہد میں متعہ کرتے تھے) نیز اسی کتاب کے جزو اوّل ص۴۶۷ باب المتعہ بالحج والعمرة (مطبوعہ مصر ۱۳۰۶ ہجری) میں ابو نضرہ کی سند سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا، میں جابر ابن عبد اللہ انصاری کے پاس تھا کہ ایک شخص وارد ہوا۔ فقال ابن عباس والزبیر اختلفا فی المتعتین فقال جابر فعلناهما مع رسول الله ثم نهٰی عنهما عمر فلم نعد هما (یعنی اس نے کہا کہ ابن عباس اور ابن زبیر کے درمیان دونوں متعوں کے بارے میں اختلاف ہے (یعنی متعہ النساء اور متعہ الحج) پس جابر نے کہا کہ ہم رسولؐ اللہ کے زمانے میں دونوں کو بجا لائے ہیں۔ پھر عمر نے ان کی ممانعت کی جس کے بعد سے نوبت نہیں آئی)

اور امام احمد ابن حنبل نے مسند جزء اول صفحہ ۲۵ میں روایت ابو نضرہ کو دوسرے طریق سے نقل کیا ہے نیز دونوں ایک اور روایت جابر سے نقل کرتے ہیں کہ دوسرے موقع پر کہا کنا تستمتع بالقبضۃ من التمر والدقیق علی عھد رسول اللہ وابو بکر حتی نھی عمر فی شان عمرو بن حریث (یعنی ہم رسول اللہ اور ابوبکر کے زمانے میں ایک مٹھی خرما اور آٹے پر متعہ کیا کرتے تھے یہاں تک کہ عمر نے عمرو بن حریث کے بارے میں اس کو منع کیا)۔

حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا ہم لوگ رسول خدا کے زمانے میں متعہ کرتے تھے، یہاں تک کہ جب عمر کی خلافت قائم ہوئی تو انہوں نے کہا کہ خدائے تعالیٰ اپنے پیغمبر کے لئے جو چاہتا تھا حلال کر دیتا تھا۔ اب ان کی رحلت ہو چکی ہے اور قرآن اپنی جگہ پر باقی ہے پس جب تم حج یا عمرہ شروع کرو تو اس طرح ختم کرو جس طرح خدا نے فرمایا ہے اور متعہ سے توبہ کرو اور جس شخص نے متعہ کیا ہو اس کو میرے سامنے لاؤ تو میں اس کو سنگسار کروں گا۔

آپ کی معتبر کتابوں میں ایسے اخبار کثرت سے منقول ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ عہد رسول میں متعہ عام طور پر رائج اور مشروع تھا اور اصحاب اس پر عمل کرتے تھے یہاں تک کہ عمر نے اس کو اپنی خلافت کے دور میں حرام قرار دیا۔ ان روایتوں میں علاوہ اصحاب وغیرہ کی ایک جماعت جیسے ابی بن کعب، ابن عباس، عبداللہ ابن مسعود، سعید بن جبیر اور سدی وغیرہ نے آیت متعہ کو اس طریقے سے پڑھا ہے۔ فما استمتعتم بہ منھن الیٰ اجل مسمّٰی (یعنی پس جب تم ان سے متمتع اور بہرہ مند ہوئے یعنی متعہ کیا اس مدت تک جو مقرر کی گئی تھی۔

چنانچہ جاء اللہ زمخشری نے کشاف میں ابن عباس سے بطریق ارسال مسلمات نقل کیا ہے، نیز محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر کبیر میں اور امام فخرالدین رازی نے تفسیر مفاتیح الغیب جلد ۳ میں اسی آیہ مبارکہ کے ذیل میں اور امام نووی نے شرح صحیح مسلم باب اول نکاح المتعہ میں مازری سے قاضی عیاض کا قول نقل کیا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود (کاتب وحی) اس آیت کو اسی طرح پڑھتے تھے۔ فما استمتعتم بہ منھن الی اجل مسمّٰی امام فخرالدین رازی نے ابی ابن کعب اور ابن عباس کا قول نقل کرنے کے بعد کہا ہے۔ والامۃ ما انکروا علیھما فی ھٰذہ القراءۃ فکان ذالک اجماعا علی صحّۃ ماذکرنا۔ (یعنی امّت نے اس قرأت میں ان دونوں کا انکار نہیں کیا ہے۔ پس جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کے صحیح ہونے پر اس طرح اجماع قائم ہو چکا ہے)

پھر بعد والے ورق میں جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں فانّ تلک القراءۃ لاتدل الا علی ان المتعۃ کانت مشروعۃ ونحن لا ننازع فیہ (یعنی یہ قرأت یقیناً اس پر دلالت کرتی ہے کہ متعہ شرعاً جائز تھا اور ہم اس بارے میں کوئی نزاع نہیں رکھتے کہ متعہ عہد رسول میں مشروع تھا)

شیخ - آپ کی دلیل عدم نسخ پر کیا ہے کہ رسول خدا کے زمانے میں تو جائز تھا لیکن بعد کو منسوخ نہیں ہوا؟

خیر طلب - عدم نسخ اور اس بات کے دلائل بہت ہیں کہ یہ حکم اب بھی اپنے شرعی جواز پر باقی ہے۔ عام عقلوں کے

لئے ساری دلیلوں سے زیادہ قرین قیاس دلیل جس سے ان کو معلوم ہو جائے کہ متعہ عہد رسول سے لے کر اواسط خلافت عمر تک عام طور پر جائز و مشروع تھا اور یہ حکم منسوخ نہیں ہوا ہے، علاوہ مذکورہ بالا روایات اور صحابۂ کرام کی سیرت و عمل کے خود خلیفہ عمر ابن خطاب کا قول ہے جس کو آپ کے علماء نے عمومیت کے ساتھ نقل کیا ہے کہ بالائے منبر کہا متعتان کانتا علی عھد رسول اللہ وانا احرمھا واعاقب علیھما اور بعض اخبار میں ہے انھی عنھما (یعنی رسولؐ خدا کے زمانے میں دو متعے جائز تھے اور میں ان دونوں کو حرام یا منع کرتا ہوں، اور جو شخص ان پر عامل ہوگا اُس کو سزا دوں گا) [1]

شیخ - آپ کا فرمانا بجا ہے، لیکن میں نے عرض کیا کہ رسولؐ خدا کے زمانے میں اوّل اوّل بہت سے ایسے احکام رائج تھے جو بعد میں منسوخ ہو گئے، چنانچہ یہ متعہ بھی شروع میں جائز تھا لیکن بعد میں منسوخ ہو گیا۔

خیر طلب - چونکہ دین کی بنیاد اور اساس قرآن مجید پر ہے لہذا جو حکم قرآن کے اندر نافذ ہوا ہو اُس کا ناسخ بھی قرآن کے اندر اور زبان حضرت خاتم الانبیاءؐ سے موجود ہونا ضروری ہے۔ اب فرمایئے کہ قرآن مجید میں کس مقام پر یہ حکم منسوخ ہوا ہے؟

شیخ - سورہ ۲۳ (مومنون کی آیت ۶ اس کی ناسخ ہے ارشاد ہوتا ہے الا علی ازواجھم او ماملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین (یعنی سوا اپنی بیویوں کے اور ان کنیزوں کے جن پر مالکانہ قبضہ ہے (اور کسی پر تصرف جائز نہیں، پس ایسے لوگوں پر کوئی ملامت نہیں ہے) اس آیت میں حلال ہونے کے دو سبب قرار دیئے گئے ہیں ۱۔ زوجیت ۲۔ اور ملک یمین کے ذریعے قبضہ۔ لہذا اسی آیت کی دلیل سے کہ متعہ منسوخ ہو چکا ہے۔

خیر طلب - اس آیت میں متعہ کے منسوخ ہونے پر کوئی دلالت نہیں ہے بلکہ اور اُس کی تائید ہے اس لئے کہ متعہ بھی زوجیت کے حکم میں ہے اور ممتوعہ عورت مرد کی حقیقی زوجہ ہے اگر ممتوعہ حقیقتاً بیوی نہ ہوتی تو خداوند عالم آیت میں یہ حکم نہ دیتا کہ ان کا حق مہر ادا کرو۔ علاوہ اس مفہوم کے سورۂ مومنون مکّی ہے اور سورۂ نساء مدنی، ظاہر ہے کہ مکّی سورتیں مدنی سورتوں پر مقدم ہیں، پس یہ آیت ناسخ کیونکر بن سکتی ہے جب کہ آیت متعہ سے قبل نازل ہوئی ہے؟ کیا ناسخ منسوخ سے پہلے ہی آگئی۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

اکابر صحابہ و تابعین اور امام مالک کا حکم کہ متعہ منسوخ نہیں

قطع نظر اس سے کہ عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن مسعود (کاتب وحی)، جابر ابن عبداللہ انصاری، سلمہ ابن اکوع، ابوذر غفاری،

---

[1] بعض روایتوں میں ہے کہ اس کو سنگسار کروں گا، جیسا کہ مسلم نے اپنی صحیح جزء اوّل ص ۴۶۷ میں نقل کیا ہے (احکام اسلام کے اندر متعہ کرنے والے کو رجم و سنگسار کرنے کا حکم کہیں نظر سے نہیں گذرا۔ پھر خلیفہ عمر نے ایسا کیوں کیا؟ مجھ کو پتہ نہیں۔

سبرۃ بن معبد، اکوع بن عبداللہ الاسلمی، اور عمران بن حصین وغیرہ اکابر صحابہ و تابعین نے اس کے عدم نسخ کا حکم دیا ہے۔ آپ کے بڑے بڑے علماء نے بھی صحابہ کی پیروی میں اس کے منسوخ نہ ہونے کا فتویٰ دیا ہے مثلاً جاراللہ زمخشری تفسیر کشاف میں جس مقام پر جرأت عبداللہ ابن عباس کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ آیت متعہ محکمات قرآن میں سے ہے وہاں یہ بھی کہتے ہیں کہ یعنی منسوخ نہیں ہوئی ہے۔ نیز امام مالک ابن انس نے متعہ کے مشروع و جائز ہونے اور منسوخ نہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔

چنانچہ ملا سعدالدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں، برہان الدین حنفی نے ہدایہ میں، ابن حجر عقلانی نے فتح الباری میں اور دوسروں نے بھی مالک کا قول اور فتویٰ نقل کیا ہے کہ ایک جگہ کہا ہے هو جائز لانه كان مباحاً مشروعاً واشتهر عن ابن عباس حليتها وتبعه على ذالك اكثر اهل اليمن ومكة من اصحابه (یعنی متعہ جائز ہے اس لئے کہ شرعاً جائز اور مباح ہے، اور ابن عباس سے اس کی حلت مشہور ہے اور ان کے اصحاب میں سے یمن و مکہ کے زیادہ تر لوگوں نے اس کی متابعت کی ہے) اور دوسرے مقام پر کہا ہے هو جائز لانه كان مباحاً فيبقى الى ان يظهر ناسخه (یعنی متعہ جائز ہے اس لئے کہ مباح تھا اور وہ اپنے حلال و مباح ہوتے پر قائم ہے جب تک اس کا ناسخ ظاہر نہ ہو) (معلوم ہوتا ہے کہ ۱۷۹ھ ہجری تک یعنی جب مالک کا انتقال ہوا ہے اس وقت تک نسخ متعہ کے دلائل ان کے سامنے نہیں آئے تھے اور ظاہر ہوا کہ یہ سب کچھ متاخرین کی ایجاد ہے تاکہ خلیفہ عمر کے قول میں جان پیدا کی جائے)

اور آپ کے بزرگ مفسرین جیسے زمخشری، بغوی اور امام ثعلبی بھی ابن عباس اور کبار صحابہ کے عقیدے پر گئے ہیں، اور حلت و جواز متعہ کے قائل ہوئے ہیں۔

شیخ - چونکہ ممتوعہ عورت کے لئے وراثت، طلاق، عدہ اور نفقہ کے شرائط زوجیت نہیں ہیں لہٰذا وہ حقیقی زوجہ نہیں ہو سکتی۔

ممتوعہ عورت میں زوجیت کے سارے آثار موجود ہیں

خیر طلب - معلوم ہوتا ہے تنفر اور بدظنی کی وجہ سے آپ نے شیعوں کی فقہی کتابوں کا پورا مطالعہ نہیں کیا ہے ورنہ آپ دیکھتے کہ ممتوعہ عورت میں زوجیت کے سارے آثار موجود ہیں، سوا ان چیزوں کے جو دلیل کے ساتھ خارج ہو جائیں اور پھر آپ اس قسم کا اشکال قائم نہ کرتے۔ دوسرے یہ کہ متعہ نکاح مسلم کی ایک قسم ہے جس پر تحقیق کے ساتھ زوجیت صادق آتی ہے البتہ اُمت کی سہولت و آسانی اور حرام کاری سے محفوظ رکھنے کے لئے ازراہ لطف و کرم اس کے بعض شرائط اور تکلفات حذف کر دیئے گئے ہیں۔ (۳) کے علاوہ جہاں تک شرائط کا سوال ہے، اول تو یہی ثابت نہیں ہے کہ وراثت کوئی زوجیت کا لازمی جز ہے کیونکہ اکثر عورتیں زوجہ ہونے کے باوجود شوہر کا ورثہ نہیں پاتیں جیسے کتابیہ، ناشزہ (نافرمان) اور اپنے شوہر

کی قاتل عورت، جو بیوی تو کہلاتی ہے لیکن وراثت سے محروم ہے۔

دوسرے زن متوعہ کا حق وراثت سے محروم ہونا بھی قطعی طور سے معلوم نہیں ہے اس لئے کہ فقہا کے فتوی اس بارے میں مختلف ہیں جیسا کہ آپ کے یہاں بھی مسائل اور احکام میں کافی اختلاف ہے۔

تیسرے علمائے امامیہ کا اس پر اجماع ہے کہ متوعہ بیوی کو بھی عدّہ رکھنا چاہیئے اور اس کی کم سے کم مدّت پینتالیس روز مقرر کی گئی ہے اور اگر شوہر مر جائے تو چار ماہ دس دن کا عام عدّۂ وفات رکھے چاہے مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ اور یائسہ ہو یا غیر یائسہ۔

چوتھے حق نفقہ بھی زوجیت کی لازمی شرطوں میں سے نہیں ہے، کیونکہ بہت سی عورتوں ایسی ہیں جو زوجیت کے اندر ہونے کے بعد بھی نفقے کی مستحق نہیں ہوتیں جیسے ناشزہ، کتابیہ اور شوہر کی قاتل۔

پانچویں مدّت کا پورا ہو جانا ہی اُس کی طلاق ہے، اور اسی طرح اگر درمیان ہی میں شوہر اس کی مدّت بخش دے تو اُس کو طلاق ہو جاتی ہے۔

پس یہ جتنے شرائط آپ نے گنوائے ہیں ان میں سے کسی کے اندر کوئی وزن موجود نہیں ہے، چنانچہ شیعوں کے مایہ ناز عالم کامل علّامہ حلّی حسن بن یوسف بن علی بن مطہر جمال الدین قدّس سرہٗ نے آپ کے اکابر علماء کے مقابلے اور اُن کی تردید میں انہیں دلائل کو انتہائی مکمل اور مفصّل طریقے پر پیش کیا ہے، جن کو میں نے تنگیٔ وقت کی وجہ سے مختصر کر دیا (اگر کوئی شخص پوری تفصیل اور تحقیق کا خواہشمند ہو تو وہ علّامہ حلّی کی کتاب "مباحثات سنیّہ و معارضات نصیریہ" اور دوسرے تالیفات کی طرف رجوع کرے)۔

شیخ - آیۂ شریفہ سے قطع نظر حدیثیں بھی کثرت سے وارد ہیں کہ متعہ کا حکم رسولِ خدا کے زمانے میں منسوخ ہو گیا تھا۔

خیر طلب - مہربانی کر کے بیان فرمایئے کہ حکم نسخ کہاں وارد ہوا ہے؟

شیخ - اختلاف کے ساتھ نقل ہوا ہے، بعض کا قول ہے کہ فتح خیبر میں، بعض کہتے ہیں فتح مکّہ کے روز، بعض روایتیں ظاہر کرتی ہیں کہ حجۃ الوداع میں، بعض کا بیان ہے کہ تبوک میں اور بعض دوسرے لوگوں نے بتایا ہے کہ حکم نسخ عمرۃ القضا میں نازل ہوا۔

عہدِ رسولؐ میں منسوخ نہ ہونے کے دلائل!

خیر طلب - یہی عقیدے کا اختلاف اور روایتوں کا تناقض و تعارض اس بات کی پوری دلیل ہے کہ ایسا کوئی حکم آیا ہی نہیں اور ایسے اخبار پر اعتماد ہو بھی کیسے سکتا ہے جب کہ ان کے برعکس صحاح ستّہ، جمع بین الصحیحین، جمع بین الصحاح الستّہ اور مسند وغیرہ جیسی آپ کی معتبر کتابوں میں کبار صحابہ سے کثرت کے ساتھ ایسی روایتیں منقول ہیں جو زمانۂ خلافت عمر تک

اس آیت کے منسوخ ہونے کا ثبوت دے رہی ہیں۔

سارے دلائل سے واضح تر دلیل تو یہی ہے کہ آپ کے شیوخ اکابر علماء نے خود خلیفہ عمر کا یہ قول نقل کیا ہے کہ متعتان کانتا علیٰ عھد رسول اللہ وانا احرمھما۔ اگر نسخ کا کوئی حکم آیت یا حدیث اور ارشاد پیغمبرؐ کی صورت میں موجود ہوتا تو خلیفہ کو کہنا چاہیئے تھا کہ اُس ہدایت کے مطابق جو رسولؐ اللہ دے گئے ہیں اور جس پر قرآن کی آیت دلالت کرتی ہے جو شخص متعہ کرے گا اور اس منسوخ وممنوع اور حرام فعل کا مرتکب ہوگا میں اُس کو سزا دوں گا (اور دلوں کو متاثر و مرعوب کرنے کے لئے یقیناً اس قسم کا بیان زیادہ کارآمد ہوتا)، نہ کہ بجائے اس کے کہتے یہ ہیں کہ دو متعے جو رسولؐ خدا کے زمانے میں حلال تھے میں اُن کو حرام کرتا ہوں۔ اگر آپ کا دعویٰ صحیح ہو اور کوئی ناسخ اس کا قرآن مجید میں نازل ہوا ہو تو کیونکر ممکن تھا کہ صحابۂ رسولؐ اور آں حضرتؐ کے مکتب و درس گاہ کے شاگرد جیسے عبداللہ ابن عباس (حبرامت)، عمران بن حصین، ابوذر غفاری عبداللہ ابن مسعود (کاتب وحی) جابر ابن عبداللہ انصاری، ابوسعید خدری، سلمہ بن اکوع اور دوسرے اصحاب و تابعین اس پر عمل کرتے؟ چنانچہ آپ کے بڑے بڑے محدثین و مورخین، یہاں تک کہ بخاری اور مسلم نے بھی جن کی کتابوں کو آپ انتہائی اہم سمجھتے ہیں اس کو درج کیا ہے اور جن میں سے بعض کی طرف اشارہ بھی کر چکا ہوں، یہ سب پورا ثبوت ہے اس بات کا کہ رسولِ اکرمؐ کے زمانے سے خلافت عمر کے دور تک اصحاب اس پر عامل تھے اور کہتے تھے کہ آں حضرتؐ کے وقتِ وفات تک کوئی ایسی چیز جو حکم متعہ کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتی ہو ہم نے نہیں سُنی لہٰذا ہمارا عمل اس پر جاری رہا۔

اس مطلب کی صراحت وہ روایت بھی کرتی ہے جو امام احمد ابن حنبل نے مسند میں ابو بیار سے اور اُس نے عمران بن حصین سے نقل کی ہے کہ کہا نزلت اٰیۃ المتعۃ فی کتاب اللہ وعملنا بھا مع رسول اللہ فلم تنزل اٰیۃ بنسخھا ولم ینہ عنھا النبیّ حتّی مات (یعنی آیت متعہ قرآن مجید میں نازل ہوئی اور ہم رسولؐ اللہ کے عہد میں اس پر عامل تھے۔ پس نہ اس کو منسوخ کرنے کے لئے کوئی آیت اتری اور نہ پیغمبرؐ نے وقت وفات تک اس سے منع فرمایا)۔

نیز عمران بن حصین کی اُس روایت میں بھی جو پہلے عرض کر چکا ہوں اس کی وضاحت موجود ہے کہ متعہ کی ممانعت نہ قرآن میں ہے نہ پیغمبرؐ کی زبان سے۔

پس جب کتاب وسنت کسی میں نسخ اور ممانعت کا ذکر نہیں ہے تو متعہ قطعاً اپنی حلت و مشروعیت پر ابد تک باقی ہے چنانچہ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی نے اپنی سنن میں جو صحاح ستہ میں داخل ہے، امام احمد ابن حنبل نے مسند جزو دوم ص۹۵ میں اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں متعدد اسناد کے ساتھ نقل کیا ہے کہ عبداللہ ابن عمر خطاب سے ایک شامی آدمی نے پوچھا کہ آپ متعۃ النساء کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا قطعاً حلال ہے۔ اُس نے کہا آپ کے باپ خلیفہ صاحب نے تو اس سے منع کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ پیغمبرؐ نے حکم دیا ہے لہٰذا اگر میرے باپ نے منع کیا ہے تو یقیناً میرے

باب کی ممانعت پر پیغمبر کا حکم مقدم ہے اور ہیں فرمانِ رسول کا تابع ہوں۔ رہے وہ اخبار جو بقول آپ کے منقول ہیں تو غالباً صحابہ اور تابعین کے بعد والے لوگوں نے خلیفہ عمر کے قول کو درست اور مضبوط کرنے کے لئے کچھ حدیثیں گڑھ کے مشہور کردی ہیں ورنہ معاملہ اس قدر صاف اور واضح ہے کہ مزید توضیح یا زد وبدل کی گنجائش ہی نہیں ہے اس لئے کہ آپ کے پاس خلیفہ عمر کے قول کے علاوہ ابطال متعہ اور اُس کی حرمت پر ایک بھی صحیح سند یا کامل دلیل موجود نہیں ہے ۔

شیخ ۔ خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ کا قول خود مسلمانوں کے لئے ایک زبردست سند ہے جس کی ان کو پیروی کرنا چاہیئے کیونکہ اگر خلیفہ نے رسولِ خدا سے سُنا نہ ہوتا تو نقل نہ کرتے ۔

خیر طلب ۔ ایک نکتہ سنج اور انصاف پسند عالم سے بہت بعید ہے کہ (محض خلیفہ عمر کی والہانہ محبت و عقیدت میں) اس قسم کی تقریر کرنے لگے، اس لئے کہ ہر کام میں غور و فکر کرنا ضروری ہے ۔

حضرات! اپنے اس بیان پر کہ خلیفہ کا قول مسلمانوں کے لئے ایسی مضبوط سند ہے کہ اس کی پیروی ضروری ہے ذرا گہری نظر ڈالئے۔ ہیں نے تو جہاں تک آپ کی صحیح و معتبر کتابوں کا مطالعہ کیا ہے، ایک روایت بھی ایسی نہیں دیکھی کہ رسولؐ خدا نے فرمایا ہو کہ عمر ابن خطاب کا قول سند ہے یا مسلمانوں پر اُس کی پیروی لازم ہے۔ البتہ آپ کی معتبر کتابوں میں ایسی متواتر اور معتبر حدیثیں بھری پڑی ہیں کہ عترت طاہرہ رسالت کی پیروی کرو۔ بالخصوص اس عالی منزلت خاندان کی فرد اکمل امیرالمومنین حضرت علی علیہ السّلام کی، جیسا کہ ان میں سے بعض اخبار کی طرف گذشتہ شبوں میں اشارہ کیا جا چکا ہے، اور ظاہر ہے کہ تمام عترت اور اہل بیت رسالت نے اس کے منسوخ نہ ہونے کا حکم دیا ہے ۔

رہا آپ کا یہ فرمانا کہ اگر خلیفہ نے بارگاہ رسالت سے اس کی حرمت کو سنا نہ ہوتا تو بیان نہ کرتے، تو اس میں بہت سے اشکال ہیں ۔

اوّل اگر خلیفہ عمر نے رسولؐ خدا سے ایسے نسخ کو سنا تھا تو ان کو چاہیئے تھا کہ آں حضرتؐ کے زمانے سے لے کر اپنے دَورِ حکومت تک کبھی تو کہے ہوتے بالخصوص جس وقت دیکھتے تھے کہ کبار صحابہ اس کے مرتکب ہو رہے ہیں تو نہی عن المنکر کے عنوان سے بھی اُن کا فرض تھا کہ جا کر لوگوں کو بتاتے کہ یہ عمل منسوخ ہے لہٰذا اس کا ارتکاب نہ کرو۔ آخر کیوں نہیں بتایا اور نہی عن المنکر کیوں نہیں کی ؟

دُوسرے جو حکم رسولؐ کی ہدایت سے اُمت میں پھیلا ہو اُس کا ناسخ بھی آں حضرتؐ ہی کے ذریعے شائع ہونا چاہیئے چنانچہ علم اُصول میں معیّن ہے کہ بیان میں وقت ضرورت سے تاخیر جائز نہیں ہے۔ آیا یہ بات عقل میں آتی ہے کہ جو حکم ساری اُمت میں شائع ہو چکا ہو پیغمبرؐ اس کے منسوخ ہونے کا ذکر سوا عمر کے اور کسی سے نہ کریں اور عمر بھی کسی سے نہ کہیں، یہاں تک کہ اپنی خلافت کے آخری دور میں ایک خاص شخص کی مخالفت میں سیاسی طور پر اس کی حرمت کا اعلان کریں ؟ آیا اس ساری مدّت میں جب اُمت (بقول آپ کے) اس منسوخ حکم پر عمل پیرا ہو رہی تھی اس کے سر کوئی ذمّہ داری نہ تھی ؟ اور اس کا یہ طریقہ خلاف

شرع نہیں تھا۔

آیا اس منسوخ اور غیر مشروع عمل کے لئے جس کی ممانعت (بقول آپ کے) لوگوں تک نہیں پہنچائی گئی چنانچہ اُمّت اس کو اپنائے رہی، سوا رسولِ خدا کے اور کوئی جواب دہ ہو سکتا ہے کہ ایک ناسخ حکم کو جو خدا کی طرف سے اُن کے سپرد کیا گیا تھا (بقول آپ کے) اُمّت کو نہیں پہنچایا اور راز داری کے ساتھ تنہا عمر سے کہہ دیا اور عمر نے بھی کسی سے نہیں بتایا یہاں تک کہ اپنی خلافت کے آخری حصّے میں صرف ذاتی رائے کے طور پر اس کی حرمت کا حکم دیا؟ اور خلیفہ ابوبکر نے بھی جن کا مرتبہ یقیناً عمر سے بالا تر تھا اپنے سارے عہدِ خلافت میں اس منسوخ حکم کی روک تھام نہیں کی؟ آیا یہ کفر کا کلمہ نہیں ہے اور اس کا کافر نہیں ہے کہ کہا جائے رسول اللہ نے احکام کی تبلیغ میں کوتاہی کی اور اُمّت اپنی جہالت و ناواقفیت کی وجہ سے منسوخ حکم پر عمل کرتی رہی؟

تیسرے اگر متعہ پیغمبرؐ کے زمانے میں منسوخ ہو چکا تھا اور عمر نے بھی اس کو آں حضرتؐ ہی سے سُنا تھا تو ضرورت اس کی تھی کہ بیان کرتے وقت اس حکم کو آں حضرت سے منسوب کرتے اور کہتے کہ میں نے خود پیغمبرؐ کو فرماتے ہوئے سُنا کہ عقدِ متعہ منسوخ ہے اور کوئی شخص اس کا ارتکاب نہ کرے ورنہ اُس پر حد جاری ہوگی یا سنگسار ہوگا۔ ظاہر ہے کہ ارشادِ پیغمبرؐ کا حوالہ دینے سے اُمّت پر کافی اثر قائم ہوتا۔ لیکن کہتے یہ ہیں کہ رسول اللہ کے زمانے میں دو متعے جائز اور مشروع تھے جن کو میں حرام کرتا ہوں اور اب ایسا کرنے والوں کو سنگسار کروں گا۔ آیا حلال و حرام اور حدود و قواعد کا مقرر کرنا اس پیغمبر کا فرض ہے جس کا تعلق عالمِ غیب سے ہو یا ایسے خلیفہ کا حق ہے جس کو لوگوں نے معین کر دیا ہو؟

ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آسکا اور نہ میری عقل فیصلہ کر سکی کہ عمر نے آخر کس دلیل و برہان سے حلالِ خدا کو حرام کہا اور کیونکر یہ کہنے کی جرأت کی کہ انا احرمھما (یعنی میں ان دونوں کو حرام کرتا ہوں) تعجب یہ ہے کہ خود رسول اللہ تو تبلیغ احکام کے مواقع پر یہ نہیں فرماتے تھے کہ میں نے حلال یا حرام کیا، بلکہ جس وقت کسی حکم کا اعلان فرماتے تھے تو یہی فرماتے تھے کہ مجھ کو اس کی تبلیغ کا حکم خدائے تعالیٰ نے دیا ہے لیکن خلیفہ عمر انتہائی جسارت اور صراحت کے ساتھ کہتے ہیں۔

متعتان کانتا علیٰ عہد رسول اللہ و انا احرمھما و اعاقب علیھما۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

مجتہد احکام میں اُلٹ پھیر کر سکتا ہے

شیخ - یقیناً آپ جانتے ہیں کہ ہمارے چند محقق علماء کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ چونکہ احکامِ شرعی میں مجتہد تھے لہٰذا دوسرا مجتہد بھی اجتہاد کی رُو سے پہلے حکم کی مخالفت کر کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر سکتا ہے چنانچہ اسی بنا پر خلیفہ

عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ انا احرمہما۔

خیر طلب۔ مجھ کو اس کی اُمید نہیں تھی کہ آپ حضرات ایک غلطی کو درست کرنے کے لئے دوسری بہت سی غلطیاں بھی کریں گے۔ آپ کو خدا کی قسم سچ بتایئے کیا نص کے مقابلے میں اجتہاد کی بھی کوئی حقیقت ہے؟ کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ رسولِ اکرمؐ کو اس قدر پست اور خلیفہ عمر کو اس قدر بلند کیجئے کہ دو مجتہدوں کے مانند دونوں کو برابر بنا دیجئے؟ کیا آپ کا یہ بیان سراسر غلو اور آیات قرآنی کا صریحی مخالف نہیں ہے؟ اگرچہ وقت تنگ ہے لیکن نمونے کے طور پر ایسی کچھ آیتوں کا حوالہ دے دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

خداوند عالم آیت ۱۶ سورہ ۱۰ (یونس) میں پیغمبرؐ سے صاف صاف فرماتا ہے قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ (یعنی اُن سے کہہ دو کہ مجھ کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ میں اپنی طرف سے قرآن کو بدل دوں، میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے)

جس مقام پر خود رسول اکرمؐ بغیر نزول وحی کے احکام شرع میں اپنی خواہش اور ارادے سے کوئی تغییر و تبدّل نہ کر سکتے ہوں، ہاں خلیفہ عمر کو جو حقیقت وحی سے بالکل اجنبی تھے یہ اختیار کہاں سے حاصل ہو گیا کہ احکام میں تصرّف کر کے حلالِ خدا کو حرام کر دیں؟

آیت ۳ و ۴ سورہ ۵۳ (نجم) میں ارشاد ہے۔ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الّا وحی یوحیٰ (یعنی پیغمبرؐ اپنی خواہشِ نفس سے ایک بات بھی نہیں کہتے، وہ تو وہی کہتے ہیں جو وحی الٰہی ہوتی ہے)

اور آیت ۹ سورہ ۴۶ (احقاف) میں فرماتا ہے قل ما کنت بدعًا من الرسل وما ادری ما یفعل بی ولا بکم ان اتّبع الّا ما یوحیٰ الیّ (یعنی کہہ دو اے رسولؐ) کہ میں کوئی نیا پیغمبر نہیں ہوں اور نہ از خود یہ جانتا ہوں کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا برتاؤ ہو گا۔ میں تو صرف اُسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے)

یہ مکمل ثبوت ہے اس بات کا کہ پیغمبرؐ کی متابعت واجب ہے، پس عمر ہوں یا اور کوئی غیر شخص ہرگز کسی کو یہ حق حاصل نہیں تھا کہ احکام الٰہی میں تصرّف کرے اور حلالِ خدا کو حرام کرے۔

شیخ۔ خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے قوم کی بھلائی اور مصلحت قطعًا اسی میں دیکھی کہ حکم کو منسوخ کر دیں، اس لئے کہ آج دیکھا جاتا ہے کہ کچھ لوگ ساعت، ایک ماہ یا ایک سال کی لذّت کے لئے کسی عورت سے متعہ کرتے ہیں اور بعد کو حاملہ یا غیر حاملہ اس کو یونہی چھوڑ دیتے ہیں جس کے سبب سے آوارگی پھیلتی ہے۔

خیر طلب۔ معاف کیجئے گا جناب! آپ کا یہ بیان بہت ہی مضحکہ خیز اور حیرت انگیز ہے، اس لئے کہ آپ چند شہوت پرست اور لاابالی اشخاص کے طرز عمل کو احکام کے حلال و حرام میں دخل دے رہے ہیں۔ اگر ایسے لوگوں کی نفس پرستی اور بے پروائی ہی سے کوئی حلال حرام ہو جائے تو دائمی نکاح بھی حرام ہو جانا چاہیئے۔ کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ

بعض لوگوں نے مال و جمال یا کسی اور چیز کی وجہ سے شریف لڑکیوں کے ساتھ دائمی نکاح کیا، پھر بغیر خرچ و نفقہ کے ان کو لاوارث چھوڑ کر چل دیئے، لہٰذا کہنا چاہیئے کہ کچھ اشخاص ایسے حرکات کرتے ہیں اس وجہ سے عقد نکاح بالکل غلط چیز ہے۔

چاہیئے یہ کہ لوگوں میں دیانت کی ترویج کی جائے اور ان کو دینی فرائض سے آگاہ کیا جائے اگر کوئی شخص دیندار اور دائمی عورت کی ذمہ داری اٹھانے کی اہلیت اپنے میں نہیں پاتا نیز حرام کاری کے قریب بھی جانا نہیں چاہتا تو وہ دستور شریعت کے مطابق کسی عورت کو متعہ اور عقد منقطع کے ذریعہ تصرّف میں لانا چاہے گا۔ چنانچہ پہلے شرائط متعہ کی تحقیق کرے گا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ ہر حکم کے لئے کچھ شرطیں ہوتی ہیں جن کو پہلے معلوم کر لینا ضروری ہے۔ اس کے بعد عمل کی منزل میں قدم رکھنا چاہیئے لہٰذا قرارداد کے وقت وہ عورت کا مہر اتنا مقرر کرے گا کہ مدت متعہ تمام ہونے کے بعد وہ اپنے عدّہ کے زمانے میں جو صرف پینتالیس روز ہے آسانی سے بسر کر سکے۔

دوسرے یہ کہ علیحدگی کے بعد عدّہ کی ساری مدّت میں وہ عورت کی دیکھ بھال کرتا رہے گا کہ اگر حاملہ ہوگئی ہے تو بچّہ چونکہ اس کا ہے لہٰذا اس کی نگہداشت کرے تاکہ ولادت کے بعد اپنی اولاد کو حاصل کر سکے۔

اگر کچھ لوگ ان شرطوں کا لحاظ نہ کریں تو اس کا نتیجہ یہ نہیں نکل سکتا کہ آپ جیسے سادہ دل حضرات بغیر سوچے سمجھے ایک طے شدہ حلال حکم کو منسوخ فرض کر لیں۔

علاوہ اس کے اگر آپ کا فرمانا صحیح بھی ہو تو اس اُمّت کی مصلحت اور بھلائی کو خدا و رسُولؐ قطعاً عمر سے زیادہ جانتے تھے لہٰذا انہوں نے سب کو اس کی ممانعت کیوں نہیں کر دی تھی؟

اگر پیغمبرؐ نے منع نہیں کیا ہے تو خلیفہ و امام اور مجتہد منصوص بھی اپنی مصلحت بینی سے حلال خدا کو حرام نہیں کہہ سکتا، پس یہ بہانہ کام نہیں دے گا کہ اُمّت کی بھلائی اسی میں تھی کہ لوگ متعہ نہ کریں۔

ممانعت متعہ سے آوارگی پھیلی

اگر اچھی طرح سے غور کیجئے تو حکم متعہ آوارگی پھیلنے کا سبب نہیں ہوا بلکہ ممانعت متعہ نے آوارگی پھیلائی اس لئے کہ ایسے جوان مرد و عورت جن کے پاس دائمی نکاح کے وسائل مہیا نہیں ہیں اور متعہ بھی خلیفہ عمر کے حسب الحکم اُن کے لئے حرام بلکہ گناہ عظیم ہے، وہ اگر اپنی شہوت اور جنسی جذبات پر قابو نہیں رکھ سکتے تو ظاہر ہے کہ سوا اس کے اور کیا کریں گے کہ مجبُوراً حرام کاری میں مبتلا ہوں؟ اور جب کسی قوم کے اندر زنا کاری کا رواج ہو جاتا ہے تو حرمتوں کے پردے چاک اور شرافت انسانی کی عمارت متزلزل ہو جاتی ہے، آتشک اور سوزاک وغیرہ کے ایسے امراض ساریہ کی فراوانی ہوتی ہے اور خاندان پریشان حال و کمزور ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ امام احمد ثعلبی اور طبری نے اپنی تفسیر میں اور امام احمد ابن حنبل نے مسند میں آیت متعہ کے ذیل میں سند کے ساتھ امیرالمومنین علی علیہ السّلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا لولا ان عمر نھی عن المتعۃ ما زنی الا شقی ۔ (یعنی اگر عمر نے متعہ کو منع نہ کیا ہوتا تو سوا بدبخت کے کوئی زنا نہ کرتا) ۔

نیز ابن جریج اور عمرو بن دینار نے عبداللہ ابن عباس (حبر امت) سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ما کانت المتعۃ الا رحمۃ رحم اللہ بھا امۃ محمد لولا نھیہ (ای عمر) عنھا ما احتاج الی الزنا الا شقی۔ (یعنی متعہ درحقیقت خدا کی ایک رحمت تھا جس کو اس نے امت محمدؐ پر نازل کیا تھا، اگر عمر نے اس کی ممانعت نہ کی ہوتی تو سوا بدبخت کے کوئی زنا کا محتاج نہ ہوتا)، پس بقول اصحاب پیغمبرؐ کے زنا کاری پھیلنے کا سبب متعہ کی ممانعت ہے نہ کہ خود عمل متعہ اور حلال و حرام کے جتنے احکام خداوندی پیغمبرؐ اسلام کے ذریعے امت تک پہنچے ہیں وہ سب کے سب قوم کی بھلائی اور مصلحت پر مبنی تھے اور ہیں اور رہیں گے۔ الی یوم القیامۃ ۔

اس مقام پر کہنے کے لائق بہت کچھ ہے اور اس عقیدے کے بطلان پر (کہ دونوں متعے حرام ہیں) بیشمار شواہد موجود ہیں لیکن ہمارا یہ مختصر جلسہ ان کی تفصیل بیان کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

اس کے علاوہ ہماری گفتگو اس موضوع پر تھی بھی نہیں بلکہ آپ کے تقاضے پر میں نے یہ حکم صرف اس غرض سے نقل کر دیا تھا کہ جناب عالی کا استبعاد رفع ہو جائے کیونکہ آپ نے فرمایا تھا کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ پیغمبرؐ کے زمانے میں کوئی امر جاری اور نافذ رہا ہو لیکن بعد کو وضعی احادیث کی بنا پر اس کے برخلاف ہو جائے، میں نے آپ کو بتانا چاہا تھا کہ جس طرح خدا کے احکام بدل دیئے گئے، حلال و حرام میں تصرف کیا گیا، خمس اور دونوں متعوں کے مستقل احکام جو باتفاق فریقین (شیعہ و سنی) حضرت خاتم الانبیاء کے زمانے سے خلافت عمر کے آخری دور تک امت میں رائج اور کبار صحابہ و تابعین کے اعمال میں داخل تھے، بعد کو جیسا کہ جابر کی روایت سے ثابت ہے عمرو بن حریث کی خاطر سے بغیر کسی دلیل و برہان کے صرف خلیفہ عمر کی ذاتی خواہش کی بنا پر ان کے ایک جملے سے منسوخ ہو گئے، حلال خدا حرام بن گیا، اور آج کروڑوں مسلمان بغیر کسی ثبوت کے فقط اسلاف کی پیروی میں اسی جملے اور عقیدے پر جمے ہوئے ہیں، حالانکہ وجوب خمس، متعہ کے دونوں حکم محکم اور عہد رسول میں ان کے منسوخ نہ ہونے پر قرآنی آیات اور حدیثوں کے دلائل خود آپ کی معتبر کتابوں میں اب تک موجود ہیں ۔

مزید برآں ان احکام پر عمل کرنے والوں کو جن کے منسوخ ہونے کی کوئی دلیل نہیں بدعتی اور گمراہ کہا جاتا ہے ۔

پس دوسرے محل پر بھی کوئی استبعاد باقی نہیں رہتا کہ جناب ابو طالب کے اسلام و ایمان کو بھی جو عہد پیغمبرؐ اور صدر اسلام میں مشہور و معروف اور ائمت کی نظر میں قابل احترام تھا حدیث ضحضاح گڑھ کے برعکس مشہور کیا جائے اور پھر نافہم لوگ اپنی عادت اور تقلید کی بنا پر بغیر کسی تحقیق کے حق و صداقت کو پامال اور نسیاً منسیاً بنا دیں ۔

اب میں تقریر کو اس سے زیادہ طول نہیں دوں گا، کیوں کہ اربابِ عقل و دانش کے لئے اسی قدر دلائل کافی ہیں اور صاحبانِ بصیرت کے سامنے روشن ہے کہ اُن جناب کے ایمان پر بہت کثرت سے دلیلیں موجود ہیں لیکن میں اختصار کے خیال سے اسی جگہ مطلب تمام کرتا ہوں۔

ورنہ خوارج و نواصب، بنی اُمیّہ اور اُن کے پیرو تو اگر دیکھیں کہ جناب ابو طالب زندہ ہو کر خود اپنی زبان سے کلمۂ شہادتین جاری کر رہے ہیں تب بھی عداوت امیر المومنینؑ کی وجہ سے اوچھی تاویلیں کر کے ان الفاظ کا کوئی دوسرا مطلب نکالیں گے۔

آپ حضرات میں سے کوئی صاحب اگر اس بارے میں مزید تفصیلات جاننا چاہتے ہوں تو اپنے اکابر علماء جیسے جلال الدین سیوطی، ابو القاسم بلخی، محمد بن اسحاق، ابن سعد، ابن قتیبہ، واقدی، امام موصلی، شوکانی، امام تلمسانی، امام قرطبی، علامہ برزنجی، علی اجہوری، امام شعرانی، امام سبکی اور ابو جعفر اسکافی وغیرہ کی معتبر کتابوں کا مطالعہ کریں، کیونکہ یہ سب رسول خدا صلعم کے ماں باپ اور چچا جناب ابو طالب کے اسلام و ایمان کا اعتراف و اعتقاد رکھتے تھے اور اکثر نے اس موضوع پر مستقل رسالے لکھے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جو کچھ عرض کیا گیا اُس سے معلوم ہو گیا کہ علی علیہ السلام روحانی و جسمانی حیثیت سے اس قدر ممتاز نسب اور پاکیزہ نسل کے مالک تھے کہ صحابۂ کبار میں سے ایک بھی اُن حضرت کے مقدس مرتبے کو نہیں پہنچتا ؎

لقد ظهرت فما تخفى على احد　　الا على اكمه لا يعرف القمر

(یعنی یقیناً یہ بات اس قدر ظاہر ہے کہ کسی کے اوپر مخفی نہیں، سوا اُس مادر زاد اندھے کے جو چاند کو نہ دیکھ سکے)

علیؑ کا مولد خانۂ کعبہ تھا

دوسری خصوصیت جو علی علیہ السلام کو ممتاز کرتی ہے وہ محل و مکانِ ولادت ہے، کیونکہ آدم سے لے کر خاتمؐ تک سارے انبیائے عظام و اوصیائے کرام اور اُن کی نیک اُمتوں میں سے ایک شخص بھی اس خصوصیت عظمیٰ سے سرفراز نہیں ہوا، آپ جس طرح سے نسل و نسب اور جنبۂ نورانیت کی حیثیت سے ساری خلقت میں ممتاز تھے اسی طرح جائے ولادت کے لحاظ سے بھی ایک نمایاں خصوصیت رکھتے تھے کہ آپ خانۂ کعبہ کے اندر متولد ہوئے اور اس امتیازی شان میں منفرد تھے۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و آلہ و علیہ السلام کی ولادت کے موقع پر آپ کی مادر گرامی حضرت مریم طاہرہ کو اس غیبی آواز نے بیت المقدس سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیا کہ اخرجي عن البيت فان هذه بيت العبادة لا بيت الولادة۔ (یعنی اے مریم، بیت المقدس سے نکل جاؤ کیونکہ یہ عبادت کا گھر ہے زچہ خانہ نہیں ہے) لیکن جب علی علیہ السلام کی ولادت

باسعادت کا وقت آیا تو آپ کی مادر گرامی فاطمہ بنت اسد خانۂ کعبہ کے اندر بلائی گئیں۔ پھر یہ کوئی اتفاقی بات بھی نہیں تھی کہ جیسے کوئی عورت مسجد میں ہو اور دفعتہً وضع حمل ہو جائے بلکہ باقاعدہ دعوت کی صورت میں اس گھر کے اندر لے جائی گئیں جس کا دروازہ مقفل تھا بعض ناواقف لوگ یہ وہم کرتے ہیں کہ فاطمہ بنت اسد مسجد کے اندر تھیں کہ اتنے میں ان کو دردِزہ عارض ہوا اور وہ باہر نہ جا سکیں مجبوراً اسی مسجد میں وضع حمل ہوا۔

حالانکہ یہ صورت نہیں تھی فاطمہ بنت اسد کے وضع حمل کا مہینہ تھا، آپ مسجد الحرام گئیں وہاں دردِزہ عارض ہوا۔ مستجار کعبہ میں مشغولِ دُعا ہوئیں اور درگاہِ الٰہی میں فریاد کی کہ خداوندا تجھ کو اپنی عزّت وجلال کا واسطہ اس دردِزہ کو مجھ پر آسان فرما۔ ایک مرتبہ خانۂ کعبہ کی دیوار (جو اس زمانے میں مسجد الحرام کے وسط میں تھی اور اُس کا دروازہ زمین کے برابر سے تھا جو ہمیشہ بند اور مقفل رہتا تھا، صرف خاص موسم میں کھولا جاتا تھا) شگافتہ ہوئی یا مقفل دروازہ کھل گیا۔

دوسری روایت میں ہے اور ایک آواز آئی یا فاطمة ادخلی البیت اے فاطمہ گھر کے اندر داخل ہو جاؤ بیت اللہ کے اردگرد بیٹھے ہوئے مجمع کے سامنے فاطمہ اندر گئیں اور در و دیوار پھر سابق حالت پر آ گئے۔ سب کو بہت تعجب ہوا جناب عباس بھی موجود تھے، انہوں نے یہ ماجرا دیکھا تو فوراً اپنے بھائی جناب ابو طالب کو خبر دی کیونکہ دروازے کی کنجی انہیں کے پاس تھی وہ اُسی وقت آئے اور ہر چند کوشش کی لیکن دروازہ نہیں کھُلا۔ تین روز تک فاطمہ بظاہر بغیر کسی دوا و غذا اور تیمار دار کے خانہ کعبہ کے اندر رہیں، مکّے کے ہر گھر میں اس غیر معمولی واقعے کا چرچا ہو رہا تھا، یہاں تک کہ تیسرے روز جہاں سے داخل ہوئی تھیں اسی جگہ پھر راستہ بنا اور فاطمہ باہر آئیں۔ لوگوں نے ہجوم کیا تو دیکھا کہ ان کے ہاتھوں پر ایک چاند سا بیٹا ہے جو آنکھوں کو خیرہ کر رہا ہے ؎

اسد اللہ در وجود آمد　　　　در پس پردہ ہر چہ بود آمد

یہ خصوصیت اور امتیاز علی علیہ السّلام کے لئے مخصوص ہو کے رہ گیا کہ اُن کا مولد خانۂ کعبہ تھا اور وہ بھی اس خصوصی دعوت کے ساتھ کہ اُن کی مادرِ گرامی گھر کے اندر بلائی گئیں۔

اس مسئلے میں فریقین (شیعہ و سنّی) کا اتفاق ہے کہ آپ سے قبل یا بعد کسی اور کو یہ شرفِ خاص حاصل نہیں ہوا چنانچہ حاکم مستدرک میں اور نورالدین بن صباغ مالکی فصول المہمہ فصل اوّل ص۱۲ میں کہتے ہیں۔

ولم یولد فی البیت الحرام قبله احد سواه وهی فضیلة خصّه الله تعالیٰ بها اجلالا له واعلاء لمرتبته واظهاراً لتکریمه۔

یعنی علیؑ سے قبل آپ کے سوا اور کسی کی ولادت خانۂ کعبہ میں نہیں ہوئی اور یہ وہ فضیلت ہے جو خدائے تعالیٰ نے آپ کی عزّت افزائی، آپ کا مرتبہ بلند کرنے اور آپ کی تعظیم و تکریم کے اظہار کے لئے آپ کی ذات سے مخصوص کر دی)۔

عالم غیب سے علیؑ کا نام اور ایمان ابوطالبؑ پر ایک اور دلیل

دوسری خصوصیت جو اسی سلسلے میں علی علیہ السلام کے لیے ظاہر ہوئی اور آپ کی مزید شرافت و بزرگی کا باعث ہوئی وہ عالم غیب سے حضرت کا نام رکھا جانا ہے۔

شیخ - یہ تو آپ نے انوکھی بات کہی گویا ابو طالب پیغمبر تھے کہ ان کے اوپر وحی نازل ہوئی کہ بچے کا نام علی رکھو۔ آپ کا یہ بیان قطعاً ان پروپگنڈوں میں سے ہے جو شیعوں نے اپنے عشق و محبت میں وضع کئے ہیں، ورنہ اس کی کوئی صورت ہی نہیں کہ خدا بچے کا نام علی رکھنے کے لیے حکم دے۔ علی ایک معمولی نام تھا جو ماں باپ نے اپنی مرضی اور ارادے سے آپ کے لیے تجویز کیا عالم غیب سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

خیر طلب - میں نے تو ہرگز کوئی انوکھی بات نہیں کہی جس پر آپ کو تعجب ہوا۔ البتہ آپ کی یہ حیرانی دراصل مرتبۂ ولایت سے اجنبیت کی وجہ سے ہے۔

چونکہ آپ نے چند جملے ایک دوسرے سے مخلوط کرکے بیان کئے ہیں لہٰذا ان کو الگ الگ کرکے ہر ایک کا جواب علیحدہ علیحدہ عرض کرتا ہوں۔

اوّلاً آپ سوچتے ہیں کہ بچے کا نام ولادت کے بعد رکھا گیا، حالانکہ ایسا نہیں بلکہ نام آسمانی کتابوں میں محمدؐ و علیؑ علیہما الصلوٰۃ والسلام کے نام نبوت و امامت کے عنوان سے ذکر ہوئے ہیں کیونکہ ان دونوں بزرگواروں کے نام خدائے تعالیٰ نے خلقت سے ہزاروں سال قبل رکھے تھے جو تمام آسمانوں، جنت کے دروازوں اور عرش الٰہی پر لکھ دیئے گئے تھے۔ ابو طالب کے زمانے سے اس کا تعلق نہیں۔

شیخ - آیا آپ کا یہ بیان غلو نہیں ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو اس قدر اونچا اٹھایئے کہ خلقت خلائق سے پہلے عالم ملکوت میں پیغمبرؐ کے نام گرامی کے ساتھ اُن کا نام بھی درج کر دیجئے حالانکہ پیغمبرؐ کی ذات کے مانند آپ کا نام بھی سب سے بالاتر ہے اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔ آپ حضرات کے اسی قسم کے بیانات کا نتیجہ ہے کہ اذان و اقامت میں آپ کے فقہاء کے فتوے پر نام پیغمبرؐ کے بعد علی کا نام واجب سمجھ کے لیا جاتا ہے۔

خیر طلب - (مسکراتے ہوئے) نہیں جناب، میرے اس بیان کو قطعاً غلو سے کوئی ربط نہیں ہے اور ملکوت اعلیٰ میں اس نام مبارک کو میں نے لکھا بھی نہیں ہے جو آپ مجھ سے منسوب کر رہے ہیں، بلکہ خود خدائے تعالیٰ نے اپنے اور اپنے رسول کے نام کے ساتھ آپ کا نام لکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آپ کی معتبر کتابوں کے اندر اس بارے میں کافی روایتیں موجود ہیں۔

شیخ ۔ حیرت ہے کہ آپ نے تو غلو کو ایک درجہ اور بڑھا دیا کہ علی کے نام کو خدائے عزّوجل کے نام سے ملحق کر دیا! اگر ممکن ہو تو ذرا ان روایتوں میں سے کسی کا حوالہ دیجئے ۔

نام خدا و رسولؐ کے بعد عرش پر علیؑ کا نام درج ہے

خیر طلب ۔ محمد بن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں بسلسلہ حالات علی علیہ السّلام، محمّد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۶۲ میں، حافظ ابو نعیم نے حلیتہ الاولیاء میں اور شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ (مطبوعہ اسلامبول صفحہ ۲۳۸) باب ۵۶ حدیث ۵۲ میں ذخائر العقبیٰ امام الحرم احمد بن عبداللہ طبری شافعی سے نقل کرتے ہوئے ابوہریرہ کی سند سے (بعض الفاظ کی مختصر کمی بیشی کے ساتھ) روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ مکتوب علی ساق العرش لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریك لہ ومحمد عبدی ورسولی ایدتہ بعلی بن ابی طالب (یعنی ساق عرش پر لکھا ہوا ہے کہ سوائے وحدہ لاشریک کے کوئی خدا نہیں اور محمّد میرا بندہ اور رسول ہے جس کی میں نے علی ابن ابی طالب کے ذریعے تائید کی ہے ۔)

جلال الدین سیوطی نے خصائص الکبریٰ جلد اوّل صفحہ ۷ اور تفسیر درمنثور اوائل سورہ بنی اسرائیل میں ابن عدی اور ابن عساکر سے نقل کیا ہے اور انہوں نے انس ابن مالک سے روایت کی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا، میں نے ساق عرش پر لکھا ہوا دیکھا۔ لا الہ الا اللہ محمّد رسول اللہ ایّدتہ بعلیؑ (یعنی سوا اللہ کے کوئی خدا نہیں، محمّدؐ اللہ کے رسول ہیں، میں نے علیؑ کے ذریعے ان کی حمایت کی ہے) مترجم ۱۲ ۔

ینابیع المودۃ صفحہ ۲۰۰ میں ذخائر العقبیٰ امام الحرم سے بروایت سیرت ملّا منقول ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا، شب معراج جب مجھ کو ملکوت اعلیٰ میں لے گئے تو نظرت الی ساق الایمن من العرش فرایت مکتوبًا محمد رسول اللہ ایدتہ بعلیّ ونصرتہ بہ (یعنی میں نے داہنی جانب ساق عرش پر نظر کی تو دیکھا کہ لکھا ہوا ہے، محمّد اللہ کے رسولؐ ہیں میں نے علی کی ذات سے ان کی تائید و نصرت کی ہے)

نیز ینابیع المودت صفحہ ۲۳۳ حدیث ۱۹ میں کتاب السبعین امام الحرم سے بحوالہ مناقب فقیہ واسطی ابن مغازلی شافعی میر سید علی ہمدانی شافعی نے مودت القربیٰ مودت ششم میں دو حدیثیں، خطیب خوارزمی نے مناقب میں، ابن شیرویہ نے فردوس میں اور ابن مغازلی شافعی نے مناقب میں سب نے جابر ابن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا۔ مکتوب علی باب الجنۃ لا الہ الا اللہ محمّد رسول اللہ علی اخو رسول اللہ قبل ان یخلق السماوات والارض بالفی عام (یعنی

الیك بجذع النخلۃ تساقط علیك رطبا جنیا فکلی واشربی وقرّی عینا فامّا ترین من البشر احدا فقولی انی نذرت للرحمٰن صوما فلن اکلم الیوم انسیا (یعنی پس درخت کے نیچے سے ان کو آواز دی کہ غم نہ کرو کیونکہ خدا نے تمہارے پاؤں کے نیچے چشمہ جاری کر دیا ہے اور اپنی طرف درخت خرما کی شاخ کو حرکت دو تاکہ تمہارے لئے تازہ خرمے گریں پس ان کو کھاؤ اور پانی پیو اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھو، اور اگر کسی آدمی کو دیکھو کہ (اشارے سے) کہو کہ میں نے خدا کے لئے (خاموشی کے) روزے کی نذر کی ہے۔ لہٰذا آج کسی شخص سے بات نہیں کروں گی۔)
پس جس طرح وحی یا منادی کی آواز کے ذریعے شہد کی مکھی اور نو خابذ مادر حضرت موسیٰ اور مریم مادر حضرت عیسیٰ کو ہدایت دی ہے حالانکہ ان میں سے کوئی پیغمبر نہیں تھا، اسی طرح جناب ابوطالب کو بھی اپنے فرزند کا نام رکھنے کے لئے ہدایت دی۔
نیز کسی نے یہ نہیں کہا ہے کہ جناب ابوطالب پیغمبر تھے یا ان پر وحی نازل ہوئی بلکہ ندائے آسمانی اور ایک لوح کے نزول سے جس میں نوزائیدہ بچے کا نام رکھنے کی ہدایت درج تھی ان کی رہنمائی کی گئی، چنانچہ خود آپ کے اکابر علماء نے اس کو اپنی معتبر کتابوں میں تحریر کیا ہے۔

شیخ ۔ ہمارے علماء نے کس مقام پر ایسی خبر دی ہے؟۔

خیر طلب ۔ آپ کی بہت سی کتابوں میں درج ہے، لیکن اس وقت جو میرے پیش نظر ہے، عرض کرتا ہوں۔

نام علیؑ کے لئے ابوطالبؑ پر لوح کا نزول

میر سید علی ہمدانی فقیہ شافعی نے مودۃ القربیٰ کی مودت ہشتم میں بروایت عباس ابن عبدالمطلب جس کو سلیمان بلخی حنفی نے بھی ینابیع المودت باب ۵۶ میں نقل کیا ہے، اور محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب کے تنو باب کے بعد باب میں الفاظ کے مختصر اختلاف کے ساتھ نقل کیا ہے کہ جب علی علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو آپ کی ماں فاطمہ نے اپنے باپ کے نام پر آپ کا نام اسد رکھا۔ جناب ابوطالب اس نام پر راضی نہیں ہوئے اور فرمایا کہ فاطمہ آؤ آج رات کو ہم لوگ کوہ قبیس پر چلیں (بعض نے کہا ہے کہ فرمایا مسجد الحرام میں چلیں) اور خدا سے دعا کریں شاید وہ ہم کو اس بچے کے لئے کسی نام کی خبر دے، جب رات ہوئی تو دونوں کوہ ابوقبیس پر (یا مسجد الحرام میں) پہنچ کر دعا میں مشغول ہوئے اور جناب ابوطالب نے دعا کو نظم کر کے اس طرح کہا ؎

یا رب هذا (یا ذا) الغسق الدجیٰ والقمر (والفلق) المبتلج المضیّ
بیّن لنا من رهن، امرك الخفی (المقضی) ماذا ترى فی اسم ذا الصبیّ
لما تسمیّ لذاك العبی

(یعنی اے اس اندھیری رات اور روشن و منوّر چاند یا صبح کے پروردگار! اپنے امر پنہاں یا اپنی مرضی سے ہم پر ظاہر کردے کہ تو اس بچّے کا نام کیا تجویز کرتا ہے؟) اس وقت آسمان کی طرف سے ایک آواز آئی، ابو طالب نے سر اُٹھایا تو زبرجد سبز کے مانند ایک لوح نظر آئی جس پر چار سطریں لکھی ہوئی تھیں، اُنہوں نے لوح کو لے کر اپنے سینے سے لگایا اور پڑھا تو یہ اشعار درج تھے ؎

خصصتما بالولد الزکیّ والطاھر المنتخب الرضیّ
واسمہ من قاھر العلیّ علیّ اشتق من العلیّ

(یعنی میں نے تم دونوں کو پاک و پاکیزہ اور منتخب و پسندیدہ فرزند کے ساتھ مخصوص کیا۔
اس کا نام خدائے علی کی جانب سے علیؑ رکھا گیا ہے جو علی اعلیٰ سے مشتق ہے)
گنجی شافعی نے کفایت الطالب میں نقل کیا ہے کہ ایک آواز آئی جس نے ابو طالب کے جواب میں یہ دو شعر سُنائے۔

یا اھلبیت المصطفیٰ النبی خصصتم بالولد الزکیّ
ان اسمہ من شامخ العلیّ علیّ اشتق من العلیّ

(یعنی اے برگزیدہ پیغمبر کے گھر والوں میں نے ایک پاک و پاکیزہ بچّے سے تم کو خصوصیت دی۔ یقیناً اس کا نام خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے علی رکھا گیا ہے جو اُس کے نام "علی" سے مشتق ہے) فسرّ ابو طالب سروراً عظیماً وخرّ ساجداللہ تبارک و تعالیٰ (یعنی پس ابو طالب کو انتہائی مسرّت و شادمانی حاصل ہوئی اور خدائے عزّ و جل کے لئے سجدے میں گر پڑے) اس کے بعد اس امر عظیم کے شکرانے میں دس اونٹ قربانی کئے اور اُس لوح کو مسجد الحرام میں لٹکا دیا بنی ہاشم اس لوح کی وجہ سے قریش پر فخر کرتے تھے اور وہ اسی طرح رہی یہاں تک کہ عبد اللہ ابن زبیر سے حجاج کی جنگ کے زمانے میں غائب ہو گئی۔

(یہ روایت بھی مذکورۂ بالا روایتوں اور دلیلوں کی تائید کرتی ہے کہ ابو طالب ہمیشہ سے موحد اور باایمان تھے چنانچہ اسی بنا پر خدا سے نام معین کرنے کا سوال کیا اور جس وقت رحمت الٰہی کا ایسا فیضان دیکھا تو خاک پر گر پڑے اور خدائے وحدہٗ لاشریک کا سجدہ بجا لائے۔ آیا ایسا شخص جو ایک جدید نعمت سے سرفراز ہوتے ہی خاک پر گر کے خدا کا سجدہ ادا کرے اس کو مشرک کہا جا سکتا ہے؟ خدا کی پناہ اس جاہلانہ تعصّب و عناد سے۔

علیؑ کا نام اذان و اقامت کا جزء نہیں ہے

آپ نے جو یہ فرمایا کہ شیعہ فقہا کے فتوے سے اذان و اقامت میں علی علیہ السّلام کا نام لینا واجب سمجھا جاتا ہے

تو یہ آپ کا جان بوجھ کے انجان بننا ہے، بہتر ہوتا کہ آپ ایسے کسی ایک ہی فتوے کا پتہ دیتے جس میں حضرت کے نام کو اذان و اقامت کا جز کہا گیا ہو۔ درآں حالیکہ ساری استدلالی کتابوں اور عملیہ رسالوں میں تمام شیعہ فقہاء نے بالاتفاق یہی بیان کیا ہے کہ ولایت حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کی شہادت جزء ایمان نہیں ہے اور اس کو اذان و اقامت میں بقصد جزئیت کہنا حرام ہے، اگر نیت کے وقت مجموعی طور پر حضرت کے نام کے ساتھ قصد کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ فعل حرام ہوگا بلکہ عمل بھی باطل ہو جائے گا۔ البتہ رسولؐ خدا کا نام ذکر کرنے کے بعد بغیر قصد جزئیت کے یمن و تبرک کی نیت سے علی علیہ السلام کا نام لینا مطلوب و مستحسن ہے، اس لئے کہ خدا نے ہر مقام پر پیغمبر کے نام کے بعد آپ کا نام لیا ہے، جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے۔ پس آپ حضرات بلا وجہ شور و ہنگامہ مچاتے ہیں۔ غالباً اسی قدر کافی ہوگا لہٰذا ہم پھر اصل مطلب پر آتے ہیں کہ اگر آپ حضرات ذرا گہری نظر ڈالیں تو ثابت ہوگا کہ نسل و نسب کے اعتبار سے صحابہ کبار میں سے ایک بھی امیرالمومنین علی السلام کا مثل نہیں تھا۔

علیؑ علیہ السلام کا زہد و تقویٰ

رہا زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری کا موضوع تو یہ حضرت کی وہ خصوصیت ہے جس میں عالم کے اندر کوئی دوسرا آپ کی برابری نہیں کر سکتا کیونکہ امت کے اندر دوست دشمن سبھی کا اجماع ہے کہ رسولؐ خدا کے بعد کوئی امیرالمومنین سے زیادہ عابد و زاہد اور متقی شخص نہیں دیکھا گیا، چنانچہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں اور محمد ابن طلحہ شافعی مطالب السئول میں بنی امیہ کی مشہور فرد عمر ابن عبدالعزیز سے نقل کرتے ہیں کہ آپ پرہیزگاری میں اپنے زمانے کے سارے انسانوں سے بلند و ممتاز تھے، وہ کہتے ہیں ما علمنا احدًا کان فی ھذہ الامۃ بعد النبی ازھد من علیّ بن ابی طالب (یعنی ہم نہیں جانتے کہ رسولِ خدا کے بعد اس امت میں کوئی شخص علی ابن ابی طالبؑ سے زیادہ زاہد و پرہیزگار رہا ہو)

ملا علی توشجی اپنے انتہائی تعصب کے باوجود اپنی کتاب کے اکثر مقامات پر کہتے ہیں کہ علی علیہ السلام کے بارے میں عقلمندوں کی عقلیں مبہوت ہیں کیونکہ آپ نے پچھلے اور اگلے لوگوں کے کارناموں پر خط نسخ کھینچ دیا اور شرح تجرید میں کہتے ہیں کہ انسان علی علیہ السلام کے حالات اور طریقۂ زندگی کو سن کر دم بخود اور حیران رہ جاتا ہے۔

عبداللہ بن رافع کی روایت

من جملہ عبداللہ رافع کی روایت ہے کہ ایک روز میں افطار کے وقت امیرالمومنین علیہ السلام کے یہاں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت کے سامنے ایک سربمہر کیسہ لایا گیا، جب آپ نے اس کو کھولا تو اس میں بغیر چھنا ہوا آٹا تھا جس میں کافی بھوسی ملی تھی۔

آپ نے اس میں سے تین مٹھی آٹا لے کر نوش فرمایا اور اوپر سے ایک گھونٹ پانی پی کر شکر خدا بجالائے۔ میں نے عرض کیا کہ یا ابا الحسن آپ نے تھیلی کے منہ پر مہر کس لئے لگائی ہے؟ فرمایا اسلئے کہ حسنین (علیہما السلام) چونکہ مجھ سے محبت کرتے ہیں لہذا ہوسکتا ہے کہ اس میں روغن زیتون یا شیرینی شامل کر دیں اور علی کا نفس اس کو کھانے سے لذت حاصل کرے۔

(یہ بھی چیز ہے کہ دنیا کی مباح لذتوں میں بھی نفس کو آزادی دینے سے رفتہ رفتہ بغاوت و سرکشی پیدا ہوتی ہے جو آدمی کو خدا کی یاد سے غافل کر دیتی ہے)

علی علیہ السلام اپنے نفس کو اسی بنا پر لذیذ غذاؤں سے باز رکھتے تھے تاکہ نفس کا غلبہ نہ ہو جائے اور سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۵۱ میں اس روایت کو احنف بن قیس سے نقل کیا ہے۔

سوید بن غفلہ کی روایت

نیز شیخ نے ینابیع المودت میں، محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں، خطیب خوارزمی نے مناقب میں اور طبری نے اپنی تاریخ میں سوید بن غفلہ سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں میں ایک روز امیرالمومنین کی خدمت میں مشرف ہوا تو دیکھا کہ ایک ایسے کھٹے دودھ کا پیالہ حضرت کے سامنے رکھا ہوا ہے کہ اس کی ترشی کی بو میری ناک تک آرہی تھی اور ایک بھوسی ملی ہوئی سوکھی روٹی دست مبارک میں ہے جو اس قدر خشک ہے کہ توڑے نہیں ٹوٹتی۔ حضرت اس کو زانوئے مبارک سے دبا کر توڑتے تھے اور اس کھٹے دودھ میں نرم کر کے تناول فرماتے تھے، مجھ کو بھی کھانے کی دعوت دی تو میں نے عرض کیا کہ میں روزے سے ہوں، فرمایا، میں نے اپنے حبیب حضرت رسولؐ خدا سے سنا ہے کہ جو شخص روزے سے ہو اور کسی کھانے کی طرف رغبت کرے پھر خدا کے لئے اس کو نہ کھائے تو خدا اس کو بہشت کے کھانے کھلائے گا۔

سوید کہتے ہیں کہ علی علیہ السلام کی حالت پر میرا دل تڑپ اٹھا۔ میں نے حضرت کی خادمہ فضہ سے جو میرے قریب ہی تھیں کہا کہ تم خدا سے نہیں ڈرتیں جو بغیر جو کی بھوسی نکالے ہوئے روٹی پکاتی ہو؟ فضہ نے کہا خدا کی قسم خود حضرت نے حکم دیا ہے کہ بھوسی نہ نکالی جائے۔

حضرت نے فرمایا تم فضہ سے کیا کہہ رہے تھے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ کہا تھا کہ آٹے کی بھوسی کیوں نہیں نکال لیتیں؟ حضرت نے فرمایا میرے ماں باپ فدا ہوں رسولؐ اللہ پر کہ آں حضرتؐ بھوسی الگ نہیں فرماتے تھے اور کبھی تین روز تک برابر گیہوں کی روٹی سے سیر نہیں ہوئے یہاں تک کہ دنیا سے اٹھ گئے (یعنی میں رسولؐ خدا کی تاسی کرتا ہوں)

علی علیہ السلام کا حلوا نہ کھانا

موفق بن احمد خوارزمی اور ابن مغازلی فقیہ شافعی اپنے مناقب میں نقل کرتے ہیں کہ خلافت ظاہری کے زمانے میں ایک روز علی علیہ السلام کے لئے عمدہ حلوا لایا گیا، آپ نے انگشت مبارک سے تھوڑا سا اٹھا کر سونگھا اور فرمایا کس قدر خوش رنگ اور خوشبودار ہے لیکن علی اس کے مزے سے واقف نہیں (مطلب یہ کہ میں نے اب تک حلوا کھایا ہی نہیں) میں نے عرض کیا یا علیؑ، کیا حلوا آپ کے لئے حرام ہے؟ فرمایا حلال خدا حرام نہیں کرتا لیکن میں خود اپنا شکم کیوں کر سیر کروں جب کہ ملک میں بہت سے بھوکے پیٹ والے بھی موجود ہیں ا بیت بطنا وحول الحجاز بطون غرثی واکباد حرّاء وکیف ارضی بان اسمی امیرالمومنین ولا اشارکہم فی خشونة العیش وشدائد الضر والبلوی (یعنی کیا میں شکم سیر ہو کر سوؤں حالانکہ اطراف حجاز میں گرسنہ پیٹ اور بھنتے ہوئے جگر موجود ہیں؟ میں کس طرح رضامند ہوں اس پہ کہ میرا نام امیرالمومنین ہو اور عسرت کی سختی اور رنج و بلا کے شدائد میں ان کا شریک نہ بنوں؟)

نیز خوارزمی عدی بن ثابت سے نقل کرتے ہیں کہ ایک روز آپ کے لئے فالودہ لایا گیا لیکن آپ نے اپنے نفس کو دبا دیا اور اس کو نوش نہیں فرمایا۔

یہ ہیں حضرت کی خوراک کے نمونے کہ کبھی سرکہ کبھی نمک کبھی تھوڑی سبزی اور کبھی دودھ کے ساتھ جو کی سوکھی ہوئی روٹی تناول فرماتے تھے اور کسی وقت ایک دسترخوان پر دو قسم کی غذائیں مہیا نہیں فرماتے تھے ۴۰ھ ہجری میں ماہ رمضان المبارک کی انیسویں شب جس میں عبدالرحمٰن ابن ملجم مرادی کے ہاتھ سے حضرت کو ضربت شہادت لگی، آپ افطار کے لئے اپنی بیٹی ام کلثوم کے مہمان تھے دسترخوان پر روٹی دودھ اور نمک رکھا گیا تو باوجودیکہ اپنی بیٹی ام کلثوم کو انتہائی عزیز رکھتے تھے حضرت نے غصے کے ساتھ فرمایا کہ میں نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ کوئی لڑکی اپنے باپ پر تمہاری طرح جفا کرے۔ ام کلثوم نے عرض کیا کہ بابا میں نے کون سی جفا کی ہے؟ فرمایا تم نے کب دیکھا ہے کہ تمہارا باپ ایک دسترخوان پر دو طرح کی غذائیں جمع کرے؟ پھر حکم دیا کہ دودھ اٹھا لیا جائے کیوں کہ وہ زیادہ لذیذ تھا، اور روٹی کے چند لقمے نمک کے ساتھ تناول فرمائے اس کے بعد ارشاد فرمایا فی حلال الدنیا حساب وفی حرامھا عذاب وعقاب (یعنی دنیا کے حلال میں حساب اور اس کے حرام میں عذاب و عقاب ہے)

علی علیہ السلام کا لباس

حضرت کا لباس بھی بہت سادہ اور کم قیمت ہوتا تھا، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں، ابن مغازلی فقیہ شافعی نے

مناقب میں، امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، سبط ابن جوزی نے تذکرہ میں اور آپ کے دیگر علماء نے لکھا ہے وکان علیہ ازار غلیظ اشتراہ بخمسۃ دراھم (یعنی آپ کا لباس موٹے کپڑے کا تھا جو آپ نے پانچ درہم میں خریدا تھا) جہاں تک ممکن ہوتا تھا آپ اپنے لباس میں پیوند لگاتے رہتے تھے اور زیادہ تر پیوند چمڑے یا خرمے کی چھال کے ہوتے تھے۔ حضرت کی کفش لیف خرما کی ہوتی تھی۔ محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں، سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت میں اور ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے کہ حضرت علی علیہ السّلام نے اپنے لباس میں اتنے پیوند لگائے تھے کہ حضرت کی خلافت و ریاست ظاہری کے زمانے میں اس کو دیکھ کر آپ کے ابن عم عبداللہ ابن عباس کو صدمہ ہوا تو آپ نے فرمایا لقد رقعت مرقعۃ حتی استحییت من راقعھا ما لعلی من زینۃ الدنیا کیف نفرح بلذۃ تفنی ونعیم لا یبقی (میں نے اس قدر پیوند کے اوپر پیوند لگوائے ہیں کہ مجھ کو پیوند لگانے والے سے شرم آنے لگی ہے۔ علی کو زینت دنیا سے کیا کام؟ میں کیونکر خوش ہوں اُس لذّت پر جو مٹ جائے گی اور اُس نعمت پر جو باقی نہ رہے گی)

ایک اور شخص نے حضرت پر اعتراض کیا کہ آپ ریاست و خلافت کے زمانے میں بھی کس لئے پیوند دار کپڑے پہنتے ہیں جس سے دشمن آپ کو حقیر سمجھتے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ یہ وہ لباس ہے جو دل کو دباتا ہے، غرور کو انسان سے دور کرتا ہے اور مومن اس کی اقتدا کرتا ہے۔

نیز محمد بن طلحہ نے مطالب السئول میں، خوارزمی نے مناقب میں، ابن اثیر نے کامل میں اور سلیمان بلخی نے ینابیع المودت میں روایت کی ہے کہ علی علیہ السّلام اور اُن کے غلام کا لباس یکساں ہوتا تھا۔ آپ ایک نمونے اور ایک ہی قیمت کے دو کپڑے خریدتے تھے۔ ایک خود پہنتے تھے اور دوسرا اپنے غلام قنبر کو دے دیتے تھے۔ یہ تھی حضرت علی علیہ السّلام کی خوراک و پوشاک کی مختصر کیفیت جس کو آپ کے علماء نے بھی درج کیا ہے، اور میں نے وقت جلسہ کے لحاظ سے اختصار کی کوشش کی ہے ورنہ حضرت کے مفصل حالات محیر العقول ہیں۔ حضرت جَو کی خشک روٹی خود کھاتے تھے اور گیہوں کی روٹی شکر شہد اور خرما فقیروں، یتیموں اور محتاجوں کو کھلاتے تھے، خود پیوند دار لباس پہنتے تھے لیکن یتیموں اور بیواؤں کو نفیس کپڑے پہناتے تھے۔

معاویہ سے ضرار کی گفتگو

حضرت کے زہد و تقویٰ اور دنیا سے بے اعتنائی کے ثبوت میں آپ کا وہ کلام کافی ہے جس کے سامنے دنیائے دنی سے کسی اور کا خطاب نہیں ٹھہر سکا۔ چنانچہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں، حافظ ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء جلد اوّل ص۸۴ میں، شیخ عبداللہ بن عامر شبراوی شافعی نے کتاب الاتحاف بحب الاشراف ص۸ میں، محمد بن طلحہ نے مطالب السئول ص۳۳ میں، نورالدین بن صباغ مالکی نے فصول المہمہ ص۱۲۸ میں، شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت باب ۵۱ میں، سبط ابن جوزی

نے تذکرہ خواص الامۃ آخر باب ۵ میں اور آپ کے دوسرے بڑے بڑے علماء مورخین نے ضرار بن ضمرہ کے ساتھ معاویہ کے جو مفصل مذاکرات نقل کئے ہیں ان میں ضرار نے معاویہ کے سامنے آخر گفتگو میں علی علیہ السّلام کی تعریف اِس طرح کی ہے لقد رایتہ فی بعض مواقفہ وقد ارخی اللیل سدولہ وغارت نجومہ قابضاً علی لحیتہ یتململ تململ السلیم ویبکی بکاء الحزین ویقول یا دنیا غرّی غیری ابی تعرضت ام الی تشوّقت ھیھات ھیھات طلّقتکِ ثلاثا لا رجعۃ فیھا فعمرکِ قصیر وخطرکِ کبیر وعیشکِ حقیراً من قلّۃ الزّاد وبعد السفر ووحشۃ الطریق فبکی معاویۃ وقال رحم اللہ ابا الحسن لقد کان واللہ کذالک (یعنی میں نے بعض مواقع پر علی علیہ السّلام کو دیکھا ہے کہ رات کی تاریکی چھائی ہوئی ہے، ستارے چھٹکے ہوئے ہیں اور آپ اپنی ریش مبارک کو پکڑے ہوئے مار گزیدہ کے مانند تڑپ رہے ہیں اور بہت کرب کے ساتھ رو رو کر کہہ رہے ہیں کہ اے دنیا میرے علاوہ کسی اور کو فریب دے" کیا تو مجھ سے لپٹتی ہے اور میری طرف راغب ہے؟ تو یہ بات کوسوں دُور ہے، میں نے تجھ کو تین طلاق دئے ہیں جس کے بعد پھر رجوع نہیں ہو سکتا، کیوں کہ تیری عمر کوتاہ، تیرا خطرہ بہت بڑا اور تیرا عیش بہت ذلیل ہے فریاد ہے زادِ راہ کی کمی ہے، سفر کی دُوری سے اور راستے کی وحشت سے۔ پس معاویہ نے رونا شروع کیا اور کہا خدا رحم کرے ابو الحسن (علی) پر واللہ یقیناً وہ ایسے ہی تھے) دوسرے مقام پر معاویہ ہی کا قول ہے عقمت النساء ان تلدن مثل علی بن ابی طالب (یعنی عورتیں علی ابن ابی طالب ایسا انسان پیدا کرنے سے عاجز ہیں)

زہد کے لئے علی علیہ السّلام کو پیغمبرؐ کی بشارت

امیر المومنین علیہ السّلام کا زہد فیوض ربّانی میں سے ایک ایسا فیض ہے جس کی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کو بشارت دی ہے۔ چنانچہ محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۴۶ میں عمار یاسر سے ایک روایت نقل کی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے حضرت رسولؐ خدا سے سُنا ہے کہ علی علیہ السّلام سے فرمایا انّ اللہ قد زینکَ بزینۃ لم یتزین العباد بزینۃ احبّ الی اللہ الزھد فی الدنیا وجعلکَ لا تنال من الدنیا شیئاً ولا تنال الدنیا منکَ شیئاً ووھب لکَ حب المساکین فرضوا بکَ اماماً ورضیت اتباعاً فطوبی لمن احبّکَ وصدق فیکَ وویل لمن ابغضکَ وکذب علیکَ فاما الذین احبّوکَ وصدقوا فیکَ جیرانکَ فی دارکَ ورفقاؤکَ فی قصرکَ واما الذین ابغضوکَ وکذّبوا علیکَ فحق علی اللہ ان یوقفھم موقف الکذّابین یوم القیٰمۃ (یعنی درحقیقت خداوند عالم نے تم کو اُس زینت سے آراستہ کیا ہے کہ بندوں میں کسی اور کو ایسی زینت سے نہیں سنوارا جو خدا کے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہو، اور وہ ہے زہد فی الدنیا۔ تم کو ایسا بنا دیا کہ نہ تم دنیا سے

بہرہ اندوز ہوتے ہو نہ دنیا تم کو اپنے سے وابستہ کر سکتی ہے۔ تم کو مسکینوں اور محتاجوں کی محبت عطا کی پس وہ تمہاری امامت پہ راضی ہوئے اور میں بھی اُن سے تمہاری پیروی کی وجہ سے رضامند ہوا۔ پس خوشحال اُس کا جس نے تم کو دوست رکھا اور تمہاری تصدیق کی، اور وائے ہو اُس کے لئے جو تم سے دشمنی رکھے اور تمہاری تکذیب کرے۔ جن لوگوں نے تم سے محبت رکھی اور تمہاری تصدیق کی وہ جنت میں تمہارے پڑوسی اور تمہارے قصر میں تمہارے مصاحب ہوں گے، اور جن لوگوں نے تم کو دشمن رکھا اور تم کو جھٹلایا تو خدا پہ لازم ہے کہ قیامت کے روز اُن کو جھوٹوں کی منزل پہ ٹھہرا کر کیفر کردار کو پہنچائے)

آپ زہد و ورع اور پرہیز گاری میں اس قدر کامل تھے کہ دوست و دشمن سبھی آپ کو امام المتقین کہتے تھے۔ اور صرف لوگوں ہی نے آپ کو امام المتقین کا لقب نہیں دیا تھا بلکہ جس نے سب سے علیؑ کو اس لقب سے پکارا اور آپ کو بار بار اس لقب کے ساتھ اُمت میں روشناس کرایا وہ حضرت خاتم الانبیاءؐ کی مقدس ذات تھی، چونکہ وقت تنگ ہے اور تفصیل سے روایتیں پیش کرنے کا موقع نہیں ہے، لہٰذا صرف نمونے کے لئے چند حدیثوں پہ اکتفا کرتا ہوں۔

خدا اور رسولؐ نے علیؑ کو امام المتقین فرمایا

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص۴۵۰ میں، حافظ ابو نعیم اصفہانی حلیۃ الاولیاء میں، میر سید علی ہمدانی مودۃ القربیٰ میں اور محمد بن یوسف گنجی شافعی کفایۃ الطالب باب ۵۴ میں انس ابن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز رسولؐ اکرم نے مجھ سے فرمایا اے انس میرے واسطے وضو کا پانی لے آؤ، میں اُٹھ کر پانی لایا تو آں حضرتؐ وضو کر کے دو رکعت نماز بجا لائے۔ اس کے بعد مجھ سے فرمایا اے انس اوّل من یدخل من ھذا الباب ھو امام المتقین و سیّد المسلمین و یعسوب المومنین و خاتم الوصیین و قائد الغرّ المحجّلین، پہلا جو شخص اس دروازے سے داخل ہو وہ اہل تقویٰ کا امام، مسلمانوں کا سردار، مومنین کا بادشاہ (جس طرح شہد کی مکھیوں کا بادشاہ یعسوب ہوتا ہے) اوصیاء کا خاتم اور روشن چہروں اور ہاتھوں والے لوگوں کو (جنت کی طرف) لے جانے والا ہے۔

انس کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا خداوندا اس آنے والے کو انصار میں سے قرار دے، لیکن اپنی دعا کو پوشیدہ رکھا۔ اتنے میں دیکھا کہ علیؑ دروازے سے داخل ہوئے۔ پیغمبرؐ نے فرمایا کون ہے؟ میں نے عرض کیا علی ابن ابی طالب ہیں پس آنحضرتؐ نے ہنسی خوشی کے ساتھ اُٹھ کر علیؑ کا استقبال کیا، اُن کے گلے میں باہیں ڈال دیں اور اُن کے چہرے سے پسینہ پونچھا۔ علیؑ نے عرض کیا رسول اللہؐ آج مجھ سے وہ برتاؤ کر رہے ہیں جو پہلے نہیں کرتے تھے؟ آں حضرتؐ نے فرمایا کیونکر نہ کروں در آں حالیکہ تم میری جانب سے میری رسالت کو اُمت والوں تک پہنچاؤ گے، میری آواز ان کو سناؤ گے اور میرے بعد وہ جس چیز میں اختلاف کریں گے ان کے سامنے اس کی وضاحت کرو گے۔

نیز ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد دوم میں اور حافظ ابو نعیم حلیۃ الاولیاء میں نقل کرتے ہیں کہ ایک روز علی علیہ السلام رسولِ خدا صلعم کے پاس حاضر ہوئے تو آں حضرتؐ نے فرمایا مرحبا بسید المسلمین و امام المتقین (یعنی خوش آمدید ہے مسلمانوں کے سردار اور پرہیزگاروں کے امام کو۔ ۱۲ مترجم) پھر فرمایا کہ اس نعمت پر تمہارا شکر کیسا ہے؟ عرض کیا کہ میں حمد کرتا ہوں خدا کی اُس نعمت پر جو مجھ کو عنایت کی ہے اور اُس سے دُعا کرتا ہوں کہ مجھ کو شکر کی توفیق عطا فرمائے اور جو کچھ مجھ پر انعام فرمایا ہے اس میں اضافہ کرے۔ محمد بن طلحہ شافعی بھی مطالب السئول باب اوّل فصل چہارم کے آخر میں اس حدیث کو نقل کرتے ہیں اور اسی دلیل سے اہل تقویٰ پر حضرتؑ کی امامت اور برتری کو ثابت کرتے ہیں۔

حاکم مستدرک جزء سوم ص۱۳۸ میں اور بخاری و مسلم اپنی صحیحین میں نقل کرتے ہیں کہ رسولؐ اکرم نے فرمایا علیؑ کے بارے میں مجھ پر تین چیزوں کی وحی ہوئی۔ انّہ سیّد المسلمین و امام المتقین و قائد الغرّ المحجّلین (یعنی درحقیقت وہ مسلمانوں کے سیّد و آقا، اہلِ تقویٰ کے پیشوا اور روشن چہرے اور ہاتھ والوں کو (بہشت کی طرف) کھینچنے والے ہیں)۔

محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۵۴ میں سند کے ساتھ عبداللہ بن اسعد بن زرارہ سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا، شبِ معراج جب مجھ کو آسمان پر لے گئے تو موتی کے ایک قصر میں پہنچایا، جس کا فرش چمکتے ہوئے سونے کا تھا فاوحیٰ الیّ و امرنی فی علیّ بثلاث خصال بانّہ سیّد المسلمین و امام المتقین و قائد الغرّ المحجّلین (یعنی پس میری طرف وحی کی اور مجھ کو علی کے بارے میں تین خصلتوں کی ہدایت کی کہ وہ یقیناً مسلمانوں کے سیّد و سردار، اہلِ تقوےٰ کے امام و پیشوا اور روشن چہرے اور ہاتھوں والوں کو (جنّت کی طرف) کھینچنے والے ہیں)

اور امام احمد بن حنبل مسند میں نقل کرتے ہیں کہ ایک روز رسولؐ خدا نے علیؑ سے خطاب فرمایا یا علی النظر الی وجھک عبادۃ انّک امام المتقین وسیّد المؤمنین من احبّک فقد احبّنی ومن احبّنی فقد احب اللہ ومن ابغضک فقد ابغضنی ومن ابغضنی فقد ابغض اللہ (یعنی اے علیؑ تمہارے چہرے پر نظر کرنا عبادت ہے یقیناً تم صاحبانِ تقوےٰ کے امام اور مومنین کے سردار ہو جو شخص تم کو دوست رکھے اُس نے درحقیقت مجھ کو دوست رکھا اور جو شخص مجھ کو دوست رکھے اُس نے دراصل خدا کو دوست رکھا۔ اور جو شخص تم سے دشمنی رکھے اُس نے حقیقتاً مجھ سے دشمنی رکھی اور جس نے مجھ سے دشمنی رکھی اُس نے یقیناً خدا سے دشمنی رکھی) یہ صحیح ہے کہ ذلیل اور بے عقل اور خوشامدی لوگ اور اکثر بے بصیرت اشخاص بعض افراد کا بے جا القاب و آداب اور غلط تعریف و توصیف کے ساتھ ذکر کرتے ہیں جیسا کہ اکثر سلاطین و امرا اور وزراء و خلفاء کے بارے میں کہا گیا ہے اور اربابِ تواریخ نے بھی اس کو درج کیا ہے لیکن رسول خدا جیسی ہستی سے جو حق و حقیقت کا مجسّمہ تھی ایک لمحے کے لئے بھی اس کی توقع نہیں ہو سکتی کہ آپ کسی شخص کو ایسے لقب یا صفت کے ساتھ یاد کریں گے جو اصلیت سے دُور ہو بلکہ صاحبِ وحی کی زبان مبارک پر جو کچھ بھی جاری ہو جائے وہ یقیناً عین حقیقت اور بمصداق آیۂ شریفہ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ

یعنی وہ اپنی خواہش نفس سے کچھ بولتے ہی نہیں، وہ جو کچھ کہتے ہیں خالص وحی الٰہی ہوتی ہے) وحی مطلق ہے، بالخصوص جب خود ہی یہ فرمائیں کہ پروردگار نے شب معراج مجھ کو وحی فرمائی اور حکم دیا کہ علی کو امام المتقین کہوں)

پس امیر المومنین علی علیہ السّلام کی عظمت و فضیلت اور تقویٰ کی تعریف میں یہی کافی ہے کہ رسولؐ اللہ نے خدا کے حکم سے آپ کو ایسی خصوصیّت کے ساتھ مخصوص فرمایا جو کسی دوسرے صحابی کو نصیب نہیں ہوئی ۔ تمام صحابہ کے نزدیک آپ کو امام المتقین قرار دیا۔ اور بار بار اس لقب سے مخاطب فرمایا امام کو قطعاً مکمل طور پر متقی ہونا چاہیئے تاکہ اہل تقویٰ کا پیشوا بن سکے، اس لئے کہ امام کے تقویٰ کو صاحبان تقویٰ کے لئے ایک اعلیٰ نمونۂ عمل ہونا چاہیئے ۔

اگر میں علی علیہ السّلام کے زہد و ورع اور تقوٰے کے سارے پہلوؤں کو شرح و بسط سے بیان کرنا چاہوں تو پورا دفتر بھی ناکافی ہے ۔

شیخ ۔ آپ سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں جس قدر فرمائیے کم ہوگا ۔ واقعی معاویہ نے سچ ہی کہا ہے کہ دنیا کی عورتیں علی ابن ابی طالب ایسا انسان پیدا کرنے سے عاجز ہیں ۔

خیر طلب ۔ پس معلوم ہوا کہ کبار صحابہ کے درمیان علی علیہ السّلام اہل تقوٰے کے سرگروہ تھے جن کو رسول اکرمؐ حضرت خاتم الانبیاء نے خدائے تعالیٰ کے حکم و ہدایت سے امام المتقین اور پرہیزگاروں کا پیشوا قرار دیا ہے لہٰذا جس طرح آپ روحانی و جسمانی حیثیت سے نسل و نسب میں ممتاز و مقدم تھے اسی طرح تقوٰے کی حیثیت سے بھی آپ کو برتری اور حق تقدم حاصل تھا ۔

اس جگہ ایک مطلب نظر کے سامنے آگیا ہے، اگر اجازت ہو تو آپ سے ایک بات دریافت کروں ؟

شیخ ۔ بہتر ہے ، فرمائیے ۔

خیر طلب ۔ آیا صحابۂ کبار کے درمیان امامت اہل تقوٰے کی اہلیّت رکھنے کے بعد علی علیہ السّلام کے لئے آپ نفس پرستی محبّت جاہ و منصب اور دنیا طلبی کا شبہ کرتے ہیں ؟ ۔

شیخ ۔ یہ ہرگز ممکن نہیں ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کے متعلق ایسا خیال پیدا ہو ۔ جیسا کہ خود آپ نے فرمایا اور مشہور بھی ہے، جو شخص دنیا کو تین طلاق دے دے اور اس کا اعلان کرکے دنیا سے اپنی بے اعتنائی کو ثابت کردے وہ کیونکر دنیا کی طرف مائل ہو سکتا ہے؟ اس کے علاوہ سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کا مقام و مرتبہ اس سے بالاتر ہے کہ ہم اُن جناب کی طرف ایسی نسبت دیں، بلکہ ایسا کرنا تو درکنار اس چیز کا تصوّر بھی محال ہے ۔

خیر طلب ۔ پس آپ جیسے مجسّم تقوٰے کے سارے اعمال قطعاً خدا کے لئے تھے، آپ نے ایک قدم بھی حق کے خلاف نہیں اٹھایا اور جہاں بھی حق نظر آتا تھا آپ بے اختیار اُس کا استقبال کرتے تھے ۔

شیخ ۔ بدیہی چیز ہے کہ سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کے بارے میں ہم کو اس کے خلاف کوئی سراغ نہیں ملتا ۔

حقیقت پسند منصفانہ فیصلہ کریں

خیر طلب ۔ بس اب یہ فرمایئے کہ رسول اللہ صلعم کی وفات کے بعد جب علی علیہ السّلام حسب وصیت آں حضرتؐ کے غسل و کفن اور دفن میں مشغول تھے اور سقیفۂ بنی ساعدہ میں چند اشخاص نے جمع ہوکر ابوبکر کی بیعت کرلی اس کے بعد حضرت کو بیعت کے لئے طلب کیا تو آپ نے کس وجہ سے بیعت نہیں کی ؟

اگر ابوبکر کا طریقۂ خلافت برحق اور مسئلۂ اجماع ثابت و مسلّم اور حقانیت کی دلیل تھا تو قاعدے کے لحاظ سے اس قدر شدید تقوٰی و پرہیز گاری کی موجودگی میں علی علیہ السّلام کو ہرگز پہلو تہی اور حق سے انحراف نہ کرنا چاہیئے تھا، اس لئے کہ ارشادِ پیغمبرؐ کے مطابق جہاں حق ہو وہیں علی کو بھی ہونا چاہیئے، ایک طرف تو تقوٰی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ متقی انسان حق سے روگردانی نہ کرے اور دوسری طرف وہ احادیث ہیں جو میں گذشتہ راتوں میں پیش کرچکا ہوں کہ رسول اللہ نے فرمایا علی مع الحق والحق مع علی حیثما دار ۔ یعنی علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ ہے جدھر وہ گردش کریں اگر وہ اقدامات برحق اور منصب خلافت پر ابوبکر کا تعین صحیح تھا تو چاہیئے تھا کہ حضرت انتہائی رغبت اور پوری دلچسپی کے ساتھ ان لوگوں کا استقبال اور تصدیق کرتے نہ یہ کہ اُلٹی مخالفت کرتے، بس لا محالہ علی علیہ السّلام کی مخالفت دو حال سے خالی نہیں تھی ۔ یا تو علی کی روش حق کے خلاف تھی اور آپ نے حکم رسولؐ سے سرتابی کی کہ خلیفۂ پیغمبرؐ سے بیعت نہیں کی ۔ یا پھر آپ اس طرز خلافت اور طریقۂ اجماع کو مصنوعی، سیاسی اور حق کے برخلاف سمجھتے تھے اس وجہ سے بیعت نہیں فرمائی ۔

پہلی صورت تو حدیث پیغمبرؐ کے پیش نظر کہ علی حق کے ساتھ ہیں اور حق علی کے ساتھ گردش کرتا ہے، نیز اس لئے کہ آپ کو امام المتقین فرمایا ۔ اور علی علیہ السّلام قطعاً اہل دنیا میں سے نہیں تھے، جاہ و منصب کی خواہش اور ہوا و ہوس کی آپ کے دل میں کوئی گنجائش نہ تھی، دنیا کو تین طلاق دے چکے تھے اور ریاست ظاہری کے طلب گار نہیں تھے، قطعاً نا ممکن ہے ۔ لہٰذا لازمی طور پر دوسری ہی صورت تھی کہ آپ چونکہ اس خلافت کو مصنوعی، سیاسی اور خدا و رسولؐ کی مرضی کے خلاف جانتے تھے اس وجہ سے بیعت نہیں فرمائی ۔

شیخ ۔ آپ تو عجیب بات فرما رہے ہیں کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے بیعت نہیں کی حالانکہ ہماری اور آپ کی تمام کتب اخبار و تواریخ سے ثابت ہے کہ سیدنا علی نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور اجماع سے اختلاف نہیں کیا ۔

خیر طلب ۔ تعجب تو آپ سے ہے کہ پچھلی گفتگو کو بالکل بھول ہی گئے جس میں میں نے آپ کے اکابر علماء کے اقوال تفصیل سے پیش کئے تھے ۔ یہاں تک کہ بخاری اور مسلم نے بھی اپنی صحیحین میں لکھا ہے کہ علی نے اس وقت بیعت نہیں کی ۔ آپ کے علماء نے عام طور سے اعتراف کیا ہے کہ روزِ اوّل جب حضرت کو جبر و اہانت کے ساتھ گھر سے کھینچتے ہوئے مسجد میں لے گئے

(جیسا کہ پچھلی شبوں میں تفصیل سے عرض کیا جا چکا ہے) تو آپ نے بیعت نہیں کی اور اسی طرح واپس آ گئے۔ ابراہیم بن سعد ثقفی متوفی ۲۸۳ھ، ابن ابی الحدید اور طبری وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت کی بیعت چھ مہینے بعد ہوئی (یعنی صدیقہ کبریٰ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی وفات کے بعد جیسا کہ گذشتہ شبوں میں تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے)۔

بفرض محال، اگر ہم مان بھی لیں کہ حضرت نے بیعت کر لی تو کم و بیش چھ ماہ تک کیوں توقف کیا اور بیعت نہیں کی؟ بلکہ اس کے خلاف احتجاج بھی کیا؟ حالانکہ علیؑ جیسے مجسمۂ حق و تقویٰ فرد کو ایک ساعت کے لئے بھی حق سے منحرف ہونا اور اس کو پس پشت ڈال دینا مناسب نہیں تھا۔

شیخ ۔ ضرور کوئی وجہ رہی ہو گی، چنانچہ اُس موقع پر وہ خود بہتر سمجھتے تھے کہ کیا کرنا چاہیئے۔ اب ہم کو کیا پڑی ہے کہ بزرگوں کے باہمی معاملات اور ان کے اختلاف میں تیرہ سو برس کے بعد دخل دیں؟ (حاضرین کا زوردار قہقہہ)

خیر طلب ۔ میں بھی آپ کے اسی قدر جواب پر قناعت کرتا ہوں، کیونکہ جب آپ کو اپنا مطلب ثابت کرنے کے لئے کوئی معقول جواب نہیں ملا اور گریز و دفاع کا کوئی راستہ نظر نہ آیا تو اس قسم کے جواب کا سہارا لیا۔ لیکن نیک اور انصاف پسند اشخاص کے نزدیک بات اس قدر واضح اور روشن ہے کہ کسی دلیل و برہان کی محتاج نہیں۔

رہا آپ کا یہ فرمانا کہ بزرگوں کے معاملات اور اختلافات میں ہم کو دخل دینے کی ضرورت نہیں، تو یقیناً جہاں تک اُن کا اور اُن کے معاملات کا تعلق ہم سے نہیں ہے آپ کا فرمانا درست ہے اور بزرگوں کے اختلاف آراء میں ہم کو دخل دینے کا حق نہیں ہے لیکن اس موضوع میں خصوصیت کے ساتھ آپ کو دھوکا ہوا ہے، کیوں کہ ہر صاحب عقل مسلمان کا فریضہ ہے کہ تقلیدی نہیں بلکہ تحقیقی دین رکھتا ہو۔ اور دین میں تحقیق کا راستہ یہی ہے کہ جب ہم جمہور مسلمین کی تاریخ میں دیکھتے ہیں کہ وفات رسولؐ کے بعد اُمت اور صحابہ کبار میں دو فرقے ہو گئے تو ہم کو چھان بین کر کے دیکھنا چاہیئے کہ ان دونوں فرقوں میں سے حق پر کون تھا تاکہ ہم اُس کی پیروی کریں نہ یہ کہ بر بنائے عادت اور ماں باپ اور اسلاف کی تقلید میں بغیر کسی جانچ پڑتال کے محض اپنے خیال سے کسی راستے کو حق سمجھ کے اندھا دھند اس پر چلنے لگیں۔

شیخ ۔ آپ یقیناً یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق نہیں تھی۔ اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت برحق نہیں تھی اور یہ منصب علی کرم اللہ وجہہ کا حق تھا تو اپنی مخصوص قوت و شجاعت نیز حق و حقیقت کے نفاذ میں پوری دلچسپی رکھنے کے باوجود جب کہ دوسرے لوگ ان کو ترغیب بھی دے رہے تھے حق کو قائم کرنے کے لئے کیوں نہیں اُٹھے یہاں تک کہ بقول آپ کے چھ مہینے کے بعد بیعت[1] بھی کر لی، نماز میں بھی حاضر ہوتے تھے اور مشورہ طلب مواقع پر خلفاء رضی اللہ عنہم کو صائب رائیں بھی دیا کرتے تھے؟ -

---

[1] ۔ یہ خیال دراصل اہل سنت کا ہے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے بیعت کی ہی نہیں، جس کا کھلا -

تنہائی کی وجہ سے انبیاؑ کا سکوت اور گوشہ نشینی

خیر طلب ۔ پہلی چیز تو یہ کہ انبیاء اوصیاء مشیت خداوندی اور ہدایات الٰہی کے مطابق عمل کرتے تھے اور اپنا ذاتی ارادہ نہیں رکھتے تھے لہٰذا ان کے اوپر اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ جنگ کے لئے کیوں نہیں اُٹھے یا دشمنوں کے مقابلہ میں سکوت و گوشہ نشینی کیوں اختیار کی یا شکست کیوں کھائی ؟

اگر انبیائے عظام اور اوصیائے کرام کے تاریخی حالات دیکھیئے تو اس قسم کے واقعات کثرت سے ملیں گے جو آپ کے خیالات سے میل نہیں کھاتے۔ خصوصیت کے ساتھ قرآن مجید نے بھی ان میں سے بعض کا ذکر کیا ہے کہ ان حضرات نے ہمراہی اور مددگار نہ ہونے کی وجہ سے خاموشی اور گوشہ نشینی یا روپوشی اور فرار اختیار کیا چنانچہ آیت ۱۰ سورہ ۵۴ (قمر) میں شیخ الانبیاءؑ حضرت نوحؑ کا قول بیان کرتا ہے فدعا ربّہ انی مغلوب فانتصر (یعنی پس خدا سے دعا کی کہ بار الٰہا میں اپنی قوم سے مغلوب ہوں لہٰذا میری مدد کر) آیت ۴۸ سورہ ۱۶ (مریم) میں حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و آلہ وعلیہ السّلام کے سکوت و کنارہ کشی کی خبر دیتا ہے کہ جس وقت انہوں نے اپنے چچا آزر سے امداد مانگی اور مایوس کن جواب پایا تو فرمایا واعتزلکم وما تدعون من دون اللہ وادعوا ربی (یعنی میں تم سے اور ان بتوں سے جن کی تم خدا کے علاوہ پرستش کرتے ہو کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں اور اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں)۔

پس جس مقام پر اپنے چچا سے امداد اور کمک نہ ملنے کی وجہ سے ابراہیم خلیل اللہ عزلت و گوشہ نشینی اختیار کریں، وہاں یار و مددگار نہ ملنے کی وجہ سے علی علیہ السّلام کو بدرجۂ اولیٰ عزلت و کنارہ کشی اختیار کرنا چاہیئے ۔

شیخ ۔ میرا خیال ہے کہ اس عزلت سے مراد عزلت قلبی ہے کہ اُن سے قلباً دوری اور بیزاری اختیار کی نہ کہ عزلت مکانی۔

خیر طلب ۔ اگر جناب عالی فریقین کی تفسیریں ملاحظہ فرمائیں تو دیکھیں گے کہ اعتزال سے مراد عزلت مکانی تھی نہ کہ عزلت قلبی مجھ کو یاد ہے کہ امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر جلد پنجم ص ۸۰۹ میں کہتے ہیں الاعتزال للشئ ھو التباعد عنہ والمراد انی افارقکم فی المکان وافارقکم فی طریقتکم (یعنی کسی چیز سے اعتزال کے معنی ہیں اُس سے دوری اختیار کرنا، اور حضرت ابراہیم کی مراد یہ تھی کہ میں تم سے مکانی اور مذہبی دونوں حیثیتوں سے دوری اور علیحدگی اختیار کرتا ہوں)۔

بقیہ ص ۲۴۰۔ ہمارا ثبوت یہ ہے کہ خلافت کی تیسری منزل میں جب آپ کے سامنے سیرت شیخین پر عمل کرنے کی شرط رکھی گئی تو باتفاق فریقین آپ نے خلافت ظاہری سے محروم رہنا گوارا کر لیا لیکن اس شرط کو ٹھکرا دیا۔ ظاہر ہے کہ جو شخص کسی کی بیعت کر چکا ہو وہ اس کی سیرت پر عمل کرنے سے انکار نہیں کر سکتا اور پھر علی جیسا اپنے فرض اور عہد کا پابند انسان ۱۲ مترجم عفی عنہ ۔

چنانچہ ارباب سیر نے روایت کی ہے کہ اس قضیے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السّلام بابل سے کوہستان فارس کی طرف ہجرت کر گئے اور سات سال تک انہیں پہاڑوں کے اطراف خلقت سے الگ تھلگ زندگی بسر کی، اس کے بعد بابل واپس آ کے اپنی تبلیغ شروع کی اور بتوں کو توڑا۔ اس پر لوگوں نے ان کو گرفتار کر کے آگ میں ڈال دیا۔ خداوند عالم نے آگ کو ان پر سرد و سلامتی بنا دیا اور اس طرح ان کی رسالت کا سکہ بیٹھا۔

آیت ۲۰ سورہ ۲۸ (قصص) میں خوف و ہراس کی وجہ سے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے فرار کرنے کا قصہ اس طرح نقل فرمایا ہے فخرج منها خائفاً یترقب قال رب نجّنی من القوم الظّلمین (یعنی پس موسیٰ خوف کی حالت میں دشمن کی نگرانی کرتے ہوئے شہر سے باہر نکلے اور کہا خداوندا مجھ کو قوم ستمگار سے نجات دے)

سورہ اعراف میں حضرت موسیٰ کی عدم موجودگی میں سامری کے بہکانے سے بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی، اس کی شعبدہ بازی اور حضرت موسیٰ کے خلیفہ ہونے کے باوجود حضرت ہارون کی خاموشی کو بیان کیا ہے، یہاں تک کہ آیت ۱۴۹ میں خبر دی کہ واخذ براس اخیه یجرّہ الیه قال ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی (یعنی موسیٰ غصے میں اپنے بھائی کا سر پکڑ کے اپنی طرف کھینچنے لگے تو انہوں نے کہا اے میری ماں کے فرزند (میری طرف سے ہدایت میں کوتاہی نہیں ہوئی بلکہ) درحقیقت قوم نے مجھ کو حقیر و کمزور بنا دیا اور قریب تھا کہ مجھ کو قتل کر ڈالیں)

امر خلافت میں ہارونؑ سے علیؑ کی مشابہت

پس آیات قرآنی کے مطابق حضرت ہارون علیہ السّلام نے جو پیغمبر اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے منصوص خلیفہ تھے اپنی تنہائی کی وجہ سے اور اس بنا پر کہ امت نے ان کو ضعیف و خوار بنا دیا تھا سامری کے عمل شنیع اور لوگوں کے شرک و گوسالہ پرستی کے مقابلے میں سکوت اختیار کیا اور تلوار نہیں اٹھائی۔

لہٰذا علی علیہ السّلام بھی جن کو رسول اللہ نے ہارون کی شبیہ اور منزلت ہارونی کا حامل بنایا تھا (جیسا کہ ہم گزشتہ شبوں میں تفصیل سے عرض کر چکے ہیں) اس بات کا پورا حق رکھتے تھے کہ جب ایسی صورت حال پیش آ جائے آپ تنہا رہ جائیں اور دنیا طلبوں اور مخالفین کو دوسری طرف پائیں تو جناب ہارون کی طرح بسر و تحمّل اختیار کریں۔ اسی بنا پر آپ کے اکابر علماء کی روایتوں کے مطابق جو پہلے عرض کی گئیں جس وقت حضرت کو جبراً مسجد میں لائے، برہنہ تلوار آپ کے سر پر رکھی اور بیعت کرنے کے لئے دباؤ ڈالا تو آپ نے اپنے کو قبر رسول تک پہنچایا اور وہی الفاظ دہرائے جو خدا نے حضرت ہارون کی زبان نقل فرمائے ہیں کہ انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا ابن ام انّ القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی۔ مطلب یہ تھا کہ یا رسولؐ اللہ دیکھئے امت نے مجھ کو تنہا چھوڑ دیا ہے، مجھ کو حقیر و ضعیف بنا دیا ہے اور چاہتے ہیں کہ مجھ کو قتل کر دیں۔ تمام

انبیاء کی سیرتوں سے بالاتر اور سب سے بالاتر اور سب سے بڑی حجت خود حضرت خاتم الانبیاءؐ کی سیرت ہے جس پر غور کرنا ہمارے لئے ضروری ہے کہ مکہ معظمہ میں دشمنوں اور اُمت کی بدعتوں کے مقابل تیرہ سال تک کیوں خاموش رہے، یہاں تک کہ اپنے مرکز بعثت اور وطن مالوف سے رات کے وقت چھپ کر نکل گئے؟۔

بات صرف یہی تھی کہ آپ کے پاس ناصر و مددگار نہیں تھے لہذا انبیائے سلف کے مانند صبر و تحمل اور وہاں ٹھہرنے کے بجائے ہٹ جانے کو ترجیح دی، کیونکہ الفرار مما لا یطاق من سنن المرسلین (یعنی جس چیز کی طاقت نہ ہو اس سے فرار اختیار کرنا پیغمبروں کی سنّت ہے، ۱۲ مترجم) بلکہ اس سے بڑھ کر کہوں کہ آں حضرتؐ اپنی قدرت و طاقت کے دور میں بھی قوم سے کماحقہ بدعت کے آثار کو برطرف نہیں کر سکے ۔

شیخ ۔ یہ کیوں کر یقین کیا جا سکتا ہے کہ آں حضرتؐ بدعتوں کو برطرف نہیں کر سکے؟

خیر طلب ۔ حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں اور امام احمد ابن حنبل نے مسند میں ام المومنین عائشہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے ان سے فرمایا کہ اگر یہ لوگ عہد کفر اور زمانۂ جاہلیت سے قریب نہ ہوتے اور مجھ کو اس کا خوف نہ ہوتا کہ یہ اپنے دلوں سے اس کے منکر ہو جائیں گے تو میں حکم دیتا کہ خانہ کعبہ کو مسمار کر دیا جائے اور جو کچھ اس میں سے نکال دیا گیا ہے وہ پھر اس میں داخل کیا جائے میں اس عمارت کو زمین کے برابر کر کے زمانۂ حضرت ابراہیمؑ کی طرح مشرق و مغرب کی جانب اس کے دو دروازے قائم کرتا اور حضرت ابراہیمؑ کی قائم کی ہوئی بنیادوں پر پھر سے اس کی تعمیر کرتا ۔

حضرات ذرا انصاف سے غور کیجئے تو ماننا پڑے گا کہ جہاں رسول اللہؐ باوجود اس بلند مرتبے اور الٰہی منصب کے کہ آپ شرک و کفر اور اُس کے آثار کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے اپنے صحابہ سے مطمئن نہ ہوں (جیسا کہ آپ کے بڑے بڑے علماء نے لکھا ہے) اور تعمیر ابراہیمی میں داخل کی ہوئی بدعت کو دفع کر کے اس کو اصلی صورت پر اس لئے نہ لا سکیں کہ کہیں مسلمان اپنی عہد جاہلیت کی عادت کے پیش نظر اس سے انکار نہ کر بیٹھیں، وہاں امیرالمومنین علیہ السلام بھی اس سیرت اور دستور پر عمل کرنے میں حق بجانب تھے، کیونکہ آپ کا سامنا ایک ایسی حاسد اور کینہ پرور قوم سے تھا جو اس چیز کا موقع ہی تلاش کر رہی تھی کہ انتقام لینے کے لئے آپ کو بلکہ اصل دین اسلام ہی کو ظلم و عداوت کے تیروں کا نشانہ بنائے ۔

چنانچہ فقیہ واسطی ابن مغازلی شافعی اور خطیب خوارزمی نے اپنے مناقب میں نقل کیا ہے کہ رسول صلعم نے علی علیہ السلام سے فرمایا کہ اُمت تمہاری طرف سے دلوں میں کینے رکھتی ہے اور میرے بعد عنقریب یہ لوگ تم کو دھوکا دیں گے اور جو کچھ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اس کو ظاہر کریں گے ۔ میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ اس وقت صبر و تحمل سے کام لینا تا کہ خدا تم کو اس کا اجر اور جزائے خیر عنایت فرمائے ۔

وفاتِ رسولؐ کے بعد خدا کے لئے علیؑ کا صبر و سکوت

دوسرے امیرالمومنین علیہ السلام وہ یکتا انسان کامل تھے جنہوں نے زندگی بھر کبھی اپنی ذات کی طرف نہیں دیکھا بلکہ ہر وقت خدا پر نظر رکھتے تھے، یعنی ہر حیثیت سے فنا فی اللہ کی منزل میں تھے آپ اپنے کو اپنے متعلقین کو اور امامت و خلافت اور ریاست کو محض خدا اور خدا کے دین کے لئے چاہتے تھے، لہذا آپ کا صبر و تحمل، خاموشی اور اپنا مسلّم الثبوت حق حاصل کرنے کے لئے مخالفین سے مقابلہ نہ کرنا بھی صرف خدا کے لئے تھا تاکہ ایسا نہ ہو مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ پڑ جائے۔
لوگ اپنے سابق کفر کی طرف پلٹ جائیں۔ چنانچہ اس موقع پر جب حضرت فاطمہ مظلومہؑ کا حق چھینا جا چکا اور آپ مظلومی و مایوسی کی حالت میں گھر پلٹیں تو آپ نے امیرالمومنین علیہ السلام کو مخاطب کر کے عرض کیا اشتملت شملة الجنين وقعدت حجرة الظنين نقضت قادمة الاجدل فخانك ريش الاعزل هذا ابن ابی قحافة يبتزنی نحلة ابی وبلغة ابنی۔ الخ۔ لقد اجهر فی خصامی والفيته الد فی کلامی (یعنی آپ جنین کے مانند سمٹ کے بیٹھ رہے، ایک متہم انسان کی طرح گوشہ نشینی اختیار کر لی اور اپنے شکاری پرندے والے شہپر توڑ دیئے۔ پس کمزور پرندے والے پروں نے آپ کا ساتھ نہیں دیا۔ یہ ابن ابی قحافہ (ابوبکر) میرے باپ کا عطیہ اور میرے بچوں کا ذریعۂ معاش مجھ سے بجبر چھین رہا ہے۔ الخ۔ درحقیقت ان لوگوں نے مجھ سے کھلی ہوئی دشمنی برتی اور مجھ سے بدکلامی کی) آپ کی تقریر طولانی ہے حضرت علی علیہ السلام سارا بیان سنتے رہے، یہاں تک کہ جناب فاطمہ سلام اللہ علیہا خاموش ہوئیں تو ایک مختصر جواب دے کر اُن معصومہ کو مطمئن کر دیا۔ من جملہ اُس کے فرمایا۔ فاطمہ! میں نے امر دین اور احقاق حق میں جہاں تک ممکن تھا کوتاہی نہیں کی آیا تم یہ چاہتی ہو کہ یہ دین مبین باقی اور پائدار رہے اور تمہارے باپ کا نام ابد تک مسجدوں اور اذانوں کے اندر لیا جاتا رہے؟
آپ نے کہا میری سب سے بڑی آرزو اور خواہش یہی ہے۔ حضرت نے فرمایا، پس اس صورت میں تم کو صبر کرنا چاہیئے کیونکہ تمہارے باپ حضرت خاتم الانبیاءؐ نے مجھ کو اس کے لئے وصیتیں فرمائی ہیں اور میں جانتا ہوں کہ مجھ کو صبر سے کام لینا چاہیئے ورنہ میں اتنی طاقت رکھتا ہوں کہ دشمنوں کو زیر کر کے تمہارا حق وصول کر لوں، لیکن یہ جان لو کہ پھر دین ختم ہو جائے گا لہذا خدا کے لئے اور دین خدا کی حفاظت کے لئے صبر کرو کیونکہ آخرت کا ثواب تمہارے لئے اُس حق سے بہتر ہے جو تم سے غصب کر لیا گیا ہے۔

اسی بنا پر حضرت نے صبر کو اپنا لائحہ عمل قرار دیا اور حوزۂ اسلام کے تحفظ کی غرض سے ضبط و خاموشی اختیار کی تاکہ پارٹی بندی نہ پیدا ہونے پائے، چنانچہ اپنے اکثر خطبات و بیانات میں ان پہلوؤں کی طرف اشارہ بھی فرماتے رہے۔

وفات رسولؐ کے بعد خاموشی کی مصلحت پر علیؑ کے بیانات

من جملہ ان کے ابراہیم بن محمد ثقفی جو ثقات علمائے اہل سنت میں سے ہیں۔ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں اور علی بن محمد ہمدانی نقل کرتے ہیں کہ جب طلحہ اور زبیر نے بیعت توڑ دی اور بصرے کی طرف روانہ ہوئے تو حضرت علی علیہ السلام نے حکم دیا کہ لوگ مسجد میں جمع ہوں اس کے بعد ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا جس میں حمد و ثنائے الہٰی کے بعد فرمایا فان اللہ تبارک و تعالیٰ لما قبض نبیہ صلی اللہ علیہ والہ قلنا نحن اہل بیتہ و عصبتہ و ورثتہ و عترتہ و اولیائہ و احق خلائق اللہ بہ لا ننازع حقہ و سلطانہ فبینما نحن اذ نفر لنا نفقون فانتزعوا سلطان نبینا منا وولوہ غیرنا فبکت لذالک واللہ العیون والقلوب منا جمیعا وخشنت واللہ الصدور وایم اللہ لولا مخافۃ الفرقۃ من المسلمین ان یعودوا الی الکفر ویعود الدین لکنا قد غیرنا ذالک ما استطعنا وقد ولی ذالک ولاۃ ومضوا لسبیلہم ورد اللہ الامر الی وقد بایعانی وقد نہضا الی البصرۃ لیفرقا جماعتکم ویلقیا باسکم بینکم (مطلب یہ کہ وفات رسولؐ کے بعد ہم نے کہا کہ ہم پیغمبرؐ کے اہل بیت آپ کے عزیز، آپ کے وارث، آپ کی عترت، آپ کے اولیاء اور اہل عالم میں آپ کی جانب سے سب سے زیادہ حقدار۔ آں حضرتؐ کے حق اور سلطنت میں ہمارا کوئی فریق نہیں تھا لیکن منافقین کے ایک گروہ نے گٹھ جوڑ کر کے ہمارے نبی کی حکومت و سلطنت ہم سے چھین لیا اور ہمارے غیر کے سپرد کر دیا پس خدا کی قسم اس کے لئے ہماری آنکھیں اور ہمارے دل رو دیئے اور خدا کی قسم ہم سب کے سینے غم اور غصے سے لبریز ہو گئے خدا کی قسم اگر مسلمانوں میں تفرقہ پڑ جانے کا خوف نہ ہوتا کہ وہ اپنے دین سے پھر کفر کی طرف پلٹ جائیں گے۔ تو ہم اس خلافت کا تختہ پلٹ دیتے (لیکن ہم نے سکوت اختیار کیا) وہ لوگ اس مسند پر قابض رہے یہاں تک کہ وہ اپنے ٹھکانے لگ گئے اور خدا نے امر خلافت کو پھر میری طرف پلٹایا چنانچہ ان دونوں (طلحہ و زبیر) نے بھی میری بیعت کی اس کے بعد محض اس لئے بصرے کی طرف کوچ کیا کہ تمہاری جماعت میں پھوٹ ڈال دیں اور تمہارے اندر خانہ جنگی پیدا کر دیں۔)

نیز آپ کے بڑے علماء میں سے ابن ابی الحدید اور کلبی نے روایت کی ہے کہ بصرے کی طرف روانہ ہونے کے موقع پر حضرت نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور دوران تقریر میں فرمایا ان اللہ تعالیٰ لما قبض نبیہ صلی اللہ علیہ والہ استأثرت علینا قریش بالامر ودفعنا عن حق نحن احق بہ من الناس فرأیت ان الصبر علی ذالک افضل من تفریق کلمۃ المسلمین وسفک دمائہم والناس حدیثو عہد بالاسلام والدین (یعنی جب رسولِ خدا نے رحلت فرمائی تو قریش نے خلافت کے

اور نتیجہ یہ ہوتا کہ اسلام کی عمارت منہدم ہو جاتی۔

چونکہ امیر المومنین علیہ السّلام حقائق کے عالم و دانا تھے اور رسولؐ اللہ بھی آپ کو خبر دے چکے تھے۔ لہٰذا جانتے تھے کہ دین کی اصل فنا نہ ہوگی اور لوگوں کے درمیان دین کی مثال آفتاب کے مانند ہے جو کچھ مدّت تک تو جہل و عناد کی گھٹاؤں میں چھپ سکتا ہے لیکن آخر کار ظاہر و درخشاں ہو کر رہے گا (چنانچہ وہی ہوا کہ اس بزرگوار کے نور حقیقت نے عالم کو روشن و منوّر کیا۔)

پس آپ نے اندازہ کر لیا کہ مصلحت دین کے اقتضا سے اس وقت صبر کر جانا اس سے بہتر ہے کہ مقابلے کے لئے میدان میں آ جائیں جس سے گروہ بندی کی تشکیل ہو، مسلمانوں میں پھوٹ پڑے اور دشمنوں کو دین کی جڑ کاٹنے کا موقع ملے اگرچہ رسولِ خدا بقائے اسلام کی خبر دے چکے تھے لیکن یہ مسلمانوں کی ذلّت و حقارت کا سبب تو بنتا ہی اور ایک زمانے تک کے لئے ان کی ترقی پھر پستی کے غار میں جا پڑتی۔ خلاصہ یہ کہ چھ مہینے تک اپنا حق حاصل کرنے کی کوشش جاری رکھی، جلسوں اور مجمعوں میں کثرت سے مناظرے کر کے حق کو ظاہر فرمایا (جیسا کہ پچھلی شبوں میں عرض کر چکا) بیعت نہیں کی، اور گو کہ جنگ کے لئے نہیں اُٹھے لیکن مباحثات اور احتجاجات کے ذریعے اثبات حق کرتے رہے۔

خطبۂ شقشقیّہ

چنانچہ خطبۂ شقشقیہ کی ابتدا ہی سے اس مقصد کی طرف اشارہ فرمایا ہے فرماتے ہیں اما واللہ لقد تقمصها فلان وانه ليعلم ان محلی منها محل القطب من الرحی ينحدر عنی السيل ولا يرقی الی الطير فسدلت دونها ثوبا وطويت عنها كشحها وطفقت يرتای بين ان اصول بيد جذاء او اصبر علی طخية عمياء يهرم فيها الكبير ويشيب فيها الصغير ويكدح فيها مومن حتیٰ يلقی ربه فرايت ان الصبر علی ها تا احجی فصبرت وفی العين قذی وفی الحلق شجی اری تراثی نهبا حتیٰ مضی الاول لسبيله فادلی بها الی فلان بعده الخ (یعنی قسم خدا کی فلاں شخص (ابو بکر) نے قمیص خلافت کو زبردستی پہن لیا حالانکہ یقیناً وہ جانتا تھا کہ خلافت کے لئے میری حیثیت چکی کی میخ کی مانند ہے۔ میرے سرچشمۂ فیض سے علوم و معارف کا سیلاب اُمنڈتا ہے اور میرے علم و دانش کی بلندیوں میں کوئی پرندہ پر نہیں مار سکتا پس میں نے اپنے اور اس جامۂ خلافت کے درمیان پردہ ڈال دیا۔ اس سے پہلو تہی کی اور اس معاملہ میں غور کرنا شروع کیا آیا اس بریدہ اور شکستہ ہاتھوں سے (یعنی بغیر ناصر و مددگار کے) اس پر حملہ کر دوں یا ظلمت و تاریکی ضلالت پر صبر کروں۔ یہ وہ مصیبت تھی جس کے صدمے سے بوڑھا ضعیف ہو جائے، خورد سال بوڑھا ہو جائے اور مومن رنج و غم میں مبتلا ہو۔ یہاں تک کہ اپنے

پروردگار سے ملاقات کرے، اس وقت میں نے دیکھا کہ اس واقعے پر صبر کرنا ہی بہتر ہے اور عقلمندی ہے۔ پس میں نے صبر کیا، درآنحالیکہ آنکھوں میں غبار اندوہ اور خار الم کی خلش تھی اور حلق میں غم و غصّہ کا پھندا پڑ رہا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا کہ میری میراث کس طرح تاخت و تاراج ہو رہی ہے، یہاں تک کہ پہلا تو اپنے راستے چلا گیا لیکن اپنے بعد خلافت کا تحفہ فلاں (عمر) کی گود میں ڈال گیا (الخ) یہ سارا خطبہ حضرت کے دردِ دل سے بھرا ہوا ہے۔ لیکن وقت اس سے زیادہ زحمت دینے کی اجازت نہیں دے رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اثبات مقصد اور حضرت کے دلی تاثرات کو ظاہر کرنے کے لئے اسی قدر کافی ہے۔

خطبہ شقشقیہ میں اشکال اور اُس کا جواب

شیخ ۔ اوّل تو یہ خطبہ اُن حضرت کی رنجیدگی کی دلیل نہیں ہے، دُوسرے اس خطبے کا حضرت سے تعلّق ہی نہیں ہے بلکہ ہو تو سید شریف رضی الدین کی تصنیف ہے جس کو انہوں نے حضرت کے خطبات میں شامل کر دیا ہے۔ ورنہ اُن جناب کو خلفا رضی اللہ عنہم سے کوئی شکایت نہ تھی بلکہ انتہائی خوشی تھی اور ان کے عمل و رآمد سے بھی راضی تھے۔

خیر طلب ۔ آپ کا یہ بیان سخت تعصّب کا نتیجہ ہے ورنہ خلافت کے بارے میں حضرت کے بیانات اور شکایات کا پہلے ہی ذکر ہو چکا ہے، اور حضرت کی رنجیدگی و آزردگی کچھ اسی خطبے سے مخصوص نہیں ہے کہ آپ اس پر اشکال تراشی کریں آپ کے اس اشکال پر کہ یہ خطبہ ایک عابد و پرہیزگار اور بزرگوار عالم سید رضی الدین رضوان اللہ علیہ کی تصنیف ہے میں یہ تو نہیں کہنا چاہتا کہ آپ بغض و عناد کے باعث حدِّ اعتدال سے آگے بڑھ گئے ہیں اور بغیر کسی دلیل کے آخری دَور کے اپنے بعض متعصّب اسلاف کی پیروی کی ہے۔ البتہ اتنا کہوں گا کہ آپ کا مطالعہ گہرا نہیں ہے ورنہ سمجھ میں آجاتا کہ یقینی اور قطعی طور پر یہ خطبہ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام سے منقول ہے کیونکہ آپ کے بڑے بڑے علماء متقدمین و متاخرین مثلاً عزالدین عبدالحمید ابن ابی الحدید، شیخ محمد عبدہٗ مفتی مصر اور شیخ محمد خضری نے محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ صـ۱۱۷ میں شہادت دی ہے اور اعتراف کیا ہے کہ یہ خطبہ حضرت ہی کا ہے، نیز اس کی شرح بھی کی ہے۔ صرف چند آخری دور کے متعصب لوگوں نے اپنے فساد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے شبہات پیدا کرنے کے لیئے ہاتھ پاؤں مارے ہیں ورنہ اُن چالیس نفر سے زیادہ شیعہ و سنّی اکابر علماء میں سے جنہوں نے نہج البلاغہ کی شرحیں لکھی ہیں کسی ایک نے بھی ایسی بات نہیں کہی ہے۔

سیّد رضیؒ کے حالات

اس کے علاوہ جلیل القدر عالم ربانی سیّد رضی الدین علیہ الرحمہ کی پرہیزگاری اور تقدس کا درجہ اس سے کہیں بلند ہے کہ ان پر خطبہ تصنیف کر کے حضرت علی علیہ السّلام کی طرف اس کی جھوٹی نسبت دینے کا الزام لگایا جائے۔ اس کے ماسوا عربی ادب کے جن ماہرین نے نہج البلاغہ کے خطبوں پر غور کیا ہے انہوں نے ان کی فصاحت و بلاغت، ندرت الفاظ، بلندیٔ مطالب اور ان کے اندر سموئے ہوئے علم و حکمت کے بیش بہا خزانوں کے پیش نظر یہ طے کر دیا ہے کہ سیّد رضی ہی نہیں بلکہ کسی فردِ بشر کے لئے بھی ایسا کلام پیش کرنا ممکن نہیں ہے جب تک اس کا تعلق عالم غیب سے نہ ہو چنانچہ آپ کے اکابر علماء جیسے عبدالحمید ابن ابی الحدید معتزلی نے اور متاخرین میں سے شیخ محمد عبدہ مفتی مصر نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ حضرت کے خطبات و بیانات میں جو خوبصورت الفاظ، بلند مطالب اور نادر انداز کلام استعمال ہوا ہے وہ ثابت کرتا ہے کہ یہ کلمات کلام رسولؐ کے بعد کلام خالق سے پست اور کلام مخلوق سے بلند ہیں۔

عالم جلیل سید رضی رضوان اللہ علیہ کے نظم و نثر کلمات و خطبات اور رسائل شیعہ و سنی صاحبان علم کے تالیفات میں موجود ہیں جن کی نہج البلاغہ کے خطبوں سے مطابقت کرنے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے ؎

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

چنانچہ ابن ابی الحدید نقل کرتے ہیں کہ مصدق بن شبیب نے ابن الخشاب جیسے مشہور و معروف شخص سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا، نہ رضی نہ غیر رضی کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہے کہ ایسے نادر اسلوب کے ساتھ ایسا کلام پیش کر سکے۔ ہم نے کلمات رضی کو دیکھا ہے، ان کو ان مقدس خطبات سے ہرگز کوئی رابطہ نہیں ہے۔

خطبہ شقشقیہ سیّد رضیؒ کی ولادت سے پہلے درج کتب تھا

علمی قواعد اور عقلی اصول سے قطع نظر فریقین (شیعہ و سنی) کے اہل علم اور اصحاب حدیث و تاریخ کی ایک بڑی جماعت نے عالم بزرگوار سیّد رضی الدین اور ان کے پدر مرحوم ابو احمد نقیب الطالبین کی ولادت سے قبل اس خطبے کی روایت کی ہے۔ چنانچہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں کہتے ہیں کہ اس خطبہ شریفہ کو میں نے اپنے شیخ ابوالقاسم بلخی امام معتزلہ کی تصانیف میں کثرت سے پایا ہے۔ جو مقتدر باللہ عباسی کے زمانے میں تھے، اور ظاہر ہے کہ سیّد رضی کی ولادت اس کے مدتوں بعد ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ میں نے اس کو مشہور متکلم ابو جعفر بن قبہ کی کتاب الانصاف میں بھی بارہا دیکھا ہے جو

شیخ ابوالقاسم بلخی کے شاگردوں میں سے تھے اور سید رضی کی ولادت سے قبل وفات پا چکے تھے نیز شیخ ابوعبداللہ بن احمد معروف بابن خشاب سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے اس خطبے کو ان کتابوں میں دیکھا ہے جو سید رضی کی پیدائش سے دو سو برس پہلے تصنیف ہو چکی تھیں بلکہ یہ خطبہ میں نے علمائے اہل ادب کی ان تحریروں میں بھی پایا ہے جو سید رضی کے والد محمد نقیب الطالبین کی ولادت سے قبل لکھی گئی تھیں۔

فیلسوف متبحر اور حکیم محقق کمال الدین میثم بن علی بن میثم بحرانی نے شرح نہج البلاغہ میں لکھا ہے کہ میں نے اس خطبے کو دو جگہ پایا، ایک وزیر بن فرات کی تحریر میں جو سید شریف رضی الدین علیہ الرحمہ کی ولادت سے ساٹھ سال سے زیادہ پہلے لکھی گئی ہے۔ دوسرے شیوخ معتزلہ میں سے ابوالقاسم کے شاگرد ابوجعفر بن قبہ کی کتاب الانصاف میں جو ولادت سید رضی سے قبل ہی وفات پا چکے تھے۔ پس ان دلائل و شواہد سے آپ کے ان متعصب علمائے متاخرین کی ہٹ دھرمی اور عناد ثابت ہو گیا جنہوں نے بجا طور پر ہاتھ پاؤں مارے ہیں، ان تمام دلائل و شواہد سے قطع نظر اس خطبے کے بارے میں آپ حضرات کا فرضی دعوے اس وقت صحیح ہو سکتا تھا جب کہ حضرت علی علیہ السلام کے دوسرے خطبات و واقعات اور درد دل کے نمونے جو خود آپ کی معتبر کتابوں میں درج ہیں (اور جن میں سے بعض کی جانب میں گذشتہ شبوں میں اشارہ بھی کر چکا ہوں) عام طور پر پیش نظر نہ ہوتے۔ کیا ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص۵۶۱ میں حضرت کا یہ خطبہ تفصیل سے نقل نہیں کیا ہے کہ فرماتے ہیں، میں روز اوّل سے وقت وفات تک رسول اللہ کے ساتھ رہا۔ یہاں تک کہ آں حضرت نے میرے ہی سینے پر دم توڑا، میں نے ہی ملائکہ کی مدد سے آپ کو غسل دیا، آپ پر نماز پڑھی اور آپ کو قبر میں اتارا، پس آں حضرتؐ کی نسبت مجھ سے زیادہ قریب اور حق دار کوئی بھی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ خطبے کے آخر میں اپنے اور مخالفین کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں فوالذی لا الہ الا ھو انی لعلیٰ جادۃ الحق وانھم لعلیٰ الباطل (یعنی قسم اس کی جس کے سوا کوئی خدا نہیں یقیناً میں حق کی شاہراہ پر ہوں اور میرے مخالفین قطعاً مزلّہ باطل یعنی اس منزل پر ہیں جہاں سے قعر ضلالت میں گر جاتے ہیں)؟ پھر بھی آپ فرماتے کہ علی علیہ السلام اپنے مخالفین کو حق پر سمجھتے تھے اور ان سے رنجیدہ نہیں تھے بلکہ اُن کے طرز عمل پر راضی تھے۔ جناب شیخ صاحب حق اور حقیقت اس طرح کی باتوں سے پوشیدہ اور فنا نہ ہوگی۔ اگر آپ سورہ ۹ (توبہ) کی آیت (۳۲) پر گہری نظر ڈالئے جس میں ارشاد ہے یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون (یعنی وہ لوگ چاہتے ہیں کہ خدا کے نور کو پھونکیں مار کے بجھا دیں اور خدا نے اس کے برخلاف یہ طے کر دیا ہے کہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا چاہے کافروں کو ناگوار ہی ہو) تو تصدیق کیجئے گا کہ ؎ چراغے را کہ ایزد بر فروزد گر ابلہ پف زند ریشش بسوزد

شیخ۔ چونکہ رات کافی گذر چکی ہے اور میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ بھی بہت خشکی کے ساتھ گفتگو فرما رہے ہیں۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اب جلسہ برخاست کیا جائے۔ بقیہ مطالب اور جناب عالی کا جواب کل شب پر رہا۔ انشاء اللہ۔

(رات ہوتے ہی مولوی صاحبان کافی بڑے مجمع کے ہمراہ تشریف لائے، عید ولادت حضرت امام حسینؑ کی شب تھی لہٰذا شربت اور شیرینی وغیرہ کی تقسیم ہوئی، اس کے بعد ہم نے چاہا کہ مباحثے کا آغاز ہو کہ اتنے میں نواب عبدالقیوم خان صاحب بھی تشریف لے آئے اور معمولی صاحب سلامت اور شربت و شیرینی کے بعد بیان کیا)

نواب - قبلہ صاحب میں اپنی جسارت کے لئے معافی چاہتا ہوں لیکن ایک ایسا مسئلہ پیش آگیا ہے کہ اس پر سوال اور گفتگو بہت ضروری ہے اگر اجازت ہو تو جلسے کی کارروائی اور مذاکرہ شروع ہونے سے پہلے اپنا مطلب عرض کروں۔

خیر طلب - ضرور فرمایئے، میں سُننے کے لئے بسر و چشم حاضر ہوں۔

عمر کے علمی درجے پر سوال اور اُس کا جواب

نواب - آج صبح کو کچھ لوگ غریب خانے پر اکٹھا تھے، سب جناب عالی کا ذکر خیر کر رہے تھے گذشتہ راتوں میں آپ مباحثہ کی تفصیل کے متعلق، اخبارات اور رسائل پڑھے جا رہے تھے اور ہم لوگ طرفین کے بیانات پر بحث کر رہے تھے اتنے میں میرے ایک بندہ زادے (عبدالعزیز) نے جو اسلامیہ کالج میں تعلیم حاصل کر رہا ہے مجھ سے کہا کہ چند روز ہوئے درجے میں درس دیتے ہوئے ہمارے استاد معظم نے اپنی تقریر میں ایک موقع پر کہا کہ مدینہ منورہ میں خلیفہ ثانی عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ صدر اسلام کے سب سے بڑے فقیہوں میں سے تھے۔ آپ کو قرآن کے آیات و مطالب اسلام کے علمی و فقہی مسائل پر پورا عبور حاصل تھا اور علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ عبداللہ ابن مسعود، عبداللہ ابن عباس، عکرمہ اور زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم جیسے فقہاء کے درمیان خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ فقیہ اور ممتاز تھے یہاں تک کہ علی ابن ابی طالب

کرم اللہ وجہہ جو علمی مسائل اور فقہی مباحث میں سارے صحابہ سے آگے تھے وہ بھی جب فقہی مشکلات اور حقوق مسلمین میں مجبور پڑتے تھے تو خلیفۂ ثانی عمرؓ کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان کی ذہانت اور علم و دانش کا سہارا لیتے تھے اور خلیفہ بھی علی کے علمی مشکلات اور فقہی مسائل کو حل کر دیا کرتے تھے اس پر اور سب نے بھی تصدیق کی کہ بات بالکل صحیح ہے کیونکہ ہمارے علماء نے بیان کیا ہے کہ خلیفہ عمر مراتب علم و فضل میں یکتائے زمانہ تھے، مجھ کو چونکہ دینی معاملات اور تاریخی حالات سے پوری واقفیت نہیں تھی لہذا سکوت اختیار کیا، بالآخر اپنے احباب اور بالخصوص بندہ زادے سے وعدہ کیا کہ آج رات کو مناظرہ شروع ہونے سے پہلے میں یہ مسئلہ پیش کروں گا، چونکہ فریقین کے علماء موجود ہیں لہذا اس اہم مطلب کا کوئی نتیجہ ضرور نکلے گا جس سے ہم کو صحابہ کے علمی مدارج کا پتہ چل جائے گا۔ چنانچہ جسارت کرتے ہوئے گذارش ہے کہ آپ اس بات کی اچھائی یا برائی کو زیر بحث لائیں تاکہ عام لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکیں اور ہم ہر ایک صحابی کے علمی معیار کی جانچ کرکے فیصلہ کر سکیں کہ صحابہ میں سے کس کو علمی فوقیت حاصل تھی۔ بندہ زادہ اور احباب بھی نتیجہ معلوم کرنے کے لئے حاضر ہیں۔ ہم کو مستفیض فرمایئے تاکہ بالخصوص بندہ زادہ اگر متزلزل ہو تو ثابت قدم ہو جائے۔

خیر طلب ۔ (میں نے جناب یوسف علی شاہ کی طرف جو ایک محترم شیعہ فاضل اور اسی کالج میں تاریخ و جغرافیہ اور انگریزی زبان کے مدرس تھے، رخ کرکے پوچھا کہ کیا یہی بات ہے؟ انہوں نے فرمایا، مجھ کو معلوم نہیں کون معلم تھا اور اس نے کیا تقریر کی۔

خیر طلب ۔ ایسا کہنے والا چاہے جو بھی ہو اس کے اوپر سخت تعجب ہے کہ اس نے یہ باتیں کہاں سے پیدا کر لیں۔ عوام کی بات چیت میں تو خیر افراط و تفریط کثرت سے ہوتی ہے لیکن ایک معلم کی گفتگو کو علم و منطق کے مطابق ہونا چاہیئے۔ یہ بے علم اور لفاظ معلم جو شخص بھی رہا ہو اس نے ایسا دعویٰ کیا ہے جو آپ کے علماء میں سے کسی نے نہیں کیا ہے۔ بلکہ ابن حزم ظاہری وغیرہ کے ایسے کسی متعصب نے اگر ایسا خیال ظاہر بھی کیا ہے تو آپ کے علماء نے اس کو جھٹلا دیا ہے اس کے علاوہ یہ تعریف تو بما لا یرضیٰ صاحبہ (یعنی جس پر خود ممدوح بھی راضی نہیں) ہے، کیونکہ خود خلیفہ عمر نے بھی ہرگز کبھی اس کا دعویٰ نہیں کیا ہے نیز آپ کے علماء نے کسی کتاب میں اس عقیدے کا اظہار نہیں کیا ہے۔ جس محدث اور مورخ نے خلیفہ ثانی عمر ابن خطاب کے حالات میں کچھ لکھا ہے اس نے صرف ان کی چالاکی، ہوشیاری، سخت گیری اور سیاسی مہارت سے بحث کی ہے اور ان کے علم کے موضوع پر اپنی کتابوں میں قطعاً کوئی بحث یا ثبوت پیش نہیں کیا ہے۔ ورنہ خلیفہ کے حالات کی تشریح میں انہوں نے جو ابواب قائم کئے ہیں انہیں میں ایک باب ان کے علم کے لئے بھی ہونا چاہیئے تھا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس قول کے برخلاف فریقین کی کتابوں میں پوری صراحت سے درج ہے کہ خلیفہ عمر علمی مسائل کی مہارت اور فقہی مدارج سے کورے تھے اور اس قسم کے اتفاقات اور احتیاج کے مواقع پر علیؑ، عبداللہ ابن مسعود اور دوسرے فقہائے مدینہ کا دامن تھامتے تھے خصوصیت کے ساتھ ابن ابی الحدید نے نقل کیا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود مدینے کے فقیہوں میں سے تھے اور خلیفہ عمر کا اصرار تھا کہ عبداللہ ہمیشہ ان کے ساتھ رہیں تاکہ جب ضروری موقع اور اہم مراحل درپیش ہوں اور ان سے فقہی سوالات کئے جائیں تو عبداللہ ان کا

ارتکاب نہیں کیا جاسکتا۔ اور ظاہر ہے کہ عورت کے اُس مخصوص مال کو جس کی وہ بحکم قرآن اپنے مہر کے عنوان سے مالک ہو چکی ہے چھین کر بیت المال میں داخل کرنا شرعاً ہرگز جائز نہیں ہے۔

ان تمام چیزوں سے قطع نظر کسی شخص پر ایسے عمل کے لئے جس میں اُس نے کوئی جرم وگناہ نہ کیا ہو حد جاری کرنا فقہ اسلامی کے رو سے قطعاً جائز نہیں ہے۔ حدود و تعزیرات کے باب میں میری نظر سے تو کوئی ایسا مسئلہ گذرا نہیں ہے، اگر آپ جانتے ہوں تو بتا دیجئے۔ اور اگر باب حدود میں کوئی ایسی حد موجود نہیں ہے تو آپ کو تصدیق کرنا چاہیئے کہ معلم کا یہ دعویٰ غلط اور بے جا تھا۔

وفاتِ پیغمبرؐ سے عمر کا انکار

اتفاق سے خلیفہ کی عادت ہی کچھ ایسی تھی کہ ان کو ہر موقع پر تاؤ آجاتا تھا اور دوسرے شخص کو مرعوب کرنے کے لئے غصّہ دکھا کر کہتے تھے کہ میں حد جاری کروں گا۔ چنانچہ امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں، طبری نے اپنی تاریخ میں اور آپ کے دُوسرے علماء نے نقل کیا ہے کہ جب رسول خدا صلعم نے دنیا سے رحلت فرمائی تو عمر ابو بکر کے پاس گئے اور کہا مجھ کو خوف ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو محمدؐ مرے نہ ہوں بلکہ حیلہ کیا ہو (یعنی اپنے کو مردہ بنا لیا ہو) تاکہ اپنے دوست و دشمن کو پہچان لیں، یا حضرت موسیٰ کی طرح غائب ہو گئے ہوں اور پھر واپس آکر جس نے ان کی مخالفت کی ہو اور نافرمان بن گیا ہو اس کو سزا دیں۔ پس جو شخص یہ کہے گا کہ رسولؐ اللہ مر گئے ہیں میں اس پر حد جاری کروں گا۔ ابو بکر نے جب یہ باتیں سنیں تو اُن کے دل میں بھی شک پیدا ہوا اس طرح کی گفتگو سے لوگوں میں ایک اضطراب پھیل گیا اور آپس میں اختلاف ہونے لگا۔ جب اس کی خبر علی علیہ السلام کو پہنچی تو آپ فرما فوراً مجمع کے سامنے تشریف لائے اور فرمایا، اے قوم! تم لوگوں نے یہ کیا جاہلانہ شور وغل برپا کر رکھا ہے۔ کیا تم اس آیۂ شریفہ کو بھول گئے ہو کہ خداوند عالم نے رسول کی زندگی ہی میں آپ سے دیا تھا۔ انک میت و انھم میتون یعنی یقیناً تم کو بھی موت آئے گی اور تمہاری اُمت والے بھی مریں گے؟ پس بحکم آیت رسولؐ خدا نے دنیا سے رحلت فرمائی۔ علی علیہ السلام کا یہ استدلال امت کی سمجھ میں آگیا اور لوگوں نے آں حضرتؐ کی موت پر یقین کر لیا۔ عمر نے کہا گویا میں نے یہ آیت کبھی سُنی ہی نہیں تھی۔

ابن اثیر نے کامل اور نہایہ میں زمخشری نے اساس البلاغہ میں، شہرستانی نے ملل والنحل مقدمۂ چہارم میں اور آپ کے دوسرے متعدد علماء نے لکھا ہے کہ جس وقت عمر چیخ رہے تھے کہ پیغمبرؐ ہرگز نہیں مرے ہیں، تو ابو بکر ان کے پاس پہنچے اور کہا، کیا خداوند عالم یہ نہیں فرماتا ہے کہ انک میت و انھم میتون نیز یہ بھی فرمایا ہے کہ افأن مات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم (یعنی اگر وہ (پیغمبرؐ) اپنی موت سے مرجائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم پھر اپنے پچھلے کفر و جاہلیت

پر پلٹ جاؤ گے ؟) اس وقت عمر خاموش ہوئے اور کہا، گویا میں نے یہ آیت قطعاً سنی ہی نہیں تھی اب مجھ کو یقین آیا کہ پیغمبر نے وفات پائی ۔

اب آپ خدا کے لئے سچ بتایئے، کیا اس متعصب مسلم نے بغیر علم کے بیجا اور غلط دعویٰ نہیں کیا ہے ۔

پانچ اشخاص کی سنگساری کا حکم اور حضرت علیؑ کی تنبیہ

من جملہ اور دلائل کے ایک یہ ہے جس کو حمیدی جمع بین الصحیحین میں نقل کرتے ہیں کہ خلافتِ عمر کے زمانے میں پانچ اشخاص زنا کے جرم میں گرفتار کرکے خلیفہ کے سامنے لائے گئے اور اس کا ثبوت بھی گزر گیا کہ ان پانچوں نے فلاں فلاں عورتوں کے ساتھ زنا کی ہے ۔ عمر نے فوراً ان کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا، اسی وقت حضرت علی علیہ السّلام مسجد میں داخل ہوئے اور اس حکم سے مطلع ہو کر عمر سے فرمایا کہ اس مقام پر خدا کا حکم تمہارے حکم کے خلاف ہے ۔ عمر نے کہا، یا علی زنا ثابت ہے اور ثبوت زنا کے بعد سنگساری کا حکم ہے ۔ حضرت نے فرمایا کہ زنا کے متعلق مختلف صورتوں میں الگ الگ احکام ہیں، چنانچہ اس موقع پر بھی حکم میں اختلاف ہے ۔ عمر نے کہا جو خدا و رسول کا حکم ہو بیان کیجئے کیونکہ میں رسولؐ خدا سے بارہا سن چکا ہوں کہ آں حضرت نے فرمایا علی اعلمکم و اقضاکم یعنی علی تم سب سے زیادہ عالم اور تم سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے ہیں ۔ حضرت نے حکم دیا کہ وہ پانچوں اشخاص لائے جائیں ۔ پہلے ایک شخص حاضر کیا گیا تو امر بضرب عنقہ وامر برجم الثانی وقدم الثالث فضربہ فقدم الرابع فضربہ نصف الحد خمسین جلدۃ فقدم الخامس فعزرہ ۔ (یعنی حکم دیا کہ اس کی گردن ماری جائے، دوسرے کو سنگسار کرنے کا حکم دیا، تیسرا آیا تو اس کو سَو تازیانے لگوائے، چوتھے کو نصف حد یعنی پچاس تازیانے اور پانچویں کو حد تعزیر یعنی پچیس تازیانے مارنے کا حکم صادر فرمایا) عمر متعجب و متحیّر ہوئے اور کہا کیف ذالک یا ابا الحسن یہ فیصلہ آپ نے کیونکر کیا ؟ حضرت نے فرمایا فاما الاول فکان ذمیا زنی بمسلمۃ فخرج عن ذمتہ والثانی محصن فرجمناہ واما الثالث فغیر محصن فضربناہ والرابع عبد فحدہ نصف ولما الخامس فمغلوب علیٰ عقلہ فعزرناہ فقال عمر لولا علی لھلک عمر لا عشت فی امۃ لست فیھا یا ابا الحسن (یعنی پہلا شخص کافر ذمی تھا جس نے مسلمان عورت سے زنا کی تھی لہٰذا وہ ذمہ اسلام سے خارج ہو گیا تھا (اور اس کے لئے گردن مارنے کا حکم تھا) دوسرا شخص شادی شدہ تھا اس وجہ سے سنگسار کیا گیا ۔ تیسرا شخص مجرّد تھا پس اس کے اوپر سَو تازیانوں کی حد جاری کی گئی، چوتھا شخص غلام تھا جس کی حد آزاد کی نصف یعنی پچاس تازیانے ہے، اور پانچواں شخص ابلہ اور کم عقل تھا اس سبب سے اس کو صرف تعزیر دی گئی یعنی پچیس تازیانے مارے گئے ۔ پس عمر نے کہا، اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو گیا

ہوتا۔ میں زندہ نہ رہوں اس اُمت کے اندر جس میں آپ نہ ہوں ۔ (اے ابوالحسنؑ)

حاملہ عورت کی سنگساری کا حکم اور حضرت علیؑ کی ممانعت

محمد بن یوسف گنجی شافعی کفایت الطالب فی مناقب امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ میں، امام احمد ابن حنبل مسند میں، بخاری اپنی صحیح میں، حمیدی جمع الصحیحین میں، شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودت باب ۱۴ صفحہ ۷۵ میں مناقب خوارزمی سے امام فخرالدین رازی اربعین صفحہ ۴۶۶ میں، محب الدین طبری ریاض النضرہ جلد دوم صفحہ ۱۹۶ میں، خطیب خوارزمی مناقب صفحہ ۴۸ میں، محمد بن طلحہ شافعی مطالب السئول صفحہ ۱۳ میں اور امام الحرم ذخائر العقبیٰ صفحہ ۸۰ میں نقل کرتے ہیں کہ اتی عند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ امرأۃ حاملۃ فسئلھا فاعترفت بالفجور فامر بھا بالرجم فقال علی لعمر سلطانک علیھا فما سلطانک علی الذی فی بطنھا فخلو سبیلھا وقال عجزت النساء ان یلدن علیا ولولا علی لھلک عمر وقال اللھم لا تبقی لمعضلۃ لیس لھا علی حیا (یعنی عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک حاملہ عورت لائی گئی، پوچھنے پر اُس نے زناکاری کا اقرار کیا، تو انہوں نے سنگسار کرنے کا حکم دے دیا، پس علی علیہ السّلام نے عمر سے فرمایا کہ تمہارا حکم اس عورت کے اوپر تو نافذ ہے لیکن جو بچہ اس کے شکم کے اندر ہے اس کے اوپر تم کو کوئی اختیار نہیں ہے (کیوں کہ وہ بے گناہ ہے اس کا قتل جائز نہیں) اس پر انہوں نے اس عورت کو چھوڑ دیا۔ اور کہا عورتیں علی جیسا انسان پیدا کرنے سے عاجز ہیں۔ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا ہوتا۔ پھر کہا خداوندا مجھ کو کسی ایسے پیچیدہ اور مشکل امر کے لئے باقی نہ رکھ جس کو حل کرنے کے لئے علی موجود نہ ہوں)۔

مجنون عورت کی سنگساری کا حکم اور حضرت علیؑ کی روک تھام

نیز امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، امام الحرم احمد بن عبداللہ شافعی نے ذخائر العقبیٰ صفحہ ۸۱ میں، سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۱۴ صفحہ ۷۵ میں حسن بصری سے، ابن حجر نے فتح الباری جلد دوازدہم صفحہ ۱۰۱ میں، ابوداؤد نے سنن جلد دوم صفحہ ۲۲۷ میں، سبط ابن جوزی نے تذکرہ صفحہ ۸۵ میں، ابن ماجہ نے سنن جلد دوم صفحہ ۲۲۷ میں، مناوی نے فیض القدیر جلد چہارم صفحہ ۲۵۷ میں، حاکم نیشاپوری نے مستدرک جلد دوم صفحہ ۵۹ میں، قسطلانی نے ارشاد الساری جلد دہم صفحہ ۹ میں، بیہقی نے سنن جلد ہشتم صفحہ ۱۶۴ میں، محب الدین طبری نے ریاض النضرہ صفحہ ۱۹۶ میں اور بخاری نے اپنی صحیح باب لا یرجم المجنون والمجنونۃ میں، غرضیکہ آپ کے اکثر اکابر علماء نے نقل کیا ہے کہ ایک روز ایک مجنون عورت کو خلیفہ عمر ابن خطاب کے

سامنے لائے جس نے زنا کیا تھا اور اقرار زنا کے بعد خلیفہ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا۔ حضرت امیرالمومنین موجود تھے آپ نے فرمایا تم یہ کیا کر رہے ہو سمعت رسول اللہ یقول رفع القلم عن ثلثة عن النائم حتی یستیقظ و عن المجنون حتی یبرء و یعقل و عن الطفل حتی یحتلم قال فخلا سبیلھا (یعنی میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تین قسم کے لوگ مرفوع القلم قرار دیئے گئے ہیں، سوتا ہوا شخص جب تک وہ بیدار نہ ہو، دیوانہ جب تک وہ صحت یاب اور صاحب عقل نہ ہو جائے اور بچہ جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے۔ یہ سن کر خلیفہ نے اس عورت کو رہا کر دیا)۔

ابن السمان نے کتاب الموافقہ میں اس قسم کی بہت سی روایتیں نقل کی ہیں اور بعض کتابوں میں تو خلیفہ کی غلطی اور اشتباہ کے تقریباً سو مقامات درج ہیں، لیکن جلسے کا وقت اس سے زیادہ پیش کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ میرا خیال ہے کہ نمونے اور اثبات مقصد کے لئے جتنا عرض کیا گیا اسی قدر کافی ہوگا۔ اُمید ہے کہ اپنے اکابر علماء کی نقل کی ہوئی یہ روایتیں سُننے کے بعد آپ حضرات تسلیم کریں گے کہ جس بے خبر معلّم نے ایسی بات کہی ہے وہ علم سے بالکل بے بہرہ انسان ہے اور اُس نے محض تعصب و عناد کے ماتحت یہ بیان دیا ہے قطعاً اُس سے دلیل کا مطالبہ کرنا چاہیئے (کیونکہ وہ ہرگز اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کر سکتا) جو کچھ فریقین کے نزدیک مسلم ہے وہ یہ ہے کہ سارے اصحاب رسول کے درمیان کوئی شخص امیرالمومنین علیہ السلام سے زیادہ عالم و فقیہ اور کامل نہیں تھا، جیسا کہ نورالدین بن صباغ مالکی نے فصول المہمہ فصل سوم صفحہ ۱۸ میں، بسلسلۂ حالات حضرت علی علیہ السلام لکھا ہے۔

علی علیہ السّلام کا علم و فضل اور منصب قضاوت

فصل فی ذکر شئی من علومه فمنها علم الفقه الذی هو مرجع الانام و منبع الحلال و الحرام فقد کان علی مطلعا علی غوامض احکامه منقادا له جامحه یزمامه مشهودا له فیه بعلوّ محله و مقامه ولهذا خصه رسول الله صلی الله علیه وسلم لعلم القضاء کما نقله لامام ابو محمّد الحسین بن مسعود البغوی رحمة الله علیه فی کتابه المصابیح مرویا عن انس بن مالک ان رسول الله لما خصّ جماعة من الصحابة کلّ واحد بفضیله خصص علیّا بعلم القضاء فقال صلی الله علیه وسلّم و اقضاکم علی۔

یعنی ابن صباغ مالکی کہتے ہیں کہ اس فصل میں علی علیہ السّلام کے علوم کا تذکرہ ہے۔ منجملہ ان کے علم فقہ ہے جو

لوگوں کا مرجع اور حلال وحرام کا سرچشمہ ہے۔ پس یقیناً علی علیہ السّلام اس کے غوامض احکام اور حقائق سے آگاہ تھے، اس کے دشوار مسائل آپ کے لئے آسان اور اس کے بلند مطالب آپ کے پیش نظر تھے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے آپ کو سب کے مقابلے میں علم وفضل سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ نے صحابہ کی ایک جماعت میں سے ہر ایک کی کسی نہ کسی فضیلت کے ساتھ تخصیص کی تو علی کو علم قضاوت کے ساتھ خصوصیت دی اور فرمایا، علی تم سب لوگوں سے بہتر فیصلہ الاحکم دینے والے ہیں)

نیز اسی حدیث علی اقضاکم کو محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول فی مناقب آل الرسول صفحہ ۲۲ میں مخصوص فرمایا جیساکہ امام ابومحمد حسین بن مسعود بغوی نے کتاب مصابیح میں انس بن مالک سے قاضی بغوی سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔ وقد صدع الحدیث بمنطوقہ وصرّح بمفہومہ انّ انواع العلم واقسامہ قد جمعہا رسول اللہ لعلیّ دون غیرہ - یعنی یہ حدیث اپنے مضمون اور مفہوم سے اس بات کی پوری صراحت کر رہی ہے کہ رسول خدا صلعم نے علم کے سارے انواع واقسام کو دوسروں کے علاوہ صرف علی علیہ السّلام کے اندر جمع فرمایا ہے اس لئے کہ قضاوت کا حق اسی شخص کو حاصل ہے جو علاوہ کمال عقل، زیادتی تمیز اور ذہانت وذکاوت کے سہو وغفلت سے دور ہو اور جملہ علوم کے اندر پوری مہارت رکھتا ہو۔ اور حدیث کے اندر افعل التفضیل کا صیغہ مکمل طور سے اس مقصد کو ثابت کرتا ہے، اس کے بعد بہت سے دلائل تشریح کے ساتھ بیان کئے ہیں کہ علی علیہ السّلام تمام اُمّت سے زیادہ عالم اور افضل تھے۔

پس آپ حضرات احادیث منقولہ پر غور کرنے اور اپنے بڑے بڑے محققین علماء کے بیانات سے اس بے علم معلم کے الفاظ کو مطابق کرنے کے بعد تصدیق کریں گے اس کا دعویٰ سرتاسر غلط ہے کیونکہ علی علیہ السّلام کا مقدس مرتبہ اس سے کہیں بلند ہے کہ صحابہ میں سے کسی کے ساتھ آپ کا موازنہ کیا جائے ان معلم صاحب کا تو یہ معاملہ ہے کہ "پیراں نمی پرند مریداں می پرانند" اس لئے کہ خود خلیفہ عمر نے علی علیہ السّلام کے سامنے اپنی عاجزی کا اظہار کیا ہے اور (جیسا کہ خود آپ کے اکابر علماء نے اوقات اور مواقع کا حوالہ دیتے ہوئے نقل کیا ہے) اپنے زمانہ خلافت میں ستر مرتبہ کہا ہے لولا علی لہلک عمر (یعنی اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا ہوتا) وہ ہرگز اس پر تیار نہیں تھے کہ ان کی طرف ایسی فضیلت منسوب کی جائے اور اس قسم کی تعریف وتوصیف یقیناً ان کی مرضی کے خلاف ہے

اس متعصب اور بے علم معلّم کے مبالغہ آمیز قول کے برخلاف امام احمد ابن حنبل مسند میں، اور امام الحرم احمد مکی شافعی ذخائر العقبیٰ میں، جیساکہ شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت باب ۵۶ میں اور محب الدین طبری نے ریاض النضرہ جلد دوم صفحہ ۱۹۵ میں معاویہ کا قول نقل کیا ہے، کہتے ہیں کہ ان عمر بن الخطاب اذا اشکل علیہ شئی اخذ من علیؑ - یعنی جس وقت عمر ابن خطاب کو کوئی مشکل معاملہ پیش آتا تھا تو علی علیہ السّلام سے مدد حاصل کرتے تھے) یہاں تک کہ ابوالحجاج بلوی اپنی کتاب "الف با" کی جلد اول صفحہ ۲۲۲ میں نقل کرتے ہیں کہ جس وقت معاویہ کو شہادت علی اسلام کی

خبر ملی تو کہا لقد ذھب الفقه والعلم بموت ابن ابی طالب (یعنی علی علیہ السلام کی موت سے فقہ اور علم جاتا رہا۔
نیز سعید ابن مسیب سے معاویہ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ کان عمر رضی اللہ عنه یتعوذ من معضلة لیس لها ابو الحسن (یعنی عمر رضی اللہ عنہ ایسی دشواری سے پناہ مانگا کرتے تھے جس کو دفع کرنے کے لئے ابو الحسن (علی علیہ السلام) موجود نہ ہوں)۔

ابو عبد اللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی شرح رسالہ فتح المبین میں کہتے ہیں کانت الصحابة رضی اللہ عنهم یرجعون الیه فی احکام الکتاب ویاخذون عنه الفتاوی کما قال عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه فی عدة مواطن لولا علیّ لهلك عمر وقال صلی اللہ علیه وسلم اعلم امّتی علی بن ابی طالب (یعنی پیغمبرؐ کے اصحاب احکام قرآن میں علی علیہ السلام کی طرف رجوع کرتے تھے اور آپ سے فتویٰ حاصل کرتے تھے، جیسا کہ عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے متعدد مقامات پر کہا ہے کہ اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا ہوتا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میری امت کے سب سے بڑے عالم علی ابن ابی طالب ہیں) جو کچھ اخبار وتواریخ کی کتابوں میں ملتا ہے اُس سے پتہ چلتا ہے کہ خلیفہ عمر علمی مراتب اور فقہی مسائل میں اس قدر کورے تھے کہ اکثر عام اور ضروری احکام ومسائل میں ایسا کھلا ہوا دھوکا کھاتے تھے کہ جو صحابی موجود ہوتا تھا وہ اُن کو متنبہ اور متوجہ کر دیتا تھا۔

شیخ ۔ آپ بہت بے لطفی کی بات کر رہے ہیں کہ خلیفہ کو ایسی نسبت دیتے ہیں۔ آیا یہ ممکن ہے کہ خلیفہ رضی اللہ عنہ دین کے احکام ومسائل میں دھوکا کھا گئے ہوں؟

خیر طلب ۔ یہ بے لطفی میری طرف سے نہیں ہے بلکہ خود آپ کے بڑے بڑے علماء نے حقیقت کا انکشاف کیا ہے اور اپنی معتبر کتابوں میں درج اور شائع کیا ہے۔

شیخ ۔ اگر ممکن ہو تو ذرا دو اشتباہ کے واقعات مع اسناد کے بیان فرمایئے تاکہ سچ اور جھوٹ کا پول کھل جائے اور تہمت لگانے والا ذلیل ہو۔

خیر طلب ۔ ان کے اشتباہ کے واقعات بہت ہیں اور ایسے تقریباً سَو مواقع کتابوں میں درج ہیں لیکن اس وقت جو میرے پیش نظر ہیں ان میں سے بلحاظ وقت صرف ایک نمونہ عرض کرتا ہوں۔

تیمّم کے بارے میں اشتباہ اور غلط حکم

مسلم ابن حجاج نے اپنی صحیح باب تیمم میں، حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں، امام احمد ابن حنبل نے مسند جلد چہارم صفحہ ۲۶۵ و ۳۱۹

میں، بیہقی نے سنن جلد اول ص۲۰۹ میں، ابوداؤد نے سنن جلد اول ص۵۳ میں، ابن ماجہ نے سنن جلد اول ص۲۰ میں، امام نسائی نے سنن جلد اوّل ص۵۹ تا ص۶۱ میں اور آپ کے دُوسرے اکابر علماء نے مختلف طریقوں سے الفاظ کے فرق کے ساتھ نقل کیا ہے کہ خلافت عمر کے زمانے میں ایک شخص اُن کے پاس آیا اور کہا، میں جنب ہوگیا ہوں اور غسل کے لیئے پانی نہیں مل سکا ہے، ایسی صورت میں مَیں نہیں جانتا کہ مجھ کو کیا کرنا چاہیئے۔ خلیفہ نے کہا جب تک پانی نہ ملے اور غسل نہ کرلو اس وقت تک نماز نہ پڑھو۔ صحابہ میں سے عمار یاسر موجود تھے انہوں نے کہا، اے عمر تم کیا بھول گئے ہو کہ ایک سفر میں اتفاق سے مجھ کو اور تم کو غسل کی ضرورت لاحق ہوئی، چونکہ پانی نہیں تھا لہذا تم نے نماز نہیں پڑھی، لیکن میں نے سوچا کہ تیمم بدل غسل کا طریقہ یہ ہے کہ سارے جسم پر مٹی مل جائے لہذا اپنے کل بدن پر خاک مل کے نماز پڑھ لی۔ جب رسولؐ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آں حضرتؐ نے مسکراتے ہوئے فرمایا کہ تیمم کے لیئے اسی قدر کافی ہے کہ ہاتھ کی دونوں ہتھیلیوں کو ایک ساتھ زمین پر مار کر دونوں ہتھیلیاں ملا کر پیشانی پر مل جائیں اس کے بعد بائیں ہتھیلی سے داہنے ہاتھ کی پشتِ دست پر اور پھر داہنی ہتھیلی سے بائیں ہاتھ کی پشت دست پر مسح کیا جائے۔ پس اب تم یہ کیوں کہہ رہے ہو کہ نماز نہ پڑھو؟

عمر کو کوئی جواب نہ بن پڑا تو کہا، اے عمار خدا سے ڈرو۔ عمار نے کہا، کیا تم اجازت دیتے ہو کہ یہ حدیث نقل کروں تولیتُ ما تولّیت۔ یعنی جاؤ میں نے تم کو تمہاری مرضی پر چھوڑا؟ اب اگر آپ حضرات اس معتبر روایت پر جس کو آپ کے علماء نے اپنے معتبر صحاح میں نقل کیا ہے ہر پہلو سے غور کریں تو یقیناً بے ساختہ تصدیق کریں گے کہ معلم صاحب کا یہ کہنا بالکل ہی بیجا ہے کہ خلیفہ صحابہ کے درمیان بہت بڑے فقیہ تھے۔

یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک فقیہ جو شب و روز اور سفر و حضر میں پیغمبرؐ کے ہمراہ رہا ہو اور آں حضرتؐ سے سنا بھی ہو کہ پانی نہ ملنے پر کس طرح تیمم کرنا چاہیئے، اس کے علاوہ سورہ ۵ (مائدہ) آیت ۹ میں خداوند عالم کا یہ صریحی حکم بھی پڑھ چکے ہو۔ کہ فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا (یعنی اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی پر تیمم کرو) وہ حکم الٰہی میں ترمیم کر کے ایک مسلمان آدمی سے کہے کہ اگر پانی نہیں ملا ہے تو نماز ہی نہ پڑھو۔ درآنحالیکہ قرآن مجید ایسی صورت میں تیمم کی تاکید کر رہا ہو!

اتفاق سے تیمم کا مسئلہ مسلمانوں میں اس طرح رائج اور عام طور پر داخل عمل ہے کہ وضو اور غسل کے مانند اس سے ایک جاہل مسلمان بھی واقف ہے نہ کہ پیغمبرؐ کا صحابی اور خلیفہ جس کے اوپر علاوہ اس کے کہ لوگوں کو تعلیم دینے کی ذمّہ داری ہے خود اپنے عمل کے لیئے بھی اس کو جاننا فرض ہے۔ یہ تو میں نہیں کہوں گا کہ خلیفہ عمر نے جان بوجھ کر قصداً حکم خدا کو بدلا یا وہ دین میں خلل ڈالنا چاہتے تھے لیکن اتنا ضرور ممکن ہے کہ مسائل کی یاد داشت میں ان کا حافظہ کمزور تھا اور احکام کو محفوظ رکھنا ان کے لیئے مشکل تھا، اور یہی سبب تھا کہ جیسا آپ کے علماء نے لکھا ہے۔ یہ عبداللہ ابن مسعود جیسے فقیہ صحابی سے کہا کرتے تھے کہ تم میرے ساتھ ہی رہا کرو تاکہ جب مجھ سے کوئی بات پوچھی جائے تو تم اس

کا جواب دے دو۔ اب آپ حضرات پوری توجہ کے ساتھ فیصلہ کیجئے کہ کس قدر فرق ہے ایسے آدمی سے جو اس قدر سادہ دماغ اور سطحی معلومات رکھتا ہو کہ مسائل کو سمجھنے اور احکام کو بیان کرنے سے قاصر ہو، اور اس انسان سے جو جملہ امور کے جزئیات و کلیات پر مکمل عبور رکھتا ہو اور تمام علمی و عملی مسائل ہتھیلی کے مانند اس کی نگاہوں کے سامنے ہوں،

شیخ ۔ سوا رسول خدا کے اور کون ایسا ہو سکتا ہے جو کہ جملہ امور کے جزئیات و کلیات پر پورا عبور رکھتا ہو؟

خیر طلب ۔ بدیہی چیز ہے کہ رسول اکرم حضرت خاتم الانبیاء صلعم کے بعد صحابہ میں سے کسی فرد کو بھی ایسا عبور حاصل نہیں تھا سوا آں حضرتؐ کے باب علم حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کے، جن کے لئے خود پیغمبرؐ نے فرمایا ہے کہ علی تم سب سے زیادہ عالم ہیں۔

تمام علوم ہتھیلی کی طرح علیؑ کے سامنے تھے

چنانچہ اخطب الخطباء ابوالموید موفق بن احمد خوارزمی اپنے مناقب میں نقل کرتے ہیں کہ ایک روز خلیفہ عمر نے تعجب کے ساتھ علی ابن ابی طالب علیہ السّلام سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ سے جو حکم یا مسئلہ دریافت کیا جائے آپ بلا تامل جواب دے دیتے ہیں؟ حضرت نے عمر کے جواب میں اُن کے سامنے اپنا دست مبارک کھول دیا اور فرمایا، میرے ہاتھ میں کتنی انگلیاں ہیں؟ انہوں نے فوراً کہا، پانچ۔ حضرت نے فرمایا تم نے غور و تامل کیوں نہیں کیا؟ عمر نے جواب دیا کہ غور و تامل کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ پانچوں انگلیاں میری نظر کے سامنے تھیں۔ حضرت نے فرمایا بس اسی طرح تمام مسائل اور احکام اور علوم میری نظر کے سامنے ہیں لہذا بغیر کسی غور و تامل کے فوراً سوالات کے جوابات دے دیا کرتا ہوں۔

صاحبان انصاف! کیا یہ بے شعوری نہیں ہے کہ محض جانبداری اور بغض و عناد کی بنا پر یہ بے لگام اور بے انصاف معلم ایک اتنی بڑی درس گاہ میں بغیر کسی دلیل و برہان کے ایسی مہمل باتیں کرے اور ناواقف نوجوانوں کو یہ کہہ کر مغالطہ دے کہ ایسا عالم جو سارے علوم کا جامع اور رسول اللہ صلعم کا باب علم تھا وہ اپنے مشکلات میں خلیفہ عمر کی طرف رجوع کرتا تھا؟۔

حضرت علیؑ کی طرف سے معاویہ کا دفاع

اس وقت مجھ کو ایک روایت یاد آ گئی ہے جو مزید ثبوت کے لئے پیش کرتا ہوں۔

ابن حجر مکی جیسے متعصب عالم نے صواعق محرقہ باب ۱۱ مقصد پنجم ص۱۱۱ میں آیت ۱۳ کے ذیل میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبل نے روایت کی ہے، نیز میر سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ میں اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے معاویہ سے کوئی سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ اس کو علیؑ سے پوچھو کیونکہ وہ سب سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ عرب نے کہا کہ میں تمہارے جواب کو علیؑ کے جواب سے زیادہ پسند کرتا ہوں۔ معاویہ نے کہا تو نے بہت بری بات کہی کرهت رجلا کان رسول اللہ یغرہ بالعلم غرا ولقد کان قال لہ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسی الا انہ لا نبی بعدی و کان عمر اذا اشکل علیہ شئی اخذ منہ (یعنی تو نے اس شخص سے کراہت کی جس کو رسول اللہؐ نے علم کی پوری تعلیم دی ہے اور یقینی طور پر جس کے لئے فرمایا ہے کہ تم کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی، سوا اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور عمر جس وقت کسی مشکل میں پھنستے تھے تو اس کا حل علی ہی سے دریافت کرتے تھے)

اسی کو کہتے ہیں کہ الفضل ما شھدت بہ الاعدا (یعنی فضیلت وہی ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔) علی علیہ السّلام کی شان میں آپ کے سب سے بڑے دشمن معاویہ ہی کی شہادت کافی ہے اور اس مقصد کو ثابت کرنے کے لئے یہی کیا کم ہے جس کو عام طور سے آپ کے اکابر علماء نے اپنی معتبر کتابوں میں مثلاً نورالدین بن صباغ مالکی نے فصول المہمہ میں، محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں، امام احمد بن حنبل نے مسند میں، خطیب خوارزمی نے مناقب میں، سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ میں اور دوسروں نے لکھا ہے کہ خلیفہ عمر ابن خطاب نے ستر مرتبہ کہا لولا علی لھلک عمر (یعنی اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا ہوتا) بلکہ صاف صاف اقرار کیا کہ اگر مشکلات اور مصائب میں نیز دشوار مسائل کا جواب دینے کے لئے علی موجود نہ ہوں تو کام نہیں چل سکتا۔ اور اگر علیؑ نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہوگیا ہوتا۔ (ملاحظہ ہو اسی کتاب کا ص) ۔

اپنے عجز اور علیؑ کی مشکل کشائی کے لئے عمر کا اعتراف

نیز نورالدین مالکی نے فصول المہمہ فصل اول کی فصل سوم ص۱۸ میں روایت کی ہے کہ لوگ ایک شخص کو خلیفہ عمر کے پاس لائے اور مجمع کے سامنے اس سے پوچھا کیف اصبحت تم نے کس حال میں صبح کی؟ اس نے کہا اصبحت احب الفتنۃ واکرہ الحق واصدق الیھود والنصاریٰ واؤمن بما لم ارہ واقر بما لم یخلق۔ (یعنی میں نے اس حالت میں صبح کی ہے کہ فتنے کو دوست رکھتا ہوں، حق سے کراہت رکھتا ہوں، یہود و نصاریٰ کی تصدیق کرتا ہوں، بن دیکھی چیز پر ایمان رکھتا ہوں اور جو چیز خلق نہیں ہوئی اس کا اقرار کرتا ہوں) عمر نے حکم دیا

کہ جا کر علی علیہ السّلام کو بلا لاؤ۔ جس وقت امیرالمومنینؑ تشریف لائے تو یہ قضیہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا، اس نے صحیح کہا ہے۔ اس نے جو یہ کہا کہ فتنے کو دوست رکھتا ہوں تو اس سے مال و اولاد مراد ہے، کیونکہ خداوند عالم نے قرآن میں فرمایا ہے انما اموالکم واولادکم فتنۃ (یعنی سوا اس کے نہیں ہے کہ تمہارے اموال و اولاد فتنہ اور ذریعۂ معاش ہیں۔ سورہ ۸ انفال آیت ۲۸)

حق سے کراہت کرنے میں اس کی مُراد موت ہے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے وجاءت سکرۃ الموت بالحق (یعنی موت کی سختی اور بے ہوشی حق و حقیقت کے ساتھ آ پہنچی۔ سورہ ۵۰ (ق) آیت ۱۸)۔ یہود و نصاریٰ کی تصدیق کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم کا ارشاد ہے قالت الیھود لیست النصاریٰ علی شئ وقالت النصاریٰ لیست الیھود علی شئ (یعنی یہود نے کہا کہ نصاریٰ حق پر نہیں ہیں اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود حق پر نہیں ہیں یعنی دونوں فرقے ایک دوسرے کی تکذیب کرتے ہیں لہٰذا یہ عرب کہتا ہے کہ میں دونوں فرقوں کو تصدیق کرتا ہوں یعنی دونوں کی تکذیب کرتا ہوں۔ یہ کہنے کا مقصد کہ بن دیکھی چیز پہ ایمان رکھتا ہوں۔ یہ ہے کہ خدا کی ذات پر ایمان رکھتا ہوں۔ رہا یہ کہنا کہ ایسی چیز کا اقرار کرتا ہوں جو خلق نہیں ہوئی ہے تو اس سے قیامت مراد ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوئی ہے عمر نے کہا اعوذ باللہ من معضلۃ لا علی لھا (میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں اُس مشکل امر سے جس کے لئے علیؑ نہ ہوں)

اسی قضیہ کو بعض علماء نے جیسے محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۵۷ میں دوسرے طریقے سے مزید تفصیل کے ساتھ بروایت حذیفہ بن الیمان خلیفہ عمر سے نقل کیا ہے۔

اس قسم کے مراحل ابوبکر و عمر کے زمانۂ خلافت میں کثرت سے پیش آئے ہیں جن میں ابوبکر و عمر جواب سے عاجز رہے اور علیؑ نے جوابات دئے ہیں۔ خصوصیت کے ساتھ جس وقت علماء یہود و نصاریٰ مادئیں اور نیچری لوگ آتے تھے اور مشکل مسائل دریافت کرتے تھے تو صرف حضرت علیؑ ہی تھے جو ان کی گتھیوں کو حل فرماتے تھے۔

غرضیکہ آپ کے اکابر علماء کے اقرار کے مطابق جیسا کہ بخاری و مسلم نے اپنی صحیحین میں، نیشا پوری نے اپنی تفسیر میں، ابن مغازلی فقیہ شافعی نے مناقب میں، محمد بن طلحہ نے مطالب السئول باب ۴ ص ۱۳ میں ص ۱۸ میں حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے تہذیب التہذیب (مطبوعہ حیدر آباد دکن) ص ۳۳۸ میں، قاضی فضل اللہ بن روزبہان شیرازی نے ابطال الباطل میں، محب الدین طبری نے ریاض النضرہ جلد دوم ص ۸۴ میں، ابن اثیر جزری متوفی ۶۳۰ھ نے اسد الغابہ جلد چہارم ص ۲۲ میں، ابن عبدالبر قرطبی متوفی ۴۶۳ھ نے استیعاب جلد دوم ص ۴۷۴ اور جلد سوم ص ۳۹ میں، ابن کثیر نے اپنی تاریخ جلد ہفتم ص ۳۶۹ میں، ابن قتیبہ دینوری متوفی ۲۷۶ھ نے تاویل مختلف الحدیث (مطبوعہ مصر) ص ۲۰۱ و ص ۲۰۲ میں، محمد بن یوسف گنجی شافعی متوفی ۶۵۸ھ نے کفایت الطالب باب ۵۷ میں، جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص ۶۶ میں، سید مومن شبلنجی نے نورالابصار ص ۷۳ میں، نورالدین علی بن عبداللہ سمہودی متوفی ۹۱۱ھ نے جواہر العقدین میں،

حاج احمد آفندی نے ہدایۃ المرتاب ص۱۲۶ و ص۱۵۲ میں، محمد بن علی الصبان نے اسعاف الراغبین ص۵۲ میں، یوسف سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامہ باب ۶ ص۸۷ میں، ابن ابی الحدید متوفی ۶۵۵ھ نے شرح نہج البلاغہ جلد اول ص۶ میں، مولوی علی قوشجی نے شرح تجرید ص۴۰۷ میں، اخطب الخطباء خوارزمی نے مناقب ص۴۸، ص۶۰ میں، حتیٰ کہ ابن حجر مکی جیسے متعصب متوفی ۹۷۳ھ نے صواعق محرقہ ص۷۸ میں، ابن حجر عسقلانی نے اصابہ جلد دوم ص۵۰۹ میں اور علامہ ابن قیم جوزیہ نے طرق الحکمیہ ص۴۷، ص۵۳ میں ایسے بہت سے واقعات نقل کئے ہیں کہ خلیفہ عمر نے مشکل مراحل و مسائل میں، بالخصوص بادشاہ روم کے سخت و دشوار سوالات میں امیرالمومنین علی علیہ السّلام کی طرف رجوع کیا ہے، یہاں تک کہ یہ بات تقریبًا تواتر کو پہنچ گئی ہے کہ خلیفہ ثانی عمر ابن خطاب نے ایسے متعدد مواقع پر جب کہ علی علیہ السّلام نے مشکلات کو حل کیا ہے اور ان کے جوابات دیئے ہیں بار بار کبھی یہ کہا ہے کہ اعوذ باللہ من معضلۃ لیس فیھا ابو الحسن (یعنی میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں اس دشواری سے جس میں ابو الحسن (علی علیہ السلام) موجود نہ ہوں) کبھی کہتے تھے لولا علی لھلک عمر (یعنی اگر علی نہ ہوتے تو قریب تھا کہ پسر خطاب (عمر) ہلاک ہو جاتے) اس بے خبر اور بے لحاظ معلّم کی تقریر کے برخلاف ابن مغازلی شافعی مناقب میں اور حمیدی جمع بین الصحیحین میں لکھتے ہیں کہ خلفاء تمام مراحل میں علی سے مشورہ کرتے تھے اور دین و دنیا کے امور میں مرکز فتویٰ علی علیہ السّلام تھے۔ خلفاء آپ کے الفاظ اور ہدایات کو توجہ سے سنتے تھے ان پر عمل کرتے تھے اور فائدہ اٹھاتے۔ جیسا کہ مختصر طور پر عرض کیا گیا۔

پس ہر صاحب بصیرت پر ظاہر و آشکار ہے کہ دیگر کمالات اور نصوص و احادیث سے قطع نظر خود یہی منقول قضایا اور احکام و ارشادات جو اُن حضرت سے صادر ہوئے ہیں آپ کی امامت و ولایت اور دُوسروں کے اوپر آپ کے حق تقدم کے لئے دلیل کامل ہیں۔

علیؑ منصب خلافت کیلئے اولیٰ و احق تھے

کیونکہ اعلمیت خود ہی اولویت کی بہت بڑی دلیل ہے، بالخصوص جب کہ اس کے ساتھ دوسرے صفات کمالیہ بھی وابستہ ہوں، چنانچہ سورہ ۱۰ (یونس) کی آیت ۳۶ میں صاف صاف ارشاد ہے افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدیٰ فما لکم کیف تحکمون (یعنی آیا جو شخص حق کی طرف ہدایت کرتا ہے وہ پیروی کا زیادہ حق دار ہے یا وہ شخص ہو جو خود ہی ہدایت نہیں پاتا جب تک دُوسرا اس کو راہ نہ دکھائے؟ پس تم کو کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے حکم لگاتے ہو؟) یعنی جو شخص طریقۂ ہدایت کا عالم ہو قطعًا وہ لوگوں کا حاکم اور رہنما بننے کے لئے اولیٰ اور سب سے زیادہ مستحق ہے نہ کہ وہ شخص جو راہ ہدایت سے جاہل اور اس کا محتاج ہو، کہ

دوسرا اس کی ہدایت و رہنمائی کرے۔ یہ آیۂ شریفہ اس بات کی ایک مضبوط دلیل ہے کہ افضل کے اوپر مفضول کو مقدم کرنا جائز نہیں ہے اور امر خلافت و امامت، دینی و دنیوی ریاست عامہ اور جانشینی رسولؐ بھی اس عقلی قاعدے کے ماتحت ہے، چنانچہ آیت ۱۳ سورہ ۳۹ (زمر) میں استفہام تقریری وانکاری کے طور پر ارشاد ہے ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون (یعنی آیا صاحبان علم و دانش (جیسے علی علیہ السلام) اور جاہل و نادان لوگ برابر ہیں؟ (ہرگز نہیں)

انصاف سے فیصلہ ہونا چاہیئے

حضرات! آپ کو خدا کا واسطہ عادت اور تعصّب کو چھوڑیئے اور منصفانہ فیصلہ کیجئے۔

کیا یہ انصاف تھا کہ ایک ایسی بزرگ ہستی کو جس کا ہر شے کے ظاہری و باطنی حالات پر علمی عبور اظہر من الشمس ہے اور اس پر تمام علمائے فریقین بلکہ غیروں کا بھی اتفاق ہے اور جس کے لئے رسول خداؐ نے وصیتیں فرمائیں تھیں بالکل برطرف کر دیا جائے؟ آیا حضرت کو برطرف کرنے اور آپ سے کنارہ کشی کرنے میں سازشیں اور سیاست کام نہیں کر رہی تھی؟ اگر آپ اُمّت رسولؐ اور صحابہ کبار میں سے کوئی فرد ایسا ڈھونڈھ کر نکال سکتے ہوں جس کو پیغمبرؐ نے اپنا باب علم امام المتقین اور سید المرسلین فرمایا ہو تو امر خلافت میں ضرور اس کو مقدم کیجئے۔ اور اگر سوا علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کے ان بلند صفات کا حامل کوئی دوسرا نہ مل سکے جو بعد رسولؐ سب سے بڑا عالم، اور ساری اُمّت سے زیادہ عابد و زاہد اور متقی و پرہیزگار ہو تو بحکم عقل آپ کو تصدیق کرنا ہو گا کہ علی امام برحق، رسول اللہ کے وصی اور خلیفہ اور تمام اُمّت سے زیادہ اس بزرگ منصب کے لائق تھے اور ہیں اور قطعاً ایسی بلند شخصیّت کا محروم اور الگ کر دیا جانا محض سیاسی داؤں پیچ کا نتیجہ تھا۔

شیخ ۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے جو علمی و عملی فضائل و مناقب جناب نے بیان کئے ان پر سب کو اتفاق ہے اور سوا چند ہٹ دھرمی اور تعصب و عناد سے کام لینے والے جاہل خارجیوں کے کسی نے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا ہے لیکن یہ بھی مسلّم ہے کہ سیّدنا علی نے خود ہی برضا و رغبت خلفاء رضی اللہ عنہم کی خلافت کو قبول کیا اور ان کے مرتبے کی برتری اور حق تقدم کو مان لیا، لہٰذا ہم کو کیا پڑی ہے کہ بقول آپ کے مدعی سست و گواہ چست کے مصداق بنیں اور تیرہ سو سال کے بعد غم و غصّہ دکھائیں اور آپس میں لڑیں کہ اجماع اُمّت نے ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو کیوں پسند کیا اور علی پر کیوں مقدم رکھا؟

کیا قباحت ہے اگر ہم لوگ آپس میں صلح و صفائی کے ساتھ رہیں اور جس چیز کی تاریخ نے خبر دی ہے اور جس کی آپ کے علماء بھی عام طور پر تصدیق کرتے ہیں کہ رسول خدا کے بعد ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم یکے بعد دیگرے مسند خلافت پر بیٹھے، ہم بھی برادرانہ طریقے سے آپس میں علی کرم اللہ وجہہ کے مرتبے کی برتری، علمی و عملی افضلیت اور رسول اللہ کے ساتھ

آپ کی قرابت کا لحاظ رکھتے ہوئے ایک دُوسرے کے ساتھ عملی تعاون کریں اور جس طرح ہمارے چاروں مذاہب باہم متحد ہیں اسی طرح شیعہ مذہب بھی اتحاد رکھے۔؟

ہم سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کے علم و عمل کی عظمت سے قطعاً انکار نہیں کرتے لیکن آپ خود تصدیق کریں گے کہ سن کی بزرگی، سیاسی سوجھ بوجھ، ہوشیاری اور دشمنوں کے مقابل تحمل و بردباری کی حیثیت سے یقیناً ابوبکر رضی اللہ عنہ مقدم تھے اور اسی وجہ سے اجماع اس کے ذریعے مسند خلافت پر متمکن ہوئے، کیونکہ علی کرم اللہ وجہہ ابھی نوعمر جوان تھے اور خلافت کی قدرت و طاقت نہیں رکھتے تھے، چنانچہ پچیس سال کے بعد بھی جب خلیفہ ہوئے تو سیاست نہ جاننے کی وجہ سے اس قدر خونریزیاں اور ساری یاں برپا ہوئے۔

خیر طلب۔ آپ نے کئی جملے ایک دُوسرے سے ملا کر ارشاد فرمائے لہٰذا ضرورت ہے کہ اپنی تیار کی ہوئی اس یادداشت کی رُو سے ہر ایک کو الگ الگ کر کے جواب عرض کرو۔

راہزن اور زوّار کی مِثل

اول آپ نے فرمایا ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام نے اپنی خواہش و رغبت سے سر تسلیم خم کیا اور خلفائے ثلاثہ کی خلافت پر راضی ہوئے اس مقام پر مجھ کو ایک واقعہ یاد آگیا جس کو مثال کے طور پر پیش کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے سابق زمانے میں جب ایران کے راستوں اور گزرگاہوں میں بدامنی پھیلی ہوئی تھی اور زائرین عتبات عالیات کو آمدورفت میں سخت زحمت پیش آتی تھی، زائرین کا ایک قافلہ واپسی میں رہزنوں کے چنگل میں پھنس گیا۔ وہ لوگ ان کو گرفتار کر کے اور ان کا مال و متاع لوٹ کے آپس میں تقسیم کر رہے تھے کہ اتنے میں کسی زائر کا ایک عدد کفن ایک بوڑھے قزّاق کے ہاتھ میں پڑا، اس نے کہا حضرات زائرین یہ کفن کس کا ہے؟ زائر نے کہا میرا ہے۔ لیٹرے نے کہا میرے پاس کفن نہیں ہے لہٰذا یہ کفن مجھ کو بخش دو تاکہ حلال ہو جائے۔ زائر نے کہا میرا سارا مال تمہارا لیکن یہ کفن مجھ کو واپس کر دو کیونکہ میری زندگی کا آخری زمانہ ہے اور میں نے اپنا یہ لباس آخرت بڑی زحمت سے مہیا کیا ہے۔ یہ میری تمناؤں کا سرمایہ ہے۔ قزاق نے ہر چند اصرار کیا لیکن زائر نے یہی کہا کہ میں اپنا یہ حق کسی کو نہیں بخشوں گا۔ لیٹرے نے تازیانہ نکال کے زائر کے سر اور چہرے پر مارنا شروع کیا اور کہا کہ میں یہاں تک ماروں گا کہ تم مجھ کو یہ کفن بخش دو اور کہہ دو کہ حلال ہے۔ بیچارے بوڑھے کو اس قدر مارا کہ وہ بے بس ہو کر چیخنے لگا، جناب، حلال، حلال، حلال، ماں کے دودھ سے بھی زیادہ حلال (حاضرین جلسہ کا قہقہہ)

یقین ہے کہ آپ معاف فرمائیں گے کیونکہ مثل میں کوئی عیب نہیں ہے اور اس کا مقصد صرف دماغوں کو متوجہ کرنا اور مطلب کی وضاحت ہوا کرتا ہے۔ آپ حضرات گویا گزشتہ راتوں کے بیانات بالکل بھول ہی گئے جن میں میں نے مضبوط

تاریخی دلائل اور ابن ابی الحدید، جوہری، طبری، بلاذری، ابن قتیبہ اور مسعودی وغیرہ کے ایسے آپ کے اکابر علماء کی شہادتوں کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے گھر پر آگ لے گئے آپ کو ننگے سر اور بغیر ردا کے جبراً کھینچتے ہوئے مسجد میں لے گئے اور آپ کے سامنے برہنہ تلوار کھینچ کر کہا بیعت کرو ورنہ تمہاری گردن ماردیں گے۔

خدا کے لئے انصاف سے بتایئے، کیا رضا و رغبت کے معنی یہی ہیں؟ اگر شور و غل اور ہنگامہ و فساد برپا کرکے، گھر میں آگ لگا کے، ضرب شمشیر کے زور سے اور قتل کی دھمکی دے کر بجبر بیعت لینے ہی کا مطلب اپنی خواہش اور رضامندی سے بیعت کرنا ہوتا ہے تو پھر جبر و اکراہ اور زبردستی کی بیعت کیسی ہوتی ہے؟

انشاء اللہ گھر واپس جانے کے بعد اگر آپ رسائل و اخبارات کے صفحات نگاہ انصاف سے پڑھیں گے اور گذشتہ شبوں میں ہم نے مکرر جو دلائل پیش کئے ہیں اُن پر غور کریں گے تو قطعی طور پر تصدیق کریں گے کہ رضا و رغبت کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آسی قزاق کی طرح مار مار کے زبردستی ہم سے کہلا لیجئے کہ ہاں راضی تھے۔

دوسرے آپ نے فرمایا ہے کہ ہم کو کیا پڑی ہے کہ تیرہ سو سال کے بعد اس مسئلے پر غور کریں اور آپس میں لڑائی جھگڑا کریں۔ تو اوّل تو ہم نے کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں کیا ہے اور نہ ایسا کریں گے بلکہ حملوں اور اعتراضات کے جواب میں مجبوراً دفاع سے کام لیتے ہیں۔ یہ حضرات اہل سنّت ہی ہیں جو ہم شیعوں کی جان کو اٹکے ہوئے ہیں اور ہماری جان و مال کو مباح سمجھتے ہیں۔ جس وقت وہ ناواقف عوام کے سامنے ہم کو مشرک، کافر اور بدعتی کہہ کے غلط فہمی پھیلاتے ہیں تو ہم بھی مجبوراً مقابلے پر آکے ثابت کرتے ہیں کہ ہم مشرک اور کافر نہیں ہیں بلکہ مومن اور موحد خالص ہیں اور اپنے اس پاکیزہ عقیدۂ توحید پر فخر کرتے ہیں۔

دین کا اندھا سودا نہ کرنا چاہیئے

دوسرے میں قبل کی راتوں میں عرض کر چکا ہوں کہ دینی عقائد تقلیدی نہیں ہوتے ہیں کہ جیسا تاریخ بتا رہی ہے خلفائے اربعہ جس طریقے سے کہ آپ نے بیان کیا جب حاکم بن گئے تو ہم بھی آنکھ بند کرکے اسلاف کے عادات اور طریقوں کے پابند ہو کر سر تسلیم خم کر دیں۔ حالانکہ عقلی و نقلی دلیلوں سے بالکل ثابت و محقق ہے کہ اصول عقاید کو تقلیدی نہیں بلکہ تحقیقی ہونا چاہیئے میں پھر عرض کرتا ہوں کہ جب ہمارے اور آپ کے اور جمہور اُمّت کے مورخین یہ لکھ چکے ہیں کہ وفات رسول کے بعد امّت دو گروہوں میں بٹ گئی، ایک فرقہ کہتا تھا کہ ابو بکر کی پیروی کرنا چاہیئے اور ایک جماعت کا قول کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے، اور جب رسول اللہ مسلمانوں سے حضرت علیؑ کے لئے بیعت لے چکے ہیں اور یہ فرما چکے ہیں کہ علیؑ کی اطاعت میری اطاعت ہے۔ اور علی کی مخالفت میری مخالفت ہے تو آں حضرت کے حسب الحکم علی علیہ السّلام کی اطاعت و پیروی فرض ہے۔ ہماری

اور آپ کی ہر فرد کا یہ فریضہ ہے کہ طرفین کی دلیلیں سُننے اور جانچ پڑتال کرے، اس کے بعد جو طریقہ حق نظر آئے اس کی پیروی کرے۔ اور یقیناً برحق طریقہ وہی ہے جس پر عقلی و نقلی اور منطقی دلائل قائم ہوں۔

میں نے اپنا مذہب تحقیق کے ذریعے قبول کیا ہے

آپ سمجھ رہے ہیں کہ میں نے اپنے اسلاف اور آباء اجداد کی تقلید میں شیعہ مذہب کو اندھا دھند محض عادتاً قبول کرلیا ہے لیکن خدا کی قسم ایسا نہیں ہے بلکہ جب سے میں نے عقل و تمیز حاصل کی برابر راہِ حق کی جستجو میں رہا۔ پہلے ذات وحدہٗ لاشریک کی معرفت میں غور و خوض کرتا رہا اور مادیین اور دوسرے فرقوں کے عقائد کا مطالعہ کیا یہاں تک کہ بحمداللہ خالص توحید کے عقیدے پر قائم ہوا، پھر انبیاءؑ کی رسالتوں اور دیگر بانیان مذاہب کی تبلیغ کے طریقوں کا جائزہ لیا۔ ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے علاوہ ہر قوم کے علماء سے مناظرے اور مباحثے کئے اور کافی تحقیقات کی، یہاں تک کہ بالآخر مجھ پر مقدس دین اسلام کی حقانیت ثابت ہوگئی اور میں نے اپنے جدّامجد حضرت رسول خدا محمد بن عبداللہ علیہ وآلہ وسلم کو دلیل و برہان کے ساتھ خاتم الانبیاءؑ مانا اسی طرح بعد پیغمبر کے طریقے میں اپنے اسلاف اور آباؤ اجداد کی اندھی تقلید نہیں کی بلکہ فریقین (شیعہ و سنّی) کے دلائل کی باریک بینی اور غیر جانب داری کے ساتھ جانچ کی اور اہل خلاف کی صدہا کتابوں کا گہرا مطالعہ کیا۔ میں خدا کو گواہ کرکے کہتا ہوں کہ میں نے امیرالمومنین حضرت علی علیہ السّلام کی حقیقت ولایت و خلافت کو عاقلانہ غور و فکر کے ساتھ بڑے بڑے علماء اہل سنّت کی معتبر کتابوں سے اخذ کیا ہے۔ اور منصب امامت و خلافت کے سلسلے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اس بارے میں جس قدر سنّی علماء کی خاص خاص کتابوں کا مطالعہ کیا ہے اتنا شیعہ علماء کی کتابوں پر غور نہیں کیا۔ اس لئے کہ اثبات امامت میں جو دلیلیں علمائے شیعہ کی کتابوں میں درج ہیں وہ اکابر علمائے اہل سنت کی کتابوں میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ آپ حضرات آیات و اخبار کے دلائل کا سطحی مطالعہ کرتے ہیں، لیکن ہم گہری نظر ڈالتے ہیں آپ کے علماء اپنے بزرگوں کی پیروی میں ہر آیت اور حدیث کی جو حضرت امیرالمومنین علیہ السّلام کے ثبوت میں نصّ صریح ہے مضحکہ انگیز تاویلیں کرکے اس کو ایک فرضی مطلب پر محمول کرتے ہیں۔ حالانکہ جو شخص بھی بڑے بڑے سنّی علماء کی کتابوں کا غائر مطالعہ کرے وہ ہماری طرح بے اختیار کہہ اٹھے گا کہ اشھد انّ علیا ولیّ اللہ وخلیفۃ رسولہ وحجتہ علی خلقہ۔

تیسرے آپ کا ارشاد ہے کہ بہتر یہ ہے کہ ہم مورخین کے بیان کی پابندی کرتے ہوئے ابوبکر، عمر اور عثمان کو علی علیہ السّلام پر مقدم سمجھیں، تو یہ عمل عقلی و نقلی قواعد کے رو سے غیر ممکن ہے۔ کیونکہ انسان کو حیوان کے مقابلے میں عقل و علم اور غور و فکر ہی کی قوتوں سے امتیاز ہے، اور آنکھ بند کرکے اسلاف کی پیروی نہیں کی جاسکتی۔

مثلاً اگر کسی عالم اور فقیہ کا انتقال ہو جائے اور چند بازاری لوگ جمع ہو کر ایک جاہل محض یا لسّان آدمی کو اس کی جگہ بٹھا کر اس کے علم و فقہ کا ڈنکا پیٹنے لگیں تو کیا تمام انسانوں کا فرض ہو جائے گا کہ اس فقیہ نما جاہل یا لسّان شخص کی تقلید کریں؟ خصوصاً اگر تحقیق اور امتحان کے موقع پر یہ ثابت ہو جائے کہ فقاہت کی مسند پر بیٹھنے والا اس علم سے بالکل کورا ہے تو عقل و نقل کے حکم سے اس کی تقلید قطعاً حرام ہے کیونکہ عالم کی موجودگی میں جاہل کو مقدم کرنا جائز نہیں ہے۔

پس جب علاوہ صریحی نصوص کے آپ کے اکابر علماء کی روایتوں اور قاعدوں کی رُو سے علی علیہ السّلام کا علمی حق ثابت ہو گیا تو امر خلافت میں بھی آپ کا حق محفوظ اور عقل و نقل کے نزدیک مسلّم ہے اور باب علم رسول ہونے کے بعد آپ سے انحراف عقلی و نقلی دونوں حیثیتوں سے مذموم ہے۔

البتہ تاریخی واقعات کی حیثیت سے ہم تصدیق کرتے ہیں کہ وفاتِ رسولؐ کے بعد ابوبکر دو سال تین ماہ پھر عمر دس سال اور ان کے بعد عثمان بارہ سال کی مدّت تک مسند خلافت پر بیٹھے اور ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں کچھ کام انجام دیئے لیکن یہ تمام باتیں عقل و نقل اور دلیل و برہان کو منسوخ نہیں کرتی ہیں جس سے ہم باب علم رسولؐ حضرت علی علیہ السّلام کو واقعی اور حقیقی طور پر ان سے موخر سمجھ لیں۔ کیونکہ اکابر علماء جیسے شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت باب ۳۷ صٓ۱۱۲ میں سورہ ۳۷ (صافات) کی آیت ۲۴ وقفوھم انھم مسئولون (یعنی ان لوگوں کو (موقف حساب میں) ٹھہراؤ کیونکہ یقیناً ان سے بازپرس کی جائے گی) کے ذیل میں فردوس دیلمی، ابونعیم اصفہانی، محمد ابن اسحاق مطلبی صاحب کتاب مغازی، حاکم، حموینی، خطیب خوارزمی اور ابن مغازلی سے، جن میں سے بعض نے ابن عباس سے، بعض نے ابوسعید خدری سے اور بعض نے ابن مسعود سے اور ان سب نے حضرت رسولِ اکرم صلعم سے نقل کیا ہے کہ انھم مسئولون عن ولایۃ علی ابن ابی طالب یعنی ان لوگوں سے ولایت علی علیہ السّلام کا سوال کیا جائے۔

نیز سبط ابن جوزی نے تذکرہ خواص الامہ صٓ۱۰ میں اور محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۶۲ میں ابن جریر سے اور انہوں نے ابن عباس سے اسی آیت کے ذیل میں روایت کی ہے کہ اس سے علی علیہ السلام کی ولایت مُراد ہے۔

اطاعت علیؑ کے لیئے پیغمبرؐ کا حکم

علاوہ ان چیزوں کے خداوند عالم آیت ۷ سورہ ۵۹ (حشر) میں حکم دے رہا ہے کہ وما اتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا (یعنی جو کچھ رسول اللہ نے تمہارے سپرد کیا ہے بلا تاخیر اس کو قبول کرو اور جس چیز سے منع کیا ہے اُس سے بلا پس و پیش باز رہو)

لہذا مسلمان مجبور ہیں کہ رسول خدا نے جو حکم دیا ہے اس کی اطاعت کریں اور جب ہم آن حضرتؐ کی ہدایات کی طرف توجہ کرتے ہیں تو جیسا کہ آپ کی معتبر کتابوں میں درج ہے، ہم کو نظر آتا ہے کہ رسول اللہؐ نے ساری اُمّت میں سے صرف علی علیہ السلام کو اپنا باب علم فرمایا ہے اور آپ کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ بلکہ آپ کی اطاعت کو اپنی اطاعت سے وابستہ قرار دیا ہے۔

چنانچہ امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، امام الحرم نے ذخائر العقبیٰ میں، خوارزمی نے مناقب میں، سلیمان حنفی نے ینابیع المودۃ میں اور محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب میں، نیز دیگر علمائے نے نقل کیا ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا معشر الانصار الا ادلکم علی ما ان تمسکتم به لن تضلوا بعدی ابدًا قالوا بلیٰ قال هٰذا علیّ فاحبّوه واکرموه واتبعوه انه مع القرآن والقرآن معه انه یهدیکم الی الهدیٰ ولا یدلکم علی الردی فان جبرائیل اخبرنی بالذی قلته (یعنی اے جماعت انصار کیا میں تم کو ایسی چیز کی طرف ہدایت نہ کروں کہ اگر تم اُس سے تمسک اختیار کرو تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں فرمایئے آن حضرتؐ نے فرمایا۔ یہ علیؑ ہیں پس ان کو دوست رکھو، ان کی تعظیم و تکریم کرو اور ان کی پیروی کرو۔ کیونکہ یقیناً یہ قرآن کے ساتھ ہیں اور قرآن ان کے ساتھ ہے۔ لازمی طور پر یہ تم کو راہِ ہدایت کی طرف لے جائیں گے اور ہلاکت میں نہ پھنسائیں گے۔ اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے، حقیقتاً جبرئیل نے مجھ کو اس کی خبر دی ہے) نیز آپ ہی کے اکابر علماء نے یہ روایت ہم تک پہنچائی ہے، جیسا کہ گذشتہ کسی شب میں مع اسناد کے عرض کر چکا ہوں کہ رسول اکرم صلعم نے عمار یاسر سے فرمایا ان سلک الناس کلهم وادیا وسلک علی وادیا فاسلک وادی علیّ وخلّ عن الناس (یعنی اگر سارے انسان ایک طرف جائیں اور علیؑ ایک طرف، تو علیؑ کے راستے پر چلو اور لوگوں کا ساتھ چھوڑ دو۔

اور مختلف مقامات اور مختلف اوقات میں بارہا ارشاد فرمایا ہے ومن اطاع علیًا فقد اطاعنی ومن اطاعنی فقد اطاع الله (یعنی جس نے علیؑ کی اطاعت کی اس نے درحقیقت میری اطاعت کی اور جس نے میری اطاعت کی جس کو میں گذشتہ راتوں میں اسناد کے ساتھ تفصیل سے پیش کر چکا ہوں۔

اس قسم کی حدیثیں آپ کی معتبر کتابوں میں بھری پڑی ہیں اور تواتر معنوی کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں کہ آں حضرتؐ نے اس کا حکم دیا ہے کہ علیؑ کے پیرو بنو، علیؑ کے راستے پر چلو اور دوسروں کا راستہ ترک کرو۔ لیکن اس کے برعکس آپ کی کتابوں میں ایک حدیث بھی ایسی نظر نہیں آئی جس میں رسولِ خدا نے فرمایا ہو کہ میرے بعد راہ ہدایت کے رہبر یا میرے باب علم اور میرے وصی و خلیفہ ابوبکر یا عمر یا عثمان ہیں۔ اگر آپ نے کچھ حدیثیں ایسی دیکھی ہوں جو موضوع (یک طرفہ اور بکری و اموی گروہوں کی گڑھی ہوئی نہ ہوں تو مہربانی کر کے ان کا پتہ دیجئے میں انتہائی ممنون ہوں گا۔

اس صورتِ حال کے باوجود آپ کہتے ہیں کہ ہم علی علیہ السلام کو جو بارشاد رسول آن حضرت کے باب علم، ہادی برحق

اور پیغمبر کے وصی و خلیفہ ہیں چوتھے درجے میں رکھیں آں حضرت نے آپ کی اطاعت و متابعت اور پیروی کے لئے جس قدر تاکیدی احکام صادر فرمائے ہیں اور جن سے آپ کی کتابیں پُر ہیں ان سب سے چشم پوشی کر کے بھیڑ یا دھسان تاریخی عمل درآمد کر کے پیچھے لگ جائیں، اور اُن اشخاص کی پیروی کریں جن کے بارے میں متفق علیہ احادیث کے اندر رسولؐ اللہ کی کوئی ہدایت موجود نہیں ہے۔ آیا یہ ہر ممکن ہے؟ اور اگر ہم اس راستے پر چلیں تو کیا عقل و نقل کے سامنے ہمارا مضحکہ نہ اُڑے گا؟ اور خدا کے یہاں ہم سے باز پرس نہ ہوگی؟ آیا آپ کی بات پر عمل کر کے ہم رسولؐ اللہ اور آں حضرتؐ کے احکام کی مخالفت میں گرفتار نہ ہو جائیں گے؟ ان امور کا فیصلہ ہم آپ حضرات کے شعور اور جذبۂ انصاف پر چھوڑتے ہیں۔

علمائے اہلِ سُنّت ہم سے ہم آہنگی نہیں چاہتے

چوتھے آپ نے فرمایا ہے کہ مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، حنبلی اور شافعی) کے مانند ہم بھی آپ کے ساتھ مل کے رہیں، تو یہ بھی ہونے والا نہیں ہے، کیوں کہ آپ لوگ بغیر کسی برہان و دلیل کے شیعوں اور عترت اور اہل بیت رسول کے پیروؤں پر تہمت و افترا کر کے ان کو رافضی، مشرک اور کافر کہتے ہیں اور بدیہی چیز ہے کہ مشرک اور مومن کے درمیان حقیقی اتحاد ممکن نہیں ورنہ تمام حنفی، مالکی، حنبلی اور شافعی برادران اہل سنّت کے ساتھ اتحاد و اتفاق رکھنے اور عملی تعاون کرنے کے لئے ہم دل سے تیار ہیں، البتہ شرط یہ ہے کہ استدلال کے ساتھ مذہبی عقائد اور حقائق کو واضح کرنے میں ہم اور آپ سب آزاد رہیں اور ایک دوسرے کی کوئی مزاحمت نہ کریں۔ جس طرح چاروں مذاہب کے پیرو اپنے عمل میں آزاد ہیں اسی طرح عترت پیغمبرؐ کا اتباع کرنے والے شیعہ بھی اپنے اعمال میں آزاد رہیں لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کے مذاہب اربعہ کے اندر اس قدر شدید اختلافات موجود ہیں کہ بعض لوگ ایک دوسرے کو کافر و فاسق تک کہتے ہیں، پھر بھی آپ ان سب کو مسلمان سمجھتے اور عمل کی آزادی دیتے ہیں، لیکن بیچارے شیعوں کو مشرک اور کافر کہہ کے جماعت مسلمین سے نکال باہر کرنے اور عمل و عبادت کی آزادی اُن سے چھین لیتے ہیں۔ ایسی صورت میں اتحاد و موافقت کی کیا اُمید ہو سکتی ہے؟

خاک پر سجدہ کرنے سے اختلاف

اب یہی دیکھئے کہ خاک پر سجدہ کرنے کے سلسلے میں آپ کس قدر ہنگامہ اور انقلاب برپا کرتے ہیں کہ خاک اور تربت کو عوام کی نگاہوں میں بت ثابت کرتے ہیں اور موحّد و خدا پرست شیعوں کو بت پرست کہتے ہیں حالانکہ ہم خدا و رسولؐ کے حکم اور اجازت سے خاک پر سجدہ کرتے ہیں، اس لئے کہ قرآن مجید کی آیتوں میں سجدے کا حکم دیا گیا ہے اور آپ خود

جانتے ہیں کہ سجدے کا مطلب ہے پیشانی زمین پر رکھنا۔ البتہ ہمارے اور آپ کے درمیان سجدے کے طریقے میں اختلاف ہے کہ کس چیز پر سجدہ کرنا چاہیئے۔

شیخ۔ پھر آپ تمام مسلمانوں کے مانند کس لئے سجدہ نہیں کرتے تاکہ اختلاف پیدا نہ ہو اور یہ بدظنی ختم ہو جائے۔

خیر طلب۔ سب سے پہلے تو یہی بتایئے کہ آپ یعنی حنفی حضرات فروعات بلکہ اصول میں بھی شافعیوں، مالکیوں اور حنبلیوں سے آخر اس قدر اختلاف کیوں رکھتے ہیں کہ کبھی کبھی ایک دوسرے کو فاسق فاجر اور کافر کہنے کی بھی نوبت آجاتی ہے؟ بہتر ہوگا کہ سب مل کر آپس میں ایک عقیدہ پیدا کیجئے تاکہ یہ اختلافات پیدا نہ ہوں۔

شیخ۔ بات یہ ہے کہ فقہاء کے فتاوی میں اختلاف ہے اور ہم میں سے جو فرقہ امام شافعی، امام اعظم، امام مالک اور امام احمد حنبل رضی اللہ عنہم میں سے جس فقیہ کی پیروی کرے اس کو اجر و ثواب حاصل ہوگا۔

تاثر کے ساتھ اعلان حقیقت

خیر طلب۔ آپ خدا کی قسم انصاف کیجئے کہ جن فقہائے اربعہ کی پیروی پر سوا علم و دانش اور احکام "بلیبرس" کی کورکورانہ "تقلید کے (جیسا کہ علامہ مقریزی نے خطط میں نقل کیا ہے) اور کوئی دلیل موجود نہ ہو ان کا اتباع تو اجر و ثواب رکھتا ہو (چاہے اصول و فروع میں ان کے درمیان کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو) لیکن وہ آئمہ عترت طاہرہ اور اہل بیت رسالت جن کے علم و دانش اور فقہ و تقویٰ کے اعلیٰ مدارج پر خود آپ کے اکابر علماء بھی ایمان رکھتے ہیں اور علاوہ اس کے ان مقدس ہستیوں کے بارے میں حضرت رسول خدا صلعم کے صریحی نصوص و احادیث یہ ثابت کر چکے ہیں کہ یہ حضرات عدیل قرآن ہیں اور ان کی متابعت میں نجات اور مخالفت میں ہلاکت ہے، ان کی اطاعت و پیروی شرک اور کفر بن جائے؟ پس آپ کو تصدیق کرنا چاہیئے کہ یہ مخالفتیں باہمی اختلافات کی بنا پر نہیں ہیں بلکہ عترت و اہل بیت طاہرین علیہم السلام سے بغض و نفرت رکھنے کی وجہ سے ہیں اور یہ اس وقت تک دور نہیں ہو سکتیں جب تک نفس کو اخلاق رذیلہ اور صفات ذمیمہ سے پاک اور دل کو بغض حسد اور کینے سے صاف کر کے اس میں انصاف کا جذبہ نہ پیدا کیا جائے ورنہ آپ کے مذاہب اربعہ کے درمیان تو اصول اور طہارت سے لے کر دیات و قصاص تک جملہ فروعی احکام کے اندر اس قسم کے اختلافات کثرت سے موجود ہیں، باوجودیکہ آپ کے فقہاء اور آئمہ اربعہ کے اکثر فتوے قرآن مجید کی نص صریح کے خلاف ہیں پھر بھی آپ ان فتوے دینے والوں اور ان پر عمل کرنے والوں سے کوئی بدظنی نہیں رکھتے، لیکن جماعت شیعہ کو جو بحکم قرآن مجید پاک مٹی پر سجدہ کرتی ہے مشرک، کافر اور بت پرست کہتے ہیں۔

شیخ۔ کس مقام پر فقہائے اہل سنت اور آئمہ اربعہ رضی اللہ عنہم نے قرآن مجید کے خلاف فتویٰ دیا ہے؟ اگر یہ محض زبانی

باتیں نہیں ہیں بلکہ کچھ حقیقت ہے تو مہربانی کرکے بیان فرمائیے۔

خیر طلب۔ اکثر مسائل میں نص صریح بلکہ جمہور امت کے برخلاف حکم دیا گیا ہے جن کی پوری تفصیل پیش کرنے کا وقت نہیں ہے۔ قطع نظر اس سے کہ خود آپ ہی کے علماء نے چاروں مذاہب کے درمیان اختلافی مسائل پر کافی کتابیں لکھی ہیں، بہتر ہوگا کہ آپ شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد ابن حسن ابن علی طوسی قدس سرہ کی عظیم المرتبت کتاب "مسائل الخلاف فی الفقہ" کا مطالعہ فرمائیے جس میں انہوں نے فقہائے اسلام کے سارے اختلافات کو باب طہارت سے لے کر آخر باب دیات تک بغیر کسی تعصب اور جانب داری کے جمع کرکے اہل علم کے سامنے رکھ دیا ہے۔ ان سب کو نقل کرنا تو ممکن نہیں ہے لیکن نمونے اور مطلب کو صاف کرنے کے لئے تاکہ حضرات اہل جلسہ کو یہ معلوم ہو جائے کہ نہ ہم زبانی باتیں کرتے ہیں اور نہ غلط الزامات عائد کرتے ہیں مختصر طور پر ایک مسئلے کی طرف اشارہ کرتا ہوں، جس سے ظاہر ہو جائے گا کہ اسی کے اندر قرآن مجید کی نص صریح کے برخلاف فتوےٰ دیا گیا ہے۔

شیخ۔ فرمائیے، کون سا مسئلہ ہے جس میں برعکس فتویٰ دیا گیا ہے؟

پانی نہ ہو تو غسل و وضو کے بدلے تیمم کرنا چاہیئے

خیر طلب۔ آپ حضرات خود جانتے ہیں کہ باب طہارت کا یہ ایک مسلمہ مسئلہ ہے کہ غسل اور وضو مستحق ہو یا واجب، خالص پانی سے ہونا چاہیئے۔ آیت ۸ سورہ ۵ (مائدہ) میں ارشاد ہے اذا قمتم الی الصّلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق (یعنی جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے چہروں کو اور ہاتھوں کو مع کہنیوں کے دھوؤ) مطلب یہ کہ پاک و خالص پانی سے وضو کرو، اور جس موقع پر ایسا پانی دستیاب نہ ہو تو آیت ۴۶ سورہ ۴ (نسا) میں حکم ہوتا ہے فلم تجدوا ماءً فتیمموا صعیداً طیّباً فامسحوا بوجوھکم وایدیکم۔ یعنی اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی پر تیمم کرو پس اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرو) لہٰذا خاک پاک سے تیمم کرنا چاہیئے ان دونوں صورتوں کے علاوہ کوئی تیسرا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ پہلے درجے میں وضو کے لئے پانی ضروری ہے اور دوسرے درجے میں جب پانی نہ ملے یا کوئی اور مانع ہو تو سفر میں ہو یا حضر میں اس کے عوض پاک مٹی سے تیمم فرض ہے۔ اور اس حکم میں سارے فقہائے اہل اسلام متفق ہیں چاہے وہ شیعہ اثنا عشری جماعت کے ہوں یا مالکی، شافعی اور حنبلی۔

ابوحنیفہ کا فتویٰ کہ مسافر کو پانی نہ ملے تو نبیذ سے غسل و وضو کرے

لیکن آپ کے امام اعظم ابوحنیفہ (جن کے اکثر فتوے قیاس یعنی بے سوادی کی بنیاد پر ہیں) حکم دیتے ہیں کہ سفر میں اگر پانی نہ ملے تو نبیذ خرما سے غسل اور وضو کیا جائے۔ حالانکہ سبھی جانتے ہیں کہ نبیذ ایک ایسی رقیق چیز ہے جس میں خرمے وغیرہ کا عرق شامل ہوتا ہے اور مضاف شئے سے وضو کرنا جائز نہیں ہے پس یہ دیکھتے ہوئے کہ قرآن مجید نے نماز کے لئے خالص اور پاک پانی کو اور پانی نہ ملنے کی صورت میں پاک مٹی سے تیمم کو ذریعۂ طہارت قرار دیا ہے، جب امام اعظم ابوحنیفہ نے نبیذ سے غسل و وضو کا فتویٰ دیا تو یہ یقیناً ایک حکم صریح اور کھلی ہوئی نص قرآنی کی مخالفت ٹھہری۔ درآنحالیکہ بخاری نے اپنی صحیح میں ایک باب کا عنوان ہی یہ رکھا ہے کہ لا یجوز الوضوء بالنبیذ والمسکر (یعنی نبیذ اور نشے والی چیز سے وضو جائز نہیں۔

حافظ - باوجودیکہ میں امام شافعی رضی اللہ عنہ کے مذہب پر ہوں اور آپ کے بیان سے پورے طور پر متفق ہوں کہ اگر پانی نہ ہو تو تیمم کرنا چاہیئے اور ہمارے مذہب میں نبیذ سے طہارت جائز نہیں ہے لیکن میرا خیال ہے کہ یہ فتوے صرف شہرت کی بنا پر امام ابوحنیفہ رضی اللہ سے منسوب ہو گیا ہے۔

خیر طلب - قطعاً جناب عالی نے اصل حقیقت سے واقف ہونے کے بعد یہ عذر بار د پیش کیا ہے ورنہ یہ فتویٰ امام ابوحنیفہ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے چنانچہ فی الحال اس قدر میرے پیش نظر ہے کہ فخرالدین رازی تفسیر مفاتیح الغیب جلد سوم ص۵۵۳ میں بسلسلۂ آیت تیمم (سورہ مائدہ) مسئلہ پنجم میں کہتے ہیں قال الشافعی رحمہ اللہ لا یجوز الوضوء بنبیذ التمر وقال ابوحنیفہ رحمہ اللہ یجوز ذالک فی السفر (یعنی شافعی نے کہا ہے کہ وضو نبیذ خرما سے جائز نہیں اور ابوحنیفہ کا قول ہے کہ یہ سفر میں جائز ہے۔)

نیز بہت بڑے فلسفی ابن رشد نے ہدایۃ المجتہد میں ابوحنیفہ کے اس فتوے کو نقل کیا ہے۔

شیخ - آپ کیونکہ فرما رہے ہیں کہ نص کے خلاف فتویٰ دیا ہے، حالانکہ بعض روایتیں صراحت کے ساتھ رسول خدا کے عمل سے اس کو ثابت کرتی ہیں؟

خیر طلب - ہو سکتا ہے۔ اگر ان میں سے کوئی روایت نظر میں ہو تو بیان فرمایئے۔

شیخ - من جملہ ان کے ایک روایت ہے جس کو عمرو بن حریث کا غلام ابو زید عبداللہ ابن مسعود سے نقل کرتا ہے کہ ان رسول اللہ قال لہ فی لیلۃ الجن عندک طہور قال لا الّا شئ من نبیذ فی اداوۃ قال تمرۃ طیبۃ وماء طہور فتوضا کہ (یعنی رسول خدا صلعم نے لیلۃ الجن میں اس سے فرمایا کہ تمہارے پاس پانی

ہے ؟ اس نے کہا نہیں، البتہ ظرف آب میں صرف تھوڑی سی نبیذ ہے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا خرما بھی پاک اور پانی بھی پاک یہ کہہ کر آپ نے وضو فرما لیا۔

اور ایک دوسری روایت ہے کہ عباس ابن ولید ابن صبیح الحلال دمشقی نے مران بن محمد طاہری دمشقی سے، اس نے عبداللہ بن لہیعہ سے، اس نے قیس بن حجاج سے، اس نے غنش صنعانی سے، اس نے عبداللہ بن ولید سے اور انہوں نے عبداللہ ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ان رسول اللہ قال لہ لیلۃ الجن معک ماء قال لا الا نبیذاً فی سطحۃ قال رسول اللہ تمرۃ طیبۃ وماء طہور صب علی قال فصبت علیہ فتوضا بہ (یعنی رسولؐ خدا نے لیلۃ الجن میں ان سے فرمایا کہ تمہارے ساتھ پانی ہے ؟ انہوں نے کہا نہیں، البتہ توشہ دان میں نبیذ موجود ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ پاکیزہ خرما اور پاک پانی ہے، اس کو میرے اوپر گراؤ، پس میں نے آں حضرتؐ کے اوپر اس کو گرایا اور آپ نے اس سے وضو فرمایا)

بدیہی چیز ہے کہ رسولؐ خدا کا عمل ہمارے لئے حجّت ہے اور کون سی نص اور دلیل آں حضرت کے عمل سے بہتر ہوسکتی ہے ؟ یہی سبب ہے کہ ہمارے امام اعظم نے عمل پیغمبرؐ کے رُو سے اس کے جواز کا فتوے دیا ہے۔

خیر طلب - میرا خیال ہے کہ آپ خاموش رہے ہوتے تو ایسا بیان دینے سے بہتر ہوتا۔ اگرچہ میں تشکر گذار ہوں کہ آپ نے دلیل قائم فرمادی تاکہ مطلب زیادہ بہتر طریقے سے صاف ہوسکے اور برادران اہل سنت اچھی طرح جان لیں کہ اُن کے پیشوا غلط فہمی کے شکار ہیں اور انہوں نے بغیر تحقیق کے صرف قیاس کے رو سے حکم دیا ہے۔ نیز یہ کہ حق ہمارے ساتھ ہے مناسب ہوگا کہ پہلے ہم حدیث کے روات و اسناد کے بارے میں بحث کریں پھر اصل موضوع کے اوپر آئیں۔ اوّلاً ابو زید غلام عمرو بن حریث کا حال معلوم نہیں اور یہ محدثین کے نزدیک مردود ہے جیسا کہ ترمذی وغیرہ نے نقل کیا ہے، بالخصوص ذہبی میزان الاعتدال میں کہتے ہیں کہ یہ شخص پہچانا نہیں گیا اور یہ حدیث جو عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے صحیح نہیں ہے۔ حاکم کہتے ہیں کہ اس مجہول آدمی سے سوا اس کے اور کوئی حدیث منقول نہیں ہے، اور بخاری نے اس کو غیر معتبر راویوں میں شمار کیا ہے اسی وجہ سے قسطلانی اور شیخ زکریا انصاری جیسے آپ کے اکابر علماء نے اپنی صحیح بخاری کی شرحوں میں باب لا یجوز الوضوء بالنبیذ ولا المسکر کے ذیل میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور دوسری حدیث بھی کئی طریقوں سے مردود ہے۔

اوّل یہ کہ اس حدیث کو اس طریق سے سوا ابن ماجہ کے اور کسی عالم نے نقل نہیں کیا ہے۔

دوسرے اس کو اکابر علماء نے اس وجہ سے اپنے سنن میں نقل نہیں کیا ہے کہ اس کے راویوں کا سلسلہ مجروح و مخدوش اور ناقابل اعتبار ہے۔ چنانچہ ذہبی نے میزان الاعتدال میں متعدد اقوال نقل کئے ہیں کہ عباس ابن ولید قابل اعتماد نہیں ہے، اسی وجہ سے ارباب جرح التعدیل نے اس کو ترک کردیا ہے۔ نیز مروان بن محمد طاہری فرقہ مرجیہ کے گمراہوں میں سے

تھا۔ جس کو ابن حزم اور ذہبی نے ضعیف ثابت کیا ہے۔ اور اسی طرح عبداللہ بن لہیعہ کو بھی بڑے بڑے علماء جرح و تعدیل نے ضعیف قرار دیا ہے۔ پس جب کسی حدیث کے سلسلۂ رُوات میں اس قدر ضعف اور فساد موجود ہو کہ خود آپ ہی کے اکابر علماء اس کو متروک قرار دیں تو قطعی طور پر خود بخود وہ حدیث درجۂ اعتبار سے ساقط ہو جاتی ہے۔

تیسرے آپ کے علماء نے جو روایتیں عبداللہ ابن مسعود سے نقل کی ہیں، ان کی بنا پر لیلۃ الجن میں کوئی شخص آں حضرتؐ کے ساتھ تھا ہی نہیں۔ چنانچہ ابو داؤد نے اپنی سنن (باب الوضوء) میں اور ترمذی نے اپنی صحیح میں علقمہ سے نقل کیا ہے کہ عبداللہ ابن مسعود سے پوچھا گیا من کان منکم مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الجن فقال ما کان معہ احد منا۔ (یعنی لیلۃ الجن میں رسول اللہؐ کے ساتھ آپ لوگوں میں سے کون تھا؟ انہوں نے کہا ہم میں سے کوئی بھی آں حضرتؐ کے ساتھ نہیں تھا)

چوتھے لیلۃ الجن مکّے میں ہجرت سے قبل گزری ہے اور جملہ مفسّرین کا اتفاق ہے کہ آیت تیمم مدینے میں نازل ہوئی پس یہ حکم یقیناً سابق حکم کو منسوخ کرتا ہے، اور اسی بنا پر آپ کے بڑے بڑے فقہاء جیسے امام شافعی اور امام مالک وغیرہ نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔

اس کے برعکس مدینے میں اس آیت کے نازل ہونے اور یہ حکم آ جانے کے بعد کہ سفر ہو یا حضر اگر پانی دستیاب نہ ہو تو حتمی طور پر تیمم کرنا چاہیئے، ایک ایسی جعلی حدیث کی بنیاد پر جس کے راویوں کا سلسلہ بھی مجہول الحال اور ضعیف ہو نبیذ سے وضو کرنے کا فتوے انتہائی تعجب خیز ہے اور اس سے زیادہ عجیب جناب شیخ صاحب کا ارشاد ہے کہ مجہول و ضعیف روایتوں کو قرآن مجید کے مقابلہ میں نص قرار دیتے ہیں اور اسی قاعدے کے رو سے نص قرآنی کے خلاف ابوحنیفہ کے اجتہاد کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نواب ۔ قبلہ صاحب! کیا نبیذ خرما سے وہی نشہ آور شراب مراد ہے جس کا پینا حرام ہے؟

خیر طلب ۔ نبیذ دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک قسم حلال ہے جس میں نشہ نہیں ہوتا اور یہ وہ پانی ہے جس میں خرمے ڈال دئے جاتے ہیں تاکہ خوش مزا ہو جائے۔ جب وہ تہ نشین ہو جاتے ہیں تو اوپر صاف پانی رہ جاتا ہے جو ایک طرح کا آب مضاف ہوتا ہے اور اسی کو نبیذ کہتے ہیں یعنی خرمے کا نچوڑا ہوا شربت۔ اور دوسری قسم حرام ہے جس میں نشہ ہوتا ہے اس وقت ہمارا موضوع بحث جس کے جواز کا امام ابوحنیفہ نے فتویٰ دیا ہے وہ نبیذ ہے جو نشہ آور اور پکائی ہوئی نہ ہو۔ ورنہ نشہ آور شراب سے وضو کرنا تو بالاتفاق حرام ہے۔

چنانچہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ بخاری نے اپنی صحیحین میں ایک باب ہی اس عنوان سے قائم کیا ہے کہ لا یجوز الوضوء بالنبیذ ولا المسکر (یعنی نبیذ اور نشہ آور چیز سے وضو کرنا جائز نہیں۔

وضو میں نصّ کے خلاف پاؤں دھونے کا فتویٰ

من جملہ اُن مسلّمہ قواعد کے جن کی مذکورۂ بالاآیت وضوء میں ہدایت کی گئی ہے چہرہ اور ہاتھوں کو دھونے کے بعد سر اور کعبین یعنی پشت قدم کی بلندی تک پاؤں کا مسح کرنا ہے۔ چنانچہ صاف طور پر ارشاد ہے وامسحوا برؤسکم وارجلکم الی الکعبین (یعنی مسح کرو اپنے سروں کا اور پشت قدم کی بلندی تک پاؤں کا) لیکن آپ کے سارے فقہاء اس نص صریح کے برخلاف پاؤں دھونے کا فتوے دیتے ہیں۔ حالانکہ دھونے اور مسح کرنے میں بہت بڑا فرق ہے۔

شیخ ۔ بہت سی روایتیں پاؤں کے دھونے پر دلالت کرتی ہیں۔

خیر طلب ۔ اوّل تو روایتیں اُسی وقت قابل قبول ہیں جب نصّ کے موافق ہوں۔ ورنہ اگر نصّ کی مخالف ہوں تو قطعاً مردود ہیں، بدیہی چیز ہے کہ آیت قرآنی کی نصّ صریح کو خبر واحد سے منسوخ ہے کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔ اور آیۂ شریفہ کی نصّ صریح دھونے کا نہیں بلکہ مسح کرنے کا حکم دے رہی ہے۔ اگر آپ حضرات تھوڑی توجہ سے کام لیں تو سمجھ میں آجائے کہ اس آیت کا مضمون خود ہی اس مطلب پر دلالت کر رہا ہے، کیونکہ شروع میں فرماتا ہے فاغسلوا وجوھکم وایدیکم (یعنی دھوؤ اپنے چہروں اور ہاتھوں کو۔ پس جس طرح آپ واؤ عطف کی وجہ سے اَیدِیکُم پر حکم لگاتے ہیں کہ چہرہ دھونے کے بعد ہاتھوں کو بھی دھونا چاہیئے، اسی طرح حکم ثانی میں ارشاد ہے وامسحوا برؤسکم وارجلکم جس میں ارجلکم کو برؤسکم کا معطوف قرار دیا گیا۔ یعنی سر کے مسح کے بعد اپنے پاؤں کا بھی مسح کرو۔ ظاہر ہے کہ دھونا ہرگز مسح کا قائم مقام نہیں ہو سکتا۔ پس جس صورت سے وضو میں چہرے اور ہاتھوں کو دھونا واجب ہے اسی صورت سے سر اور پاؤں کا مسح کرنا بھی واجب ہے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کا مسح کریں اور دوسرے کو دھوئیں کیونکہ ایسا کرنے سے واؤ عطف بے کار و بے معنی ہو جائے گا۔

علاوہ ان کھلے ہوئے مطالب کے عرف عام کے قاعدے سے اسلام کی شریعت مقدسہ انتہائی سہولتیں لے کر آئی ہے اور اس کے احکام سختی اور مشقت سے محفوظ رکھے گئے ہیں اور ہر عقلمند بہ خوبی سمجھتا ہے کہ پاؤں کو دھونے میں جو مشقت ہے وہ مسح کرنے میں نہیں ہے لہذا قطعی طور پر عمل مسح کے آسان تر ہونے کی وجہ سے شریعت کا حکم اسی کے اوپر جاری ہوا ہے، جیسا کہ آیت کا انداز کلام بھی یہی بتا رہا ہے امام فخر الدین رازی نے بھی جو آپ کے اکابر مفسّرین میں سے ہیں اسی آیۂ شریفہ کے ذیل میں ظاہر کلام کے مطابق مسح کے واجب ہونے پر ایک مفصّل بیان دیا ہے۔ جس کو تفصیل سے پیش کرنے کی وقت میں گنجائش نہیں، آپ خود اس کی طرف رجوع فرمائیں تا کہ آپ کے سامنے حقیقت واضح ہو جائے۔

نص صریح کے خلاف موزے پر مسح کرنے کا فتویٰ

اور پاؤں دھونے سے بھی زیادہ عجیب باختلاف فقہائے اہل سنّت سفر میں یا حضر میں یا صرف سفر میں موزے اور جراب پر مسح کرنے کا فتوےٰ ہے، یہ حکم علاوہ اس کے کہ قرآن مجید کی نص صریح کے خلاف ہے (کیونکہ قرآن مجید نے موزے اور جراب پر نہیں بلکہ پاؤں پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے) آپ کے پہلے حکم یعنی پاؤں دھونے کے بھی خلاف ہے، اس لئے کہ جب خود پاؤں کا مسح جائز نہیں ہے اور دھونا ضروری ہے تو اس مقام پر کیوں تخفیف کی گئی کہ بجائے دھونے کے موزے اور جراب پر مسح کرنا جائز کر دیا گیا ہر صاحب عقل جانتا ہے کہ موزے اور جراب کا مسح پاؤں کا مسح نہیں بن سکتا فاعتبروا یا اولی الابصار۔

شیخ ۔ بہت سی روایتیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ نے موزوں کے اوپر مسح فرمایا ہے لہذا فقہائ نے اسی عمل کو جواز کی دلیل سمجھا ۔

خیر طلب ۔ میں بار بار اس حقیقت کی طرف اشارہ کر چکا ہوں کہ ارشاد پیغمبرؐ کے مطابق جو روایت آں حضرتؐ سے منقول ہو اور قرآن مجید سے مطابقت نہ کرتی ہو وہ مردود ہے، اس لئے کہ جعلساز اور شعبدہ باز لوگوں نے دین میں خلل ڈالنے کے لئے بکثرت روایتیں گڑھ کے آں حضرتؐ سے منسوب کی ہیں ، چنانچہ آپ کے بڑے بڑے علماء نے بھی ایسی بہت سی روایتوں کو رد کر دیا ہے جو پیغمبرؐ کے نام سے منقول ہیں لیکن معیار پر پوری نہیں اترتیں ۔

علاوہ اس کے کہ یہ روایتیں نص صریح کے خلاف ہیں ان کے درمیان غیر معمولی تضاد بھی موجود ہے جس کا اقرار خود آپ کے اکابر علماء نے بھی کیا ہے ۔ مثلاً حکیم دانشمند ابن رشد اندلسی بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد جلد اول ص۱۵ و ۱۶ میں اختلاف کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔ سبب اختلافہم تعارض الاخبار فی ذالک (یعنی ان کے اختلاف کا سبب یہ ہے کہ اس بارے میں روایتیں ایک دوسرے کی معارض ہیں) نیز کہتے ہیں (السبب فی اختلافہم اختلاف الآثار فی ذالک (یعنی ان کے اختلاف کا سبب اس بارے میں روایات کا اختلاف ہے) پس ایسے اخبار و احادیث کے ذریعے استدلال و استناد جو آپس میں ایک دوسرے کی ضد بھی ہوں اور قرآن کی نص صریح کے خلاف بھی، عقلی اور نقلی دونوں حیثیتوں سے مردود اور ناقابل قبول ہے، کیونکہ آپ خود بہتر جانتے ہیں کہ جو روایتیں آپس میں ایک دوسرے کی مخالف ہوں ان میں سے صرف وہی روایت قابل قبول ہوتی ہے جو قرآن مجید سے موافقت کرتی ہو، اور اگر ان میں سے کوئی روایت بھی قرآن سے مطابقت نہ رکھتی ہو بلکہ نص صریح کے خلاف ہو تو سب ساقط اور متروک ہیں ۔

نصِ صریح کے خلاف عمامے پہ مسح کرنے کا حکم

نیز اسی آیۂ شریفہ میں صاف طور سے ارشاد ہے وَامسحوا برؤسکم (یعنی چہرہ اور ہاتھ دھونے کے بعد اپنے سروں کا مسح کرو) اسی قرآنی اصول کی بنیاد پہ آئمہ عترت طاہرہ کی پیروی کرتے ہوئے فقہاء شیعہ امامیہ نے اور اسی طرح فقہائے شافعی و مالکی وحنفی وغیرہ نے فتویٰ دیا ہے کہ مسح سر پہ ہونا چاہیئے۔ لیکن امام احمد ابن حنبل، اسحق، ثوریؔ اور اوزاعی کا فتویٰ ہے کہ عمامے کے اوپر مسح کرنا جائز ہے، جیساکہ امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں نقل کیا ہے حالانکہ ہر عقلمند سمجھتا ہے کہ عمامے کے اوپر مسح کرنا دوسری شئے ہے اور سر کے اوپر مسح کرنا دُوسری، کیونکہ سر سے مُراد اس کا گوشت و پوست، استخوان اور وہ بال ہیں جو اس سے متصل ہوں اور عمامہ ایک بُنا ہوا کپڑا ہے جو سر پر رکھا جاتا ہے۔ ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

خاص توجّہ اور منصفانہ فیصلے کی ضُرورت ہے

اسی طریقے سے طہارت سے دیات تک جملہ احکام شروع میں آپ کے فقہاء اور آئمہ اربعہ کے درمیان سخت اختلافات موجود ہیں جن میں سے اکثر آیات قرآن کی نص صریح کے خلاف ہیں پھر بھی آپ حضرات ایک دوسرے کے شاکی نہیں ہیں اور سب اپنے اپنے اعمال میں پُوری طرح آزاد ہیں ۔

نہ آپ ابوحنیفہ اور حنفیوں کو مشرک کہتے ہیں جو اُصول شرع کے برخلاف نبیذ سے طہارت اور وضو کا فتویٰ دیتے ہیں اور نہ دیگر فقہا کے ان فتاویٰ کو مردود سمجھتے ہیں جو آپس میں ایک دوسرے کے مخالف اور نصوص قرآن کے برعکس ہیں لیکن شیعوں کے اعمال پہ جو عترت طاہرہ اور اہل بیت رسالت علیہم السلام سے صادر ہوئے ہیں نکتہ چینی اور اعتراض کرتے ہیں بلکہ اس جلیل القدر اور عدیل قرآن خاندان کے پیروؤں کو رافضی، مشرک اور کافر بھی کہتے ہیں ۔

چنانچہ اسی جلسہ کے اندر گذشتہ راتوں میں آپ نے بار بار فرمایا ہے کہ شیعوں کے اعمال ان کے شرک کی دلیل ہیں ۔

فرما رہے ہیں کہ مسلمانوں کی طرح نماز کیوں نہیں پڑھتے ہو؟ حالانکہ ہم آپ کے اور تمام مسلمانوں کے ساتھ اصل نماز میں جو صبح کی دو رکعت مغرب کی تین رکعت اور ظہر و عصر و عشاء کی چار چار رکعت ہے ۔ یعنی شب و روز میں کل سترہ رکعتیں فرض ہیں، یکساں طور پہ شریک عمل ہیں۔ رہے فروعی اختلافات تو یہ مسلمانوں کے سبھی فرقوں کے درمیان کثرت سے پائے جاتے ہیں ۔

جس طرح سے ابوالحسن اشعری اور واصل بن عطا کے درمیان اصول و فروع میں کھلا ہوا اختلاف موجود ہے نیز آپ کے ائمہ اربعہ (ابوحنیفہ، مالک، شافعی اور احمد حنبل) اور دوسرے بڑے بڑے فقہاء جیسے حسن، داؤد، کثیر، ابوثور، اوزاعی، سفیان ثوری، حسن بصری اور قاسم بن سلام وغیرہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں اسی طرح آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے ارشادات بھی آپ کے فقہاء کے بیانات سے الگ ہیں۔ اگر فقہاء کے فتاویٰ اور اختلاف آراء پر اعتراض کیا جا سکتا ہے تو یہی اعتراضات آخر اہل سنّت کے مختلف فرقوں پر کیوں وارد نہیں ہوتے؟

باوجودیکہ یہ لوگ زیادہ تر فتوے قرآن کی نصّ صریح کے خلاف دیتے ہیں۔ واضح نصوص کی پھسپھسی تاویلیں کرتے ہیں اور دوسرے فقہاء ان کے برعکس رائے دیتے ہیں جیسا کہ میں ایک نمونہ پیش کر چکا ہوں، پھر بھی آپ اُن کے فتویٰ اور عمل کو ان کے شرک اور کفر کی دلیل نہیں سمجھتے۔ لیکن عمل سجدہ کے سلسلے میں دیگر فروعی اختلافات کے مانند ہمارے اور آپ کے درمیان فتوی اور رائے میں جو اختلاف ہے اس پر آپ یہ شور و غل اور ہنگامہ برپا کرتے ہیں کہ شیعہ بُت پرست ہیں۔ ساتھ ہی اپنے یہاں کے اس فتوے کو بالکل نظرانداز کر دیتے ہیں کہ سوکھے ہوئے فضلے اور غلیظ پر سجدہ کرنا جائز ہے۔ حالانکہ اگر نگاہِ انصاف سے جائزہ لیجئے تو آئمہ طاہرین علیہم السّلام کی پیروی میں شیعہ فقہا کے فتوی فقہائے اہل سنّت کے فتاوی سے کہیں زیادہ قرآن مجید کے صریحی نصوص سے قریب ہیں۔ مثلاً آپ کے فقہاء اونی، سوتی، ریشمی، چرمی اور موم جامہ وغیرہ کے فروش کو جو زمین پر بچھے ہوئے ہوں جزءِ زمین سمجھتے ہیں، ان پر سجدہ کرتے ہیں اور ان کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، حالانکہ کسی قوم و ملّت کے صاحبان عقل و علم سے پوچھئے کہ آیا اُون، سوت اور ریشم وغیرہ سے بنے ہوئے فرش جزءِ زمین ہیں اور ان پر زمین کا اطلاق ہوتا ہے؟ تو ان کا جواب نفی میں ہوگا، بلکہ ایسا کہنے والوں کی عقل پر ہنس دیں گے لیکن جب شیعہ قوم آئمہ اہل بیت طاہرین علیہم السّلام کے اتباع میں کہتی ہے کہ لا یجوز السجود الا علی الارض او ما انبتته الارض بما لا یوکل و لا یلبس (یعنی سوا زمین کے یا اس چیز کے جو زمین سے روئیدہ ہوئی ہو اور کھانے یا پہننے کے کام میں نہ آتی ہو اور کسی چیز پر سجدہ جائز نہیں) تو آپ اُس پر حملے کرتے ہیں اور اس کو مشرک کہتے ہیں اور دوسری طرف خشک نجاست کے اوپر بھی سجدہ کرنے کو نہیں سمجھتے۔ بدیہی چیز ہے کہ زمین پر سجدہ کرنا (جیسا کہ خدا کا حکم ہے۔) اور فروش کے اوپر سجدہ کرنا ایک دوسرے سے الگ چیزیں ہیں۔

شیخ ۔ آپ لوگ سجدے کو خاک کربلا کے ٹکڑوں سے مخصوص قرار دیتے ہیں، اُس خاک سے بتوں کے مانند تختیاں بنا کر اپنی بغلوں میں دبائے رہتے ہیں اور ان پر سجدہ کرنا واجب جانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ عمل مسلمانوں کے دستور اور طریقے کے خلاف ہے۔

خیر طلب ۔ آپ نے یہ جملے قطعاً اپنی اس عادت کی بنا پر جو بچپن سے آپ کے دماغ میں راسخ کر دی گئی ہے اور وہ آپ کی طبیعت بن چکی ہے بغیر کسی دلیل و برہان کے محض اپنے اسلاف کی پیروی میں فرمائے ہیں، حالانکہ آپ

جیسے منصف مزاج اور روشن خیال عالم کے اوپر ایسا بیان بالکل زیب نہیں دیتا کہ خاک پاک کو بُت سے تعبیر کرے یقین رکھیئے کہ آپ کو عدلِ الٰہی کے دربار میں اس زبردست تہمت اور اہانت کی جواب دہی کرنا پڑے گی اور خاک پاک کو بت اور خدا پرست موحدین کو مشرک و بُت پرست کہنے پر سخت باز پرس کی جائے گی۔

جناب من! کسی عقیدے پر تنقید اور تبصرہ سند اور دلیل کے ساتھ ہونا چاہیئے، صرف اپنے جذبات کی بنا پر نہیں اگر آپ شیعوں کی فقہی اور استدلالی کتابیں اور عملیہ رسائل کا مطالعہ کیجئے جو عام طور پر ہر جگہ دستیاب ہوتے ہیں تو آپ کو اپنا جواب مل جائے گا اور آئندہ ایسے غلط اعتراضات کر کے ناواقف برادران اہل سنّت کو بہکا کر شیعہ بھائیوں سے بدظن نہ کریں گے۔

شیعہ خاک کربلا پر سجدہ کرنا واجب نہیں سمجھتے

اگر تمام استدلالی کتابوں اور عملیہ رسالوں میں آپ ایک روایت یا ایک فتویٰ بھی ایسا دکھا دیں کہ فقہائے امامیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خاکِ کربلا پر سجدہ کرنے کو واجب قرار دیا ہو تو ہم آپ کے سارے بیانات تسلیم کر لیں گے کیونکہ جملہ فقہی اور استدلال کتابوں اور عملیہ رسائل میں سارے فقہائے امامیہ کے یہ احکام و ہدایات موجود ہیں کہ حکم قرآنی کے مطابق سجدہ پاک زمین پر ہونا چاہیئے۔ جس میں خاک، پتھر، ریت، بالو اور گھاس شامل ہے بشرطیکہ کوئی چیز معدنیات میں سے نہ ہو۔ نیز ہر اُس چیز پر سجدہ کر سکتے ہیں جو زمین سے اگتی ہے بشرطیکہ وہ کھانے یا پہننے کے کام میں نہ آتی ہو ان میں سے اگر ایک چیز نہ ہو تو دوسری پر سجدہ کریں۔

شیخ ۔ پھر آپ کس لئے تختیوں کی صورت میں خاک کربلا کے ٹکڑے پابندی سے اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور نماز کے وقت انہیں پر سجدہ کرتے ہیں؟

شیعوں کا سجدہ گاہیں ساتھ رکھنا

خیر طلب ۔ خاک کے ٹکڑے ساتھ رکھنے کا سبب یہ ہے کہ سجدہ پاک زمین پر کرنا واجب ہے اور نماز اکثر گھروں میں اور ایسے مقامات پر پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے جہاں قالین، دریاں وغیرہ مختلف قسم کے فرش بچھے ہوتے ہیں جن کی وجہ سے زمین پر سجدہ نہیں ہو سکتا، اور نماز کے وقت ان کو اٹھانا بھی ممکن نہیں ہوتا۔ اگر ان کو ہٹایا بھی جائے تو ان کے نیچے زیادہ تر گچ یا دوسری ایسی چیزوں کا فرش بنا ہوا ہوتا ہے جن پر سجدہ جائز نہیں ہے لہذا اگر ہم پاک مٹی کے ٹکڑے اپنے

ساتھ رکھتے ہیں تو اس غرض سے کہ نماز کے وقت خاک پر سجدہ کر سکیں۔ اس کے علاوہ ہم مجبور ہیں کہ فقہاء کی ہدایت کے مطابق پاک زمین پر سجدہ کریں اور ہر موقع پر طاہر زمین نہیں ملتی اس وجہ سے ہم پاک مٹی کے ٹکڑے اپنے پاس رکھتے ہیں تاکہ جس مقام پر یہ زحمت پیش آئے ہم اُس طاہر مٹی پر سجدہ کر لیں۔

شیخ ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تمام شیعہ مہر کی صورت میں خاکِ کربلا کی تختیاں بنا کر رکھتے ہیں اور انہیں پر سجدہ کرنا واجب و لازم سمجھتے ہیں۔

خاکِ کربلا پر سجدہ کرنے کا سبب

خیر طلب ۔ یہ صحیح ہے کہ ہم کربلا کی خاک پاک پر سجدہ کرتے ہیں لیکن واجب سمجھ کے نہیں جیسا میں پہلے عرض کر چکا ہوں ہم لوگ ان احکام کے مطابق جو فقہی کتابوں میں دئے گئے ہیں صرف پاک زمین پر سجدہ واجب سمجھتے ہیں۔ لیکن ان روایتوں کی بناء پر جو اہل بیت طاہرین علیہم السّلام سے مروی ہیں۔ حسینی تربت پاک پر سجدہ کرنا بہتر اور فضیلت و ثواب کثیر کا باعث ہے، اور وہ حضرات اشیاء کے خصوصیات کو سب سے زیادہ جانتے تھے کتنے افسوس کی بات ہے کہ خوارج و نواصب کے پیرو بازی گروں کی ایک جماعت نے یہ مشہور کر رکھا ہے اور اب بھی برابر کہتے رہتے ہیں کہ شیعہ حسینؑ پرست ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کی قبر مطہر کی خاک پر سجدہ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ باتیں ہمارے نزدیک کفر ہیں کیونکہ ہم ہرگز حسینؑ پرست نہیں ہیں بلکہ علیؑ پرست اور محمد پرست بھی نہیں ہیں (اور جس شخص کا یہ عقیدہ ہو اس کو کافر جانتے ہیں) ہم صرف خدا پرست ہیں اور قرآن مجید کے حکم سے فقط پاک مٹی پر سجدہ کرتے ہیں۔ ہمارا سجدہ حسین علیہ السلام کے لئے نہیں ہوتا بلکہ آئمہ عترت طاہرہ کے ارشاد کے مطابق کربلا کی خاک پاک پر سجدہ کرنا زیادتی ثواب اور فضیلت کا سبب ہے، واجب کی حیثیت سے نہیں۔

شیخ ۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ کربلا کی خاک کچھ خصوصیات کی حامل ہے جن کی وجہ سے اس پر خاص توجہ کی جائے یہاں تک کہ سجدہ کرنے میں بھی اس کو دوسری ہر خاک پر فوقیت دی جائے۔

خاکِ کربلا کے خصوصیات اور پیغمبرؐ کے ارشادات

خیر طلب ۔ اوّلاً یہ کہ اشیاء اور زمینوں کے اختلاف اور اس بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ہر خاک کے کچھ آثار و خصوصیات ہیں جن کو ماہرین فن کے علاوہ عام لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں۔

دوسرے خاکِ کربلا آئمہ طاہرین علیہم السلام ہی کے زمانے سے نہیں بلکہ خود رسول اللہ صلعم کے عہد میں بھی حضرتؐ کے لئے مرکز توجہ تھی، جیسا کہ آپ کے اکابر علماء کی معتبر کتابوں میں درج ہے۔ مثلاً خصائص الکبریٰ مولفہ جلال الدین سیوطی مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۳۲۰ھ میں ابونعیم اصفہانی، بیہقی اور حاکم وغیرہ کے ایسے آپ کے اکابر علماء اور موثق راویوں سے

خاکِ کربلا کے بارے میں اُمّ المومنین امّ سلمہ، امّ المومنین عائشہ، امام الفضل، ابن عباس اور انس ابن مالک وغیرہ کی کافی روایتیں نقل ہوئی ہیں، من جملہ ان کے راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا حسینؑ اپنے نانا رسولؐ خدا کی گود میں بیٹھے ہوئے تھے اور آنحضرتؐ کے ہاتھ میں ایک سُرخ رنگ کی خاک تھی جس کو آپ چوم رہے تھے اور روتے جاتے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کیسی خاک ہے تو فرمایا کہ جبرئیل نے مجھ کو خبر دی ہے کہ میرا یہ حسینؑ زمین عراق پر قتل کیا جائے گا اور اسی زمین سے یہ خاک میرے واسطے لائے ہیں۔ لہٰذا میں اپنے حسین کے اوپر پڑنے والی مصیبتوں پر گریہ کر رہا ہوں۔ پھر وہ خاک امّ سلمہ کے سپرد کی اور فرمایا کہ جب تم دیکھنا کہ یہ مٹی خون ہو گئی ہے تو سمجھ لینا کہ میرا حسین قتل کر دیا گیا۔ چنانچہ امّ سلمہ نے وہ مٹی ایک شیشی میں رکھی اور اس کی نگرانی کرتی رہیں یہاں تک کہ سنہ ۶۱ ہجری میں عاشورہ کے روز دیکھا کہ وہ خاک خون آلود ہو گئی ہے اور جان لیا کہ حسین ابن علی علیہما السلام شہید ہو گئے۔ آپ کے اکابر علماء اور فقہائے شیعہ کی معتبر کتابوں میں تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ اس خاک پاک پر حضرت رسولِ خدا صلعم اور عدیل قرآن آئمہ اہل بیت علیہم السلام کی خاص توجہ تھی اور ریحانۂ رسولؐ حضرت سید الشہداء کی شہادت کے بعد جس نے سب سے پہلے اس خاک کو تبرک سمجھ کے اٹھایا وہ امام چہارم سید الساجدین حضرت زین العابدین علی بن الحسین علیہما السلام تھے۔ جنہوں نے اس خاک پاک کو ایک تھیلی میں محفوظ کیا، آپ اس کے اُوپر سجدہ بھی کرتے تھے اور اسی کی تسبیح بنا کر اس پر ذکرِ خدا بھی فرماتے تھے۔

آپ کے بعد تمام آئمہ طاہرین اس خاک کو تبرک سمجھتے رہے، اس کی تسبیح اور سجدہ گاہ بناتے رہے، خود اس پہ سجدہ کرتے رہے اور واجب کی نیت سے نہیں بلکہ ثواب عظیم پر فائز ہونے کے لئے شیعوں کو بھی اس کی ترغیب دیتے رہے یہ حضرات پوری تاکید کے ساتھ حکم دیتے تھے کہ خدا کے لئے صرف پاک زمین پر سجدہ ہونا چاہیئے لیکن حضرت سیّد الشہدا کی تربت پر افضل اور زیادتی ثواب کا باعث ہے۔

چنانچہ شیخ الطائفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی علیہ الرحمہ مصباح المتہجد میں روایت کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السّلام تھوڑی تربت امام حسین ایک زرد کپڑے میں رکھے ہوئے تھے جس کو نماز کے وقت کھول کر سامنے رکھ لیتے تھے اور اسی پر سجدہ کرتے تھے۔

شیعہ ایک مدّت تک اسی طریقے سے یہ مٹی اپنے پاس رکھتے رہے، پھر اس خیال سے کہ بے ادبی نہ ہو اس کو پانی میں گوندھ کر تختیوں اور ٹکڑوں کی شکل میں لے آئے جس کو آج مُہر کیا جاتا ہے، ہم لوگ اس کو محض تبرکاً اور تیمناً اپنے ساتھ رکھتے ہیں اور نماز کے موقع پر بقصد وجوب نہیں بلکہ زیادتی فضیلت کے لئے اس پر سجدہ کرتے ہیں ورنہ اکثر اوقات جب وہ خاک پاک کی مہر ہمارے ساتھ نہیں تھی ہم نے زمین یا پاک پتھر پر سجدہ کیا ہے۔ اور عمل واجب بھی ادا ہو گیا ہے [۱]۔

[۱] سنہ ۱۳۸۴ ہجری میں جب مجھ کو حج بیت اللہ کی توفیق حاصل ہوئی اور میں ہوائی جہاز کے ذریعے بیروت سے (باقی بر صفحہ ۲۷۶)

آیا یہ مناسب ہے کہ اتنی سادہ اور صاف بات کے لئے آپ لوگ اس قدر طوفان کھڑا کریں، یہاں تک کہ ہم کو کافر و مشرک اور بت پرست بھی بنائیں اور بیچارے ناواقف عوام کو دھوکے میں ڈالیں؟ جس طرح سے کہ آپ لوگ اپنے آئمہ اور فقہاء کے فتاوے پر (جو اکثر حقیقت سے دور بلکہ آیات قرآن کی صراحت کے برخلاف بھی ہوتے ہیں) عمل کرتے ہیں اور اُن کے قول و فعل کو حجت اور اپنا لائحہ عمل قرار دیتے ہیں اسی طرح ہم بھی عترت طاہرہ اور آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے احکام و ہدایات پر عمل کرتے ہیں البتہ فرق یہ ہے کہ آپ کے پاس پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک حکم بھی ایسا نہیں ہے کہ نعمانؔ یا محمدؔ یا احمدؔ یا مالک کی ہدایتوں اور فتوؤں پر عمل کرنا تمہارا فرض ہے، سوا اس کے کہ آپ ان کو فقہائے اہل سنت میں سے ایک فقیہ سمجھ کے ان کی پیروی کرتے ہیں۔

لیکن ہم خود رسول اللہ صلعم کی ہدایت پر عمل کر رہے ہیں کیونکہ آں حضرتؐ نے بار بار ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے آئمہ عترت اور اہل بیت عدیل قرآن، سفینۂ نجات اور باب حطہ ہیں۔ ان کی اطاعت و پیروی ذریعہ نجات اور ان سے دوری و

بقیہ صفحہ ۲۷۵ مدینہ منورہ پہنچا تو غروب آفتاب میں ایک ساعت باقی تھی اور نماز کا وقت تنگ تھا لہٰذا میں اسی میدان میں نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ ملازمین وغیرہ کا ایک بڑا مجمع میرے قریب اکٹھا ہو گیا اور سب میرے سجدے کرنے کو غور سے دیکھنے لگے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ میرے پاس سجدہ گاہ نہیں ہے اور میں زمین پر سجدہ کر رہا ہوں تو ان کو بہت تعجب ہوا اور جب میں سلام پڑھ چکا تو ان کے بڑے بوڑھے لوگ میرے چاروں طرف جمع ہو کر پوچھنے لگے کہ کیا تم بت پرست شیعوں میں سے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ شیعہ ہونے کا فخر حاصل ہے لیکن ہم لوگ بت پرست ہرگز نہیں ہیں بلکہ موحد اور خدا پرست ہیں آپ لوگوں کا یہ کہنا شیعوں کے اوپر ایک تہمت ہے کیونکہ یہ لوگ سب اہل توحید اور پاک دل ہیں۔ انہوں نے کہا ہم نے اکثر اسی مقام پر ان کی بغلوں سے بتوں کو نکال کر توڑا ہے، تم کیسے شیعہ ہو کہ بت اپنے ساتھ نہیں رکھتے؟ میں نے کہا یہ الفاظ محض اشتباہ اور ایک بہت بڑی تہمت ہیں شیعہ بت اور بت پرستی سے بیزار ہیں، لیکن چونکہ بحکم قرآن ہم اس کے پابند ہیں کہ پاک زمین پر سجدہ کریں لہٰذا خاک کے ٹکڑے اپنے ساتھ رکھتے ہیں تاکہ جس مقام پر پاک زمین ممکن نہ ہو وہاں اس خاک پر سجدہ کر لیں چنانچہ اس وقت جب کہ اس میدان کی ساری زمین پاک ہی ہے ہم کو اس خاک پاک کی کوئی احتیاج نہیں ہے اور آپ لوگوں نے دیکھ لیا کہ میں نے اسی زمین پر سجدہ کیا ہے، اس قسم کی تہمتیں صدیوں پہلے سے خوارج اور نواصب کی زبانوں پر جاری ہوئیں جو مسلمانوں کے اندر پھوٹ اور تفرقہ ڈالنا چاہتے تھے، یہاں تک کہ آج آپ جیسے برادران اہل سنت بھی ان کے فریب میں مبتلا ہیں اور اپنے شیعہ بھائیوں کو مشرک و بت پرست کہتے ہیں۔ غرضیکہ میں نے غروب آفتاب تک اُس بڑے مجمع سے جس میں زیادہ تر وہابی تھے اس طرح گفتگو کی کہ سب کے سب کافی متاثر ہوئے اور انہوں نے استغفار کیا اس کے بعد مجھ سے مصافحہ اور معانقہ کر کے رخصت ہوئے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

سرکشی موجب ہلاکت ہے، جیسا کہ ہم گذشتہ راتوں میں بعض احادیث کی طرف اشارہ بھی کر چکے ہیں۔ پس ان مقدس ہستیوں کا قول و فعل بحکم رسولؐ ہمارے لئے حجت ہے اور اسی بنا پر ہم اُن کی ہدایتوں کی پیروی کرتے ہوئے استحباباً یہ عمل کرتے ہیں۔

علمائے اہلِ سنّت کا عمل تعجّب خیز ہے

البتہ تعجب تو آپ کے علماء پر ہے کہ آئمہ اربعہ اور دوسرے فقہاء کے عجیب و غریب فتووں پر قطعاً کوئی اعتراض نہیں کرتے یعنی اگر امام اعظم کہہ دیں کہ پانی نہ ملنے پر نبیذ سے وضو کرنا چاہیئے تو شافعی، مالکی اور حنبلی حضرات کو کوئی اعتراض نہیں، اگر امام احمد حنبل خدائے تعالیٰ کی رویت کے قائل ہو جائیں اور عمامے پر مسح کرنے کو جائز سمجھیں تو دوسرے فرقے اس پر کوئی گرفت نہ کریں اور اسی طرح کے دوسرے حیرت انگیز اور نئے نئے فتاویٰ پر جیسے سفر میں نابالغ لڑکوں سے نکاح کرنے یا فضلے اور نجاست پر سجدہ کرنے یا کپڑا لپیٹ کر ماؤں سے ہمبستری کرنے اور اسی قسم کے دوسرے مسائل پر کسی کو رد و قدح کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی [1]

لیکن جس وقت یہ کہہ دیا جائے کہ آئمہ عترت رسولؐ نے فرمایا ہے کہ کربلا کی خاک پاک پر سجدہ کرنا دوسری زمینوں پر سجدہ کرنے سے افضل باعث اضافہ ثواب اور مستحب ہے تو آپ حضرات واد و فریاد اور شور و ہنگامہ برپا کر دیتے ہیں کہ شیعہ مشرک اور بُت پرست ہیں۔ اور اس طرح باہمی نفاق کا بیج بو کر برادر کشی کا فتنہ ابھارتے ہیں اور غیروں کے غلبے اور تسلط کا راستہ کھول دیتے ہیں۔

درد دل بہت ہے جس کو چھوڑ کر آگے بڑھتا ہوں اور پھر اصل مطلب کی طرف آ کر آپ کا جواب شروع کرتا ہوں ہماری یہ مظلومانہ فریاد روز قیامت رسول اللہؐ کے سامنے اثر دکھائے گی۔

پانچویں آپ نے بڑھاپے اور اجماع کے سلسلے میں بیان فرمایا ہے کہ پیرانہ سالی کی وجہ سے ابوبکر کو فوقیت اور تقدم کا حق حاصل تھا۔ تو یہ بھی آپ کی بہت بے لطفی کی بات ہے کہ دس راتوں کے بعد جب کہ میں قطعی طور پر عقلی اور نقلی دلائل سے اجماع اور بڑھاپے کی دلیلوں کو باطل ثابت کر چکا، اب پھر آپ از سر نو وہی بات دھرا رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مطلب کی تکرار کر کے جلسے کا وقت لیں۔ باوجودیکہ میں گزشتہ شبوں میں کافی اور مسکت جوابات دے چکا ہوں لیکن اس وقت بھی آپ کو بغیر جواب کے نہیں چھوڑوں گا۔ آپ نے خلیفۂ اوّل ابوبکر کے حق تقدم کے اور سیاسی سوجھ بوجھ اور درازیٔ سن کی جو دلیل قائم کی ہے اس کے بارے میں عرض ہے کہ یہ کیسی بات ہے کہ اور لوگ تو اس بات کی تہ تک پہنچ گئے کہ بڑے کام

---

[1] ملاحظہ ہوں کتب فقیہہ اہل سنت، فتاوی قاضی خان، ہدایہ اور بحر الرائق شرح کنز الدقائق وغیرہ ۱۲

کے لئے انسان کو بوڑھا اور سیاسی ہونا ضروری ہے لیکن خدا اور اس کے رسولؐ کی سمجھ میں یہ معاملہ نہ آیا اور انہوں نے سورہ برأت کی ابتدائی آیتوں کی تبلیغ میں ابوبکر جیسے بوڑھے اور سیاسی آدمی کو معزول کرکے علیؑ جیسے جوان شخص کو مقرر فرمایا؟

نواب - قبلہ صاحب! معاف فرمایئے گا میں آپ کی گفتگو میں دخل دے رہا ہوں۔ اس قضیئے کو مبہم نہ چھوڑیئے پہلے بھی ایک شب میں آپ نے اس کی طرف اشارہ فرمایا تھا۔ کہاں اور کس کام کے سلسلے میں خلیفہ ابوبکر رضی اللہ عنہ معزول اور علیؑ کرم اللہ وجہہ معین کئے گئے؟ جب ہم نے ان حضرات (اپنے علماء کی طرف اشارہ) سے دریافت کیا تو انہوں نے گول جواب دے دیا کہ کوئی اہم معاملہ نہیں تھا۔ گذارش ہے کہ اس کی وضاحت فرمایئے تاکہ یہ معما حل ہو جائے۔

تبلیغ سورۂ برأت میں ابوبکر کی معزولی اور علیؑ کا تقرر

خیر طلب - جمہور امت اور فریقین (شیعہ و سنی) کے علماء و مورخین اس کے قائل ہیں کہ جب سورۂ برأت کی ابتدائی آیتیں مشرکین کی مذمت میں نازل ہوئیں تو رسول اللہ نے ابوبکر کو بلا کر دس آیتیں ان کے سپرد کیں کہ ان کو مکہ معظمہ لے جائیں اور موسم حج میں اہل مکہ کے سامنے پڑھیں ابھی یہ چند ہی منزلیں طے کرنے پائے تھے کہ جبرئیل امین نازل ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ان اللہ یقرئک السلام ویقول لن یؤدی عنک الا انت او رجل منک (یعنی خدائے تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ کی طرف سے ہرگز کوئی شخص تبلیغ رسالت نہیں کرسکتا، سوا آپ کے یا اس مرد کے جو آپ سے ہو) چنانچہ پیغمبرؐ نے علی علیہ السلام کو بلایا اور اس خاص مہم پر مقرر کرکے فرمایا کہ جاؤ جس مقام پر ابوبکر مل جائیں ان سے آیات برأت واپس لے لو۔ اور خود جاکر مشرکین اہل مکہ کے سامنے ان کی تلاوت کرو، علی علیہ السلام فوراً روانہ ہوگئے۔ منزل ذوالحلیفہ میں ابوبکر سے ملاقات ہوئی، ان کو رسول اللہ کا پیغام پہنچایا، ان سے آیتیں واپس لیں اور مکہ معظمہ پہنچ کے مجمع عام کے سامنے ان آیات کو پڑھ کے پیغمبرؐ کی طرف سے تبلیغ رسالت کا فرض انجام دیا۔ اس کے بعد آں حضرتؐ کی خدمت میں مدینہ منورہ واپس آئے۔

نواب - کیا ہماری معتبر کتابوں میں بھی یہ واقعہ درج ہے؟

خیر طلب - میں نے عرض تو کیا کہ اس پر امت کا اجماع ہے اور تمام شیعہ و سنی علماء و مورخین اسلام نے بالاتفاق لکھا ہے کہ یہ واقعہ اسی طرح سے پیش آیا۔ لیکن آپ کے اطمینان قلب کے لئے چند کتابوں کے حوالے جو اس وقت میرے پیش نظر ہیں، عرض کئے دیتا ہوں تاکہ جب آپ ان پر غور کریں تو معلوم ہو جائے کہ یہ ایک اہم معاملہ تھا۔

بخاری نے اپنی صحیح جزء چہارم و پنجم میں۔ عبدری نے جمع بین الصحاح الستۃ جزء دوم میں۔ بیہقی نے سنن صفحہ ۹ و صفحہ ۲۲۴ میں، ترمذی نے جامع جلد دوم صفحہ ۱۳۵ میں، ابوداؤد نے سنن میں، خوارزمی نے مناقب میں، شوکانی نے اپنی تفسیر جلد دوم صفحہ ۳۱۹ میں، ابن مغازلی فقیہ شافعی نے فضائل میں، محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول صفحہ ۱۷ میں، شیخ سلیمان بلخی حنفی نے

ینابیع المودت باب ۱۸ میں، روایت واکابر علمائے اہل سنّت کے مختلف طریقوں سے، محبّ الدین طبری نے ریاض النضرہ صفحہ ۱۴۷ اور ذخائر العقبیٰ صفحہ ۶۹ میں، سبط ابن جوزی نے تذکرۂ خواص الامہ صفحہ ۲۲ میں (آئمہ صحاح میں سے ایک رکن) امام عبدالرحمٰن نسائی نے خصائص العلوی صفحہ ۱۴ میں اس سلسلے کی چھ حدیثیں، ابن کثیر نے تاریخ کبیر جلد پنجم صفحہ ۳۸ اور جلد ہفتم صفحہ ۳۵۷ میں، ابن حجر عسقلانی نے اصابہ جلد دوم صفحہ ۵۰۹ میں، جلال الدین سیوطی نے درالمنثور جلد سوم صفحہ ۲۰۹ تفسیر آیت اول سورہ برات میں طبری نے جامع البیان جلد دوم صفحہ ۳۲۳ میں، آلوسی نے روح المعانی جلد سوم صفحہ ۲۶۸ میں، ابن حجر مکی متعصب نے صواعق محرقہ صفحہ ۱۹ میں، ہیثمی نے مجمع الزوائد جلد ہفتم صفحہ ۲۹ میں، محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۶۲ صفحہ ۱۲۵ میں ابوبکر اور حافظ ابونعیم کی سند سے اور یہ روایت ابونعیم مسند حافظ دمشقی سے مختلف طریقوں کے ساتھ، امام احمد ابن حنبل نے مسند جلد اوّل صفحہ ۳، صفحہ ۱۵۱، جلد سوم صفحہ ۲۸۳ اور جلد چہارم صفحہ ۱۶۴، صفحہ ۱۶۵ میں، حاکم نے مستدرک جلد دوم کتاب مغازی صفحہ ۵۱ اور اسی کتاب کی جلد دوم صفحہ ۳۳۱ میں، اور مولوی علی تقی نے کنزالعمال جلد اول صفحہ ۲۴۶ تا صفحہ ۲۴۹ اور جلد ششم صفحہ ۱۵۴ فضائل علی علیہ السّلام میں، غرضیکہ سبھی نے اس قضیے کو تواتر کے ساتھ نقل کیا ہے اور عام طور سے اس کی صحت کی تصدیق کی ہے۔

سیّد عبدالحی - جس پیغمبرؐ کا ہر قول و فعل خدا کی جانب سے تھا اس نے یہ منصب پہلے ہی سے علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد کیوں نہیں کیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تبلیغ پر مامور کر دیا تاکہ بعد کو خدا کا پیغام پہنچے، علی روانہ ہوں اور بوڑھے ابوبکر کو بیچ راستے سے پلٹائیں۔

ابوبکر کی معزولی اور علیؑ کے تقرّر کا ظاہری سبب

خیر طلب - چونکہ ہماری اور آپ کی کتابوں میں اس کا کوئی اصلی سبب منقول نہیں ہے لہٰذا ہم اس سے کماحقہ واقفیت نہیں رکھتے، لیکن عقلی طور پر میرا اندازہ ہے کہ اس تبدیلی کا مقصد دوسروں کے اوپر علی علیہ السّلام کی برتری اور بزرگ منزلت کو ثابت کرنا تھا کہ تقریباً تیرہ سو چالیس برس کے بعد آج کی رات آپ کے لئے جواب موجود رہے اور آپ یہ نہ کہیں کہ پیرانہ سالی اور سیاسی مہارت کی وجہ سے خلافت میں ابوبکر کو حق تقدم حاصل تھا، اگر ابتدا ہی میں یہ منصب علی علیہ السّلام کو دے دیا گیا ہوتا تو یہ ایک معمولی سا معاملہ معلوم ہوتا اور ظاہری طور پر ہمارے لئے ممکن نہ ہوتا کہ اس حدیث کے ذریعے آپ کے مقابلے میں علی علیہ السّلام کی فضیلت و کرامت ثابت کر سکیں، کیونکہ آپ نے اپنی یہ عادت بنا رکھی ہے کہ ہر اس حدیث کے لئے جو حضرت کی فضیلت اور منصب خلافت کا اثبات کرتی ہو کوئی نہ کوئی فضول سی تاویل ضرور کرتے ہیں چاہے وہ تاویل دوسری اکثر تاویلات کے مانند مضحکہ خیز ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ اس طرح سے علی علیہ السّلام کی اعلیٰ حیثیت اور باوجود کمسنی کے بوڑھے صحابہ کے اوپر آپ کی ترجیح اور حق تقدم ساری اُمّت پر آج تک مکمل طور پر واضح ہو رہا ہے۔

پہلے آں حضرت مذکورہ آیتیں ابوبکر کو دیتے ہیں، پھر ان کے چند منزل آگے بڑھ جانے کے بعد علی علیہ السّلام کو اس وضاحت کے ساتھ معین فرماتے ہیں کہ جبرئیل نے من جانب خدا مجھ کو مامور کیا ہے اور صاف صاف کہا ہے کہ لن یؤدی عنک الوانت اورجل منک (یعنی تمہاری طرف سے پیغام رسالت سوا تمہارے یا اس مرد کے جو تم سے ہو اور کوئی ہرگز نہیں پہنچا سکتا۔

پس ابوبکر کا جانا اور درمیان راہ سے واپس آنا دوسروں پر علی السّلام کی برتری اور فوقیت کا ایک بڑا ثبوت بن جاتا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ امر خداوندی کی تبلیغ یعنی نبوت وخلافت کو بڑھاپے اور جوانی سے کوئی ربط نہیں ہے۔ ع

ہزار نکتۂ باریک تر زمو اینجا ست

اگر ابوبکر کا بوڑھا اور سیاسی ہونا ان کی فوقیت اور حق تقدم کو ثابت کرتا تھا تو ان کو ایسے مقدس کام سے قطعاً معزول نہ ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ پیغام رسالت کا پہنچانا پیغمبرؐ اور خلیفۂ پیغمبرؐ ہی کا کام ہے۔

سیّد - بعض روایتوں میں ابوہریرہ سے منقول ہے کہ علی کرم اللہ وجہہ کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ مکے جائیں، ابوبکر لوگوں کو مناسک حج کی تعلیم دیں اور علی آیات سورۂ برأت کی تلاوت کریں، پس اس صورت سے پیغام رسالت پہنچانے میں دونوں باہم مساوی تھے۔

خیر طلب - اوّل تو یہ روایت بکریئین کی گڑھی ہوئی ہے اس لئے کہ دوسروں نے اس کو نقل نہیں کیا ہے۔ دوسرے ابوبکر کی معزولی اور ابلاغ رسالت کے لئے علی علیہ السّلام کے تنہا مکے بھیجے جانے پر ساری اُمت کا اجماع ہے اور یہ مخالف وموافق مذاہب کی صحاح ومسانید میں معتبر اسناد کے ساتھ تواتر کی حد تک ثابت ہے۔ بدیہی چیز ہے کہ کثیر التعداد صحیح ومستند احادیث سے تمسک کرنے پر جمہور اُمت کا اتفاق ہے اور اگر کوئی خبر واحد ان صحاح کثیرہ کے خلاف ہو تو آپ خود بہتر جانتے ہیں، کہ محدثین اور اصولیین کے قاعدے سے اس کو ترک اور ردّ کر دینا واجب ہے۔ اگر وہ خبر واحد صحیح بھی ہو تو مظنون ہے اور مظنون کے لئے معلوم کا ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ پس ابوبکر کی معزولی، علی علیہ السّلام کی تعیین، ابوبکر کا رنج وغم کی حالت میں مدینے پلٹنا، ان سے پیغمبرؐ کی گفتگو اور آں حضرتؐ کا یہ کہہ کے مطمئن فرمانا کہ حکم خدا اسی طرح سے تھا، یہ سب روایتیں مسلمات میں سے ہیں۔ نیز اپنی جگہ پر اس کی ایک مکمل دلیل ہے کہ حق تقدم کا کہنہ سالی اور پیری سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ عقلی ونقلی دلائل سے ثابت ہے کہ اُمت اور جماعت انسانی کے اندر تقدم اور فوقیت کا حق علم ودانش اور تقویٰ سے حاصل ہوتا ہے۔ افراد بشر میں سے جو فرد علم وفضل اور تقویٰ کی حیثیت سے برتری رکھتی ہو اقوم کے اندر اسی کو ترجیح اور تقدم کا حق ہوگا کیوں کہ آپ کا ارشاد ہے الناس موتیٰ واھل العلم احیاء (یعنی تمام لوگ مردہ ہیں اور صاحبان علم زندہ ہیں)

اسی بنا پر رسول خدا صلعم نے علی علیہ السّلام کو دوسرے صحابہ پر مقدم رکھا اور فرمایا علی میرے علم کا دروازہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ کا باب علم دوسروں سے مقدم ہوگا اگرچہ پیغمبرؐ کے جو اصحاب آں حضرتؐ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے وہ بھی

فضیلتوں کے حامل تھے اور ہم فضائل صحابہ کے منکر نہیں ہیں لیکن اُن کے فضائل باب علم پیغمبرؐ کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ آپ کا مقام و مرتبہ سب سے افضل ہے۔

اگر صحابہ میں سے کسی فرد کو حق تقدم اور ترجیح حاصل ہوتی تو رسولؐ اللہ قطعاً اُمت کو اس کی پیروی کا حکم دیتے۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک امر الٰہی ہے جس کو پیری اور جوانی سے ہرگز کوئی ربط نہیں ہے بلکہ خداوند عالم جس شخص کو اس منصب کے لائق پاتا ہے اسی کی اطاعت کا حکم دیتا ہے چاہے وہ بوڑھا ہو یا نوجوان۔

پیغمبرؐ کا علیؑ کو عہدۂ قضاوت پر یمن بھیجنا

چنانچہ عام طور پر آپ کے اکابر علماء نے علی علیہ السّلام کو اہل یمن کی ہدایت اور قضاوت کے لئے بھیجے جانے کو تفصیل سے نقل کیا ہے بالخصوص (آئمہ صحاح ستّہ میں سے) امام ابو عبد الرحمٰن نسائی نے خصائص العلوی کے اندر اس بارے میں چھ حدیثیں درج کی ہیں۔ نیز ابو القاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی نے محاضرات الادباء جلد دوم ص۲۱۲ میں اور دوسروں نے نقل کیا ہے، جس کا خلاصہ مع سلسلۂ اسناد یہ ہے کہ جس وقت رسول خدا صلعم نے علی علیہ السّلام کو مامور فرمایا کہ قضاوت اور ہدایت خلق کے لئے یمن جائیں تو آپ نے عرض کیا کہ میں جوان ہوں آپ مجھ کو قوم کے بوڑھے لوگوں پر کیوں مقرر فرما رہے ہیں؟ آں حضرت نے فرمایا انّ اللہ سیھدی قلبک ویثبت لسانک (یعنی عنقریب خدا (علم قضا میں) تمہاری رہنمائی کرے گا اور تمہاری زبان کو قائم کرے گا اگر فوقیت کے لئے کمسن ہونا ضروری تھا تو بزرگان صحابہ اور ابوبکر جیسے بوڑھے اور سن رسیدہ اشخاص کی موجودگی میں علی علیہ السّلام کو کس لئے یمن والوں کی قضاوت وہدایت پر مامور فرمایا؟ پس معلوم ہوا کہ اُمت کا قاضی اور ہادی بننے میں عمر کی کمی و بیشی اور پیری و جوانی کو کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ فقط علم و فضل، تقوے اور خصوصیت کے ساتھ نص کا ہونا لازمی ہے۔

پیغمبرؐ کے بعد علیؑ امّت کے ہادی تھے

اور ایسی نص قرآن و احادیث میں سوا علی علیہ السّلام کے اور کسی کے لئے نہیں تھی۔ چنانچہ آیت ۸ سورہ ۱۳ (رعد) میں پیغمبرؐ سے کھلا ہوا خطاب ہو رہا ہے کہ انّما انت منذر ولکل قوم ھاد یعنی سوا اس کے نہیں ہے کہ تم ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لئے ایک راہنما ہے اور وہ ہادی و رہنما پیغمبرؐ کے بعد علی اور عترت رسول ہے، جیسا کہ امام ثعلبی تفسیر کشف البیان میں، محمّد بن جریر طبری اپنی تفسیر میں، محمّد بن یوسف گنجی شافعی کفایت الطالب باب۶۲ میں اسناد تاریخ

ابن عساکر سے اور شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودۃ آخر باب ۲۶ میں ثعلبی، حموینی، حاکم ابوالقاسم حسکانی، ابن صباغ مالکی، میر سید علی ہمدانی اور مناقب خوارزمی سے ابن عباس، حضرت امیرالمومنین اور ابو بریدہ اسلمی کے اسناد کے ساتھ مختلف الفاظ و عبارات میں گیارہ حدیثیں نقل کی ہیں، اور ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا انا المنذر (یعنی میں ڈرانے والا ہوں) پھر علی علیہ السلام کے سینے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا وانت الھادی وبک یھتدی المھتدون یعنی تم (میرے بعد اس امت کے) ہادی ہو اور تم سے ہدایت پانے والے ہدایت پائیں گے۔

اگر ایسی کوئی نص دوسروں کے بارے میں بھی آئی ہوتی تو یقیناً ہم ان کی پیروی کرتے، لیکن چونکہ یہ خصوصیت صرف علی علیہ السلام کو عطا کی گئی ہے لہٰذا ہم بھی مجبور ہیں کہ انہیں بزرگوار کی اطاعت کریں اور پیری وجوانی پر نظر نہ کریں۔

دشمنوں کی سازشیں اور مجازی وحقیقی سیاست میں فرق

اور جو آپ نے یہ فرمایا ہے کہ علی علیہ السلام جوان اور ناتجربہ کار تھے لہٰذا خلافت کی طاقت وقدرت نہیں رکھتے تھے، چنانچہ پچیس سال کے بعد بھی جب مسندِ خلافت پر آئے تو آپ کی سیاسی ناواقفیت کی وجہ سے اس قدر خوں ریزیاں اور انقلابات برپا ہوئے۔" تو میں نہیں جانتا کہ آپ نے یہ بیان عمداً دیا ہے یا سہواً، یا محض اپنے اسلاف کی پیروی مقصود ہے؟ ورنہ ایک نکتہ رس عالم ہرگز ایسے الفاظ منہ سے نہیں نکالے گا۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر آپ حضرات کی نظر میں سیاست کا مطلب کیا ہے؟ اگر جھوٹ بولنا، حیلہ سازی کرنا، سازش کا جال بچھانا، حق و باطل کو غلط ملط کر دینا اور نفاق پر عمل کرنا مراد ہے (جیسا کہ ہر زمانے کے دنیادار لوگ اپنے اقتدار اور منصب کو محفوظ رکھنے کے لئے اس پر عامل رہے اور ہیں) تو میں تصدیق کرتا ہوں کہ علی علیہ السلام اس قسم کی سیاست سے بہت دور تھے اور آپ ہرگز اس معنی میں سیاسی انسان نہیں تھے۔ کیوں کہ ایسا طریقۂ کار درحقیقت سیاست نہیں ہے بلکہ سراپا شرارت، مکاری، فریب کاری، حیلہ جوئی اور جعل سازی ہے جس پر دنیا پرست لوگ اپنا مقصد حاصل کرتے اور اپنے جاہ وثروت کا تحفظ کرنے کے لئے عمل پیرا ہوتے ہیں۔

حقیقی سیاست یہ ہے کہ عدل وانصاف کا دامن نہ چھوڑتے ہوئے ہر کام کو اس کے صحیح محل پر انجام دیا جائے ایسی سیاست ان حق پرست لوگوں کے یہاں نشوونما پاتی ہے جو فانی جاہ ومنصب کے طالب نہیں ہیں بلکہ ان کی خواہش صرف یہ ہے کہ حق کا رواج ہو، لہٰذا حضرت علی علیہ السلام جو حق وحقیقت، عدالت وانصاف اور صداقت وصلاحیت کے مجسمہ تھے اس طرح کی سیاست سے الگ تھے جس پر دوسرے لوگ کاربند تھے۔

چنانچہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جس وقت آپ کو خلافت ظاہری حاصل ہوئی تو فوراً تمام پچھلے حکام اور کارندوں کو معزول کر دیا۔ عبداللہ ابن عباس (آپ کے ابن عم) اور دوسرے لوگوں نے عرض کیا کہ بہتر ہوگا اگر آپ یہ حکم چند روز کے لئے ملتوی فرما دیں تاکہ ساری ریاستوں اور ولایتوں کے حکام و عمال آپ کے اقتدار خلافت کو تسلیم کر لیں، اس کے بعد آہستہ آہستہ ان کی معزولی کا فرمان نافذ فرمائیں۔

حضرت نے فرمایا، تم نے ظاہری سیاست کا لحاظ کرتے ہوئے یہ مشورہ دیا ہے لیکن یہ بھی جانتے ہو کہ اس ظاہری سیاست کے خیال سے میں جتنے زمانے تک ظالم و جابر حکام کو ان کے عہدوں پر باقی رکھوں گا اور ان کی بقا پر راضی رہوں گا چاہے وہ وقتی اور ظاہری حیثیت سے کیوں نہ ہو، خدا کے نزدیک ان کے اعمال کا ذمہ دار قرار پاؤں گا اور موقف حساب میں مجھ کو اس کا جواب دینا پڑے گا؟

قطعی طور پر سمجھ لو کہ علیؑ سے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔

غرضیکہ عدل و انصاف کی حفاظت کے لئے فوراً ان کی معزولی کے احکام روانہ فرمائے اور یہی فرمان معاویہ اور طلحہ و زبیر وغیرہ کی مخالفت کا باعث ہوا، جنہوں نے علم بغاوت بلند کر کے نفسانی خواہشات اور شیطانی خیالات کی بنا پر انقلاب اور خون ریزی کا بازار گرم کیا۔

طبری نے اپنی تاریخ میں، ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں نیز اوروں نے نقل کیا ہے کہ علی علیہ السلام بار بار یہی فرماتے تھے کہ اگر مجھے دین و تقویٰ اور عدل و انصاف کا لحاظ نہ ہوتا تو میں تمام عرب سے زیادہ چالاکی اور مکاری کر سکتا تھا اور میری ہوشیاری سب سے بڑھی ہوئی تھی۔

محترم حضرات! آپ کو دھوکا ہوا ہے اور بغیر تحقیق کے غلط پروپیگنڈے کے شکار ہو رہے ہیں جو یہ سمجھ رہے ہیں کہ حضرت کے زمانۂ خلافت کا انقلاب اور لوگوں کی پراگندگی آپ کے سیاست نہ جاننے کی وجہ سے تھی۔ درآں حالیکہ حقیقت یہ نہیں تھی بلکہ کچھ دوسرے ہی وجوہ و اسباب کام کر رہے تھے جن کی پوری تفصیل تو اس تنگ وقت میں پیش نہیں کی جا سکتی لیکن آپ کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے ان میں سے بعض کی طرف اشارہ کرتا ہوں تاکہ یہ معاملہ حل ہو جائے۔

امیرالمومنینؑ کے دورِ خلافت میں انقلاب کے اسباب

اوّل تو تقریباً پچیس سال تک جن لوگوں کو حضرت سے کینہ اور بغض و عداوت رکھنے کی تربیت دی جا چکی تھی ان کے لئے بہت مشکل تھا کہ دفعتاً سب کے سب آپ کی ولایت و خلافت پر رضامند ہو کر آپ کی بلند منزلت کی تصدیق کریں (چنانچہ خلافت کے پہلے ہی روز اس زمانے کے شریف زادوں میں سے ایک صاحب مسجد کے دروازے سے داخل

ہوئے اور حضرت کو منبر پر دیکھا تو باآواز بلند کہا کہ اندھی ہو جائے وہ آنکھ جو بجائے خلیفہ عمر کے علی کو منبر کے اوپر دیکھے)

دوسرے دنیا طلب لوگوں کے لئے حضرت کے عدل و انصاف کو قبول کرنا ممکن نہیں تھا (بالخصوص خلافت عثمان کے اندر حکومت بنی امیہ کے آخری برسوں میں جب کہ ان کو مکمل آزادی حاصل تھی) لہٰذا انہوں نے مخالفت کی آواز بلند کی تاکہ کوئی ایسا شخص برسر اقتدار آجائے جو ان کی دنیا پرستی اور ہوا و ہوس کے جذبات پورے کر سکے (چنانچہ خلافت معاویہ کے زمانے میں ان کی تمنائیں اور مرادیں برآئیں اور دنیا طلبی کے مقاصد پورے ہوئے) اسی بنا پر طلحہ و زبیر نے پہلے تو بیعت کی لیکن جب حضرت سے حکومت کا تقاضا کیا اور وہ پورا نہیں کیا گیا تو فوراً بیعت توڑ دی اور جنگ جمل کا فتنہ اٹھا کر کھڑا کر دیا۔

تیسرے بہتر ہوگا کہ تاریخ کو ذرا غور سے پڑھئے اور انصاف کی نظر ڈالئے تو ظاہر ہو کہ ابتدائے خلافت ہی سے فتنہ و فساد اور انقلاب انگیزی کا بانی کون تھا اور کس شخص نے لوگوں کو تحریص و ترغیب دے کر مخالفت اور بغاوت پر آمادہ کیا جس سے اس کثرت کے ساتھ خون ریزی ہوئی؟ آیا وہ شخص علاوہ اُمّ المومنین عائشہ کے کوئی اور تھا؟ آیا وہ عائشہ ہی نہیں تھیں جو اسلام کے تمام شیعہ و سنّی علماء اور محدثین و مورخین کی شہادت کی روشنی میں اونٹ پر سوار ہو کر خدا و رسول کے اس فرمان کے برخلاف کہ (اپنے گھر کے اندر بیٹھو) بصرہ پہنچیں اور انقلاب و فتنہ و فساد کی آگ بھڑکا کر لاتعداد مسلمانوں کا خون بہانے کی ذمّہ دار ہوئیں؟

پس حضرت کی سیاسی ناواقفیت انقلاب اور فتنہ و فساد کا سبب نہیں بنی بلکہ پچیس سال تک تربیت پائے ہوئے لوگوں کا طرزِ عمل اُمّ المومنین عائشہ کی عداوت اور کینہ اور دنیا طلب اشخاص کی حرص و ہوس انقلاب اور خون ریزی کی باعث ہوئی۔

چوتھے آپ نے اشارہ کیا ہے کہ اندرونی لڑائیاں اور خون ریزیاں حضرت کی سیاسی کمزوری کی وجہ سے رونما ہوئیں تو یہ بھی ایک بہت بڑا اشتباہ ہے جو آپ نے بغیر تاریخ پر غور کیے بیان کیا ہے۔

اوّل تو عقل و انصاف سے جائزہ لینے کے بعد نظر ہی آجاتا ہے کہ ان اندرونی لڑائیوں اور خون ریزیوں کی بانی اُمّ المومنین عائشہ تھیں جو پیغمبرؐ کی صریحی ممانعت کے باوجود حضرت علیؑ کے مقابلے پر اُٹھ کھڑی ہوئیں اور تمام لڑائیوں اور قتل و خون ریزی کی جڑ ثابت ہوئیں۔ اس لئے کہ اگر عائشہ نے بغاوت نہ کی ہوتی تو اور کسی کو حضرت کے مقابلے پر آنے کی جرأت ہی نہ ہوتی جب کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صاف صاف فرما دیا تھا کہ علیؑ سے جنگ کرنا مجھ سے جنگ کرنا ہے۔ پس جس شخص نے لوگوں کو جرأت دلائی اور حضرت سے جنگ کرنے پر تیار کیا وہ عائشہ تھیں، جنہوں نے جنگ جمل کی تشکیل کی اور علی علیہ السّلام کے حق میں بیہودہ باتیں کہہ کے میدان جنگ کو گرمایا اور لوگوں کی ہمت بڑھائی۔

جمل وصفین اور نہروان کے لئے پیغمبرؐ کی پیشین گوئی

دوسرے بصرہ اور صفین ونہروان میں منافقین ومخالفین سے آپ کی لڑائیاں وہی نوعیت رکھتی تھیں جو کفّار کے مقابلے میں رسول اللہ کی جنگیں۔

شیخ - مسلمانوں کے مقابلے میں لڑائیاں مشرکین سے لڑائیوں کے مانند کیونکر تھیں؟

خیر طلب - اس صورت سے کہ بنا برآں اخبار واحادیث کے جن کو آپ کے اکابر علماء نے مثلاً امام احمد حنبل نے مسند میں، سبط ابن جوزی نے تذکرہ میں، سلیمان بلخی نے ینابیع المودت میں، امام عبدالرحمٰن نسائی نے خصائص العلوی میں، محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں، محمد ابن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۳۷ میں اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ (مطبوعہ مصر) جلد اول ص۶۷ میں نقل کیا ہے کہ رسول خدا صلعم نے ناکثین وقاسطین ومارقین سے علی علیہ السلام کی جنگوں کی خبر دی ہے۔ جن میں ناکثین سے طلحہ وزبیر اور ان کے ساتھی، قاسطین سے معاویہ اور ان کے پیرو اور مارقین سے نہروان کے خوارج مراد تھے، یہ سب کے سب باغی اور واجب القتل تھے اور خاتم الانبیاء صلعم نے ان لڑائیوں کی خبر دیتے ہوئے اسی کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ محمّد ابن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۳۷ میں اسناد کے ساتھ ایک حدیث سعید ابن جبیر سے اور انہوں نے ابن عباس (حبرامت) سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اُمّ المومنین اُمّ سلمہ سے فرمایا۔

ھذا علی بن ابی طالب لحمہ من لحمی ودمہ من دمی وھو منّی بمنزلۃ ھارون من موسٰی الّا انہ لا نبی بعدی یا امّ سلمۃ ھذا علی امیرالمومنین وسیّد المسلمین ودعاء علمی ووصّی وبابی الذی أوتی منہ وھو اخی فی الدنیا والاٰخرۃ ومعی فی المقام الاعلیٰ یقتل القاسطین والناکثین والمارقین۔

(یعنی یہ علی ابن ابی طالب ہیں ان کا گوشت میرے گوشت سے اور ان کا خون میرے خون سے ہے اور یہ مجھ سے بمنزلۂ ہارون ہیں موسٰے سے لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اے اُمّ سلمہ یہ علی مومنین کے امیر مسلمانوں کے سردار، میرے علم کے مخزن، میرے وصی اور میرے علوم کے دروازہ ہیں جو ان سے حاصل ہوتے ہیں یہ دنیا وآخرت میں میرے بھائی اور مقام اعلیٰ میں میرے ساتھ ہیں۔ یہ ناکثین، قاسطین اور مارقین سے جنگ کریں گے)

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد محمد بن یوسف اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات

پر پوری دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ نے علی علیہ السلام سے ان تینوں گروہوں کے ساتھ جنگ کا وعدہ کیا اور قطعاً
آں حضرتؐ کا ارشاد برحق اور جو وعدہ فرمایا تھا وہ سچا تھا اور یقیناً ان حضرتؐ نے علی کو ان تینوں گروہوں سے جنگ کرنے کا
حکم دیا چنانچہ مخنف بن سلیم کی سند سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا، ابوایوب انصاری (جو رسولؐ اللہ کے بزرگ صحابہ میں سے
تھے۔) ایک لشکر کے ساتھ جنگ پر آمادہ ہوئے تو میں نے ان سے کہا کہ اے ابوایوب تمہارا معاملہ عجیب ہے، تم وہی ہو
جس نے رسول خدا کے ہمراہ مشرکین سے جنگ کی اور اب مسلمانوں سے جنگ کرنے پر تلے ہوئے ہو۔ انہوں نے
جواب دیا ان رسول اللہ امرنی بقتال ثلاثۃ الناکثین والقاسطین والمارقین ۔ رسول اللہ نے مجھ کو
تین گروہوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ ناکثین قاسطین اور مارقین ہیں ۔

اور جو میں نے یہ عرض کیا کہ اہل بصرہ (جمل) معاویہ (صفین) اور اہل نہروان سے امیرالمومنین علیہ السلام کی جنگیں اسی
طرح کی تھیں جس طرح کفار و مشرکین سے رسول کی جنگ، تو آپ کے اکابر علماء جیسے امام ابوعبدالرحمن نسائی خصائص العلوی
حدیث، ص۵۵ میں ابوسعید خدری کی سند سے اور سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودۃ باب ۱۱ ص۵۹ میں جمع الفوائد سے بروایت
ابوسعید نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا، ہم صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے رسولؐ اللہ کے منتظر تھے کہ اتنے میں آں حضرتؐ ہماری
طرف اس حالت میں تشریف لائے کہ آں حضرتؐ کی نعلین کا تسمہ کٹ گیا تھا۔ اس جوتی کو علی علیہ السلام کی طرف ڈال دیا اور
علیؑ اس کو سینے میں مشغول ہو گئے، اس وقت آں حضرتؐ نے فرمایا ان منکم من یقاتل علی تاویل القرآن کما
قاتلت علی تنزیلہ فقال ابوبکر رضی اللہ عنہ انا فقال (ص) لا۔ فقال عمر رضی اللہ عنہ انا
فقال (ص) لا ولکن خاصف النعل (یعنی یقیناً تم میں سے ایک شخص وہ ہے جو قرآن کی تاویل پر جنگ کرے گا
جس طرح میں نے اس کی تنزیل پر جنگ کی ہے۔ پس ابوبکر نے عرض کیا وہ شخص میں ہوں؟ آں حضرتؐ نے فرمایا نہیں۔
پھر عمر نے کہا میں ہوں؟ فرمایا نہیں، بلکہ جوتی سینے والا شخص ہے (یعنی علی علیہ السلام)

پس یہ حدیث ایک نص صریح ہے اس چیز پر کہ علی علیہ السلام کی جنگیں جہاد برحق اور قرآن مجید کی تاویل اور اس
کے حقیقی مفہوم کی حفاظت کے لئے تھیں جیسا کہ رسول اللہ کی جنگیں قرآن کی تنزیل اور اس کے ظاہری نزول کے لئے تھیں
یہ تینوں لڑائیاں جو علی علیہ السلام نے لڑیں ارشاد پیغمبرؐ کے مطابق مسلمانوں کے مقابلے میں نہیں تھیں، کیونکہ اگر مسلمانوں
سے جنگ ہوتی تو یقیناً آں حضرتؐ اس سے منع فرماتے نہ یہ کہ اس کے لئے حکم دیتے اور مخالفین کو ناکثین و قاسطین و
مارقین کے ناموں سے یاد کرتے جو خود اپنی جگہ پر ان لوگوں کے ارتداد اور قرآن سے بغاوت کرنے کی دلیل ہے، جس طرح
مشرکین قرآن کے مقابلے پر آچکے تھے معلوم ہوا کہ یہ سارے انقلابات اور لڑائیاں امیرالمومنین علیہ السلام کی سیاسی ناتجربہ
کاری سے نہیں بلکہ مخالفین کے بغض و نفاق اور رسول اللہ کے قواعد و قوانین اور ہدایات پر ان کے توجہ نہ کرنے کے سبب سے
تھیں۔ اگر آپ حضرات از روئے علم و انصاف اور غیر جانب داری کے ساتھ اس مکمل شرعی حکومت کے طور طریقے

آپ کی پنج سالہ خلافت اور ان احکام پر جو آپ ولایتوں کے حکام اور فوجی و ملکی افسروں کے نام صادر فرماتے تھے غور کیجئے (مثلاً وہ احکام و ہدایات جو حکومت مصر میں مالک اشتر اور محمد ابن ابی بکر کو، بصرے کی حکومت میں عثمان ابن حنیف اور عبداللہ ابن عباس کو اور حکومت مکّہ میں قثم ابن عباس کو نیز اپنے دوسرے عمال کو ان کی تقرری کے زمانے میں دیئے اور جو نہج البلاغہ کے اندر جمع ہیں) تو تصدیق کیجئے گا کہ رسول اللہ کے بعد علی علیہ السلام کا ایسا عادل اور قوم پرور سیاست دان چشم روزگار نے نہیں دیکھا، جس کا دوست و دشمن سبھی کو اعتراف ہے۔ اس لئے کہ حضرت تقویٰ و پرہیزگاری میں امام المتقین تھے، علم و دانش میں کتاب اللہ کی تفسیر و تاویل، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ اور اس کے مجمل و مفصل کے اور اس کے علاوہ غیب و شہود کے عالم تھے۔

شیخ ۔ میں اس مبہم جملے کے معنی نہیں سمجھا کہ آپ نے سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو غیب و شہود کا عالم کہہ دیا۔ غیب و شہود کا مطلب میری سمجھ میں نہیں آیا، التماس ہے کہ وضاحت کے ساتھ بیان فرمایئے۔

خیر طلب ۔ اس مطلب میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ علم غیب امور عالم کے باطنی حالات سے واقفیت اور کائنات کے پوشیدہ اسرار سے آگاہی کو کہتے ہیں جس کے عالم غیب الغیوب یعنی خدائے عزّوجل کے افاضات سے انبیاء اور ان کے اوصیاء تھے۔ البتہ ہر ایک کو غیبی امور پر اسی حد تک آگاہی ملی جس قدر خداوند عالم نے ان کے لئے مناسب اور ان کے تبلیغات کے واسطے ضروری جانا اور خاتم الانبیاءؐ کے بعد ایسے علم کی عالم امیرالمومنین علیؑ کی ذات تھی۔

شیخ ۔ جناب عالی سے مجھ کو یہ توقع نہیں تھی کہ غالی شیعوں کے باطل عقاید کو (باوجودیکہ ان سے بیزاری کا اظہار بھی کرتے ہیں) بیان کیجئے گا۔

بدیہی چیز ہے کہ یہ ایسی تعریف ہے جس سے خود صاحب تعریف بھی راضی نہیں اس لئے کہ علم غیب ذات باری تعالیٰ کے مخصوص صفات میں سے ہے اور بندوں میں سے کوئی شخص اس میں دخل نہیں رکھتا۔

خیر طلب ۔ آپ کی یہ گفتگو اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے جس میں عمداً یا سہواً آپ کے اسلاف مبتلا رہ چکے ہیں اور اب آپ بھی بغیر سوچے سمجھے اور غور و فکر کے انہیں کی پیروی میں یہ باتیں زبان پر جاری کر رہے ہیں۔ اگر آپ تھوڑی دقت نظر سے کام لیتے تو حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے معلوم ہو جاتا کہ انبیائے عظام و اوصیائے کرام اور خدا کے برگزیدہ بندوں کے لئے علم غیب کا معتقد ہونا ہرگز غلو سے کوئی ربط نہیں رکھتا، بلکہ یہ تو ان کی ایک صفت اور ان کے لئے خالص مقام عبودیت کا اثبات تھا جس پر عقل و نقل اور قرآن مجید کی نص صریح شہادت دے رہے ہیں۔

علم غیب سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا

شیخ ۔ یہ بے لطفی کی بات ہے کہ آپ نے قرآن کا حوالہ دیا ہے، حالانکہ قرآن کریم کی نص آپ کے اس بیان کیخلاف وارد ہوئی ہے
خیر طلب ۔ میں بہت ممنون ہوں گا جن آیات کو آپ مخالف بتا رہے ہیں ان کی تلاوت فرمایئے ۔
شیخ ۔ قرآن کریم کے اندر کئی آیتیں ایسی ہیں جو میری اس گذارش پر گواہ ہیں ۔ آیت ۵۹ سورہ ۶ (انعام) میں صاف صاف ارشاد ہے وعندہ مفاتیح الغیب لا یعلمھا الا ھو و یعلم ما فی البر والبحر وما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا ولا حبۃ فی ظلمات الارض ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین (یعنی خزانۂ غیب کی کنجیاں خدا کے پاس ہیں سوا خدا کے آگاہ نہیں ہے، نیز خشکی اور سمندر میں جو کچھ ہے اس سے واقف ہے اور درخت کا کوئی پتا نہیں گرتا ہے لیکن یہ کہ اس کو جانتا ہے اور زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں ہے اور نہ کوئی خشک و تر ایسا ہے جو کتاب مبین میں درج نہ ہو)

یہ آیت دلیل قاطع ہے کہ سوا ذات پروردگار کے کوئی شخص علم غیب کا عالم نہیں ہے اور جو شخص غیر خدا کے لئے علم غیب کا قائل ہو اُس نے غلو کیا اور ایک ضعیف بندے کو خدائی کی صفت میں شریک قرار دیا اور آں حالیکہ ذات الٰہی ذاتی اور صفاتی دونوں حیثیتوں میں شریک سے مبرا و منزا ہے ۔ آپ نے جو یہ فرمایا کہ سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ علم غیب سے واقف تھے تو علاوہ اس کے کہ آپ نے ان کو خدا کی مخصوص صفت میں شریک قرار دے دیا، ان کی منزل کو پیغمبرؐ کی بلند منزل سے بھی اونچا کر دیا، کیونکہ خود رسول اللہ مکرر فرماتے تھے کہ میں تمہارا ایسا ایک انسان ہوں ۔ اور علم غیب کا عالم خدا ہے ۔ اور آں حضرتؐ صریحی طور پر علم غیب سے اپنی عاجزی کا اظہار کرتے تھے ۔ کیا آپ نے سورہ ۱۸ (کہف) کی آیت ۱۱۰ نہیں پڑھی ہے جس میں ارشاد ہے کہ قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰھکم الہ واحد (یعنی (اے رسولؐ) اُمت سے کہہ دو کہ میں تمہارا ہی ایسا انسان ہوں (صرف فرق اتنا ہے کہ) مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے ۔ سوا اس کے نہیں ہے کہ تمہارا معبود خدائے واحد ہے) ؟ نیز آیت ۱۸۸ (اعراف) فرمایا ہے قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا نذیر و بشیر لقوم یومنون (یعنی (اے رسولؐ) اُمت سے کہہ دو کہ میں اپنے نفع اور ضرر کا مالک نہیں ہوں سوا اس کے کہ جو خدا نے چاہا ہے ۔ اور اگر میں (از خود) غیب کا عالم ہوتا تو اپنے لئے کثیر فائدہ مہیا کر لیتا اور کبھی نقصان و رنج نہ اٹھاتا میں تو صرف ایمان لانے والوں کو ڈرانے والا اور بشارت دینے والا ہوں)
اور آیت ۳۲ سورہ ۱۱ (ہود) میں فرماتا ہے ولا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب

(یعنی میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ خدا کے خزانے میرے پاس ہیں اور نہ میں خود علم غیب سے آگاہ ہوں)۔

مزید برآں آیت ۶۵ سورہ ۲۷ (النمل) میں ارشاد ہے قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ وما یشعرون ایان یبعثون (یعنی اے رسول) کہہ دو کہ آسمانوں اور زمین میں سوا خدا کے کوئی علم غیب سے آگاہ نہیں ہے اور یہ بھی شعور نہیں رکھتے کہ کب محشور ہوں گے) ایسی صورت میں کہ خود پیغمبر ان آیات شریفہ کے کھلے ہوئے اعلان سے علم غیب نہ جاننے پر یقین رکھتے ہیں اور اس علم کو ذاتِ الٰہی کے مخصوصات میں سے سمجھتے ہیں آپ کیونکر علیؑ کے لئے ایسے علم کے قائل ہیں؟ پس اس عقیدے کا مطلب سوا اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ علیؑ کی منزل پیغمبرؐ کی منزل سے بالاتر ثابت کی جائے۔ آخر آپ کس قاعدے سے غیر خدا کے لئے علم غیب کے قائل ہیں؟ اگر علیؑ کو خدا کا شریک قرار دینے والا آپ کا یہ عقیدہ غلو نہیں ہے تو پھر غلو کیا چیز ہے

خیر طلب۔ آپ کے بیانات کے مقدمات صحیح ہیں جو ہمارے لئے قابل قبول ہیں اور یہی ہم سب کا عقیدہ ہے لیکن ان سے آپ نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ ناقص ہے۔

انبیاءؑ و اوصیاءؑ کو علم غیبؑ خدا کی طرف سے ملتا ہے

آپ نے فرمایا ہے کہ عالم علم غیب ذات پروردگار ہے۔ غیب کی کنجیاں خدائے تعالیٰ کے پاس ہیں اور سورہ کہف کی آخری آیت کے پیش نظر خاتم الانبیاء حضرت رسول خدا صلعم تمام انبیائے عظام، اوصیائے کرام اور آئمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین بھی دوسرے انسانوں کے مانند انسان ہیں جو اپنی جسمانی ساخت میں کوئی زیادتی نہیں رکھتے اور ان حضرات کے اجسام طاہرہ بھی اسی طرح پیدا ہوئے ہیں جس طرح دوسروں کے تو اس میں ہرگز کوئی شک وشبہ نہیں ہے اور سارے فرقہ امامیہ کے یہی عقائد ہیں۔ نیز جو آیتیں آپ نے تلاوت کیں وہ سب اپنے اپنے محل پر صحیح ہیں۔ لیکن آپ نے سورۂ ہود کی جو آیت پڑھی ہے وہ شیخ الانبیاء حضرت نوح علی نبینا وآلہ وعلیہ السلام کے بارے میں ہے۔ البتہ سورہ ۶ (انعام) کی آیت ۵۰ ہمارے عظیم المرتبت پیغمبرؐ کے لئے مخصوص ہے، کیونکہ جب کفار و مشرکین آں حضرتؐ سے علامتوں کا مطالبہ کرتے تھے کہ ان پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اترتا اور وہ مستقل غیب سے کیوں واقف نہیں ہیں؟ تو ان کے جواب میں یہ آیۂ شریفہ نازل ہوئی قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ (یعنی کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں، نہ یہ کہ میں عالم الغیب ہوں اور نہ اس کا مدعی ہوں کہ میں فرشتہ ہوں (میں فقط اتنا کہتا ہوں کہ) میں صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھ پر وحی ہوتی ہے)

اس آیۂ مبارکہ کے نزول کا مقصد یہ تھا کہ جاہل لوگوں کی ہوس بازیوں کی روک تھام کی جائے تاکہ وہ جان لیں کہ خدائی

کارخانہ اور نبوت و رسالت کی منزل اس سے بالاتر ہے کہ شعبدہ بازی کے اسٹیج کے مانند ان کو خوش کرنے اور ان کے مطالبات پورے کرنے کا ذریعہ بنے۔ رہا وہ علم غیب جس کے ہم انبیاء اور ان کے اوصیاء کے لئے قائل ہیں، تو وہ خدائی کی صفت میں شرکت نہیں ہے بلکہ وحی والہام کا ایک حصّہ ہے جو من جانب خدا ان حضرات پر نازل ہوکر ان کے سامنے سے پردے اٹھاتا تھا اور حقائق کو ان پر ظاہر کرتا تھا۔ بہتر ہوگا کہ ہم اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ مطالب کی تشریح کریں تاکہ حقیقت کھل جائے اور دھوکا دینے والے لوگ شیعوں کے عقائد میں بے جا دخل اندازی نہ کریں، ان پر تہمتیں نہ لگائیں اور یوں نہ کہیں کہ شیعہ اپنے اماموں کو علم خداوندی میں شریک سمجھتے ہیں لہٰذا مشرک ہیں۔

عِلم کی دو قسمیں ہیں، ذاتی اور عرضی

ہماری شیعہ امامیہ جماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں: ذاتی اور عرضی۔

علم ذاتی وہ ہے جس میں الگ سے قطعاً کوئی چیز عارض نہیں ہوتی اور ایک فرد اکمل پر اُس کا اطلاق انحصار ہے۔ یہ خدائے عزّوجل کی ذات سے مخصوص ہے اور ہم سوا اُس کے اجمالی اقرار کے اس کی حقیقت کا کوئی تصور کرنے سے قاصر ہیں ہم اس کی جو بھی تعبیر یا اندازہ کریں وہ چند محدود الفاظ سے زیادہ نہ ہوگا۔ ورنہ علم بالذات کی انسان عاجز کے احاطۂ عقل و خیال میں سمائی نہیں ہوسکتی۔

اور علم عرضی کا مطلب یہ ہے کہ کوئی انسان پیغمبرؐ ہو یا اُمت میں سے امام ہو یا ماموم، ذاتی طور پر علم کا مالک نہیں ہوتا بلکہ بعد کو اس سے مستفیض ہوتا ہے، اور اس کی بھی دو قسمیں ہیں، تحصیلی اور لدنی۔ یہ دونوں قسمیں خداوند عالم کے فیضان قدرت سے تعلق رکھتی ہیں۔ پہلی قسم میں جو طالب العلم تحصیل علم کرتا ہے اس کی کوششیں اس وقت تک بارآور نہیں ہوسکتیں جب تک فیضان الٰہی اس کی تائید نہ کرے۔ اور چاہے جس قدر زحمت برداشت کرے عالم نہیں بن سکتا سوا اس کے کہ اسباب تعلیم یعنی مدرسہ جانے اور استاد کے آگے زانوئے ادب تہ کرنے کے ساتھ ساتھ توفیق خداوندی بھی شامل حال ہو ایسی صورت میں جتنی مدّت تک اور جس قدر مشقت برداشت کرے گا کسب فیض کرتا رہے گا۔

رہی دوسری قسم یعنی علم لدنی تو اس میں انسان بلا واسطہ کسب فیض کرتا ہے اور بغیر حروف والفاظ کی تحصیل و تعلیم کے مبدأ فیاض مطلق سے براہِ راست اضافہ ہوتا ہے جس سے وہ عالم ہوجاتا ہے چنانچہ آیت ۶۴ سورہ ۱۸ کہف میں ارشاد ہے۔ وعلّمناہ من لدنا علما (یعنی ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم لدنی (اور اسرار غیب) کی تعلیم دی)

کسی ایک شیعہ نے بھی اس کا دعویٰ نہیں کیا ہے کہ غیبی امور کا علم پیغمبرؐ یا امام کا جزء ذات تھا یعنی رسول اللہ اور آئمہ ذاتی حیثیت سے اسی طرح علم غیب کے عالم تھے جس طرح خداتعالےٰ عالم الغیب ہے۔ البتہ جو ہم کہتے ہیں

اور جو ہمارا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ خدائے بزرگ و برتر کی ذات مجبور اور محدود نہیں ہے بلکہ جو اس کی مشیت ہو اس میں سب سے زیادہ خود مختار اور قادر مطلق ہے اور جن مواقع پر اس کی مشیت و مصلحت کا تعلق ہو وہ اپنی کسی بھی مخلوق کو حسب ضرورت اور مناسب علم و قدرت دینے پر قادر و توانا ہے۔ چنانچہ کبھی تو بشری معلّم کے واسطے اور ذریعے سے اور کبھی بلا واسطہ اپنے فیض کا افاضہ فرماتا ہے اور اسی کو بلا واسطہ علم لدنی اور علم غیب سے تعبیر کرتے ہیں جس میں بغیر مکتب میں یا استاد کے پاس حاضری کے فیض حاصل کیا جاتا ہے۔ بقول شاعر ؎

نگار من کہ بہ مکتب نہ رفت و خط نہ نوشت　　　بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

شیخ ۔ آپ کا مقدماتی بیان درست ہے لیکن مشیّت خداوندی ایسے غیر فطری امر سے متعلق نہیں ہوتی کہ بغیر معلّم اور مدرس کے اپنے علم غیب کا افاضہ کرے ۔

خیر طلب ۔ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اسی مقام پر دھوکا ہوا ہے کیوں کہ تھوڑے سے غور و فکر سے کام نہیں لیتے یہاں تک کہ اپنے اکثر محققین علماء کے برخلاف گفتگو کرتے ہیں، ورنہ مطلب اس قدر صاف اور واضح ہے کہ اس میں بحث کی ضرورت ہی نہیں ہے ۔ اس حقیقت میں کہ خدائے تعالےٰ نے تمام انبیاء اور ان کے اوصیاء کو جو اس کے برگزیدہ بندے ہیں جس قدر ہر ایک کی استعداد اور حلقۂ عمل کے لحاظ سے ضروری تھا علم غیب کا افاضہ فرمایا ہے ۔ کوئی شک و شبہ نہیں ہے ۔

شیخ ۔ قرآن مجید کی ان منفی آیتوں کے مقابلے میں جو صریحی طور سے جملہ افراد بشر سے علم غیب کی نفی کر رہی ہیں ۔ آپ کے پاس اپنے دعوے کے ثبوت میں کیا دلیل ہے ؟

خیر طلب ۔ ہم قرآن مجید کی منفی آیتوں کے مخالف نہیں ہیں، اس لئے کہ قرآن کی ہر آیت ایک مخصوص امر کے لئے نازل ہوئی ہے جو صورتِ حال کے لحاظ سے کبھی منفی اور کبھی مثبت ہوتی ہے ۔ اسی وجہ سے بزرگوں کا قول ہے کہ آیات القرآن یشد بعضھا بعضا (یعنی آیات قرآن میں سے ایک آیت دوسرے کو مضبوط کرتی ہے۔ در اصل کفار مشرکین کے تقاضے کے مقابلے میں جو برابر آں حضرت سے علامات اور نشانیاں طلب کرتے رہتے تھے (اور درحقیقت چاہتے یہ تھے کہ منصب نبوت کو اپنے ہاتھوں کا کھلونا بنا دیں) یہ منفی آیتیں نازل ہوتی تھیں لیکن اصل مقصد کو ثابت کرنے کے لئے مثبت آیات کا بھی نزول ہوا تا کہ حقیقت کا انکشاف ہو جائے۔ رہے قرآن مجید اخبار صحیحہ اور تاریخ کے دلائل جن کا آپ کے علماء کو بھی اعتراف ہے حتےٰ کہ غیروں نے بھی تصدیق کی ہے بکثرت ہیں ۔

انبیاؑ و اوصیاؑ کے علم غیب پر قرآنی دلائل

شیخ - سخت تعجب ہے کہ آپ فرماتے ہیں دلیل مثبت قرآن کریم کے اندر ہے مہربانی کرکے وہ آیتیں پڑھئے۔

خیر طلب - تعجب نہ فرمائیے، آپ خود بھی واقف ہیں لیکن اقرار کرنا آپ کی مصلحت کے خلاف ہے، کیوں کہ اس طرح آپ کو اپنے عقیدے کے مطابق خلافت کا ثبوت دینے میں بہت زحمت ہوجائے گی یا پھر اپنے اسلاف کی پیروی نے آپ کو تعجب پر مجبور کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول الخ (سورہ جن آیت ۲۶ (وہی اللہ) غیب داں ہے اور اپنی غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر جس کو پسند فرمائے تو اس کے آگے اور پیچھے نگہبان فرشتے مقرر کردیتا ہے تاکہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیئے یہ آیت بتاتی ہے کہ حق تعالیٰ کے برگزیدہ مرسلین اس بارے میں مستثنیٰ ہیں جن کو وہ علم غیب کا فیض پہنچاتا ہے۔

دوسرے یہی سورۂ آل عمران کی آیت جس کا کچھ حصّہ آپ نے پڑھا اور باقی چھوڑ دیا ہے، میرے دعوے اور مقصد ثابت کر رہی ہے۔ پوری آیت یہ ہے وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء فامنوا باللہ وتتقوا فلکم اجر عظیم (یعنی اللہ تم سب کو علم غیب سے آگاہ نہیں کرتا لیکن اس کے لئے اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے۔ یہ دونوں آیتیں صاف صاف بتا رہی ہیں کہ چند برگزیدہ ہستیاں جو خدا کی طرف سے رسالت پر مبعوث ہوئی ہیں امر الٰہی سے علم غیب پر فائز ہیں۔ اور اگر ذاتِ خداوندی کے علاوہ کسی اور کو علم غیب حاصل نہ ہوتا تو لفظ الا کے ساتھ الا من ارتضیٰ من رسول کا جملہ استثنائیہ مہمل ہو جاتا۔ ظاہر ہے کہ اس مقام پر کوئی استثنا ضرور موجود ہے اور ان صاحبان استثناء کو معین بھی فرمایا کہ وہ اُس کے رسول اور پیغام رساں یعنی انبیائے عظام اور اوصیائے کرام تھے۔ چنانچہ سورہ ہود) میں فرماتا ہے تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک ما کنت تعلمھا انت ولا قومک من قبل ھذا (یعنی یہ خبر اخبار غیب میں سے ہے جو میں تمہاری طرف وحی کے ذریعے بھیج رہا ہوں۔ اس سے قبل نہ تم اس سے واقف تھے نہ تمہاری قوم) اور سورہ (شوریٰ) میں ارشاد فرمایا ہے کہ وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتب ولا الایمان ولکن جعلنہ نورا نھدی بہ من نشاء من عبادنا (یعنی اور اسی طرح ہم نے روح (یعنی ملک بزرگ فرشتے) کو اپنے فرمان سے وحی کے لئے تمہاری طرف بھیجا تم (علم تفصیلی سے) یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب خدا کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ لیکن ہم نے اس کو نور قرار دیا۔ جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں) اگر بناء بریں علم غیب کا افاضہ نہ ہوتا تو انبیا

کیونکہ باطنی امور کی خبر دینے اور لوگوں کو ان کے باطنی حالات سے مطلع کرنے : حضرت نبی اسرائیل سے فرماتے ۔ وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم (یعنی میں تم کو علم غیب سے ، اس کی خبر دیتا ہوں کہ تم اپنے گھروں میں کھایا کرتے ہو اور ذخیرہ کرتے ہو) آیا لوگوں کے اندرونی معاملات کی خبر دینا علم غیب سے تعلق نہیں رکھتا؟ اگر میں قرآن مجید کی وہ تمام آیتیں پیش کرنا چاہوں جو اس سلسلے میں وارد ہوئی ہیں تو جلسے کا وقت کافی نہ ہوگا میرا خیال ہے کہ ثبوت کے لیئے اس قدر کافی ہوگا ۔

شیخ - آپ لوگوں کے اسی قسم کے بیانات اور عقائد سے قوم کے اندر رمالوں، جفاروں، نجومیوں، زائچہ بنانے والوں اور اسی طرح کے دوسرے فریب کاروں کے گروہ پیدا ہوگئے جو ناواقف لوگوں کو بیوقوف بنا کر اپنی جیبیں بھرتے اور خلق خدا کو گمراہی اور حق وحقیقت سے دوری کی طرف لے جاتے ہیں ۔

دیگر ذرائع سے علم غیب کے مدعی جھوٹے ہیں

خیر طلب - سچے عقائد بدبختی کے باعث نہیں ہوتے ، یہ قوموں کی جہالت اور نادانی ہے جو ان کو ہر کس وناکس کے دروازے پر کھینچ کے لے جاتی ہے ، ورنہ مسلمان اگر عقل سے کام لیتے ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاکیدی ہدایتوں کے مطابق علم اور عالم کی پیروی کرتے ، بالخصوص قرآن کی معرفت حاصل کرتے اور روز اول ہی سے باب علم کو مسدود نہ کرتے تو ایرے غیرے اور خود غرض اشخاص کے پیچھے نہ دوڑتے ، ہر شغال وروباہ کے شکار نہ بنتے اور سمجھ لیتے کہ قرآن صریحی اعلان کر رہا ہے کہ الا من ارتضیٰ من رسول ، خصوصیت کے ساتھ لفظ رسول نے تو شعبدہ بازوں اور بازیگروں کا راستہ بالکل ہی بند کر دیا ہے کیونکہ یہ لفظ اس چیز کی پوری وضاحت کر رہا ہے کہ بغیر اسباب وذرائع اور وسائل تحصیل علم کے مخصوص خداوندی علم غیب کے عالم صرف خدا کے بھیجے ہوئے برگزیدہ افراد ہیں ۔

اگر کوئی شخص منصب رسالت نہ رکھتا ہو یعنی پیغمبر یا امام نہ ہو پھر بھی رمل یا جفر یا قیافہ شناسی یا صوفیت یا مجذوبیت یا زائچہ بنانے یا ہتھیلی دیکھنے یا فال نکالنے یا اسی قسم کی دوسری ترکیبوں کے ذریعہ اللہ کے مخصوص علم سے متعلق غیبی خبر دینے کا مدعی ہو تو وہ قطعاً جھوٹا ہے اور قرآن مجید کے سمجھنے اور پیروی کرنے والے سچے مسلمان نہ ان کو حق پر سمجھتے ہیں نہ ان کی طرف دوڑتے ہیں اور نہ ان کے فریب میں آتے ہیں ۔ اس لیئے کہ وہ اچھی طرح سمجھ بوجھ چکے ہیں کہ سوا قرآن مجید اور حاملین ومفسرین قرآن یعنی محمد وآل محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین کے جو عدیل قرآن ہیں اور کسی کی پیروی نہ کرنا چاہیئے ۔

خلاصۂ کلام یہ کہ بجز پیغمبرؐ اور آں حضرتؐ کے اوصیائے طاہرین کے جو خدا کے برگزیدہ بندے ہیں اس امت میں جو شخص بھی غیب دانی کا دعویٰ کرے اور کہے کہ میں غیب کی خبر دیتا ہوں وہ لازمی اور مسلّمہ حیثیت سے کذّاب وشعبدہ باز ہے چاہے جو وسیلہ اور طریقہ اختیار کرے ۔

شیخ ۔ انبیاء چونکہ نزول وحی کے مرکز تھے لہذا بقول آپ کے غیبی امور پر علم و اطلاع حاصل کرتے تھے لیکن کیا سیدنا علی کرم اللہ وجہہ بھی پیغمبر تھے ۔ یا امر رسالت میں شریک تھے جس سے غیب کی باتوں پر آگاہی رکھتے تھے، جیسا کہ آپ اُن کے لئے اس منزلت کو ثابت کر رہے ہیں ۔

انبیاءٔ و اوصیاٗ عالم غیب تھے

خیر طلب ۔ اول یہ کہ آپ نے فرمایا ہے " بقول آپ کے " تو آخر آپ قصداً سہو کر کے مغالطہ کیوں دے رہے ہیں ؟ اور بقول آپ کے فرمانے کے عوض یہ کیوں نہیں فرماتے کہ " بقول خدائے تعالیٰ " ؟ میں نہ اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد کرتا ہوں نہ اپنی مرضی سے کوئی عقیدہ اور دعوے پیش کرتا ہوں بلکہ قرآن مجید کا حکم نقل کر کے مبین قرآن حضرت رسول خدا صلعم کے ارشادات سے اُس کے حقائق کا انکشاف کر رہا ہوں ۔

ایک تو جیسا میں نے آیات قرآنی کے شواہد سے بتایا ہے کہ انبیاء و مرسلین حق تعالیٰ کے برگزیدہ اور علم غیب کے عالم ہیں، خود آپ کے اکابر علماء نے بھی اس مطلب کی تصدیق کی ہے اور حضرت خاتم الانبیاء سے اخبار غیبیہ نقل کرنے میں دلچسپی دکھائی ہے ۔

من جملہ اُن کے ابن ابی الحدید معتزلی شرح نہج البلاغہ جلد اوّل ص۹۶ (مطبوعہ مصر) میں رسولؐ اللہ سے ایک حدیث نقل کرنے کے بعد کہ آں حضرت نے علیؑ سے فرمایا :۔

ستقاتل بعدی الناکثین والقاسطین والمارقین یعنی عنقریب تم میرے بعد ناکثین و قاسطین سے جنگ کرو گے ۔

کہتے ہیں کہ یہ حدیث آں حضرت کے دلائل نبوت میں سے ہے، اس لئے کہ اس میں صریحی طور سے غیب کی خبر دی گئی ہے جس کے اندر ہرگز کسی شک اور شبے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ اپنے بعد کے لئے جن واقعات کی خبر دی ہے وہ تقریباً تیس سال کے بعد بعینہٖ اُسی طرح سے رونما ہوئے ۔ آں حضرتؐ نے فرمایا تھا کہ تم ان تین گروہوں سے جنگ کرو گے جن میں ناکثین سے اہل جمل مراد تھے جنہوں نے طلحہ و زبیر کے اغوا سے عائشہ کی قیادت میں حضرت علیؑ سے جنگ کی، قاسطین سے اہل صفین یعنی معاویہ کے پیرو مقصود تھے اور مارقین خوارج نہروان تھے جو دین سے خارج ہو گئے تھے انتہی (جیسا کہ پہلے تشریح کے ساتھ عرض کر چکا ہوں) ۔

دوسرے فرقہ امامیہ اثنا عشریہ شیعوں میں سے ایک شخص نے بھی امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؑ اور آئمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے لیے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا ہے ۔ بلکہ ہم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین اور بلا شرکت غیرے امر نبوت میں مستقل جانتے ہیں اور مذکورہ بالا امر باطل کے مدعی اور معتقد کو کافر سمجھتے ہیں ۔ البتہ حضرت کو اور حضرت کی

نسل سے گیارہ اماموں کو آئمہ برحق اور رسول اللہ کے منصوص اوصیاء و خلفاء جانتے ہیں جن کو خداوند عالم نے آں حضرتؐ کے واسطے اور ذریعے سے اسرار و غیوب پر آگاہ و مطلع فرمایا ہے۔ ہمارا اعتقاد ہے اہل عالم کی نگاہوں کے سامنے جو ایک پردہ کھنچا ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ دنیا کے اندر صرف انہیں چیزوں کو دیکھتے ہیں جو ظاہر و نمایاں ہیں وہی پردہ انبیاء و اوصیاء کے سامنے بھی ہے لیکن وقت اور موقع کے لحاظ سے خدائے عالم الغیب نے جو ہر قسم کے اضافے پر پوری قدرت رکھتا ہے جس قدر ضروری اور مصلحت کے مطابق تھا یہ حجاب ان کی نگاہوں سے ہٹا دیا جس سے وہ حالات پس پردہ کا بھی مطالعہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے غیب کی خبریں دیتے تھے اور جس وقت مصلحت نہیں ہوتی تھی پردہ پڑا رہتا تھا اور یہ حضرات بھی بے خبر رہتے تھے۔ (اسی بنا پر بعض روایتوں میں ہے کہ کبھی کبھی اپنی ناواقفیت کا اظہار کرتے تھے)

چنانچہ ارشاد ہے :۔

لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر یعنی اگر میں عالم الغیب ہوتا تو یقیناً اپنی خوبیوں میں اضافہ کر لیتا۔

مطلب یہ کہ میں بذاتِ خود مستقل طور پر غیب سے آگاہی نہیں رکھتا جب تک پردہ نہ اُٹھے اور فیضان الہٰی شامل حال نہ ہو۔

شیخ۔ کہاں اور کس مقام پر پیغمبرؐ نے اُمت والوں کو اس قسم کی خبریں دی ہیں جس سے لوگ پوشیدہ حقائق پر آگاہ ہوئے۔

خیر طلب۔ آیا قرآنی آیتوں کی روشنی میں جن میں سے بعض کی جانب اشارہ کیا جا چکا ہے۔ آپ خاتم الانبیاء حضرت رسول خدا صلعم کو مرتضیٰ، برگزیدۂ خلائق اور خدا کا رسول برحق سمجھتے ہیں یا نہیں؟

شیخ۔ آپ نے یہ عجیب سوال کیا۔ بدیہی چیز ہے کہ آں حضرتؐ مرتضیٰ اور خاتم الانبیاء تھے۔

خیر طلب۔ بس آیۂ شریفہ عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول کے حکم سے پیغمبر خاتم علم غیب کے عالم تھے کیونکہ اس آیت میں ارشاد ہے کہ خدائے عالم الغیب اپنے علم غیب سے صرف رسول مرتضیٰ و برگزیدہ کو آگاہ کرتا ہے۔

شیخ۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ آں حضرتؐ غیب کے مالک تھے تو اُس چیز کو اس چیز سے کیا ربط ہے کہ سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ بھی ضرور عالم غیب ہوں؟

خیر طلب۔ اگر آپ حضرات جمود اور تقلید اسلاف سے ہٹ کے دل و دماغ کو ذرا وسعت دیں اور اخبار صحیحہ اور حالات رسول اللہ صلعم پر غور کریں تو مطلب خود بخود واضح و آشکار ہو جائے۔

شیخ۔ اگر ہماری عقل محدود ہے تو ماشاء اللہ آپ کا دماغ تو کشادہ ہے اور زبان بھی رواں ہے۔ فرمایئے کونسی حدیث ہے جو سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کے لئے علم غیب کو ثابت کرتی ہے؟

اگر علم غیب پیغمبرؐ کے اوصیاء و خلفاء کے لئے ضروری ہو تو استثناء کے کوئی معنی نہیں اور لازمی طور پر سارے

خلفاء بالخصوص خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کو عالم غیب ہونا چاہئے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی ایک خلیفہ نے بھی ایسا دعوٰے نہیں کیا بلکہ خود پیغمبرؐ کے مانند اپنے عجز کا اظہار کرتے تھے۔ پھر آپ تنہا علی کرم اللہ وجہہ کو کیونکر مستثنٰی کر رہے ہیں

خیر طلب ۔ اوّلاً میں پیغمبرؐ کے اظہار عجز کے سلسلے میں پہلے ہی آپ کو جواب دے چکا ہوں کہ آں حضرت غیبی امور کی آگاہی میں بذات خود استقلال اور قدرت نہیں رکھتے تھے بلکہ ذاتِ علام الغیوب کے افاضے سے حقائق پر مطلع ہوتے تھے۔ جس مقام پر یہ فرماتے ہیں کہ اگر میں غیب جانتا ہوتا تو اپنی خوبیاں بڑھا لیتا وہاں اس چیز کی طرف اشارہ ہے کہ میں خدائے تعالٰے کے مانند علم حضوری کا حامل نہیں ہوں۔ یعنی جس وقت اُدھر سے فیضان ہوتا تھا اور پردہ دار عالم الغیب آں حضرتؐ کے سامنے سے حجاب اٹھا لیتا تھا تو آپ پر پوشیدہ حقیقتیں منکشف ہو جاتی تھیں اور آپ غیب کی خبریں دیا کرتے تھے۔

آئمہ طاہرینؑ خلفائے برحق اور عالمِ غیب تھے

دوسرے آپ نے فرمایا کہ اگر علم غیب تھا تو خلفاء کے درمیان استثنا نہ ہونا چاہیئے۔ آپ نے یہ ایک صحیح اور مضبوط بات کہی ہے ہم بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں، اور یہیں سے ہمارا اور آپ کا اختلاف بھی شروع ہوتا ہے۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ خلفائے رسول کو آں حضرت کے مانند امور ظاہری و باطنی کا علم ہونا چاہیئے بلکہ سوا مقام نبوت و رسالت اور نبوت کی خاص شرطوں کے (جن سے وحی اور کتاب و احکام کا نزول مُراد ہے) جملہ صفات میں خلفاء و اوصیاء کو آں حضرتؐ کا نمونہ ہونا چاہیئے۔ البتہ آپ مخلوق کے بنائے ہُوئے خلفاء یعنی ان لوگوں کو جنہیں چند اشخاص نے اکٹھا ہو کر خلیفہ کہہ دیا ہو جا ہے پیغمبرؐ نے ان پر لعنت ہی کی ہو (جیسے معاویہ وغیرہ) خلیفہ رسُول کہتے ہیں۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے خلفاء و اوصیاء وہ حضرات ہیں جن کی خلافت پر خود آں حضرت نے نص فرمائی ہو۔ جس طرح انبیائے ماسلف کے نصوص اُن کے اوصیاء کے لئے وارد ہوئے ہیں قطعی طور پر وہ خلفاء و اوصیاء جن کے لئے رسول اکرم صلعم نے نص فرمائی ہے بلا استثناء آں حضرتؐ کے صفات کے مکمل نمونہ تھے اور اسی جہت سے علم غیب اور باطنی امور کے عالم بھی تھے۔

وہ منصوص اور برحق خلفاء بارہ نفر تھے جن کی تعداد اور نام آپ کے اخبار و احادیث میں بھی منقول ہیں اور شیعوں کے وہ بارہ برحق امام عترت و اہل بیت رسالت میں سے امیر المومنین علی علیہ السّلام اور آپ کے گیارہ بزرگوار فرزند ہیں اور اس بات کی دلیل کہ دوسرے لوگ رسول اللہ صلعم کے منصوص خلیفہ نہیں تھے، خود آپ ہی کا وہ قول ہے جس کی آپ کے جملہ اکابر علماء نے بھی تصدیق کی ہے کہ یہ لوگ برابر معمولی علم سے بھی اپنی عاجزی کا اظہار کرتے رہتے تھے علم غیب اور باطنی حالات سے آگاہی کا کیا ذکر۔

تیسرے آپ نے فرمایا ہے کہ کس حدیث سے امیرالمومنین علی علیہ السّلام کے لئے علم غیب ثابت ہوتا ہے تو اس بارے میں حضرت رسول خدا صلعم سے بکثرت حدیثیں مروی ہیں۔ من جملہ ان کے ایک خاص حدیث ہے جو مختلف مقامات واوقات میں بار بار آں حضرتؐ کی زبان مبارک پر جاری ہوئی ہے اور احادیث کے درمیان اس کو حدیث مدینہ کے نام سے شہرت حاصل ہے نیز تقریباً فریقین (شیعہ وسنی) کے متواترات میں سے ہے کہ آنحضرتؐ نے انحصار کے ساتھ صرف علی علیہ السّلام کو اپنے علم وحکمت کا دروازہ بتایا اور یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

انا مدینۃ العلم وعلیّ بابھا فمن اراد العلم فلیات الباب — یعنی میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کے در ہیں پس جو شخص علم کا خواہاں ہو وہ دروازے کے پاس آئے۔

شیخ ۔ یہ حدیث ہمارے علماء کے نزدیک ثابت نہیں ہے اور اگر ہو بھی تو خبر واحد ہے یا ضعیف حدیثوں میں سے ہوگی۔

حدیث مدینہ کے ناقلین وروات

خیر طلب ۔ افسوس کی بات ہے کہ ایسی محکم اور متواتر حدیث کو آپ نے خبر واحد اور ضعیف احادیث میں شمار کیا حالانکہ آپ کے اکابر علماء اس کی صحت کی تصدیق کر چکے ہیں۔

بہتر ہوگا کہ آپ جمع الجامع سیوطی، تہذیب الآثار محمد بن جریر طبری، تذکرۃ الابرار سیّد محمد بخاری، مستدرک حاکم نیشاپوری، نقد الصحیح فیروز آبادی، کنز العمال متقی ہندی، کفایت الطالب گنجی شافعی اور تذکرۃ الموضوعات جمال الدین ہندی جیسی اپنی معتبر کتابوں کی طرف رجوع کیجئے جن میں کہتے ہیں کہ فمن حکم بکذبہ فقد خطاء (یعنی جو شخص اس حدیث کو جھٹلائے وہ یقیناً غلطی پر ہے) نیز روضۃ الندایہ امیر محمد کانی بحر الاسانید وحافظ ابو محمد سمرقندی اور مطالب السئول محمد بن طلحہ شافعی وغیرہ میں عام طور سے اس حدیث شریف کی صحت کا حکم دیا ہے۔

اس لئے کہ یہ باعظمت حدیث متفاوت اور مختلف طرق واسناد کے ساتھ بکثرت اصحاب وتابعین سے مثلاً صحابۂ عظام میں سے حضرت امیرالمومنین علی علیہ السّلام، سبط اکبر ابو محمد حسن ابن علی علیہما السّلام، امام المفسرین (حبر امت) عبداللہ ابن عباس، جابر ابن عبداللہ انصاری، عبداللہ ابن مسعود، حذیفہ بن الیمان، عبداللہ ابن عمر، انس ابن مالک اور عمرو بن عاص تھے۔

تابعین میں سے امام زین العابدین علی الحسین اور امام محمد ابن علی الباقر علیہم السّلام، اصبغ ابن نباتہ، جریر الضبی، حارث بن عبداللہ ہمدانی کوفی، سعد بن طریف الحنظلی کوفی، سعید بن جبیر اسدی کوفی، سلمہ بن کہیل حضرمی کوفی، سلیمان بن مہران اعمش کوفی، عاصم بن حمزہ سلولی کوفی، عبداللہ بن عثمان بن خثیم القاری المکی، عبدالرحمٰن ابن عثمان بن عسیلۃ المرادی

ابو عبداللہ صنابحیؒ اور مجاہد ابو الحاج المخزومی المکی سے مروی ہے ۔

اور علاوہ جمہور علمائے شیعہ کے خود آپ ہی کے کثیر التعداد علمائے اعلام، محدثین عظام اور مورخین کرام اس کے ناقل ہیں، چنانچہ جہاں تک میں نے دیکھا ہے آپ کے تقریباً دوسو علماء اور بزرگان دین نے اس حدیث مبارک کو نقل کیا ہے۔ اس وقت جس قدر میرے پیش نظر ہیں ان میں سے چند اقوال کا حوالہ پیش کرتا ہوں تاکہ شیخ صاحب زیادہ شرمندہ نہ ہوں اور سمجھ لیں کہ انہوں نے محض عادتاً اور اپنے اسلاف کی پیروی میں اس حدیث کی سند میں شک وارد کیا ہے ورنہ بالعموم سب کے نزدیک مطلب بالکل صاف اور واضح ہے ۔

منجملہ اکابر علمائے اہل سنّت

۱ تیسری صدی کے مفسّر و مورخ محمد بن جریر طبری متوفی سنہ ۳۱۰ ہجری تہذیب الآثار میں ۔
۲ حاکم نیشاپوری متوفی سنہ ۴۰۵ ہجری مستدرک جلد سیم صفحہ ۱۲۶ و ۱۲۸ اور ۲۲۶ میں ،
۳ ابو عیسیٰ محمد بن ترمذی متوفی سنہ ۲۸۹ ہجری اپنی صحیح میں ،
۴ جلال الدین سیوطی متوفی سنہ ۹۱۱ ہجری جمع الجوامع میں اور جامع الصغیر جلد اول ص ۳۷۴ میں ،
۵ ابو القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی سنہ ۳۶۰ ہجری کبیر اور اوسط میں ،
۶ حافظ ابو محمد حسن سمرقندی متوفی سنہ ۴۹۱ ہجری بحر الاسانید میں ،
۷ حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی متوفی سنہ ۴۳۰ ہجری معرفۃ الصحابہ میں ،
۸ حافظ ابو عمر و یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر قرطبی متوفی سنہ ۴۶۳ ہجری استیعاب جلد دوم ص ۴۶۱ میں ،
۹ ابو الحسن فقیہ شافعی علی بن محمد بن طیب الجلابی ابن مغازلی متوفی سنہ ۴۸۳ ہجری مناقب میں ،
۱۰ ابو شجاع شیرویہ ہمدانی دیلمی متوفی سنہ ۵۰۹ ہجری فردوس الاخبار میں ،
۱۱ ابو المؤید خطیب خوارزمی متوفی سنہ ۵۶۸ ہجری مناقب ص ۴۹ اور مقتل الحسین جلد اول ص ۹۳ میں ،
۱۲ ابو القاسم ابن عساکر علی بن حسن دمشقی متوفی سنہ ۵۷۱ ہجری تاریخ کبیر میں ،
۱۳ ابو الحجاج یوسف بن محمد اندلسی متوفی سنہ ۶۰۵ ہجری "الف باء" جلد اول ص ۲۲۲ میں ،
۱۴ ابو الحسن علی بن محمد ابن اثیر جزری متوفی سنہ ۶۳۰ ہجری اسد الغابہ جلد چہارم ص ۲۲ میں ،
۱۵ محب الدین احمد بن عبداللہ طبری شافعی متوفی سنہ ۶۹۴ ہجری ریاض النضرہ جلد اول ص ۱۲۹ اور ذخائر العقبیٰ ص ۶۷ میں ،
۱۶ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی متوفی سنہ ۷۴۸ ہجری تذکرۃ الحفاظ جلد چہارم ص ۲۸ میں ،

۱۷ بدرالدین محمد زرکشی مصری متوفی ۷۹۴ھ ہجری فیض القدیر جلد سیم صفحہ ۴۶ میں ،

۱۸ حافظ علی بن ابی بکر ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ ہجری مجمع الزوائد جلد نہم صفحہ ۱۱۲ میں ،

۱۹ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری متوفی ۸۰۸ھ ہجری حیات الحیوان جلد اوّل صفحہ ۵۵ میں ،

۲۰ شمس الدین محمد بن محمد جزری متوفی ۸۳۳ھ ہجری اسنی المطالب صفحہ ۱۴ میں ،

۲۱ شہاب الدین ابن حجر احمد بن علی عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ ہجری تہذیب التہذیب جلد ہفتم صفحہ ۳۳۷ میں ،

۲۲ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ہجری عمدۃ القاری جلد ہفتم صفحہ ۶۳۱ میں

۲۳ علی بن حسام الدین متقی ہندی متوفی ۹۷۵ھ ہجری کنز العمال جلد ششم صفحہ ۱۵۶ میں ،

۲۴ عبدالرؤف المناوی شافعی ۱۰۳۱ھ ہجری فیض القدیر شرح جامع الصغیر جلد سیم صفحہ ۴۶ میں ،

۲۵ حافظ علی بن احمد عزیزی شافعی متوفی ۱۰۷۰ھ ہجری سراج المنیر جامع الصغیر جلد دوم صفحہ ۶۳ میں ،

۲۶ محمد بن یوسف شامی متوفی ۹۴۲ھ ہجری سبل الہدیٰ والرشاد فی اسماء خیر العباد میں ،

۲۷ محمد بن یعقوب فیروزآبادی متوفی ۸۱۷ھ ہجری نقد الصحیح میں ،

۲۸ امام احمد ابن حنبل متوفی ۲۴۱ھ ہجری مکرر مجلدات مناقب مسند میں ،

۲۹ ابو سالم محمد بن طلحہ شافعی متوفی ۶۵۲ھ ہجری مطالب السئول میں ،

۳۰ شیخ الاسلام ابراہیم بن محمد حموینی متوفی ۷۲۲ھ ہجری فرائد السمطین میں ،

۳۱ شہاب الدین دولت آبادی متوفی ۸۴۹ھ ہجری ہدایت السعداء میں ،

۳۲ علامہ سمہودی سید نورالدین شافعی متوفی ۹۱۱ھ ہجری جواہر العقدین میں ،

۳۳ قاضی فضل بن روزبہان شیرازی ابطال الباطل میں ،

۳۴ نورالدین بن صباغ مالکی متوفی ۸۵۵ھ ہجری فصول المہمہ صفحہ ۱۸ میں ،

۳۵ شہاب الدین ابن حجر مکی (متعصب عنید) متوفی ۹۷۴ھ ہجری صواعق محرقہ صفحہ ۷۳ میں ،

۳۶ جمال الدین عطاء اللہ محدث شیرازی متوفی ۱۰۰۰ھ ہجری اربعین میں ،

۳۷ علی قاری ہروی متوفی ۱۰۱۴ھ ہجری مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ،

۳۸ محمد بن علی الصبان متوفی ۱۲۰۶ھ ہجری اسعاف الراغبین صفحہ ۱۵۶ میں ،

۳۹ قاضی محمد بن شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ ہجری فوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں ،

۴۰ شہاب الدین سیّد محمود آلوسی بغدادی متوفی ۱۲۷۰ھ ہجری تفسیر روح المعانی میں ،

۴۱ امام غزالی احیاء العلوم میں ،

صحت کا حکم کیا ہے کہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ۔

انا دار الحکمۃ وعلیؑ بابھا ۔ ومن اراد العلم فلیات الباب ۔

یعنی میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں پس جو شخص حکمت کا طلب گار ہو وہ دروازے کے پاس آئے ۔

محمد بن یوسف گنجی نے کفایت الطالب کے باب ۲ کو اس حدیث شریف کے لئے مخصوص کر دیا ہے ۔ اور سلسلۂ اسناد کے ساتھ یہ حدیث نقل کرنے کے بعد اپنا تبصرہ اور بیان بھی درج کیا ہے ، یہاں تک کہ کہتے ہیں یہ حدیث بہت بلند و بہتر ہے یعنی خداوند عالم نے حکمت و فلسفۂ اشیاء نیز امر و نہی اور حلال و حرام کی جو تعلیم پیغمبرؐ کو دی ہے اس میں سے علی علیہ السّلام کو بھی مرحمت فرمایا ہے لہٰذا آں حضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ علی میری حکمت کے در ہیں (پس اگر تم میری حکمت سے فیض حاصل کرنا چاہتے ہو تو) ان کی طرف رجوع کرو تاکہ حقائق منکشف ہوں ۔

ابن مغازلی شافعی نے مناقب میں ، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں اپنے مشائخ سے طرق حدیث کا ذکر کرتے ہوئے خطیب خوارزمی نے مناقب میں ، شیخ الاسلام حموینی نے فرائد میں ، ویلمی نے فردوس میں ، محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۵۸ میں ، شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت باب ۱۴ میں ، اور آپ کے بہت سے اکابر علماء نے ابن عباس اور جابر ابن عبداللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلعم نے علی علیہ السّلام کا بازو پکڑ کے فرمایا ۔

ھٰذا امیر البررۃ وقاتل الکفرۃ منصور من نصرہ مخذول من خذلہ فمدّ بھا صوتہ ثم قال انا مدینۃ العلم وعلی بابھا فمن اراد العلم فلیات الباب ۔

یعنی یہ (علیؑ) نیکو کار انسانوں کا رئیس و سردار اور کافروں کا قاتل ہے ، جو شخص اس کی مدد کرے وہ نصرت یافتہ ہے اور جو شخص اس کی تذلیل کرے وہ خود ذلیل و خوار کر دیا جائے گا پس آں حضرتؐ نے آواز مبارک بلند کی اور فرمایا میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں پس جو شخص میرے علم کا خواہاں ہو وہ دروازے سے آئے نیز شافعی نے روایت کی ہے کہ رسولؐ اکرم نے فرمایا ۔

انا مدینۃ العلم وعلی بابھا وانّ البیوت لا یدخلھا الامن الباب ۔

یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں اور کوئی شخص گھروں کے اندر داخل نہیں ہوتا لیکن دروازے سے ۔

صاحب مناقب فاخرہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کے در ہیں پس جو شخص علم دین چاہتا ہے اس کو اسی دروازے سے آنا چاہیئے ۔ اس کے بعد فرمایا میں شہر علم ہوں اور تم

اے علیؑ اس کے دروازہ ہو۔ جھوٹا ہے وہ شخص جو یہ سمجھتا ہے کہ بغیر تمہارے ذریعے کے مجھ تک پہنچ جائے گا۔
اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں کئی مقامات پر ابواسحق ابراہیم بن سعدالدین محمد حموینی نے فرائد السمطین میں ابن عباس سے، اخطب الخطباء خوارزمی نے مناقب میں عمرو بن عاص سے، امام الحرم احمد بن عبداللہ شافعی نے ذخائر العقبیٰ میں، امام احمد بن حنبل نے مسند میں، میر سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ میں، یہاں تک کہ ابن حجر جیسے متعصب نے صواعق محرقہ باب ۹ فصل دوم ص ۷۳ میں اُن چالیس حدیثوں میں سے جو انہوں نے فضائل علی علیہ السلام میں نقل کی ہیں، نویں حدیث بزاز سے، طبرانی نے اوسط میں جابر ابن عبداللہ انصاری سے، ابن عدی نے عبداللہ ابن عمر سے اور حاکم و ترمذی نے علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا۔

انا مدینۃ العلم وعلیّ بابھا فمن اراد العلم فلیات الباب

یعنی میں شہرِ علم ہوں اور علیؑ اس کے در ہیں پس جو شخص علم چاہتا ہو وہ دروازے سے آئے۔
پھر اسی حدیث کے ذیل میں کہتے ہیں کہ کوتاہ عقل لوگوں نے اس حدیث میں پس و پیش کیا ہے اور ایک جماعت نے کہہ دیا کہ یہ حدیث موضوعات میں سے ہے (جیسے ابن جوزی اور نووی) لیکن حاکم (صاحب مستدرک جن کا قول آپ حضرات کے نزدیک سند ہے) نے جس وقت یہ باتیں سنیں تو کہا انّ الحدیث صحیح۔ یقیناً یہ حدیث صحیح ہے۔ انتہیٰ۔
اس قسم کی حدیثیں آپ کی معتبر کتابوں میں کثرت سے وارد ہوئی ہیں، لیکن جلسے کا وقت اس سے زیادہ نقل کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

حدیث کی توضیح

بدیہی چیز ہے کہ حدیث مبارک میں العلم کا الف و لام، الف و لام جنس ہے یعنی ظاہری و باطنی اور صوری و معنوی حیثیت سے جس چیز پر بھی علم کا اطلاق ہوتا ہے وہ رسولؐ خدا کے پاس تھی ران سارے علوم کا دروازہ علی علیہ السلام تھے۔
صاحب عبقات الانوار علامہ سید حامد حسین صاحب مرحوم لکھنوی اعلی اللہ مقامہ نے عبقات الانوار کی دو ضخیم جلدیں اس حدیث شریف کے اسناد اور صحت کے بارے میں تالیف کی ہیں جن میں سے ہر جلد صحیح بخاری کے برابر بلکہ اس سے بھی بڑی ہے۔ اس وقت میرے پیشِ نظر نہیں ہے کہ اس حدیث کا تواتر ثابت کرنے کے لئے انہوں نے صرف اکابر علمائے اہل سنّت کی طرف سے کس قدر اسناد پیش کئے ہیں۔ لیکن اتنا بخوبی یاد ہے کہ

جب میں اس کتاب کو پڑھتا تھا تو برابر اُس بزرگ شخصیت کی روح پرفتوح کے لئے طلب رحمت کرتا رہتا تھا کہ کس قدر زحمت اٹھائی ہے اور کتنا تبحّر حاصل تھا۔ بہتر ہوگا کہ آپ حضرات اس کتاب کو حاصل کرکے مطالعہ فرمایئے تاکہ اس بات کی تصدیق کیجئے کہ اصحاب رسول کے اندر علی علیہ السّلام کی ذات بے مثال تھی۔

علی علیہ السّلام کی خلافت بلافصل کے ثبوت میں جو کھلی ہوئی دلیلیں موجود ہیں ان میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے اس لئے کہ باتفاق عقل ونقل ہر قوم و ملّت کے اندر عالموں کو جاہلوں پر فوقیت اور حق تقدم حاصل ہے بالخصوص ایسی صورت میں جب رسول اللہ کا فرمان موجود ہو کہ جو شخص میرے علم سے بہرہ اندوز ہونا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ علی کے دروازے سے آئے
آپ کو خدا کا واسطہ انصاف سے بتایئے کہ آیا یہ مناسب تھا کہ جو باب علم خود پیغمبر نے امت کے سامنے کھولا تھا لوگ اس کو بند کرکے اپنے حسبِ دل خواہ ایسا دروازہ کھولیں جس کو مراتبِ علمی سے کوئی ربط ہی نہ ہو ؟

شیخ ۔ اس حدیث کے بارے میں اور اس موضوع پر کہ یہ حدیث ہمارے علماء کے نزدیک عام طور سے مقبول ہے کافی بحث ہو چکی، اس میں شبہ نہیں کہ بعض نے اس کو ضعیف اور خبر واحد کہا ہے تو بعضوں کے نزدیک یہ تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے، لیکن اس کو علم لدنّی سے اور اس بات سے کیا ربط ہے کہ سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ علم غیب کے عالم اور باطنی امور سے آگاہ تھے ؟

علی علیہ السّلام عالم غیب تھے

خیر طلب ۔ یا تو آپ میرے معروضات اور دلائل پر توجہ نہیں کرتے یا محض مخالفت کے جذبے میں مغالطہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

کیا میں پہلے عرض نہیں کر چکا ہوں کہ جیسا آپ کو خود اعتراف ہے پیغمبر خاتم الانبیاء ساری خلقت میں مرتضٰی اور برگزیدہ تھے اور بحکم آیہ مبارکہ :۔

عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احداً الّا من ارتضیٰ من رسولٍ ۔
یعنی وہ عالم الغیب ہے، پس اپنے غیب سے کسی کو آگاہ نہیں کرتا سوا اُس رسول کے جس کو مرتضٰی اور برگزیدہ کیا ہے۔

خداوند عالم نے آں حضرتؐ کی نگاہوں کے سامنے سے پردے ہٹا دیئے تھے اور بطور استثناء آں حضرتؐ کو علوم غیبی عنایت فرمائے تھے ؟ پس من جملہ ان علوم کے جو آپ کے شہر وجود میں جمع تھے عالم وجود کے اسرار و غیوب کا علم و وقوف بھی تھا۔ چنانچہ اس خداداد قوت کے اثر سے جملہ باطنی امور آں حضرت کے پیشِ نظر تھے اور آں حضرتؐ

کے ارشاد کے مطابق جس کو ہم اور آپ اور سارے اکابر علمائے اہل سنت جن میں سے بعض کا حوالہ بھی دے چکا ہوں تسلیم کرتے ہیں کہ فرمایا :۔

انامدینۃ العلم و علیٌ بابھا یعنی میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کے دروازہ ہیں

لہذا ان تمام علوم میں سے جو آں حضرتؐ کے شہر وجود میں اکٹھا تھے اور باب علم (علی علیہ السلام) کے ذریعہ سے استفادہ کیا جا سکتا ہے، حالات غیب پر علم و اطلاع بھی ہے، اور قطعاً علی علیہ السلام اسرار کائنات اور امور باطنی سے اسی طرح باخبر تھے جس طرح ظاہری احکام و حقائق سے۔

چونکہ اس خاندان جلیل کی بنیاد علم قرآن مجید کے اوپر تھی لہذا رسولؐ خدا کے بعد قرآن کے ظاہری و باطنی علوم کے جاننے والے بھی علی علیہ السلام تھے، جیسا کہ خود آپ کے اکابر علماء نے اس حقیقت کی تصدیق کی ہے۔

علیؑ قرآن کے ظاہر و باطن سے آگاہ تھے

من جملہ اُن کے حافظ ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء جلد اول ص۶۵ میں، محمدؐ بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۷۴ میں اور سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت باب ۱۴ ص۷۴ میں فصل الخطاب سے بسند معتبر عبداللہ ابن مسعود کاتب وحی سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا :۔

انّ القرآن انزل علیٰ سبعۃ احرف مامنہا حرف الّا ولہ ظہر و بطن وانّ علی بن ابی طالب عندہ علم الظاھر والباطن۔

یعنی حقیقتاً قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے جس کے ہر حرف کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور یقیناً علی علیہ السلام کے پاس قرآن کے ظاہر و باطن کا علم ہے۔

پیغمبرؐ نے سینۂ علیؑ میں علم کے ہزار باب کھولے

آپ کے بڑے بڑے علمائے اپنی معتبر کتابوں میں تصدیق کی ہے کہ علی علیہ السلام علم لدنی کے حامل تھے کیونکہ آپ رسول اللہ کے بعد ساری مخلوق میں مرتضیٰ تھے۔ من جملہ ان کے ابو حامد غزالی نے کتاب بیان علم لدنی میں نقل کیا ہے کہ علی علیہ السلام نے فرمایا، رسولؐ خدا نے اپنی زبان میرے دہن میں دی۔ پس آں حضرتؐ کے لعاب دہن سے مجھ پر علم کے ایک ہزار باب کھل گئے اور ہر باب سے مزید ایک ایک ہزار باب کشادہ ہوئے۔

آپ کے بزرگ پیشوا سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودت باب ۱۴ ص ۷۷ میں، اصبغ ابن نباتہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے امیرالمومنین علی علیہ السّلام سے سنا کہ آپ فرماتے تھے :۔

انّ رسولُ اللہ علّمنی الف باب وکل باب منھا یفتح الف باب فذالک الف الف باب حتّی علمت ما کان وما یکون الیٰ یوم القیٰمۃ و علم المنایا والبلایا وفصل الخطاب ۔

یعنی درحقیقت رسولؐ خدا نے مجھ کو ایک ہزار باب تعلیم کئے جن میں ہر باب سے ایک ایک ہزار باب کشادہ ہوتے ہیں، یوں یہ ہزار ہزار (یعنی دس لاکھ) باب ہوئے۔ یہاں تک کہ میں نے جان لیا جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ روز قیامت تک ہونے والا ہے نیز اموات و آفات اور سچے فیصلہ کا علم ۔

اور اسی باب میں ابن مغازلی فقیہ شافعی سے انہیں کی سند کے ساتھ ابوالصباح سے، وہ ابن عباس سے اور وہ رسول اکرم صلعم سے نقل کرتے ہیں کہ فرمایا :۔

لمّا صرت بین یدی ربّی کلمنی وناجانی فما علمت شیئًا الّا علمتہ علیا فھو باب علمی

یعنی شب معراج جب میں مقام قرب خدا میں پہنچا تو خدا نے مجھ سے کلام اور راز دارانہ گفتگو کی پس جو کچھ بھی مجھ کو معلوم ہوا وہ سب میں نے علّی کو سکھا دیا، پس وہ میرے باب علم ہیں ۔

نیز اسی حدیث کو اخطب الخطباء موفق بن احمد خوارزمی سے اس طریقے پر نقل کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا۔

اتانی جبرئیل بدرنوک من الجنّۃ فجلست علیہ فلمّا صرت بین یدی ربّی کلمنی وناجانی فما علمت شیئًا الّا علمتہ علیًا فھو باب علمی ثم دعاہ الیہ فقال یا علی سلمک سلمی وحربک حربی وانت العلم فیما بینی و بین امّتی

یعنی جبرئیل میرے پاس جنّت کی ایک بساط لے کر آئے پس میں اس کے اوپر بیٹھا یہاں تک کہ اپنے پروردگار کے قرب میں پہنچا تو اس نے مجھ سے کلام کیا اور مجھ سے راز کی باتیں کیں پس میں نے کچھ معلوم کیا سب علیؑ کو بتا دیا، چنانچہ وہ میرے باب علم ہیں۔ اس کے بعد علیؑ کو بلایا اور کہا اے علی تمہارے ساتھ صلح میرے ساتھ صلح اور تم سے جنگ کرنا مجھ سے جنگ کرنا ہے اور تم میرے اور میری امّت کے درمیان میرے نشان ہو۔

اس بارے میں امام احمد ابن حنبل، محمد ابن طلحہ شافعی، اخطب الخطباء خوارزمی، ابو حامد غزالی، جلال الدین سیوطی، امام احمد ثعلبی اور میر سیّد علی ہمدانی وغیرہ آپ کے اکابر علماء سے بکثرت حدیثیں مروی ہیں جن میں مختلف طرق اور الفاظ و عبارات کے ساتھ منقول ہے کہ رسول اکرمؐ نے علم کے ہزار باب جن کے ہر باب سے اور ایک ایک ہزار باب منکشف ہوتے ہیں علی علیہ السّلام کے سینے میں ودیعت فرمائے۔

اور حافظ ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں مولوی علی متقی نے کنزالعمال جلد ششم ص۳۹۲، اور ابویعلیٰ نے کامل بن طلحہ سے انہوں نے ابن لہیعہ سے انہوں نے حی بن عبد معافری سے ———— انہوں نے عبدالرحمان جبلی سے اور انہوں نے عبداللہ بن عمر سے روایت کی ہے کہ رسولؐ خدا نے اپنے مرض الموت میں ارشاد فرمایا:-

ادعوا الیّ اخی فجاء ابوبکر فاعرض عنه ثمّ قال ادعوا الیّ اخی فجاء عثمان فاعرض عنه ثمّ دعی له علی فستره بثوبه واکبّ علیه فلمّا خرج من عنده قیل له ما قال لك قال علّمنی الف باب کلّ باب یفتح الف باب -

یعنی میرے بھائی کو میرے پاس بلاؤ، پس ابوبکر آئے تو آں حضرت نے اُن کی طرف سے منہ پھیر لیا، پھر فرمایا میرے پاس میرے بھائی کو بلاؤ، پس عثمان آئے تو آں حضرتؐ نے ان کی طرف سے بھی منہ پھیر لیا، دوسری روایتوں میں ہے کہ ابوبکر کے بعد عمر آئے اور اُن کے بعد عثمان، پھر علی بلائے گئے تو آں حضرتؐ نے ان کو اپنے کپڑوں میں چھپا لیا اور ان کے اوپر سر نہوڑا لیا۔ جب آپ خدمت رسول سے باہر آئے تو لوگوں نے پوچھا یا علی پیغمبرؐ نے تم سے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا مجھ کو علم کے ایک ہزار باب تعلیم کئے جن میں سے ہر ایک باب ایک ایک ہزار باب کھولتا ہے -

حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ ہجری نے حلیۃ الاولیاء جلد اوّل ص۶۵ فضائل علیؑ میں، محمد جزری نے اسنی المطالب ص۱۴ میں اور محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب باب ۴۸ میں اسناد کے ساتھ احمد بن عمران بن سلمہ بن عبداللہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہم رسول اللہ کے پاس حاضر تھے پس علیؑ ابن ابی طالب کے بارے میں سوال کیا گیا تو آں حضرتؐ نے فرمایا:-

قسمت الحکمة عشرة اجزاء فاعطی علی تسعة اجزاء والناس جزءً واحداً -

یعنی حکمت کے دس حصے کئے گئے جن میں سے نو حصے علیؑ کو اور باقی ایک تمام انسانوں کو عطا ہوا۔

ابوالموید موفق بن احمد خوارزمی نے مناقب میں اور مولوی علی متقی نے کنزالعمال جلد پنجم ص۱۵۶ و ص۴۰۱ میں بہت سے اکابر علماء سے ابن مغازلی فقیہ شافعی نے فضائل میں اور سلیمان بلخی نے ینابیع المودت باب ۱۴ میں انہیں اسناد کے ساتھ (کاتب وحی) عبداللہ ابن مسعود سے اور محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول ص۲۱ میں حلیۃ اور علقمہ بن عبداللہ سے نقل کرتے ہوئے روایت کی ہے کہ رسول اللہ سے علیؑ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آں حضرتؐ نے فرمایا۔

قسمت الحکمة علیٰ عشرة اجزاء فاعطی علی تسعة اجزاء والناس جزءً واحدًا وهو اعلم بالعشر الباقی

یعنی حکمت دس حصوں پر تقسیم کی گئی جن میں سے علیؑ کو نو حصے عطا ہوئے اور تمام انسانوں کو ایک حصہ ملا، اور

علیؑ اس دسویں حصّے کے بھی سب سے زیادہ عالم ہیں۔
نیز ینابیع المودت کے اسی باب میں شرح رسالہ "فتح المبین" ابو عبداللہ محمد بن علی الحکیم ترمذی سے بروایت (امام المفسرین وحبر مت، عبداللہ بن عباس نقل کرتے ہیں کہ:-

العلم عشرة اجزاء لعلی تسعة اجزاء والناس عشر الباقی وهو اعلمهم به۔

یعنی علم کے دس حصّے ہیں نو حصّے علی کے لئے اور باقی دسواں حصّہ سارے انسانوں کے لئے اور علیؑ اس ایک جز کے بھی سب سے بڑے عالم ہیں۔
اور متقی ہندی کنز العمال جلد ششم ص۱۵۳ میں، خطیب خوارزمی مناقب ص۴۹ اور مقتل الحسین جلد اوّل ص۴۳ میں، دیلمی فردوس الاخبار میں اور سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودت باب ۱۴ میں نقل کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلعم نے فرمایا:-

علم امتی من بعدی علی ابن ابی طالب۔

یعنی میرے بعد میری امت میں سب سے زیادہ علم و دانا علیؑ ابن ابی طالبؑ ہیں۔

علیؑ کو علمِ رسولؐ کی تفویض

پس ان مشتے از خروارے حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ساری مخلوق میں مرتضیٰ اور عالم غیب تھے اور ظاہر و باطن کا جو علم مبدء فیاض سے حاصل کیا تھا وہ علی علیہ السلام کو تفویض کر دیا تھا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ علی ابن ابی طالبؑ اور آپ کی اولاد سے گیارہ آئمہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ایک پیغمبرؐ کے مانند پروردگار عالم سے بصورت وحی کوئی مستقل اور براہِ راست سلسلہ تھا بلکہ قطعی اور یقینی طور سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ مبدء فیاض کی طرف سے جو فیضان ہوتا تھا اُس کا مرکز حضرت خاتم الانبیاءؐ کی ذاتِ اقدس تھی آں حضرت کی زندگی میں اور بعد وفات تمام موجودات کو اور بالخصوص ہمارے آئمہ اثنا عشریہ علیہم السلام کو جس قدر فیض پہنچا یا پہنچ رہا ہے وہ حق تعالیٰ کی جانب سے حضرت رسول خدا صلعم کے ذریعے پہنچا ہے۔ غرضیکہ سارے علوم اور گذشتہ و آئندہ زمانے کے اہم واقعات و حالات پیغمبرؐ کے حیات ہی میں ان حضرت کو خدائے تعالیٰ کی طرف سے بتائے جاتے تھے جن میں سے کچھ باتیں جب آنحضرتؐ اس دنیا سے رخصت ہونے والے تھے آپ کو تفویض فرما دیا۔ جیسا کہ اس بارے میں (علاوہ شیعوں کے معتبر روایات کے) خود آپ کے اکابر علماء کے طرف سے بکثرت روایتیں منقول ہیں جن میں سے ایک نمونہ پیش کیا گیا۔ چنانچہ آپ کے علماء نے اُمّ المومنین عائشہ سے ایک مفصّل حدیث نقل کی ہے جس کے آخر میں کہتی ہیں کہ پیغمبرؐ نے علیؑ کو بلایا اور ان کو اپنے سینے سے چپکا لیا اور سر سے چادر اوڑھ لی۔ میں اپنا سر قریب لے گئی اور ہر چند کان لگائے لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ جس وقت علیؑ نے سر اٹھایا تو اُن کی پیشانی سے پسینہ جاری تھا۔ لوگوں نے کہا یا علیؑ پیغمبرؐ اتنی

طولانی مدت تک آپ سے کیا کہتے رہے؟ آپ نے کہا :-

قد علمنی رسول اللہ الف باب من العلم ومن کل باب یفتح الف باب ۔

یعنی درحقیقت رسولؐ خدا نے مجھ کو علم کے ہزار باب تعلیم فرمائے جن میں ہر باب سے اور ایک ہزار باب کھلتے ہیں۔

بعثت کی ابتدا ہی میں (جیسا کہ اس کی پوری تفصیل گذشتہ راتوں میں عرض کر چکا ہوں) جب رسول اللہ نے اپنے عم محترم جناب ابوطالب کے گھر میں اپنے چالیس قریبی اعزہ کی دعوت کی اور ان کو رسالت کا پیغام پہنچایا تو علی علیہ السلام پہلے وہ شخص تھے جنہوں نے اپنا ایمان ظاہر کیا۔ پیغمبرؐ نے ان کو بغل میں لیا اور اپنا لعاب دہن ان کے منہ میں ڈالا۔ چنانچہ علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اسی وقت علوم کے چشمے میرے سینہ میں پھوٹ نکلے۔ چنانچہ آپ کے بڑے بڑے علماء نے نقل کیا ہے کہ آپ نے برسر منبر خطبہ دیتے ہوئے اسی مفہوم کی طرف اشارہ کیا ہے کہ فرمایا :-

سلونی قبل ان تفقدونی فانما بین الجوانح منی علم جم ۔

یعنی مجھ سے پوچھو قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ۔ کیوں کہ سوا اس کے نہیں ہے کہ میرے سینے کے اندر بے پنہاء علم موجود ہے ۔

اس کے بعد اپنے شکم مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا :-

ھذا سفط العلم ھذا لعاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ھذا ما زقنی رسول اللہ زقاً زقاً ۔

یعنی یہ علم کا مخزن ہے۔ یہ رسولؐ اللہ کا لعاب دہن ہے یہ ہے وہ جو رسولؐ خدا نے مجھ کو دانے کی طرح بھرایا ہے ۔

اور آں حضرتؐ اپنے وقتِ وفات تک مختلف طریقوں سے علی علیہ السلام پر برابر فیض ربانی کا اضافہ فرماتے رہے اور مبدٔ فیاض عیب الغیوب سے جو کچھ حاصل ہوتا رہا وہ علی علیہ السلام کے سینے میں ودیعت فرماتے رہے۔

نورالدین ابن صباغ مالکی فصول المہمہ میں کہتے ہیں کہ پیغمبر خاتم النبیین نے بچپن ہی سے علی کو اپنے آغوش محبت میں علمی اور عملی تربیت دی ۔

جفر جامعہ اور اُس کی کیفیت

جن طریقوں سے من جانب خدا اور خاتم الانبیاءؐ کے وسیلے سے علی علیہ السلام پر فیوض ربانی کا فیضان ہوا۔ ان میں سے ایک جفر جامعہ تھا جو حروف رمز کے ساتھ علم ماکان و مایکون پر مشتمل ایک صحیفہ اور کتاب تھی ۔ جس کے لیے خود

آپ کے بزرگ علماء بھی معترف ہیں کہ وہ کتاب اور علم حضرت علی اور آئمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کے مخصوصات میں سے تھا۔

چنانچہ حجۃ الاسلام ابوحامد غزالی نے لکھا ہے کہ امام المتقین علی ابن ابی طالبؑ کے لئے ایک کتاب ہے جس کا نام ہے جفر جامع الدنیا والآخرۃ اور وہ کتاب تمام علوم وحقائق، دقائق و اسرار، حالات غیب، خواص اشیاء اثرات مافی العالم اور خواص اسماء وحروف پر مشتمل ہے جس سے سوا آپ کے اور آپ کے ان گیارہ بزرگوار فرزندوں کے جو بنص رسول خدا امامت وولایت کے منصب پر فائز ہیں اور کوئی شخص آگاہی نہیں رکھتا، کیونکہ یہ چیز ان حضرات کو وراثت میں ملی ہے۔ اسی طرح سلیمان بلخی نے ینابیع المودۃ ص۴۰۳ میں درّ المنظم محمد بن طلحہ حلبی شافعی سے اس بارے میں ایک مبسوط تشریح نقل کی ہے کہ جفر جامع مفاتیح علوم کے سلسلہ میں ایک ہزار سات سو صفحات پر مشتمل اور امام علی ابن ابی طالب سے مخصوص ہے۔ لہذا ایک مشہور شاعر نے ان بزرگوار کی مدح میں کہا ہے۔

من مثله کان ذا جفر وجامعة له قد دوّن سر الغیب تدوینا

یعنی کون ہے ان کے مانند جو جفر جامعہ کے حامل تھے۔ اس کتاب میں اسرار غیب کی تدوین کی گئی ہے۔

نیز تاریخ نگارستان میں شرح مواقف سے نقل کرتے ہیں۔

ان الجفر والجامعة کتابان لعلی قد ذکر فیهما علی طریقة علم الحروف الحوادث الی انقراض العالم واولاده یحکمون بهما۔

یعنی حقیقتاً جفر اور جامعہ دو کتابیں ہیں جو علیؑ کے لئے مخصوص ہیں، ان میں علم حروف کے طریقہ پر اختتام عالم تک سارے حادثات کا ذکر ہے۔ اور آپ کی اولاد انہیں کتابوں کے ذریعہ حکم کرتی ہے۔ (مطلب یہ کہ ان کتابوں کے رموز وعلوم کے حامل صرف علی علیہ السلام اور آپ کی اولاد ہے۔)

نواب۔ قبلہ صاحب کتاب جفر جس کے لئے آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں کیا چیز ہے اور کیسی ہے۔ گذارش ہے کہ اگر مناسب ہو تو اس کی کیفیت بیان فرمایئے۔

خیر طلب۔ وقت تنگ ہے اس وجہ سے اس علم اور کتاب کی تشریح اور تفصیل سے معذور ہوں۔

نواب۔ جس قدر ممکن ہو مفصل تشریحات کا خلاصہ ہی بیان فرما دیجئے۔

خیر طلب۔ ہجرت کے دسویں سال حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد جبرئیل امین آئے اور رسول اللہ کو موت کی خبر دی کہ اب آپ کی عمر ختم ہو رہی ہے۔ آں حضرتؐ نے درگاہ واہب العطایا میں دست مبارک بلند کئے اور عرض کیا۔

اللّٰهمّ وعدتنی التی وعدتنی انک لا تخلف المیعاد۔

خداوندا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے اور تو ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

خدا کی طرف سے خطاب ہوا کہ علیؑ کو لے جا بیٹھے اور کوہ احد پر پشت بقبلہ بیٹھ کر صحرائی جانوروں کو آواز دیجئے وہ آپ کی آواز پر لبیک کہیں گے، ان میں ایک سُرخ رنگ کی بڑی بکری ہے جس کے سینگ تھوڑے تھوڑے اُبھرے ہیں، علیؑ کو حکم دیجئے کہ اُس کو ذبح کرکے گردن کی طرف سے اس کی کھال اتاریں اور اس کو اُلٹ دیں۔ تو وہ دباغت کی ہوئی ملے گی، اس وقت جبرئیل دوات و قلم اور روشنائی لے کر آئیں گے جو زمین کی روشنائی سے الگ ہوگی، جو کچھ جبرئیل کہیں آپ علیؑ سے کہئے کہ اس کو لکھ لیں، وہ تحریر اور کھال اسی طرح باقی رہے گی اور ہرگز بوسیدہ نہ ہوگی، وہ ہمیشہ محفوظ رہے گی اور جس وقت کھولی جائے گی تازہ ہو جائے گی۔

رسولِ خدا صلعم نے کوہ احد پر اُسی ہدایت کے مطابق عمل فرمایا، جبرئیل آئے اور آں حضرتؐ کے سامنے قلم دوات پیش کی، آں حضرتؐ نے علیؑ کو حکم دیا کہ عمل کے لئے مستعد ہو جائیں، اس کے بعد جبرئیل خداوند جلیل کی جانب سے عالم کے جزو کل اہم واقعات پیغمبرؐ کے سامنے بیان کرتے جاتے تھے اور پیغمبرؐ علیؑ سے فرماتے تھے آپ اس کھال پر لکھتے جاتے تھے، یہاں تک کہ ہاتھوں اور پاؤں کی باریک کھال پر بھی لکھا اور اُس نوشتے میں درج ہوگیا۔

كلما كان وما هو كائن الى يوم القيامة یعنی جو کچھ ہو چکا تھا اور جو کچھ ہونے والا تھا روز قیامت تک۔

آپ نے ہر چیز لکھ دی حتیٰ کہ اپنی اولاد و احفاد اور ان کے دوستوں اور دشمنوں کے نام اور ہر ایک کے اوپر روز قیامت تک جو کچھ گزرنے والا تھا سب ہی کچھ اس کتاب میں درج کر دیا۔

پھر خاتم الانبیاءؐ نے وہ مکتوب اور علم جفر علی علیہ السلام کو دیا اور وہ اسباب وراثت اور ولایت و امامت کا ایک جزو قرار دیا۔ چنانچہ جو امام دنیا سے جاتا ہے وہ اس کو اپنے ہونے والے امام معلوم کے سپرد کرکے جاتا ہے یہ وہی کتاب ہے جس کے متعلق ابو حامد غزالی کہتے ہیں کہ جفر جامعہ ایک کتاب ہے جو علیؑ اور آپ کے گیارہ فرزندوں کے لئے مخصوص ہے اور اس میں ہر چیز موجود ہے من علم المنايا والبلايا والقضايا وفصل الخطاب۔ (یعنی علم اموات و بلایا، احکام اور برحق باتیں۔

نواب ۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ روز قیامت تک کے سارے واقعات اور علوم بکری کی ایک کھال پر لکھ دیئے گئے ہوں ؟

خیر طلب ۔ اوّل تو اس روایت کا اندازہ بتاتا ہے کہ بکری کوئی معمولی نہیں تھی بلکہ بہت بڑی اور اسی مقصد کے لئے پیدا کی گئی تھی۔ دوسرے کتابوں اور رسالوں کے طریقے سے نہیں لکھا گیا بلکہ حروف رمز و اشارات کی صورت میں تحریر کیا گیا۔ چنانچہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ صاحب تاریخ نگارستان نے شرح مواقف سے نقل کیا ہے کہ قد ذكر فيهما على طريقة علم الحروف یعنی جفر اور جامعہ میں علم الحروف کے طریقے

پہ ذکر کیا گیا ہے۔

اس کے بعد اس رمز کی مفتاح اور کنجی رسول اکرم صلعم نے علی علیہ السلام کو عطا فرمائی اور آپ نے آں حضرتؐ کے حکم سے اپنے بعد آنے والے آئمہ کو دی۔

جس شخص کے پاس وہ کلید ہو وہی اس کتاب سے اسرار و حوادث کا استخراج کر سکتا ہے ورنہ مجبور و عاجز رہے گا۔ جس طرح کوئی بادشاہ اپنے وزیر یا والیان و حکام، سرداران لشکر اور افسران فوج کو جنہیں صوبوں اور ریاستوں کی طرف بھیجتا ہے، حروف یا اعداد کی صورت میں ایک خفیہ تحریر سپرد کرتا ہے اور اس مکتوب کی مفتاح و کلید صرف بادشاہ اور اُس وزیر یا والی و حاکم اور سردار فوج ہی کے پاس ہوتی ہے، کیونکہ وہ تحریر بغیر کلید کے اگر کسی کے ہاتھ آ بھی جائے تو وہ اس سے کچھ معلوم نہیں کر سکتا۔ اسی طرح سے کتاب جفر جامعہ ہے جس سے امیرالمومنین علی علیہ السلام اور آپ کی اولاد میں سے گیارہ اماموں کے علاوہ اور کوئی شخص مطلب کا استخراج نہیں کر سکتا۔

چنانچہ ایک روز حضرت امیر علیہ السلام نے جب آپ کے سارے فرزند اکٹھا تھے وہ جلد اپنے فرزند محمد حنفیہ کو دی لیکن وہ (باوجودیکہ بہت عالم و دانا تھے) اس میں سے کچھ بھی نہیں سمجھ سکے [1]

اکثر احکام اور اہم واقعات جن کی خبر آئمہ معصومین علیہم السلام دیا کرتے تھے، اسی کتاب سے تھے یہ حضرات کلیات و جزئیات امور سے باخبر تھے اور اپنے اور اپنے اہل بیت اور شیعوں کے اوپر پڑنے والے مصائب و آلام کو اسی کتاب سے استخراج فرماتے تھے، جیسا کہ کتب اخبار میں مکمل اور مفصّل طریقے سے درج ہے۔

عہدنامۂ مامون میں امام رضاؑ کا اپنی موت کی خبر دینا

شرح مواقف میں مامون الرشید عباسی اور امام ہشتم حضرت علی رضا علیہ السلام کے عہدنامے کا قضیہ درج ہے کہ جب مامون نے امام رضا علیہ السلام کو چھ مہینے کی خط و کتابت اور دھمکی دینے کے بعد اپنی ولی عہدی قبول کرنے پر مجبور کیا تو ایک عہدنامہ لکھا گیا اور مامون نے اُس کے اس مضمون پہ دستخط کیا کہ اس کے مرنے کے بعد خلافت حضرت

---

[1] چونکہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام علم خداداد سے جانتے تھے کہ میرے بعد چند بازیگر لوگ میرے آزاد کردہ غلام کیسان کے بہکانے سے میرے فرزند محمد حنفیہ کی امامت کے قائل ہو جائیں گے، لہٰذا گویا آپ نے اس امتحان کے ذریعہ پہلے ہی یہ ثابت کر دینا چاہا کہ محمد حنفیہ منصب امامت کے اہل نہیں ہیں۔ یعنی اگر امامت پہ فائز ہوتے تو ان کے پاس کتاب جفر کی کلید کا ہونا ضروری تھا۔

رضا علیہ السلام کی طرف منتقل ہوگی۔ جب کاغذ امام رضا علیہ السّلام کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اپنے دستخط سے مندرجہ ذیل عبارت تحریر فرمائی۔

اقول و انا علیّ بن موسیٰ بن جعفران امیرالمومنین عضّدہ اللّٰہ بالسداد و وفقہ للرشاد عرف من حقنا ماجھلہ غیرہ فوصل ارحاما قطعت فامن نفوسًا فزعت بل احیاھا وقد تلفت اغناھا اذا افتقرت مبتغیا رضی رب العلمین وسیجزی اللّٰہ الشاکرین ولا یضیع اجرالمحسنین وانّہ جعل الیّ عھدہ والامرۃ الکبریٰ ان بقیت بعدہ۔

یعنی میں علی ابن موسیٰ ابن جعفر (علیہم السلام) کہتا ہوں کہ مومنین کے فرمانبردار (مامون الرشید) نے خدا اس کو راستی پر قائم رکھے اور اس کو رشد وہدایت کی توفیق دے، ہمارے اُس حق کو پہچانا جس کو دوسروں نے نہیں پہچانا، پس اُن رشتوں کو جوڑا جن کو قطع کر دیا گیا تھا اور ان نفوس کو امن و اطمینان دیا جو خوف زدہ تھے بلکہ ان کو زندگی بخشی جب وہ گویا فنا کے گھاٹ اتر چکے تھے۔ اور ان کو خوش حال و بے نیاز بنایا جب وہ پریشان حال تھے تاکہ پروردگار کی رضامندی حاصل ہو۔ اور عنقریب خدا شکر گذاروں کو جزا عنایت کرے گا اور وہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ یقیناً اُس نے مجھ کو اپنا ولی عہد بنایا ہے اور زبردست امارت سپرد کی ہے، بشرطیکہ میں اُس کے بعد زندہ رہوں۔

یہاں تک کہ اس مضمون کے آخر میں تحریر فرمایا۔

ولکنّ الجفر والجامعۃ یدلّان علیٰ ضد ذالک وما ادری مایفعل بی وبکم ان الحکم الّا للّٰہ یقضی بالحق وھوخیرالفاصلین۔

لیکن جفر اور جامعہ اس بات کے خلاف دلالت کرتے ہیں (یعنی میں اس کے بعد تک زندہ نہیں رہوں گا) اور میں خود سے نہیں جانتا کہ میرے اور تمہارے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا، حکم دینا تو صرف اللّٰہ کا کام ہے جو بالکل سچا حکم دیتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

اور سعد بن مسعود بن عمر تفتازانی شرح مقاصد الطالبین فی علم اصول الدین میں عہد نامے کے اندر حضرت کے قلم سے نکلے ہوئے جفر جامعہ کے جملے پر اپنے مفصّل بیان میں اشارہ کرتے ہیں کہ مقصد یہ ہے کہ علم جفر و جامعہ کے مطابق اپنے عہد پر قائم نہیں رہے گا۔ چنانچہ ہم نے دیکھ لیا کہ جو کچھ ہونا تھا ہوا اور اُس پیغمبر کے فرزند پارۂ جگر کو زہر جفا سے شہید کر دیا۔ حضرت کی صداقت اور علم کی سچائی ظاہر ہوگئی اور سب کو معلوم ہوگیا کہ یہ جلیل القدر خاندان تمام ظاہری و باطنی امور سے باخبر ہے۔

جبرئیل کا وصیٔ رسولؐ کیلئے ایک مُہر کی ہوئی کتاب لانا

رسول اللہ کے ذریعہ جن طریقوں سے علی علیہ السّلام کو فیوض حاصل ہوئے اُن میں ایک مہر کی ہوئی کتاب بھی ہے جو جبرئیل حضرت کے لیے لائے تھے۔

چنانچہ مقبول فریقین محقق و مؤرخ علامہ ابوالحسن علی بن الحسین مسعودی کتاب اثبات الوصیہ ص۹۲ میں تفصیل سے نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے۔

انزل اللہ جل وعلا الیہ صلی اللہ علیہ وآلہ من السماء کتابا مسجلا نزل بہ جبرئیل مع امناء الملائکۃ۔

یعنی جبرئیل امناء ملائکہ کے ہمراہ خدائے عزّوجل کی جانب سے ایک مہر شدہ کتاب پیغمبرؐ کے پاس لائے اور عرض کیا کہ جو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں وہ علاوہ آپ کے وصی کے یہاں سے باہر چلے جائیں تاکہ میں کتاب وصیت کو پیش کروں۔

فامر رسول اللہ من کان عندہ بالبیت بالخروج ما خلا امیرالمومنین وفاطمۃ والحسن والحسین علیہم السلام فقال جبرئیل یا رسول اللہ ان اللہ یقرء علیک السلام ویقول لک ہذا کتاب بما کنت عہدت وشرعلت علیک واشہدت علیک ملائکتی وکفی بی شہیداً فارتعدت مفاصل سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ فقال ہو السلام ومنہ السلام والیہ یعود السلام۔

یعنی پس رسول اللہ نے امیرالمومنین فاطمہ اور حسن وحسین علیہم السلام کے علاوہ جملہ حاضرین کو گھر سے باہر جانے کا حکم دیا جبرئیل نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ یہ وہ تحریر ہے جس پر میں نے تم سے یہ عہد و پیمان کیا ہے اور اپنے ملائکہ کو گواہ بنایا ہے اور میں بھی گواہ ہوں پس حضرت رسولِ خدا کا جسم کانپنے لگا اور آں حضرتؐ نے فرمایا وہی ہے سلام اور اُسی کی طرف سے سلام ہے اور اسی کی طرف بازگشت ہے سلام کی۔

اس کے بعد وہ کتاب جبرئیل سے لے کر پڑھی اور علیؑ کو دے کر فرمایا یہ میری طرف میرے پروردگار کا عہد اور اس کی امانت ہے جس کو میں نے یقیناً ادا کر دیا اور خدا کا پیغام پہنچا دیا۔

امیرالمومنین نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہو جائیں میں بھی اس تبلیغ و نصیحت کی اور جو کچھ آپ نے فرمایا ہے۔ اس کی سچائی پر گواہی دیتا ہوں اور اس حقیقت پر میرے کان، آنکھ، گوشت اور خون سبھی گواہ ہیں۔

اس وقت آں حضرتؐ نے علی علیہ السلام سے فرمایا، لو یہ پروردگار کی جانب سے میری وصیت ہے اس کو قبول کرو اور خدائے تعالٰے کے لئے اس کی ضمانت کرو۔ اور میرے لئے اس پر وفا کرنا فرض ہے۔ علی نے عرض کیا میں نے اس کی ضمانت قبول کی اور یہ خدا کے ذمے ہے کہ میری مدد فرمائے اس کتاب میں امیرالمومنین علیہ السلام سے ان چیزوں کا عہد لیا گیا ہے۔

الموالاۃ لاولیاء اللہ والمعاداۃ لاعداء اللہ والبراۃ منھم والصبر علی الظلم و کظم الغیض علی اخذ حقک ومنک وذھاب خمسک وانتھاک حرمتک وعلی ان تخضب لحیتک من راسک بدم عبیط فقال امیرالمومنین قبلت ورضیت وان انتھکت الحرمۃ وعطلت السنن ومزق الکتاب وھدمت الکعبۃ وخضبت لحیتی من راسی صابرًا محتسبًا۔

یعنی خدا کے دوستوں سے دوستی، خدا کے دشمنوں سے دشمنی اور اُن سے بیزاری، ظلم کے اوپر صبر، اپنا حق چھینے جانے اپنے خمس پر تصرف کئے جانے، اپنی حرمت کے ضائع کئے جانے اور سر کے خون سے اپنی ڈاڑھی رنگین کئے جانے پر ضبط و تحمل اور غصّے کو پی جانا۔ پس امیرالمومنین نے کہا میں نے قبول کیا اور راضی ہوا، اگر میری حرمت ضائع کی جائے، سنتوں کو معطل کر دیا جائے احکام کتاب پارہ پارہ کر دیے جائیں کعبہ ڈھا دیا جائے اور میری ڈاڑھی میرے خون سے رنگین کی جائے تب بھی صبر و تحمل سے کام لیا۔

اس کے بعد جبرئیل و میکائیل اور ملائکہ مقربین کو امیرالمومنین پر گواہ قرار دیا۔ اور حسن و حسین و فاطمہ صلوات اللہ علیہم اجمعین کو بھی اُسی طرح ذمہ داری سپرد کی اور ان حضرات کو پیش آنے والے تمام واقعات کی تفصیل بیان کی پھر اس وصیت نامے پر بغیر تپائے ہوئے سونے کی مہریں لگائیں اور علی علیہ السلام کو دے دیا۔

وفی الوصیۃ سنن اللہ جلّ وعلا وسنن رسول اللہ وخلاف من یخالف ویغیّر ویبدّل وشئ من جمیع الامور والحوادث بعدہ وھو قول اللہ عزّ وجلّ وکلّ شئ احصیناہ فی امام مبین - انتھٰی -

یعنی اُس وصیت نامے کے اندر خدائے عزّوجل کی سنتیں، رسولؐ خدا کی سنتیں، جو لوگ مخالف اور احکام خداوندی میں تغیر و تبدّل کرنے والے ہیں ان کی مخالفت اور آں حضرتؐ کے بعد واقع ہونے والے جملہ امور و حادثات کے تذکرے موجود ہیں۔ اور یہ وہی چیز ہے جو خداوند عالم فرماتا ہے کہ امام مبین (علی ابن ابی طالبؑ) کو ہم نے ہر شئے کا علم عطا کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ امیرالمومنینؑ اور آپ اولاد و عترت رسولؐ میں سے آئمہ معصومین علیہم السّلام کو جو کچھ ملا تھا وہ

رسولؐ خدا سے ملا تھا اور آں حضرتؐ کے تمام علوم ان حضرات کے پاس تھے۔ اگر اس کے خلاف ہوتا تو آں حضرتؐ علیؑ کو اپنا باب علم نہ فرماتے اور یہ حکم نہ دیتے کہ اگر تم میرے علم سے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہو تو علی ابن ابی طالبؑ کے دروازے پر جاؤ۔ اور اگر آپ رسول اللہؐ کے علومِ خاص کے حامل نہ ہوتے اور آپ کو سارے علوم پر قابو حاصل نہ ہوتا تو دوست و دشمن سب ہی کے سامنے یہ اعلان نہ فرماتے کہ سلونی قبل ان تفقدونی۔ یعنی مجھ سے جو چاہو پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ۔

اس لئے کہ اس پر فریقین کا اتفاق ہے کہ سوا امیرالمومنین کے اور کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس نے سلونی کی آواز دی ہو اور آپ کی اس مخصوص منزلت کا دعوےٰ کیا ہو اور پھر علوم ظاہری و باطنی کے متعلق لوگوں کے سوالات کے مقابلے میں لاجواب نہ ہو گیا ہو۔ آپ کے علاوہ جس نے بھی ایسا ادعا کیا وہ ذلیل و رسوا ہو کر رہا۔ چنانچہ حافظ ابن عبدالبر مغربی اندلسی کتاب استیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں لکھتے ہیں:۔

انّ کلمۃ سلونی قبل ان تفقدونی ماقالہا احد غیر علی بن ابی طالب الا کان کاذباً۔

یعنی کلمہ سلونی قبل ان تفقدونی کو سوا علی ابن ابی طالبؑ کے اور جس شخص نے زبان سے نکالا وہ جھوٹا تھا۔

چنانچہ ابوالعباس احمد ابن خلکان شافعی نے وفیات میں اور خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ جلد سیزدہم ص۱۶۳ میں نقل کیا ہے کہ ایک روز مقاتل بن سلیمان نے جو آپ کے بزرگ علماء میں سے اور ہر مسئلے میں بہت حاضر جواب تھے عام مجمع کے سامنے بر سر منبر کہا سلونی عما دون العرش۔ یعنی عرش کے نیچے جو کچھ بھی ہے اس کے متعلق مجھ سے پوچھ لو۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ جب حضرت آدم فریضۂ حج بجا لائے تو حلق و تقصیر کے موقع پر ان کے سر کے بال کس نے کاٹے؟ مقاتل پریشان اور لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔ دوسرے نے پوچھا کہ چیونٹی معدے کی نلی سے غذا جذب کرتی ہے یا کسی اور ذریعہ سے؟ اگر معدے کا ذریعہ ہے تو اس کے جسم میں معدہ اور آنتیں کس مقام پر ہیں؟ مقاتل پھر حیرت میں پڑ گئے کہ کیا جواب دیں۔ مجبور ہو کر کہا کہ یہ سوال تمہارے دل میں خدا نے ڈالا ہے تاکہ زیادتی علم کی بنا پر میرے دل میں جو غرور پیدا ہو گیا تھا اور میں اپنی حد سے تجاوز کر گیا تھا اس کی وجہ سے میں ذلیل و رسوا ہو جاؤں۔

بدیہی چیز ہے کہ یہ دعوےٰ اسی شخص کو کرنا چاہیئے جو ہر سوال کے جواب پر کماحقہٗ قدرت رکھتا ہو اور قطعی و یقینی امت کے اندر سوا امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کے اور کوئی بھی اس منزل پر فائز نہیں تھا۔

آپ چونکہ رسول اللہؐ کے باب علم تھے لہٰذا آں حضرتؐ ہی کے مانند تمام ظاہری و باطنی امور پر حاوی اور علوم اولین و آخرین سے آگاہ تھے۔ اسی بنا پر پوری قدرت کے ساتھ سلونی کی آواز دیتے تھے اور ہر سوال کا شافی جواب عنایت فرماتے تھے۔ جس کی تفصیل پیش کرنے کا وقت نہیں ہے۔

علاوہ امیر المومنین علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ میں سے کبھی کسی نے ایسا اعلان نہیں کیا چنانچہ امام احمد بن حنبل نے مسند میں، موفق بن احمد خوارزمی نے مناقب میں، خواجہ بزرگ حنفی نے ینابیع المودۃ میں، بغوی نے معجم میں، محب الدین طبری نے ریاض النضرۃ جلد دوم ص۱۹۸ میں اور ابن حجر نے صواعق ص۷۶ میں سعید ابن مسیب سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا لم یکن من الصحابۃ یقول سلونی الا علی بن ابی طالبؑ - یعنی صحابہ میں سے علی ابن ابی طالب کے سوا اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ مجھ سے جو چاہو پوچھ لو۔

علی علیہ السّلام کی ندائے سلونی اور اخبار اہلِ سنّت

لہٰذا خود آپ کے اکابر علماء مثلاً ابن کثیر نے اپنی تفسیر جلد چہارم میں، ابن عبدالبر نے استیعاب میں، سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ میں، موید الدین خوارزمی نے مناقب میں، امام احمد نے مسند میں، حموینی نے فرائد میں، ابن طلحہ نے درالمنظوم میں، میر سیّد علی شافعی نے مودۃ القربٰی میں، حافظ ابونعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء میں، محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں اور آپ کے دیگر محققین نے مختلف الفاظ و عبارات کے ساتھ متعدد مقامات پر عامر بن واثلہ، ابن عباس، ابی سعید البحتری، انس ابن مالک اور عبداللہ ابن مسعود سے نقل کیا ہے کہ امیر المومنین علیہ السّلام نے بالائے منبر فرمایا :-

ایھا الناس سلونی قبل ان تفقدونی فانّ بین جوانحی لعلماجمّا سلونی فانّ عندی علم الاولین والاخرین -

یعنی لوگو مجھ سے جو چاہو پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ کیونکہ درحقیقت میرے سینے میں علم بھرا پڑا ہے۔ مجھ سے دریافت کر لو کیونکہ یقیناً میرے پاس اولین و آخرین کا علم موجود ہے۔

ابو داؤد نے سنن ص۳۵۶ میں، امام احمد حنبل نے مسند جلد اول ص۲۷۸ میں، بخاری نے اپنی صحیح جلد اول ص۴۶ اور جلد دوم ص۲۴۱ میں سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ علی علیہ السلام نے فرمایا :-

سلونی عمّا شئتم ولا تسئلونی عن شیءٍ الّا انبأتکم بہ -

یعنی جس چیز کے بارے میں چاہو مجھ سے پوچھ لو۔ اور کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کے متعلق تم دریافت کرو اور میں اس کی خبر نہ دوں -

شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۱۴ ص۷۴ میں موفق بن احمد خوارزمی سے اور شیخ الاسلام حموینی نے اپنی سند کے ساتھ ابوسعید بحتری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا :-

رأیت علیّاً رضی اللہ عنہ علیٰ منبر الکوفۃ وعلیہ مدرعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ومتقلّد بسیفہ ومتعمم بعمامتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فجلس علی المنبر فکشف عن بطنہ وقال سلونی قبل ان تفقدونی فانما بین الجوانح منّی علم جمّ ھذا سفط العلم ھذا لعاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھذا ما زقّنی رسول اللہ زقّاً زقّاً فواللہ لو ثنّیت لی وسادۃ فجلست علیھا لافتیت اھل التوراۃ بتوراتھم واھل الانجیل بانجیلھم حتّیٰ ینطق اللہ التوراۃ والانجیل فیقولان صدق علیٌّ قد افتاکم بما انزل فیّ وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون ۔

یعنی میں نے حضرت علیؑ کو منبر کوفہ پر اس صورت سے دیکھا کہ پیغمبرؐ کی اونی چادر اوڑھے ہوئے آں حضرتؐ کی تلوار باندھے ہوئے اور آں حضرتؐ کا عمامہ سر پر رکھے ہوئے تھے پس منبر پر بیٹھے اور اپنا شکم مبارک کھول کے فرمایا کہ مجھ سے پوچھ لو (جو چاہو) قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ، کیونکہ سوائے اس کے نہیں ہے کہ میرے سینے میں کثیر علم موجود ہے۔ یہ میرا شکم علم کا مخزن ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لعاب دہن (یعنی اس کا اثر) ہے یہ وہ چیز ہے جسے رسولؐ خدا نے مجھ کو دانے کی طرح بھرایا ہے۔ پس قسم خدا کی اگر میرے لئے مسند بچھادی جائے اور میں اس کے اوپر متمکن ہوں تو یقیناً توریت والوں کو ان کی توریت سے اور انجیل والوں کو ان کی انجیل سے فتویٰ دوں گا، یہاں تک کہ خدا توریت و انجیل کو گویا کردے اور گواہی دیں کہ علیؑ نے سچ کہا اور جو کچھ خدا نے ہمارے اندر نازل کیا ہے اسی کے مطابق تم کو فتوے دیا ہے اور تم لوگ کتاب کی تلاوت کرتے ہو تو کیا اتنا بھی نہیں سمجھتے

شیخ الاسلام حموینی فرائد میں اور موفق الدین خوارزمی مناقب میں نقل کرتے ہیں کہ آپ نے بالائے منبر فرمایا :-

سلونی قبل ان تفقدونی فوالذی فلق الحبّۃ وبرا النسمۃ لو تسئلونی عن اٰیۃ من کتاب اللہ لاُحدّثتکم عنھا متی نزلت بلیل او نھار فی مقام او مسیر فی سھل ام فی جبل وفی من نزلت فی مومن او منافق وما عنی اللہ بھا ام عامّ او خاص ۔

یعنی پوچھ لو مجھ سے قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ پس قسم اس خدا کی جس نے دانے کو شگافتہ کیا اور آدمی کو پیدا کیا کہ مجھ سے کتاب خدا کی کسی آیت کے بارے میں سوال نہ کروگے مگر یہ کہ میں تم کو اس کے متعلق بتاؤں گا کہ کس وقت نازل ہوئی، رات کو یا دن کو، منزل میں یا راستے میں، زمین ہموار میں یا پہاڑ میں اور کس کے بارے میں نازل ہوئی، مومن کے حق میں یا منافق کے اور خدا نے اس سے کیا مراد لیا ہے یہ آیت عام ہے یا خاص ۔

ابن کوا خارجی اٹھا اور اس نے کہا :-

اخبرنی عن قولہ تعالیٰ الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحت اولٰئک ھم خیر البریۃ فقالؑ اولٰئک نحن واتباعنا فی یوم القیٰمۃ غرّاء محجّلین رواء مرویین یعرفون بسیماھم

یعنی مجھ کو خدائے تعالیٰ کے اس قول کا مطلب بتایئے کہ "جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح بجالائے وہی لوگ تمام انسانوں سے بہتر ہیں" آپ نے فرمایا وہ ہم اور ہمارے پیرو ہیں جن کے چہرے اور ہاتھ پاؤں قیامت کے روز چمکتے ہوں گے اور اپنی پیشانیوں سے پہچانے جائیں گے۔

امام احمد ابن حنبل مسند میں اور شیخ سلیمان بلخی ینابیع المودت باب ۱۴ ص ۷۴ میں ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ علیؑ نے بالائے منبر فرمایا :۔

سلونی قبل ان تفقدونی سلونی عن کتاب اللہ ومامن اٰیۃ الّا وانا اعلم حیث انزلت بحضیض جبل او سہل ارض وسلونی عن الفتن فما من فتنۃ الا وقد علمت من کبسھا ومن یقتل فیھا۔

یعنی دریافت کرلو مجھ سے قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ، اور کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق سب سے زیادہ نہ جانتا ہوں کہ وہ کیونکہ نازل ہوئی ہے، پہاڑ کے دامن میں یا زمین ہموار میں اور پوچھو مجھ سے فتنوں کے بارے میں پس کوئی فتنہ ایسا نہیں ہے جس کے لئے میں نہ جانتا ہوں کہ کس نے اس کو اٹھایا ہے اور کون اس میں قتل ہوگا۔

ابن سعد نے طبقات میں، ابو عبد اللہ محمد بن یوسف گنجی شافعی نے کفایت الطالب کے باب ۵۲ میں جس کو اسی موضوع کے لئے مخصوص کیا ہے، اور حافظ ابو نعیم اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء جلد اول ص ۶۸ میں معتبر اسناد کے ساتھ امیر المومنین علیہ السّلام سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا :۔

واللہ ما نزلت اٰیۃ الّا وقد علمت فیمن نزلت واین نزلت وعلیٰ من نزلت انّ ربّی وھب لی قلبًا عقولًا ولسانا طلقًا۔

یعنی خدا کی قسم کوئی آیت نازل نہیں ہوئی لیکن یہ کہ میں قطعًا جانتا ہوں کہ کس شخص کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہاں نازل ہوئی ہے اور کس پر نازل ہوئی ہے یقینًا خدا نے مجھ کو فہم و ادراک رکھنے والا دل اور فصیح و گویا زبان عطا کی ہے۔

نیز انہیں کتابوں میں نقل کرتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا۔

سلونی عن کتاب اللہ فانّہ لیس من اٰیۃ الّا وقد عرفت بلیل ام بنھار فی سہل ام فی جبل۔

یعنی مجھ سے کتاب خدا کے بارے میں سوال کرو کیونکہ کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس کے متعلق مجھ کو معلوم نہ ہو کہ رات میں نازل ہوئی ہے یا دن میں، پہاڑ میں نازل ہوئی ہے یا ہموار زمین میں۔

مناقب خوارزمی میں اعمش سے اور انہوں نے عبایہ بن ربعی سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا :۔

کان علی رضی اللہ کثیراً یقول سلونی قبل ان تفقدونی فواللہ مامن ارض مخصبۃ ولا مجدبۃ ولا فئۃ تضل مائۃ او تھدی مائۃ الاوانا اعلم قائدھا وسائقھا وناعقھا الی یوم القیٰمۃ ۔

یعنی علی علیہ السّلام کثرت سے یہ فرماتے تھے کہ مجھ سے پوچھ لو قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ، پس خدا کی قسم کوئی سرسبز خطہ اور بے آب وگیاہ زمین اور کوئی ایسا گروہ جو سو آدمیوں کو گمراہ کرے یا سو آدمیوں کی ہدایت کرے۔ ایسا نہیں ہے جس کی قیادت کرنے والے اور جس کو پیچھے سے چلانے والے اور جس کو ابھارنے والے کو روز قیامت تک میں سب سے بہتر نہ جانتا ہوں ۔

اور جلال الدین سیوطی تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۲۴ میں بدرالدین حنفی عمدۃ القاری میں، محب الدین طبری ریاض النضرہ جلد دوم صفحہ ۱۹۸ میں، سیوطی تفسیر اتقان جلد دوم صفحہ ۳۱۹ میں، اور ابن حجر عسقلانی فتح الباری جلد ہشتم صفحہ ۴۸۵ میں، نیز تہذیب التہذیب جلد ہفتم صفحہ ۳۳۸ میں نقل کرتے ہیں کہ علی علیہ السّلام نے فرمایا :۔

سلونی واللہ لا تسئلونی عن شیءٍ یکون الی یوم القیٰمۃ الا اخبرتکم وسلونی عن کتاب اللہ فواللہ مامن اٰیۃ الا وانا اعلم ابلیل نزلت ام بنھار فی سھل ام فی جبل

یعنی سوال کرو مجھ سے روز قیامت تک ہونے والی جس چیز کے متعلق بھی پوچھو گے میں تم کو اس کی خبر دوں گا اور کتاب خدا کے بارے میں مجھ سے دریافت کرو، پس خدا کی قسم کوئی آیت ایسی نہیں جس کے متعلق میں سب سے زیادہ نہ جانتا ہوں کہ رات میں نازل ہوئی ہے یا دن میں، زمین ہموار میں یا پہاڑ میں ۔

آیا ان بیانات میں علم غیب کا دعویٰ نہیں ہے ؟ اور سوا علم غیب جاننے والے کے کوئی دوسرا شخص دوست دشمن سب کے سامنے ایسا اعلان کرسکتا ہے ؟ اگر آپ تھوڑی دیر کے لئے اپنی عادت کو چھوڑ دیں اور انصاف کی نظر دیکھیں تو صاف ظاہر ہو جائے گا کہ حضرت علم غیب کے عالم تھے جس کا عملی طور سے اظہار بھی فرماتے تھے اور غیبی باتوں کی خبر دیا کرتے تھے ۔

سنان ابن انس کو قاتلِ امام حسینؑ بتانا

چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی نے انہیں روایتوں کو شرح نہج البلاغہ جلد اول ص۲۰۸ (مطبوعہ مصر) میں کتاب غارات ابن ہلال ثقفی سے نقل کیا ہے، یہاں تک کہ کہتے ہیں ایک شخص اپنی جگہ سے اٹھا اور کہا:-

اخبرنی بما فی راسی ولحیتی من طاقۃ شعر — یعنی میرے سر اور داڑھی کے بالوں کے متعلق مجھ کو خبر دیجئے۔

حضرت نے فرمایا کہ میرے خلیل حضرت رسولؐ خدا نے مجھ کو خبر دی ہے کہ تیرے سر کے ہر بال کی جڑ میں ایک فرشتہ ہے جو تجھ پر لعنت کرتا ہے اور تیرے ہر بال کی جڑ میں ایک شیطان ہے جو تجھ کو بہکاتا ہے اور تیرے گھر میں ایک گوسالہ ہے جو فرزند رسول کو قتل کریگا یہ شخص انس نخعی تھا جس کا بیٹا سنان اس وقت کم سن تھا اور گھر میں کھیل کود رہا تھا اور پھر ۶۱ھ ہجری میں کربلا پہنچ کر امام حسین علیہ السلام کا قاتل بنا (بعض کا قول ہے کہ سوال کرنے والا سعد ابن ابی وقاص تھا اور اس کا پسر گوسالہ عمر ابن سعد ملعون تھا جو فوج یزید کا سردار اور کربلا کے عظیم سانحے کا برپا کرنے والا تھا) یہ بھی ممکن ہے کہ دونوں نے دو مختلف جلسوں میں سوال کیا ہو۔

حضرت نے ان روایات کے ذریعے بخوبی سمجھا دیا کہ میرے علم کا سرچشمہ پیغمبرؐ کی ذات ہے اور میں امور غیب پر عبور رکھتا ہوں۔

علمداری حبیب بن عمار کی خبر

آپ کے اکابر علماء جیسے امام احمد حنبل نے مسند میں اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد اول ص۲۰۸ میں نقل کیا ہے کہ خلافت ظاہری کے زمانہ میں ایک روز آپ مسجد کوفہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور اصحاب چاروں طرف جمع تھے ایک شخص نے کہا خالد ابن عرفطہ نے وادی القریٰ میں انتقال کیا۔ آپ نے فرمایا:-

لم یمت ولا یموت حتی یقود جیش ضلالۃ و صاحب لوائہ حبیب بن عمار۔

یعنی وہ نہیں مرا ہے اور نہیں مرے گا یہاں تک کہ لشکر ضلالت و گمراہی کا سردار ہو اور اس کا علمدار حبیب ابن عمار ہوگا۔

ایک جوان مجمع سے اٹھا اور اس نے عرض کیا یا امیرالمومنین حبیب ابن عمار میں ہوں اور آپ کے سچے اور خالص دوستوں میں سے ہوں۔ حضرت نے فرمایا نہ میں نے جھوٹ کہا ہے اور نہ کہوں گا، گویا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ خالد لشکر ضلالت و گمراہی کا سردار ہے اور تو اس کا علمدار ہے (تم لوگ مسجد کے اس دروازے سے (باب الفیل کی طرف اشارہ) داخل ہوگے اور علم کا پھریرا مسجد کے دروازے سے لڑ کر پھٹ جائے گا۔

امیرالمومنین علیہ السلام کی اس پیشین گوئی کو برسوں گزر گئے یہاں تک کہ یزید پلید کے دورِ خلافت میں عبیداللہ

ابن زیاد ملعون کوفہ کا حاکم ہوا اور حضرت سید الشہداء علیہ السلام سے جنگ کرنے کے لئے بڑی بڑی فوجیں بھیجنا شروع کیں۔ جن لوگوں نے حضرت سے خالد اور حبیب ابن عمار کی پیشین گوئی سن تھی ان میں سے اکثر افراد ایک روز مسجد میں اکٹھا تھے کہ لشکر والوں کے شور و غل اور نعروں کی آوازیں بلند ہوئیں (چونکہ پہلے اجتماعات کے مرکز مسجدیں ہوا کرتی تھیں۔ لہذا فوجی سپاہی اپنی نمائش کے لئے مسجد میں آکر خروج کرتے تھے) ان لوگوں نے دیکھا کہ خالد ابن عوبطہ جو لشکر ضلالت اثر کا سردار ہے اور فرزند رسول سے جنگ کرنے کے لئے کربلا جا رہا ہے نمائش کے لئے اسی باب الفیل سے داخل ہوا اور حبیب ابن عمار اس کا علمدار ہے۔ مسجد کے اندر داخل ہوتے ہوئے اس کے علم کا پھریرا دروازے سے لٹک کر پھٹ گیا تاکہ حضرت علی علیہ السلام کی سچائی اور علم کی گہرائی منافقین پر ثابت ہو جائے۔

آیا وقوع سے قبل ایسی علامت اور شناخت کے ساتھ اس واقعے کی خبر دینا علم غیب کا ثبوت نہیں تھا جو آپ حضرات کو یقین کرنے پر مجبور کرے؟

غیبی خبریں اگر آپ نہج البلاغہ کو جو حضرت علی کے خطبات اور کلمات کا مجموعہ ہے غور سے پڑھیں تو نظر آئیگا کہ اہم حادثات و فسادات، بڑے بڑے سلاطین کے حالات، صاحب زنج کے خروج، مغلوں کے غلبے چنگیز خاں کی سلطنت، خلفائے جور کے حالات و واقعات اور شیعوں کے ساتھ ان کے طرز عمل کے متعلق حضرت نے بکثرت غیبی خبریں دی ہیں، بالخصوص ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد اول میں ص۲۰۸ سے ص۲۱۱ تک ان کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور خواجہ بزرگ بلخی حنفی نے بھی ینابیع المودۃ باب ۱۴ کے شروع میں ان میں سے بعض خطبوں اور پیشین گوئیوں کے ذریعے حضرت کی کثرت علم پر استشہاد کیا ہے۔ ان کے مطالعے سے آپ کے اوپر حقیقت منکشف ہو جائے گی۔

معاویہ کے غلبے اور مظالم کی خبر

من جملہ ان کے اہل کوفہ کو ان کے اوپر معاویہ کے غلبے اور حضرتؑ پر سب و شتم اور لعنت کرنے کا حکم نافذ کرنے کی خبر بھی دی گئی ہے، چنانچہ بعد کو یہ ساری باتیں لفظ بلفظ صحیح اتریں۔ مثلاً فرمایا ہے کہ:-

اما انه سيظهر عليكم بعدی رجل رحب البلعوم مندحق البطن يا كل ما يجد ويطلب ما لا يجد فاقتلوه ولن تقتلوه الا وانه سيامركم بسبي والبرائة مني فاما السب فسبوني فانه لی زکوٰۃ ولكم نجاة واما البرائة فلا تتبرؤا مني فانی ولدت علی الفطرة وسبقت الی الايمان والهجرة۔

یعنی عنقریب میرے بعد تمہارے اوپر ایک ایسا شخص غالب ہوگا جس کا حلق کشادہ اور پیٹ نکلا ہوا ہوگا جو پائیگا کھا جائے گا اور جو کچھ نہ پائیگا اس کا مطالبہ کرے گا، پس اس کو قتل کر ڈالنا اور تم اس کو ہرگز قتل نہ کروگے۔ یقینا وہ عنقریب مجھ کو دشنام دینے اور مجھ سے بیزاری اختیار کرنے کے لئے تم کو حکم دے گا، پس دشنام دینے کے لئے میں تم کو اجازت دیتا ہوں کیونکہ وہ (ایک زبانی چیز ہے لہٰذا میرے لئے پاکیزگی اور تمہارے لئے (اس شخص کے ضرر سے) نجات کا باعث ہے لیکن برأت و بیزاری (چونکہ قلبی چیز ہے) پس مجھ سے بیزاری اختیار نہ کرنا کیونکہ میں فطرت (اسلام و توحید) پر پیدا ہوا ہوں (یہ جملہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حضرت کے والدین مومن تھے) اور میں نے ایمان و ہجرت کی طرف پیش قدمی کی ہے) [1]

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد اول ص۳۵۶ (مطبوعہ مصر) میں اور آپ کے دوسرے اکابر علماء تصدیق کرتے ہیں کہ یہ معاویہ ابن ابی سفیان تھے، کیوں کہ جب اُن کا غلبہ ہوا اور ان کی خلافت کی جڑیں بیٹھ گئیں تو لوگوں کو حضرت علی علیہ السلام پر لعنت اور سب و شتم کرنے اور حضرت سے بیزاری اختیار کرنے کا حکم دیا۔ یہ عمل شنیع مسلمانوں کے اندر اسّی سال تک رائج رہا اور محراب و منبر اور نماز جمعہ کے خطبے میں برابر حضرت پر سب و لعن کی جاتی رہی، یہاں تک کہ جب عمر ابن عبدالعزیز اموی کا زمانہ آیا تو انہوں نے اپنے حسن تدبیر سے اس بدعتِ سیئہ کو برطرف کیا اور لوگوں کو اس بدترین عمل سے منع کیا۔

---

[1] پر غور آدمی سے حضرت نے معاویہ کو مراد لیا ہے، چنانچہ ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد اول ص۳۳۵ (مطبوعہ مصر) میں کہتے ہیں کہ اس سے معاویہ پُر خور مراد ہیں کیوں کہ تاریخ کے اندر یہ اپنی پرخوری میں مشہور ہیں۔ وکان یاکل فی الیوم سبع اکلات (جیسا کہ زمخشری نے ربیع الابرار میں کہا ہے) یعنی ایک دن میں سات مرتبہ کھانا کھاتے تھے اور ہر مرتبہ اس قدر کھاتے تھے کہ دسترخوان کے کنارے لیٹ جاتے تھے اور آواز دیتے کہ یا غلام ارفع فواللہ ماشبعت ولکن مللت۔ یعنی اے غلام کھانا اُٹھالے جا، خدا کی قسم میں کھاتے کھاتے تھک گیا لیکن سیر نہیں ہوا۔ معاویہ کو جوع الکلاب کا مرض تھا، طب قدیم میں بتایا گیا ہے کہ ایسے شخص کے معدے میں ایک ایسی حرارت پیدا ہوجاتی ہے کہ جو غذا معدے میں پہنچتی ہے وہ بخار کی صورت میں تبدیل ہوجاتی ہے اور اُس کا کوئی نفع یا نقصان ظاہر نہیں ہوتا) ان کی پُرخوری عرب میں ضرب المثل بن گئی تھی اور ہر زیادہ کھانے والے کی ان سے مثال دی جاتی تھی۔ ایک شاعر نے اپنے ایک ایسے ہی دوست کی کیا پرلطف ہجو کی ہے وہ کہتا ہے۔ ؎

صاحب لی بطنہ کالھاویۃ۔ کان فی امعائہ معاویہ۔ یعنی میرا ایک رفیق ہے جس کا شکم مثل ہاویہ کے ہے (ہاویہ جہنم کا ایک طبقہ ہے اور جہنم کفار کی کثرت سے سیر نہیں ہوتا جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ جہنم سے کہا جائے گا ھل امتلئت فتقول ھل من مزید یعنی کیا تو سیر ہوگئی؟ تو کہے گی کہ آیا اور زیادہ ہے؟ مطلب یہ کہ مجھ کو سیری نہیں ہوسکتی) (اس کی خوراک اتنی زبردست ہے گویا) اس کی آنتوں میں

معاویہ جی اترے ہوئے ہیں

چونکہ اس قبیح و شنیع فعل کی خبر حضرت نے پہلے ہی دے دی تھی لہذا آپ کو بھی اعتراف کرنا چاہیئے کہ امیرالمومنین علیہ السلام عالم غیب تھے اور علم لدنی کے ذریعہ آئندہ ہونے والے واقعات سے بخوبی آگاہ تھے۔ حضرتؑ نے بہتیری پیشین گوئیاں فرمائی ہیں جو لوگوں نے برسوں اور صدیوں کے بعد پوری ہوتے دیکھیں ۔

قتل ذوالثدیہ کی پیشین گوئی

جنگ نہروان میں لڑائی چھڑنے سے پہلے ہی خوارج اور ان کے مشہور سردار ذوالثدیہ کے قتل کی خبر دے دی تھی اور یہ بھی بتا دیا تھا کہ خوارج میں سے دس نفر بھی نہیں بچیں گے اور مسلمانوں میں سے دس نفر بھی قتل نہیں ہوں گے ۔ عبارت یہ ہے

لا يفلت منهم عشرة ولا يهلك منكم عشرة ۔

چنانچہ ابن ابی الحدید اور خواجہ بزرگ بلخی وغیرہ نے نقل کیا کہ آپ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ حرف بحرف پورا ہوا۔ بالخصوص ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد اول مطبوعہ مصر کے صفحہ ۴۲۵ پر اس روایت کے ذیل میں کہتے ہیں :۔

هذا الخبر من اخبار التي تكاد تكون متواترة لاشتهاره ونقل الناس كافة وهو من معجزاته

یعنی یہ روایت ان اخبار میں سے ہے جو قریب بہ تواتر ہیں، کیونکہ اس کو کافی شہرت حاصل ہے۔ اور سبھی لوگوں نے اس کو نقل کیا ہے اور یہ حضرتؑ کے معجزات میں سے ہے ۔

آیا یہ باتیں غیب کی پیشینگوئی اور زمانہ آئندہ کے حالات سے آگاہی کا ثبوت نہیں ہیں تاکہ آپ کا شبہ اور اشکال رفع ہو اور آپ حضرت کے مقام ولایت اور حقیقی منزلت کی معرفت حاصل کر کے انصاف کے ساتھ تصدیق کریں کہ حضرت اور دوسرے خلفاء کے درمیان بہت بڑا فرق تھا ؟ اگر حضرت علم لدنی کے حامل نہیں تھے اور ماورائے عالم طبیعت سے تعلق نہیں رکھتے تھے تو ان غیبی امور کی خبر کیوں کر دیتے تھے جو برسوں اور صدیوں کے بعد واقع ہوتے تھے ؟

مثلاً عبیداللہ ابن زیاد کے ہاتھوں میثم تمار کے قتل ہونے، زیاد کے ہاتھوں جویریہ اور رشید ہجری کے مارے جانے نیز معاویہ کے یاروں اور مددگاروں کے ہاتھوں عمرو بن حمق کے حادثے اور قتل کی پیشینگوئیاں اور سب سے بڑھ کے اپنے فرزند دلبند حضرت امام حسین علیہ السّلام کی شہادت کی خبر دینا۔ چنانچہ میں پہلے ہی اشارہ کر چکا ہوں کہ انس اور عمر سعد کو خبر دیتے ہوئے حضرت نے اس واقعہ شہادت کا بار بار ذکر فرمایا ہے، اور طبری، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۲۰۸ نیز دوسری کتابوں میں، محمد بن طلحہ شافعی، سیوطی، خطیب خوارزمی اور آپ کے دوسرے اکابر علماء نے ان تمام روایتوں کو تفصیل سے نقل کیا ہے ۔

اپنی شہادت اور ابن ملجم کی خبر

انہیں اخبار غیب میں سے یہ بھی ہے کہ اپنی شہادت کی خبر دے دی تھی اور عبدالرحمن ابن ملجم مرادی کے متعلق اعلان فرما دیا تھا کہ یہ میرا قاتل ہے، حالانکہ وہ ملعون بظاہر آپ سے خلوص و وفاداری کا اظہار کرتا تھا۔ چنانچہ ابن کثیر نے اسد الغابہ جلد چہارم ص۳۵ میں اور دوسروں نے بھی نقل کیا ہے کہ یہ جس وقت حاضر خدمت ہوا تو اصحاب کے سامنے حضرتؑ کی مدح سرائی شروع کی اور کہا ؎

انت المهيمن والمهذب ذوالندی   وابن الضراغم فی الطراز الاول
الله خصك يا وصی محمد   وحباك فضلًا فی الكتاب المنزل الخ

یعنی آپ امام برحق، ہر عیب و ریب سے پاک اور صاحب جود و سخا ہیں۔ اور اُن شیر دلیر آباد اجداد کے فرزند ہیں جو ابتدا ہی سے صفت شجاعت میں ممتاز ہیں۔
اے وصی پیغمبرؐ اللہ نے آپ کو اس مرتبے کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور آپ کو وہ فضیلت و بزرگی عطا فرمائی ہے جو قرآن مجید کے اندر موجود ہے۔ تا آخر اشعار۔
تمام اصحاب نے اس کی زبان آوری اور حضرت سے اتنی شدید محبت پر تعجب کیا۔ حضرت نے جواب میں فرمایا۔

انا انصحك منی بالود اد   مكاشفة وانت من الاعادی

یعنی میں تجھ کو نصیحت کرتا ہوں کہ مجھ سے کھلی ہوئی محبت کرے حالانکہ تو میرے دشمنوں میں سے ہے۔
نیز ابن حجر صواعق ص۸۲ میں کہتے ہیں کہ حضرت نے اُس کے جواب میں فرمایا ؎

اريد حياته ويريد قتلی   عذيرك من خليل من مراد

یعنی میں اس کی زندگی چاہتا ہوں اور یہ میرے قتل کا خواہاں ہے یہ ظاہری دوست قبیلۂ مراد سے ہے۔
عبدالرحمٰن نے عرض کیا کہ شاید آپ نے میرا نام سنا ہے اور میرا نام آپ کو ناگوار ہوا ہے؟ فرمایا۔ ایسا نہیں بلکہ میں بغیر کسی شک اور شبہے کے جانتا ہوں کہ تو میرا قاتل ہے اور عنقریب میری اس سفید ڈاڑھی کو میرے سر کے خون سے خضاب کرے گا اس نے عرض کیا کہ اگر ایسا ہے تو آپ مجھے قتل کرا دیجئے۔ اور اصحاب نے بھی یہی اصرار کیا، لیکن حضرت نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ میرا دین گناہ سے پہلے قصاص لینے کی اجازت نہیں دیتا۔
میرا علم مجھ کو صاف صاف بتا رہا ہے کہ تو میرا قاتل ہے لیکن احکام دین کا تعلق ظاہری اعمال سے ہے چونکہ ابھی تجھ سے تیری ظاہری حالت کے خلاف کوئی عمل سرزد نہیں ہوا ہے۔ لہذا میں شرعاً تجھ پر کوئی حکم جاری نہیں

کر سکتا۔

انگلینڈ کے مسٹر کارلائل اپنی کتاب الابطال میں کہتے ہیں کہ علی ابن ابی طالبؑ اپنی عدالت کی وجہ سے قتل ہوئے یعنی اگر عدل و انصاف سے کام نہ لیتے اور گناہ سے قبل ہی قصاص لے لیتے تو قطعاً آپ کا جسم محفوظ رہتا۔ چنانچہ دنیا کے سلاطین کو جونہی کسی شخص سے بدظنی پیدا ہوتی تھی چاہے وہ ان کا بیٹا، بھائی، بیوی اور کوئی قریب ترین عزیز ہی کیوں نہ ہو فوراً اس کو فنا کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔

لیکن علی علیہ السّلام وہ یکتا جواں مرد تھے جنہوں نے شریعت و دیانت کے دائرے سے قدم باہر نہیں رکھا باوجودیکہ قطعی اور یقینی طور سے اپنے قاتل کی نشان دہی فرمائی لیکن چونکہ ظاہر بظاہر اس سے جرم کا ارتکاب نہیں ہوا تھا لہذا قصاص نہیں لیا بلکہ اس کے ساتھ انتہائی محبت و عنایت کا برتاؤ کرتے رہے، یہاں تک کہ اُس نے اپنی شقاوت ظاہر کردی اور یہ ثابت کر دکھایا کہ حضرت جملہ امور کے باطنی حقائق اور ان کے نتائج سے بخوبی واقف تھے۔

یہ واقعہ اپنی جگہ پر اس بات کی ایک اور دلیل ہے کہ عالم غیب سوا پیغمبرؐ یا امام کے جو خطاؤں سے معصوم ہوتا ہے اور کوئی شخص نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اگر معصوم نہ ہو تو حقائق امور سے آگاہی رکھنے کی بنا پر اُس سے کافی فساد اور فتنہ انگیزی کا امکان ہے۔ البتہ نبی یا امام چونکہ مرتبۂ عصمت پر فائز ہوتا ہے (جیسے امیرالمومنین علیہ السلام) لہذا اپنے قاتل کو اچھی طرح جاننے پہچاننے کے بعد بھی شرع انور کے حدود سے تجاوز نہیں کرتا اور قبل گناہ قصاص نہیں لیتا۔

آیا اسرار و حالات غیب پر حضرت کے علم و اطلاع کے لئے یہ دلائل کافی نہیں ہیں؟ کہ ایک جوان سفر طے کر کے آیا ہو اور انتہائی مسرت و گرم جوشی کے ساتھ دست بوسی کر کے مدح و ثنا میں مشغول ہو پھر بھی حضرت فرمائیں کہ تو میرا قاتل ہے؟

بخدا! اگر کچھ بھی انصاف ہو تو ماننا پڑے گا کہ حضرت علی علیہ السّلام علم ظاہر و باطن کے حامل تھے۔

علی علیہ السّلام کی اعلمیّت و افضلیّت

شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت باب ۱۴ کے شروع میں دُرّ المنظم ابن طلحہ شافعی سے نقل کیا ہے کہ امیر المومنین علیہ السّلام نے فرمایا ؎

لقد حزت علم الاوّلین واننی ظنین بعلم الاخرین کتوم
وکاشف اسرار الغیوب باسرها وعندی حدیث حادث وقدیم
وانی لقیوم علیٰ کل قیم محیط بکل العالمین علیم

یعنی درحقیقت میں علم اولین پر حاوی ہوں، اور یقیناً مجھ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ میں علم آخرین کو چھپاتا ہوں میں تمام اسرارِ غیب کا انکشاف کرنے والا ہوں اور میرے پاس ہر جدید و قدیم کی داستان موجود ہے۔ اور قطعاً میں تمام موجودات پر فرمانروا ہوں اور میرا علم ساری کائنات کو گھیرے ہوئے ہے۔

اس کے بعد حضرتؑ نے فرمایا:۔

لو شئت لاوقرت من تفسیر الفاتحۃ سبعین بعیراً قال النبیؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم انا مدینۃ العلم و علیّ بابھا قال اللہ تعالیٰ واتوا البیوت من ابوابھا فمن اراد العلم فعلیہ بالباب۔

یعنی اگر میں چاہوں تو یقیناً صرف سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بار کر دوں۔ رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں، نیز خداوند عالم کا ارشاد ہے کہ گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہو۔ پس جو شخص علم کا طلب گار ہے اس کو دروازے سے آنا چاہیئے۔

اگر امیر المومنینؑ کی خلافت بلا فصل اور دوسروں پر حضرت کی فوقیت کے ثبوت میں کوئی اور دلیل نہ ہوتی (حالانکہ عقل و نقل، کتاب و سنت اور اجماع سے بے شمار دلیلیں قائم ہیں جیسا کہ ہم گذشتہ شبوں میں بعض کی طرف اشارہ کر چکے ہیں) تو صرف یہی دو دلیلیں کافی تھیں۔

ایک حضرت کی اعلمیت و افضلیت ہے کیونکہ عقل و منطق کے قاعدے سے کوئی جاہل کسی عالم پر تقدم کا حق نہیں رکھتا اور حضرت کی اعلمیت و افضلیت دوست دشمن سبھی کے نزدیک ظاہر و آشکار ہے، حتیٰ کہ ابن ابی الحدید کتاب کے خطبۂ اول کے ضمن میں کہتے ہیں۔

المفضول علی الافضل — یعنی ایک پست انسان کو بلند ترین شخصیت پر فوقیت دی گئی۔

یہ عبارت حضرت کی افضلیت کا کھلا ہوا اقرار و اعتراف ہے، لیکن پھر بھی اپنی عادت اور تعصب کی بنا پر کہتے ہیں کہ خدا نے چاہا کہ ہر حیثیت سے مفضول (یعنی بالکل حقیر و بے مایہ شخص) کو افضل و اکمل کے اوپر مقدم رکھے۔

حالانکہ ابن ابی الحدید جیسے عالم انسان کے قلم سے ایسا بیان اچھا نہیں معلوم ہوتا جو صاحبان علم و فضل اور ارباب منطق کے سامنے قابل اعتراض ٹھہرے اور وہ ہر عیب گیری کریں کہ انہوں نے علم و عقل اور منطق کے قاعدوں کے برخلاف عقیدہ ظاہر کیا ہے اور یہ پروردگار عالم کی ذات اقدس پر کھلی ہوئی تہمت ہے، کیونکہ خدائے علیم و حکیم ہرگز کوئی کام عقل و منطق کے خلاف نہیں کرتا اور کسی پست و مفضول کو بلند و فاضل پر بھی مقدم نہیں کرتا نہ کہ اعلم و افضل اور بلند ترین ہستی پر جو شخص معمولی سا فہم و شعور بھی رکھتا ہے اور علم و منطق سے کچھ بھی بہرہ اندوز ہوتا ہے وہ افضل پر فاضل کو ترجیح دینے پر تیار نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ افضل پر مفضول کو۔

یہ کیونکر ممکن ہے کہ خدائے علیم و حکیم کسی مفضول پر مقدم کرے درآں حالیکہ آیت ۱۲ سورہ ۳۹ (زمر) بطریق استفہام انکاری خود ہی ارشاد فرما رہا ہو کہ :-

هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون ۔ یعنی آیا صاحبان علم و دانش جاہلوں کے برابر ہو سکتے ہیں ۔

نیز آیت ۳۶ سورہ ۱۰ (یونس) میں فرماتا ہے :-

افمن يهدى الى الحق احق ان يتبع امن لا يهدى الا ان يهدى ۔ یعنی آیا وہ شخص جو لوگوں کو حق کی طرف ہدایت کرتا ہے پیروی کا زیادہ حق دار ہے یا وہ شخص جو خود ہی اس وقت تک رستہ نہ پائے جب تک اس کی ہدایت نہ کی جائے ۔

پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُمّت میں اعلمیت اور افضلیت کے لحاظ سے تقدم کا حق صرف امیر المومنین علی علیہ السلام کو حاصل تھا اور ابن ابی الحدید نے بھی شرح نہج البلاغہ جلد اول ص۴ میں اس بات کا صاف صاف اقرار کیا ہے وہ کہتے ہیں :-

انه عليه السلام افضل البشر بعد رسول الله صلى الله عليه وآله واحق بالخلافة من جميع المسلمين ۔

یعنی درحقیقت علی علیہ السلام حضرت رسول خدا صلعم کے بعد تمام نوع بشر سے افضل اور امر خلافت کے لئے سارے مسلمانوں سے زیادہ اولیٰ و احق تھے ۔

اور دوسری جو پہلی دلیل سے مربوط ہے وہ رسولِ خدا حضرت خاتم الانبیاء کے ارشادات ہیں بالخصوص جیسا کہ اسی حدیث کے آخر میں فرماتے ہیں :-

من اراد العلم فليات الباب ۔ یعنی جو شخص علم کا طلب گار ہو اس کو دروازے (یعنی علی ابن ابی طالبؑ) کی طرف جانا چاہیئے ۔

آپ کو خدا کا واسطہ انصاف سے بتایئے کہ آیا وہ شخص اطاعت کے لئے زیادہ سزاوار و اولیٰ ہے جس کے در پر حاضر ہونے کے لئے پیغمبرؐ حکم دے رہے ہوں یا وہ شخص جس کو لوگوں نے اپنی رائے سے خلیفہ بنا لیا ہو؟ اوّل تو یہ پیغمبرؐ کا حکم ہے جس کی اطاعت واجب ہے، دوسرے آں حضرتؐ تقدم اور فوقیت کا سبب بھی معین فرما رہے ہیں جو وہی عقلی سبب یعنی اعلمیت ہے ۔

شیخ ۔ اگر اعلمیت اور افضلیت کی جہت سے سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کو حق تقدم حاصل تھا تو رسولؐ اللہ کو ان جناب کے لئے نص کر دینا چاہیئے تھا تاکہ اُمّت کو معلوم ہو جائے کہ آپ کی پیروی فرض ہے، حالانکہ ایسی کوئی نص ہماری نظر

سے نہیں گزری ۔

خیر طلب ۔ آپ جیسے عالم و فاضل حضرات سے ایسے بیانات سُن کر مجھ کو سخت افسوس ہوتا ہے کہ آخر آپ کے اوپر عادت کا اتنا شدید اثر پڑ جانے کی کیا وجہ ہے کہ وہ آپ کے علم و دانش اور حق پسندی کو بالکل ہی مقہور و مغلوب کر دے

جناب محترم! آج مجھ کو دس راتیں ہو رہی ہیں کہ برابر آپ کی معتبر کتابوں سے دلائل و براہین اور نصوص وارده کو جلسے کے سامنے پیش کرتا رہا ہوں جس پر جملہ حاضرین مجلس اور رسائل و اخبارات گواہ ہیں، لیکن آج آپ پھر نئے سر سے بحث کا آغاز کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی نص نہیں دیکھی، درآں حالیکہ آپ کی ساری معتبر کتابیں جلی اور خفی نصوص کی کثرت سے چھلک رہی ہیں ۔

باوجود اس کے میں تمام باتوں سے چشم پوشی کرتے ہوئے آپ سے ایک سوال کرتا ہوں کہ آیا اُمت رسول اللہ صلعم کے علم و سیرت کی محتاج ہے یا نہیں ؟ ۔

شیخ ۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ تمام صحابہ اور اُمت کو قیامت تک رسُول خدا کے علوم عالیہ اور سیرت متعالیہ کی ضرورت ہے

خیر طلب ۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے ۔ اگر خلافت و امامت کے بارے میں سوا اس حدیث مدینہ کے آں حضرتؐ سے اور کوئی بھی نص صریح وارد نہ ہوتی تو یہ اثبات مقصد کے لئے کافی تھی کیونکہ صریحی طور پر سے فرمایا ہے ۔ انا مدینۃ العلم وعلی بابہا ومن اراد العلم فلیات الباب ۔ یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں۔ جو شخص علم چاہتا ہے وہ اُس کے دروازے پر آئے ۔

بقول پیغمبرؐ علیؑ اعلم اُمت تھے

کونسی نص اس حدیث سے زیادہ صریح و واضح ہوسکتی ہے کہ ارشاد ہوتا ہے جو شخص میرے علم سے بہرہ اندوز ہونا چاہتا ہے اس کو علیؑ کے دروازے پر جانا چاہیئے کیونکہ وہ میرے باب علم ہیں ؟ اس وقت صبح ہونے والی ہے، ساری رات میں نے اس موضوع پر پوری گرم جوشی کے ساتھ گفتگو کی اور آپ حضرات کا وقت لیا لیکن آخر میں آپ نے میرا سارا ولولہ سرد کر دیا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اسلاف کے مانند آپ بھی عادتاً کسی قاعدے کی بات پر کان نہیں دھرنا چاہتے اسی وجہ سے میری تمام تقریروں کو اَن سُنی کر کے نص سے انکار کر رہے ہیں ۔

کون سی علم کی نص سے بالاتر ہوگی ؟ سارے اقوام و مذہب کے اندر کون سے عالم و دانا شخص نے یہ کہا ہے، کہ عالم اور اعلم کے ہوتے ہوئے بھی لوگوں کو جاہل کی پیروی کرنا چاہیے ؟ اگر دنیا کے اندر کسی علم و منطق میں ایسی بات کہی گئی ہو تو میں آپ کا نظریہ تسلیم کروں گا ۔

اور اگر عالم کے کسی گوشے میں اس منطق کا وجود نہ ہو کہ عالم اور اعلم کی موجودگی میں جاہل کی اطاعت فرض ہے تو آپ کو میرا کلیہ ماننا ہوگا جو میرا ہی نہیں بلکہ تمام ارباب علم و دانش کا کلیہ ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام چونکہ اعلم امت تھے لہٰذا علم و عقل اور منطق کے حکم سے آپ کا اتباع فرض ہے۔

چنانچہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ آپ کے اکابر علماء جیسے امام احمد حنبل نے مسند میں، ابوالموید خوارزمی نے مناقب میں حافظ ابو نعیم اصفہانی نے نزول القرآن فی علی میں، خواجہ بزرگ حنفی نے ینابیع المودت میں، میر سید علی ہمدانی نے مودۃ القربیٰ میں یہاں تک کہ ابن حجر مکی نے صواعق میں نقل کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکرر فرماتے تھے۔

اعلم امتی علی بن ابی طالبؑ۔

یعنی میری امت میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے علی ابن ابی طالب ہیں۔

صحابہ میں سے ایک فرد بھی حضرت کے علمی مرتبہ کو نہیں پہنچتے، جیسا کہ ابن مغازلی شافعی مناقب میں، محمد بن طلحہ مطالب السئول میں، حموینی فرائد میں شیخ سلیمان حنفی ینابیع المودت باب ۱۴ میں، کلبی سے نقل کرتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباس (رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا:۔

علم النبیّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم من علم اللہ وعلم علیّ من علم النبیّ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم وعلمی من علم علیّ وما علمی وعلم الصحابۃ فی علیّ الا کقطرۃ بحر فی سبعۃ ابحر۔

یعنی رسول اللہ کا علم خدا کے علم سے، علی کا علم پیغمبرؐ کے علم سے اور میرا علم علیؑ کے علم سے ہے، اور میرا اور تمام صحابہ کا علم علیؑ کے مقابلے میں ایسا ہے جیسے ساتوں سمندروں کے مقابلے میں ایک قطرہ۔

نہج البلاغہ خطبہ ۱۰۵ کے آخر میں ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا:۔

نحن شجرۃ النبوّۃ ومحطّ الرسالۃ ومختلف الملائکۃ ومعادن العلم وینابیع الحکم۔

یعنی ہم (آئمہ معصومین علیہم السلام) شجرۂ نبوت، رسالت کی منزل، فرشتوں کی جائے آمد و رفت، علم کے معدن اور حکمتوں کے چشمے ہیں۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص ۲۳۶ (مطبوعہ مصر) میں اس خطبے کی شرح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ امر حضرت کے اندر قطعی طور سے ثابت اور ظاہر ہے کیونکہ رسول خدا نے فرمایا ہے۔

انا مدینۃ العلم وعلی بابھا ومن اراد المدینۃ فلیات الباب۔

یعنی میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں اور جو شخص شہر کا ارادہ کرے وہ دروازے کے ادھر آئے

نیز فرمایا :-

اقضاکم علیؑ یعنی تم سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؑ ہیں -

فیصلہ اور قضا ایک ایسا کام ہے جس کے لئے بہت سے علوم ضروری ہیں، منجملہ اُن کے -

فحاله فی العلم حال رفیعة جدًّا لم یلحقه احد فیها ولا قاربه وحق له ان یصف نفسه بانّه معادن وینابیع الحکم فلا احد احق به منها بعد رسول الله - انتهٰی

یعنی آپ کی علمی حیثیت اتنی زیادہ بلند ہے کہ کوئی شخص اس میں آپ کی برابری نہیں کر سکا، بلکہ کوئی شخص آپ کے قریب بھی نہیں پہنچ سکا۔ اور آپ کو اپنی یہ تعریف و توصیف کرنے کا حق حاصل ہے کہ ہم علم کے معدن اور حکمت کے چشمے ہیں پس رسول اللہ کے بعد کوئی ایک فرد بھی ان باتوں میں آپ سے زیادہ حق نہیں رکھتا۔ انتہٰی -

ابن عبدالبر نے استیعاب جلد سیم ص۳۸ میں، محمد بن طلحہ نے مطالب السئول ص۲۳ میں اور قاضی ایجی نے مواقف ص۲۷۶ میں روایت کی ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا - اقضاکم علی -

چنانچہ سیوطی نے تاریخ الخلفاء ص۱۱۵ میں، حافظ ابونعیم نے حلیۃ الاولیاء جلد اول ص۶۵ میں محمد جزری نے اسنی المطالب ص۱۴ میں، محمد بن سعد نے طبقات ص۴۵۹ میں ابن کثیر نے تاریخ کبیر جلد ہفتم ص۳۵۹ میں اور ابن عبدالبر نے استیعاب جلد چہارم ص۳۸ میں خلیفہ عمر ابن خطاب سے نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے علی اقضانا یعنی علیؑ امر قضاوت میں (جس کا مطلب ہے جملہ علوم و فنون کی مہارت میں) ہم سب سے بہتر اور مقدم ہیں -

ینابیع المودت ص۶۹ میں نقل کرتے ہیں کہ صاحب دُرّ المنظم ابن طلحہ کہتے ہیں -

اعلم ان جمیع اسرار الکتب السّماویة فی القرآن وجمیع ما فی القرآن فی الفاتحه وجمیع ما فی الفاتحة فی البسملة وجمیع ما فی البسملة فی باء البسملة وجمیع ما فی باء البسملة فی النقطة التی هی تحت الباء قال الامام علی کرم الله وجهه انا النقطة التّی تحت الباء -

یعنی جان لو کہ حقیقتًا تمام آسمانی کتابوں کے رموز و اسرار قرآن کے اندر ہیں، اور جو کچھ قرآن میں ہے وہ سب سورۂ فاتحہ کے اندر ہے اور جو کچھ سورہ فاتحہ میں ہے وہ سب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اندر ہے اور جو کچھ بسم اللہ میں وہ سب بائے بسم اللہ کے اندر ہے اور جو کچھ بائے بسم اللہ میں ہے وہ سب اُس نقطہ کے اندر سمٹا ہوا ہے جو بائے بسم اللہ کے نیچے ہے۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ میں وہ نقطہ ہوں جو بائے بسم اللہ کے نیچے ہے -

نیز سلیمان بلخی ینابیع المودت میں ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا :-

اخذ بیدی الامام علی فی لیلۃ مقمرۃ فخرج بی الی البقیع بعد العشاء و قال اقرأ یا عبد اللہ فقرأت ، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فتکلم لی فی اسرار الباء الی بلوغ الفجر۔

یعنی ایک مرتبہ چاندنی رات میں عشا کے بعد حضرت علی علیہ السّلام میرا ہاتھ پکڑ کے قبرستان بقیع کی طرف لے گئے اور فرمایا پڑھو اے عبد اللہ، پس میں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت کی اور آپ نے طلوع صبح تک مجھ سے بائے بسم اللہ کے رموز و اسرار بیان فرمائے ۔

اس پر فریقین کا اتفاق ہے کہ اسرار غیب کے عالم اور علوم انبیاء کے وارث کی حیثیت سے امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسّلام تمام صحابہ کے درمیان یکتا اور فرد تھے ۔

چنانچہ محمد بن طلحہ شافعی نے مطالب السئول میں، خطیب خوارزمی نے مناقب میں اور سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ میں درّ المنظم ابن طلحہ حلبی سے نقل کیا ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام فرماتے تھے ۔

سلونی عن اسرار الغیوب فانّی وارث علوم الانبیاء والمرسلین ۔

مجھ سے غیبی اسرار دریافت کرو کیونکہ یقیناً میں انبیاء و مرسلین کے علوم کا وارث ہوں ۔

نیز امام احمد ابن حنبل نے مسند میں، ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں اور سلیمان بلخی نے ینابیع المودت میں نقل کیا ہے کہ حضرت بالائے منبر فرماتے تھے ۔

سلونی قبل ان تفقدونی سلونی عن طرق السموات فانی اعلم بھا من طرق الارض

یعنی پوچھ لو مجھ سے قبل اس کے کہ مجھ کو نہ پاؤ، مجھ سے آسمانوں کی راہوں کے بارے میں دریافت کرو۔ کیونکہ یقیناً میں زمین کی راہوں سے زیادہ اُن سے واقف ہوں ۔

حضرتؑ کا یہ دعوے اس زمانے میں جب کہ آج کے مانند آسمانی سیر و سلوک کے وسائل مہیّا نہیں تھے . غیبی حالات کی آگاہی پر ایک بہت بڑی دلیل ہے، چنانچہ لوگ بارہا اس قسم کے سوالات کرتے تھے اور حضرت آسمانوں اور فضائی کروں کے متعلق خبریں دیتے تھے ۔

اس کے علاوہ جس زمانہ میں بطلیموس مصری کے علم ہیئت کا چرچا تھا لوگوں کو آج کی ہیئت جدید کے مطابق جوابات دینا خود ایک بڑا معجزہ ہے ۔

ہیئت جدید کے مطابق فضائی کرات کی خبر

چنانچہ محقق و محدث شیخ علی ابن ابراہیم قمی قدس سرہ نے جو تیسری صدی ہجری میں ریاست علمی پر فائز تھے تفسیر سورۃ والصافات میں، فاضل لغوی شیخ فخرالدین ابن طریح نجفی نے جن کو زہد و تقویٰ میں شہرت حاصل تھی اپنی مشہور و معروف کتاب لغت مجمع البحرین جو تقریباً تین سو سال قبل تالیف ہوئی ہے لغت کوکب کے ذیل اور علامہ ملا محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ نے بحار الانوار کی جلد ۱۴ " السماء و العالم " میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا۔

ھٰذہ النجوم التی فی السماء مدائن مثل المدائن التی فی الارض -

یعنی یہ ستارے جو آسمان میں ہیں ان میں بھی شہر آباد ہیں جس طرح زمین میں شہر موجود ہیں -

خدا کے لئے انصاف کیجئے کہ ایک ایسے دور میں جب کہ دنیا کے اندر ہیئت جدید کا کوئی ذکر نہیں تھا ہیئت بطلیموسی بھی جس پر اُس زمانہ کے صاحبان علم الافلاک کا دارومدار تھا یہ بتاتی تھی کہ کواکب اور ستارے صرف اجرام نور اور آسمان کی میخیں ہیں اور آج کی رصدگاہیں اور دوربینیں بھی موجود نہیں تھیں جو کُروں اور ستاروں کے حالات بتاتیں۔ اگر کوئی فرد بشر آسمانی کیفیات اور فضائی کُرات کے متعلق کوئی خبر دے اور وہ بھی اس علم ہیئت کے مطابق جو ایک ہزار برس کے بعد علماء کے نزدیک ثابت ہو تو کیا آپ ایسے خبر دینے والے کو غیب کا عالم نہیں سمجھیں گے اور اس خبر کو اخبار غیب میں شمار نہیں کریں گے ؟ -

اگر آپ اس تعلیم کے اخبار کے لئے جو آپ کے اکابر علماء کی کتابوں میں آئمہ اطہار علیہم السلام سے بکثرت مروی ہیں یہ کہنے کی کوشش کریں کہ یہ علم غیب نہیں ہے تو یہ انتہائی بے لطفی کی بات ہوگی اور اس سے آپ کا پورا تعصب ظاہر ہوگا کیونکہ خبر خود ہی اس امر عظیم پر دلالت کرتی ہے اگر ملکوت اعلیٰ اور کرات جو یہ کے حالات بیان کئے جائیں جن کی کیفیت عام طور پر نگاہوں سے اوجھل تھی (یہاں تک کہ آج بھی جب کہ بہت طاقتیں دوربینیں موجود ہیں بغیر خاص حالات کے اس کو دیکھنا ممکن نہیں ہے) اور علوم جدیدہ بھی تیرہ سو سال بعد اس انکشاف کی حقیقت و نوعیت کی تصدیق کر رہے ہوں تو ماننا پڑے گا کہ یہ عالم غیب کی خبر تھی اور اعتراف کرنا پڑے گا کہ امام المسلمین امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام غیب کے عالم تھے جو بغیر کشف و انکشاف کے ان اسباب و وسائل کے جو اس زمانے میں ایجاد ہوئے ہیں اپنی معمولی نظر سے عالم ملکوت کے اسرار کا جائزہ لے لیتے تھے۔

قطعی طور پر ایک نقطہ رس انسان ہزار سال کی یہ خبریں سنتے ہی فیصلہ کرے گا کہ خبر دینے والا عالم غیب تھا۔

فرانسیسی مستشرق موسیو ژوئن سے گفتگو

موقع کے لحاظ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرات کی اجازت سے ایک مطلب کی طرف اشارہ کر دوں جو اسی سفر میں میرے سامنے آیا۔ جس وقت ہم عراقِ عرب کے سرحدی شہر بصرہ سے دارملا جہاز میں سوار ہوئے تو ہم درجۂ اوّل کے جس کیبن میں تھے اس کے اندر سونے کی تین سیٹیں تھیں، اتفاق سے ایک فرانسیسی مستشرق موسیو ژوئن بھی اسی درجہ میں تھے جو بڑے شریف و دانش مند اور فاضل و مہذب انسان تھے، باوجودیکہ یہ فرانس کے رہنے والے تھے لیکن عربی اور فارسی بہت اچھی جانتے تھے لہٰذا ہم دونوں آپس میں کافی مانوس ہو گئے اور روزانہ علمی اور دینی گفتگو میں مصروف رہتے تھے۔

البتہ میری پوری کوشش تھی کہ اپنا فرض انجام دیتے ہوئے ان بزرگوار کو مقدس دین اسلام اور مذہب حقہ، جعفری کے حقائق سے روشناس کراؤں۔

ایک روز دوران گفتگو میں انہوں نے کہا کہ مجھ کو اس کا اعتراف ہے کہ دین اسلام کے اندر کچھ ایسے خصوصیات ہیں جو دوسرے مذاہب میں نہیں ہیں، اس لئے کہ اسلام نے ہر مقام پر اور ہر کام میں اعتدال کو اپنا دستور العمل بنایا ہے لیکن ساتھ ہی یہ نہ بھولئے کہ علمی انکشافات میں یورپ والے جو حضرت مسیح کے پاک دین کی پیروی کرتے ہیں سب سے آگے ہیں اور انہوں نے اپنی ترقی سے دنیا بھر کو ممنون احسان بنایا ہے۔

خیر طلب۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اہل مغرب اور دوسروں نے بھی علمی انکشافات میں سعئ بلیغ کی ہے، لیکن دیکھنا یہ چاہیئے کہ ان کے علمی تمدن کا سرچشمہ کہاں ہے اور علوم و فنون میں ان کے استاد و معلم کون سے لوگ تھے۔ چونکہ آپ خود ایک عالم و فاضل انسان ہیں اور ہر چیز کی حقیقت پر غور و بحث کر چکے ہیں لہٰذا یقیناً آپ تصدیق کریں گے کہ مغرب والوں کے علوم و فنون کا سرچشمہ اسلام اور مسلمان تھے نہ کہ حضرت مسیح علیہ السّلام کے تعلیمات۔

کیونکہ تاریخی شہادت کے مطابق اہل مغرب آٹھویں صدی عیسوی تک وحشت و بربریت میں غرق تھے درآنحالیکہ اسی دور میں مسلمان علم و ہنر کے علمبردار تھے چنانچہ آپ کے بڑے بڑے علماء جیسے ارنسٹ رنان فرانسیسی، انگلینڈ کے کارلائل اور جرمنی کے نورمال اس حقیقت کے معترف ہیں۔ اسی سفر میں جب میں زیارت کاظمین سے مشرف ہوا تھا تو ایک رات نواب محمد حسین خان صاحب قزلباش کا مہمان ہوا جو محترم قزلباش خاندان سے اور بہت شریف انسان ہیں برسوں سے کربلا اور کاظمین میں سکونت پذیر ہیں اور فی الحال ہمارے عراق عرب میں معاون سفر ہیں۔ اتفاق سے تمدن اسلام کے بارے میں یورپ والوں کے اقرار و اعتراف کا ذکر آ گیا تو موصوف نے فرمایا کہ ابھی ابھی ایک فرانسیسی عالم کی کتاب کا اُردو زبان میں ترجمہ ہوا ہے جس کی ایک جلد میرے پاس بھی آئی ہے۔ کتاب بہت عمدہ ہے۔ اور

ہندوستان کے فاضل جلیل مولوی سید علی بلگرامی نے ترجمہ کیا ہے۔

اس کتاب کا نام "تمدن العرب" ہے اور بہت ضخیم مفصل اور استدلالی تالیف ہے۔ اس کے مولف طب اور حقوق و اقتصادیات کے ڈاکٹر اور یورپ کے مشہور عالم "گوستاو لوبون" ہیں جنہوں نے تقریباً چار سو عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ اہل مغرب نے جس قدر علم و تمدن، صنعتیں، حرفتیں، یہاں تک کہ تہذیب و معاشرت کا طریقہ، ملکی، مملکتی، فوجی اور صوبائی اداروں کی تشکیل اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے اصول حاصل کئے ہیں وہ سب اہلِ عرب کے اعلیٰ تعلیمات کا نتیجہ ہیں (یہی چیز ہے کہ یورپ والوں کے محاورے میں جیسا کہ اس عالم نے اپنی کتاب کا نام "تمدن العرب" رکھا ہے عرب سے مراد مسلمان عرب ہیں ورنہ اعرابِ قبل اسلام تو ہر علم و ادب سے عاری تھے۔)

موسیو ژوئن - ہاں وہ کتاب خود فاضل مولف ڈاکٹر گوستا لوبون نے، پیرس میں مجھ کو دی تھی اور سچی بات یہ ہے کہ بہت محنت سے لکھی ہے اور خوب لکھی ہے۔

خیر طلب - نواب صاحب نے وہ کتاب مجھ کو عنایت فرمادی لیکن چونکہ میں اردو زبان نہیں جانتا تھا (اب ہندوستان آنے کے بعد ضرورت رفع کرنے کے لئے کچھ سیکھ لی ہے) لہٰذا موصوف نے اس مبارک شہر میں میرے قیام کی مدت یعنی صرف دس روز کے اندر خصوصیت کے ساتھ دسویں باب کی دوسری فصل (مغرب میں تمدنِ اسلام کی تاثیر) کا پورا ترجمہ کر کے مجھ کو عطا فرمایا۔ میں اس محبت سے بہت ممنون ہوا۔ میں نے وہ اوراق کھول کر اپنے ہمسفر فرانسیسی مستشرق صاحب کے سامنے پڑھے اور کہا ملاحظہ فرمایئے یہ آپ کے ہموطن فرانسیسی عالم اور ڈاکٹر جن کے مرتبے کی بلندی آپ خود تسلیم کرتے ہیں اس فصل میں مذکورہ بالا حقیقت کا اقرار کرتے ہوئے کیا فرماتے ہیں؟

یورپ میں تمدّن اسلام کی تاثیر پر گوسٹاولوبون کا بیان

تمدّن اسلام نے جتنا اثر مشرق کے اوپر ڈالا اُسی قدر مغرب بھی اس سے متاثر ہوا اور اسی ذریعہ سے یورپ تمدن میں داخل ہوا۔ اس تمدن نے مغرب کو جتنے اثرات بخشے ہیں اگر ہم ان کی جانچ کرنا چاہیں تو ہم کو دیکھنا ہوگا کہ مذکورہ تمدن

اب مولوی سید محمد تقی فخر داعی گیلانی نے جو ایک ایرانی عالم ہیں تہران میں اس کتاب کا اُردو سے فارسی میں ترجمہ کر کے چھپوا دیا ہے۔ حق یہ ہے کہ موصوف نے اسلامی علوم و معارف کی ایک بڑی خدمت کی ہے۔ کاشکہ ہمارے علما اور اہل قلم ان سے سبق حاصل کرتے اور بجائے ناولوں اور مصر و یورپ وغیرہ کی اخلاق و عقائد کو بگاڑنے والی کتابوں کا ترجمہ کرنے کے اس قسم کے مفید و کارآمد ترجمے کرتے ۱۲۔

اب میں نے تہران میں جناب فخر داعی کے ترجمے سے اس کی مطابقت بھی کر لی ہے ۱۲ -

کے داخل ہونے سے پہلے یورپ کا ماحول اور یورپ والوں کے حالاتِ زندگی کیا تھے۔ نویں اور دسویں صدی عیسوی میں جس وقت تمدن اسلام مملکت اسپین میں اپنی ترقی اور عروج کی آخری منزل پر پہنچا ہوا تھا سارے یورپ میں سوا ان کلیساؤں کے جن پر ایسے جاہل راہبوں کا تصرّف تھا جو اپنے کو عالم سمجھتے تھے اور لوگوں کو اپنے مذہبی فضولیات کا عادی بنا رہے تھے، کوئی مہذب خطہ یا علمی مرکز موجود نہیں تھا۔

بارھویں صدی ہجری سے جب کہ بعض حسّاس اشخاص علم و فہم حاصل کرنے کے درپے تھے، ان کے پاس سوا اسلام اور مسلمانوں کے جن کو یہ ہر حیثیت سے استاد اور سب سے بلند و بہتر سمجھتے تھے اور کوئی علمی ادارہ نہیں تھا۔ چنانچہ یہ لوگ اندلس کے مدرسوں میں جا کر مسلمانوں کے تعلیمات سے فیض یاب ہوتے تھے۔ تمام اہل علم کو مسلمانوں کا ممنون احسان ہونا چاہیئے کیونکہ انہوں نے علم و فن کی بہت بڑی خدمت کی ہے اور سارے عالم میں اس کو رواج دیا ہے۔ عرب کے مسلمانوں کا ہم اہل مغرب کی ترقی یافتہ زندگی پر بہت بڑا حق ہے اور تمدن مغرب کو دراصل تمدن عرب کہنا چاہیئے۔ انتہیٰ۔

یہ ایک مختصر سا خلاصہ تھا اس بیان کا جو آپ کے مشہور فرانسیسی عالم نے درج کتاب کیا ہے۔ جناب عالی بھی چونکہ دوسرے تمام اہل مغرب کے مانند یورپ کے موجودہ علم و صنعت اور انکشافات پر فخر و مباہات فرما رہے ہیں لہٰذا بہتر ہوگا کہ یورپ کے پچھلے زمانوں پر ایک نظر ڈالیں اور ساتھ ہی قبل اسلام کے جزیرۃ العرب کی تاریخ اور حالات کا جائزہ لیں تاکہ حقیقت بے نقاب ہو سکے۔

جس زمانہ میں آپ کا یورپ حتیٰ کہ پیرس بھی (جو آج علم و تمدن کا گہوارہ ہے) وحشت و بربریت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس وقت صرف جزیرۂ عرب سے اسلام اور مسلمین کے قائد اعظم خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رہنمائی میں عرب مسلمانوں کے توسط سے علم و ہنر اور تمدّن کے سرچشمے پھوٹے اور ساری دنیا میں پھیلے۔

میں ضروری سمجھتا ہوں کہ ماضی کے دور سے ایک پردہ ہٹاؤں تاکہ آپ کو مسلمان عربوں اور یورپ والوں کے تمدّن سے روشناس کر سکوں اور حقیقت کا مخفی ظاہر ہو جائے۔

ہارُون کی طرف سے شارلمان کو مسلمانوں کی بنائی ہوئی گھڑی کا تحفہ

آپ خود جانتے ہیں کہ ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں فرانس کے شہنشاہ امبراطور شارلمان کے خدمات جلیلہ سے یورپ نے ترقی کی منزلیں طے کیں لیکن اس کے باوجود اسی زمانہ میں جب اُس نے بغداد کے اسلامی دربار خلافت سے اپنے روابط مضبوط کئے اور تحف و ہدایا روانہ کئے تو اس کے عوض میں ہارون الرشید عباسی نے جو تحفے اور ہدیے شارلمان کو بھیجے ان میں جواہرات، لباسہائے فاخرہ یا مسلمانانِ عرب کے بنے ہوئے کپڑوں اور ایک بڑے ہاتھی کے علاوہ جس

کو یورپ والوں نے ابھی تک دیکھا بھی نہیں تھا، ایک بہت بڑی گھڑی بھی جس کو فرانس والوں نے اپنے شاہی محل کے اوپر نصب کیا۔ یہ گھڑی مسلمان عربوں کی ہنرمندی کا نمونہ تھی۔ جس میں چوبیس گھنٹوں کی تقسیم اس طرح کی گئی تھی کہ ایک بڑے طلائی پیالے میں دھات کی بنی ہوئی گولیوں کے گرنے سے آواز پیدا ہوتی تھی۔

شارلیمان کے دربار کے فرانسیسی صاحبان علم وہنر بلکہ تمام باشندگان پیرس (جو آج کے متمدن یورپ کا پایۂ تخت ہے) مل کر بھی اس عظیم صنعت کی حقیقت اور نوعیت کو نہیں سمجھ سکے، جیسا کہ گوسٹاولوبون نے تمدن العرب میں اور دوسرے علماء ومصنفین نے اپنے تالیفات میں درج کیا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یورپ کے تمدن کا مسلمان عربوں کے تمدن سے اور بہتر موازنہ کریں تو شارلیمان کے زمانہ کی تاریخ اور مسلمانوں کی بنائی ہوئی گھڑی کا قضیہ ملاحظہ فرمایئے تاکہ حقائق روشن ہو جائیں لکھتے ہیں کہ جب قصر شاہی کے اوپر ایک بڑے برج میں وہ گھڑی نصب کر کے اس کے اوپر سے ڈھکن ہٹایا گیا اور پیرس کے لوگوں نے اس کی سوئیاں چلتی ہوئی دیکھیں تو لکڑیاں، گرز اور طرح طرح کے حربے لے کر عمارت کے اوپر حملہ کر دیا۔ جب شارلیمان کو اطلاع دی گئی کہ رعایا نے انتہائی جوش کے ساتھ دھاوا بول دیا ہے تو اس نے محل کے دروازے بند کرا دئے اور درباری علماء و وزراء کو تحقیق حال کے لئے بھیجا۔ کافی بات چیت کے بعد پتہ چلا کہ ان کو سلطنت سے کوئی مخالفت نہیں ہے بلکہ ان کا کہنا یہ ہے کہ برسوں سے پادری لوگ ہم کو بتاتے آئے ہیں کہ انسانیت کے بڑے دشمن شیطان سے دور رہنا۔ ہم برابر اس عظیم دشمن کی تاک میں رہتے تھے کہ کہاں اُس پر قابو حاصل ہو اور ہم اس کو ختم کر کے اس کے شر سے چھٹکارا پائیں، یہاں تک کہ یہ برج بنایا گیا اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ شیطان اس کے اندر داخل ہو کر ہم کو بہکانے کے لئے عجیب عجیب حرکتیں کر رہا ہے، لہذا ہم نے اس برج کو مسمار کرنے اور عالم بشریت کے سب سے بڑے دشمن کو قتل کرنے کے لئے حملہ کیا ہے۔ مجبوراً بزرگان قوم کے چھوٹے چھوٹے جتھوں کو برج کے اوپر لے جا کر گھڑی کی ساخت اور مسلمانوں کی ہنرمندی دکھائی گئی اور انہوں نے عوام کے سامنے جا کر اس کی تشریح کی تب وہ لوگ عذر و معذرت کر کے وہاں سے رخصت ہوئے پس آپ یہ نہ فرمایئے کہ مسلمان یورپ والوں سے پیچھے تھے۔ یہ لوگ پیچھے تھے نہیں بلکہ اس وقت سے پیچھے رہ گئے ہیں جب سے اہل مغرب بیدار ہوئے اور اندلس قرطبہ، اشبیلیہ، اسکندریہ اور بغداد وغیرہ میں مسلمانوں کی علم وہنر کی درس گاہوں سے علوم اور صنایع و بدایع کی تعلیم حاصل کر کے سعی وعمل کے درپے ہوئے، یہاں تک کہ عروج و ترقی کی چوٹی پر پہنچ گئے اور مسلمان اس طرف مغرور و کاہل اور تن پرست ہو کر بے حسی میں مبتلا ہو گئے لہذا پیچھے رہ گئے اور اس حالت کو پہنچ گئے جو آج ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ ایک دن ہمارے پاس کیا کچھ نہیں تھا لیکن آج ہم ہر چیز کے محتاج ہو چکے ہیں۔ ہمارے حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا ہے ؎

سالہا دل طلب جام جم آزمائی کرد آنچہ خود داشت زبیگانہ تمنائی کرد

ان باتوں سے قطع نظر آپ کی علمی اور صنعتی ترقیوں کا تعلق حضرت عیسٰی علیہ السّلام سے نہیں ہے بلکہ یہ سب (آپ کے عقیدے کے مطابق) حضرت مسیح کو سولی دیئے جانے کے ایک ہزار سال بعد اہل مغرب کی سعی و کوشش کا نتیجہ ہے اور وہ بھی مسلمان عربوں سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے بعد غرضیکہ اس موضوع پر کافی دیر تک گفتگو رہی یہاں تک کہ ہم اس منزل پر پہنچے کہ میں نے کہا مسلمانوں کے پیشواؤں اور دنیا کے تمام ارباب علم و دانش کے درمیان فرق یہ ہے کہ یہ لوگ اسباب و آلات کے ذریعہ انکشافات کرتے ہیں اور وہ حضرات ان کے محتاج نہیں تھے۔

چنانچہ میں نے اپنے مقصد کے ثبوت میں آئمہ طاہرین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے چند ارشادات جراثیم وغیرہ کے بارے میں پیش کئے کہ جس زمانے میں خرد بینوں اور دور بینوں کا دنیا میں کہیں وجود نہیں تھا (یعنی آج سے تیرہ سو برس پہلے) اسلام کے بزرگ پیشوا بھی ہمارے پیغمبرؐ کی عترت میں سے آئمہ معصومینؑ بغیر ظاہری وسائل اور آلات کے اپنی معمولی نظر سے جراثیم کو دیکھ کر ہمیں بتا چکے ہیں اور ان سے پرہیز کرنے کی ہدایت فرما چکے ہیں آپ لوگ آج اس چیز پر فخر و مباہات کرتے ہیں کہ طاقت ور دور بینوں اور رصد گاہوں کے ذریعے فضائی کرّات، ہوائی موجودات اور کواکب و سیارات کے مخلوقات سے کسی قدر واقفیت حاصل کر لی ہے۔ لیکن تیرہ سو برس قبل مسلمانوں کے دوسرے پیشوا اور اہل اسلام کے معلّم ثانی یعنی امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام بغیر بڑی بڑی دور بینوں رصد گاہوں اور آلات و اسباب کے ہیئت جدید کے مطابق آسمانی کرّوں کی خبر دے چکے ہیں، اس کے بعد میں نے ان کے سامنے حدیث پیش کی جس کا ابھی آپ کے سامنے حوالہ دے چکا ہوں کہ حضرت نے فرمایا۔ ھٰذہ النجوم التی فی السماء مدائن مثل المدائن التی فی الارض (یعنی آسمان کے ان ستاروں میں بھی شہر شہر آباد ہیں جس طرح زمین میں ہیں۔

موسیو ژوئن (قدرے سکوت اور غور و فکر کے بعد) حدیث کو یاد کر کے کہا کہ میں چاہتا ہوں جن کتابوں میں یہ حدیث درج ہوئی ہے ان کے نام مجھ کو لکھوا دیجئے، چنانچہ میں نے لکھوا دیئے اس کے بعد موصوف نے کہا کہ لندن اور پیرس میں دنیا کے عظیم ترین اور خاص کتب خانے موجود ہیں جن میں ہر کتاب کے قلمی نسخے بھی موجود ہیں، میں پہلے لندن جاؤں گا اس کے بعد پیرس کے کتب خانوں میں ان کتابوں کا گہرا مطالعہ کروں گا اور علماء و مستشرقین سے اس موضوع پر بحث کروں گا۔ اگر دیکھوں گا جو آپ نے حوالہ دیا ہے۔ ان کی تالیف رصد گاہوں اور آسمانی دور بینوں کی ایجاد سے پہلے ہوئی ہے تو میں آپ سے عہد کرتا ہوں اور عیسٰی علیہ السلام اور محمد صلعم کے خدا کو اپنے اور آپ کے درمیان گواہ قرار دیتا ہوں کہ تحقیق اور پورا اطمینان کرنے کے بعد مسلمان ہو جاؤں گا۔ اس لئے کہ بغیر اسباب و وسائل کے ایک ہزار سال قبل ایسے خبر دینے والا انسان ہرگز یہ دنیاوی نظر نہیں رکھتا تھا بلکہ یقیناً ملکوتی

چشم و نگاہ کا مالک اور الہٰی قوت کا حامل تھا۔ پس ایسے پیشوا کی موجودگی میں دینِ اسلام بھی قطعاً آسمانی دین ہوگا کیونکہ پیغمبرِ اسلام کا جانشین طاقتِ بشری سے مافوق ایسی قوت اور علم کا مالک تھا۔ انتہیٰ [1]

محترم حضرات! جس مقام پر اجنبی اور غیر اشخاص بغیر جذبۂ محبت و عداوت کے صرف عقلی قاعدے اور علمی اصول کی بنیاد پر ایسا بے لاگ فیصلہ کریں وہاں ہم کو اور آپ کو بدرجۂ اولیٰ اس طریقے پر کاربند ہونا چاہیئے۔ چنانچہ انہیں دونوں قاعدوں کے رو سے جس کو پیغمبری کے لائق اور شرائط جامع پائیں اس کی پیروی کریں، نیز اسی طرح مقامِ خلافت اور جانشینیٔ رسول کا چشمِ انصاف اور نگاہِ بصیرت سے جائزہ لیں اور غرض رانی و تعصب سے الگ ہو کر عادت کا لباس اتار دیں تو بخوبی سمجھ لیں گے کہ رسولِ خدا کے بعد صحابہ میں سے کسی کو بھی اس کی لیاقت حاصل نہ تھی کہ امیرالمومنین سے زیادہ زاہد و اعلم اور افضل ہو اس کے علاوہ نسب میں بھی بالاتر ہو۔

جملہ علوم حضرت علیؑ تک منتہیٰ ہوتے ہیں

اس لئے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت جملہ فضائل و کمالات کے جامع تھے، علومِ اولین و آخرین آپ کے قابو میں تھے اور حکمت، کلام، تفسیر، قرأت، صرف، نحو، فقہ، ہندسہ، طب، نجوم، عدد، جفر، حساب، شعر، خطبہ، موعظہ، بدیع، فصاحت، لغت اور منطق الطیر، غرضکہ جتنے علوم و فنون خلق میں متعارف ہیں وہ سب کے سب آپ کی ذات تک منتہیٰ ہوتے ہیں۔ ان تمام علوم کے اندر یا تو آپ موجد تھے یا علم کی تشریح فرمائی ہے اور ہر علم میں ایسا خاص کلام ارشاد فرمایا ہے کہ اس علم و فن کے ماہرین نے اس کو مصدر قرار دیا ہے اور بعد کو اس موضوع پر جس قدر گفتگو کی ہے وہ سب حضرت کے کلام کی شرح تھی۔

مثلاً علمِ نحو میں ابوالاسود دوئلی سے فرمایا کہ کلمہ اسم و فعل اور حرف کا نام ہے۔ نیز باب انّ، باب اضافہ، باب امالہ باب لغت اور لطف کا قاعدہ معین فرمایا اور رفع، نصب، جر اور جزم پر اعراب کی تقسیم فرمائی۔ یہ وہ بنیادی ہدایت ہے جو عبارتوں میں غلطی سے محفوظ رہنے کے لئے امیرالمومنین علیہ السلام کی طرف سے صادر ہوئی ہے۔

---

[1] سفر سے واپسی کے بعد مجھ کو موصوف کا ایک خط ملا جس میں انہوں نے اس حدیث کی حقیقت اور اس کی غیر معمولی حیثیت کی تصدیق کرنے کے بعد اظہارِ اسلام، اقرارِ شہادتین اور حقیقتِ اسلام کا اعتراف کیا تھا۔ ۱۲

علیؑ کے علمی مدارج کے لئے ابن ابی الحدید کا اعتراف

اگر آپ دیباچہ کتاب شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید معتزلی کے ابتدائی صفحات کو غور سے پڑھئے تو اندازہ ہوگا کہ اس انصاف پسند عالم نے کیونکر ان تمام مطالب کی تصدیق اور حضرت کے علمی مرتبہ کی مدح و ستائش کی ہے صفحہ ۶ میں صاف صاف کہتے ہیں وما اقول فی رجل تعزی الیہ کل فضیلۃ وتنتھی الیہ کل فرقۃ وتتجاذبہ کل طائفۃ فھو رئیس الفضائل و ینبوعھا وابو عذرھا وسابق مضمارھا و مجلی حلبتھا کل من نبغ فیھا بعد فمنہ اخذ ولہ اقتفی وعلی مثالہ احتذی (یعنی میں انسان کے بارے میں کیا کہوں جس کی طرف تمام فضیلتیں منسوب ہیں جو ہر فرقے کے لئے آخری منزل ہے اور جس سے ہر جماعت وابستہ ہونا چاہتی ہے پس وہ فضیلتوں کا راس و رئیس، ان کا سرچشمہ ان کے حج و براہین کا مرکز ان کی دوڑ میں سب سے آگے اور ان کے نتائج کو رونق دینے والا ہے۔ اس کے بعد جو شخص بھی ان میں نمایاں ہوا اس نے اسی سے فیض حاصل کیا، اسی کی پیروی کی، اور اسی کے نمونہ عمل پر عامل ہوا۔ انہوں نے فقہائے اربعہ ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد حنبل کے علم کو حضرت ہی سے وابستہ بتایا ہے، چنانچہ کہتے ہیں کہ فقہائے صحابہ نے فقہ علیؑ سے سیکھی۔ چونکہ آج کی رات ہماری نشست کافی طول پکڑ چکی ہے لہذا اب اس سے زیادہ کا موقع نہیں ہے کہ آپ کے اس بزرگ عالم کی گفتگو اور بیانات نقل کر کے آپ کا مزید وقت لوں۔

ضرورت اس کی ہے کہ آپ مذکورہ شرح نہج البلاغہ کا دیباچہ ملاحظہ فرمایئے تاکہ اپنے اس مورخ اور منصف عالم کی شہادت و تصدیق اور یقین و اعتراف کو دیکھ کر مبہوت ہو جایئے، جو کہتے ہیں کہ علی علیہ السلام کا معاملہ بہت عجیب ہے کیونکہ ساری زندگی میں کبھی آپ کی زبان پر کلمہ لا ادری یعنی میں نہیں جانتا) قطعاً جاری نہیں ہوا۔ جملہ علوم ہمیشہ آپ کے پیش نظر رہتے تھے یہاں تک کہ عالم موصوف اپنے جملوں کے آخر میں کہتے ہیں وھذا یکاد یلحق بالمعجزات لان القوۃ البشریۃ لا تفی بھذا الحصر ولا تنھض بھذا الاستنباط (یعنی اس امر کو معجزات میں شامل کیا جا سکتا ہے، کیونکہ بشری طاقت ایسے علمی احاطے پر قادر نہیں ہے اور نہ استنباط کے اس درجے پر فائز ہے۔)

اگر میں چاہوں کہ غیب کی جو خبریں حضرتؑ نے ارشاد فرمائی ہیں اور جو برسوں بلکہ صدیوں کے بعد وقوع پذیر ہوئی ہیں اور جن کو آپ کے اکابر علماء نے نقل کر کے ان کی تصدیق کی ہے۔ ان کی طرف اشارہ کروں تو صبح ہو جائے گی اور ان میں سے عشر عشیر بھی پیش نہ کر سکوں گا، لہذا اب اس سے زیادہ زحمت نہیں

دینا چاہتا ہے

در خانہ اگر کس است یک حرف بس است

میرے خیال میں نمونے کے طور پر اور دعووں کو روشن کرنے کے لئے ذیل کا ایک ہی واقعہ کافی ہوگا۔ جس سے آپ حضرات سمجھ لیں گے کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں دلیل و برہان کے ساتھ کہتے ہیں۔

جن مواقع پر حضرت کے علم سے پردہ اٹھا ہے اور امت کو معلوم ہوا ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام غیب کے عالم ہیں ان میں سے ایک آئندہ کل کی تاریخ بھی ہے جس میں بعض صحیح اور مشہور روایات کی بنا پر ریحانۃ رسول الثقلین حضرت امام حسین علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوئی ہے۔

ولادت امام حسینؑ اور تہنیّت ملائکہ کی خبر

ان الناس دخلوا علی النبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم وھنّوہ بمولودہ الحسین۔

لوگ حضرت رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آں حضرت کو ولادت حسین علیہ السلام کی تہنیت دی۔ مجمع میں سے ایک شخص نے عرض کیا بابی انت وامی یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو جائیں یا رسول اللہ، ہم لوگوں نے آج علیؑ سے ایک عجیب امر مشاہدہ کیا۔ فرمایا تم نے کیا دیکھا؟ عرض کیا، جب ہم تہنیت کے لئے آئے تو ہم کو یہ عذر بیان کرکے آپ کی خدمت میں حاضر ہونے سے روک دیا کہ ایک لاکھ بیس ہزار فرشتے تہنیت و مبارکباد کے لئے آسمان سے نازل ہوئے ہیں اور رسولؐ اللہ کی خدمت میں موجود ہیں۔ ہم نے تعجب کیا کہ علی کیونکر آگاہ ہوئے اور کہاں سے شمار کر لیا آیا آپ نے ان کو اطلاع دی ہے؟ آں حضرت نے تبسّم فرمایا اور علی سے دریافت کیا کہ تم نے کہاں سے جانا کہ اتنے فرشتے میرے پاس آئے ہیں؟ آپ نے عرض کیا بابی انت وامی جو فرشتہ آپ کے اوپر نازل ہوتا تھا اور سلام عرض کرتا تھا وہ ایک نئی زبان میں آپ سے گفتگو کرتا تھا۔ جب میں نے شمار کیا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک لاکھ بیس ہزار زبانوں میں گفتگو کی ہے۔ لہٰذا میں نے سمجھ لیا کہ ایک لاکھ بیس ہزار ملائکہ حاضر خدمت ہوئے ہیں۔

آں حضرتؐ نے فرمایا۔ زادک اللہ علمًا وحلمًا یا ابا الحسن خدا تمہارے علم و حلم کو اور زیادہ کرے ابوالحسن (علیؑ) پھر اُمّت کی طرف رخ کرکے فرمایا۔ انا مدینۃ العلم وعلیّ بابھا وما للہ نباء اعظم منہ وما للہ اٰیۃ اکبر منہ ھو امام البریۃ وخیر الخلیفۃ امین اللہ وخازن علم اللہ وھو الراسخ فی العلم وھو اھل الذکر الذی

قال اللہ تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون انا خزانۃ العلم و علی مفتاحھا فمن اراد الخزانۃ فلیات المفتاح ۔ (یعنی میں شہر علم ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں، خدا کے لئے ان سے بڑی کوئی خبر اور ان سے بڑی کوئی آیت نہیں ۔ یہ امام ناس، بہترین خلق، خدا کے امین اور اس کے علم کے خزینہ دار ہیں ۔ یہ علم میں راسخ اور وہ اہلِ ذکر ہیں جن کے لئے خدا نے فرمایا ہے کہ اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہلِ ذکر سے پوچھ لو ۔ میں علم کا خزانہ ہوں اور علیؑ اس کی کنجی ہیں ۔ پس جو شخص خزانہ چاہتا ہے اس کو کنجی کے پاس آنا چاہیئے ۔

منصفانہ فیصلہ

حضرات محترم ! اگر آپ انصاف سے کام لیں، تھوڑی دیر کے لئے اپنی عادت کو چھوڑ دیں اور عادلانہ فیصلہ کریں تو بلا ارادہ فطری طور پر آپ کا دل تصدیق کرے گا کہ ایسی بزرگ شخصیت جو تمام علوم انبیاء اور اسرار غیب کی جامع صفات مرسلین کا مکمل آئینہ، جملہ صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کی حامل اور عدالت و تقویٰ اور عصمت کے مرتبے پر فائز تھی جس کے لئے خود رسول اللہ نے بھی حکم دیا ہے کہ اس کے دروازے پر جاؤ، نیز اس کی اطاعت کو اپنی اطاعت اور اس کی مخالفت کو اپنی مخالفت قرار دیا ہے اور جو زہد و ورع، پرہیز گاری اور نسل کے لحاظ سے ساری خلقت اور کل کائنات سے اس طرح فائق و برتر تھی کہ رسول اللہ نے اس کو امام المتقین اور سید المسلمین کہہ کے خطاب فرمایا چنانچہ اس سلسلے میں بعض احادیث کی طرف میں گزشتہ شبوں میں اشارہ بھی کر چکا ہوں ۔ وہ یقیناً منصب خلافت و امامت کے لئے دیگر صحابہ سے اولیٰ و احق تھی ۔ اگرچہ یہ بھی اپنی جگہ پر کچھ خصوصیات رکھتے تھے لیکن ہماری بحث تو افضل و اکمل کے بارے میں ہے جو دوسروں پر فوقیت اور حق تقدم رکھتا ہو ۔

اگر آپ رسولِ خدا صلعم کے اصحاب و اقارب میں سے ایسے کسی ایک فرد کا بھی پتہ دے دیجئے ۔ جو فضائل و کمالات اور ظاہری و باطنی صفات میں حضرت علی علیہ السلام کی برابری کر سکتا ہو تو میں سر تسلیم خم کر دوں گا اور اگر ایسا کوئی فرد آپ پیش نہ کر سکیں (کیونکہ ایسی ممتاز ہستی صحابہ میں سوا آپ کے اور کوئی تھی ہی نہیں، تو آپ کا ایمانی فریضہ ہو گا کہ حقیقت کو تسلیم کیجئے اور ساری دنیا سے چشم پوشی کر کے حق سے رشتہ قائم کیجئے، (پھر میں نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے عرض کیا) خداوندا میں تجھ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے حق کا راستہ دکھا دیا ہے، بغیر کسی جذبہ محبت کے و عداوت کے اپنا دینی فرض انجام دے دیا ہے ۔ حریم تشیع کی طرف سے دفاع کر دیا ہے اور دشمنوں کی تہمتوں کے مقابلے میں حقیقت کو ظاہر کر دیا ۔ یہ اب تجھ ہی سے اس کا

اجر اور توفیق چاہتا ہوں اور بس ۔

قبول تشیع میں نواب کے بیانات

نواب ۔ قبلہ صاحب! دس راتیں ہو رہی ہیں کہ ہم اس مجلس مذاکرہ کے حاشیہ نشین ہیں ہم نے مقدس انوار ایمانی سے روشنی حاصل کی، بلند علمی اصول و قواعد سے استفادہ کیا اور طرفین کے دلائل کو غور سے سنا۔ ہم چند افراد ایسے ہیں جو تمام راتوں میں انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ جلسے میں حاضر رہے اور ہر روز آپس میں شب کی گفتگوؤں پر بحث و تبصرہ کر کے پوری چھان بین کرتے رہے ہیں خدائے وحدہٗ لاشریک کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے آپ کے ذریعہ ہماری ہدایت کے اسباب مہیا فرما دیئے جس سے ہم لوگوں نے حق کو پہچان لیا اور وہ دلائل سنے جو اب تک کبھی نہیں سُنے تھے۔ مخالفین کے غلط اور گندے پروپیگنڈے کے خلاف جیسا کہ انہوں نے ہم کو بتا رکھا تھا کہ شیعہ مشرک غالی، رافضی اور حق سے منحرف ہیں ہمارے اوپر صد فی صد اور بالکل یقینی طور سے ثابت ہو گیا ہے کہ فرقہ شیعہ امامیہ اثناعشریہ کا مذہب حق اور ان کا طریقہ سچا ہے اور ہم نے اچھی طرح سے جان لیا ہے کہ حقیقی اسلام کے حامل یہی لوگ ہیں۔ صرف ہم چند حاضرین جلسہ ہی نہیں بلکہ اس شہر کے بہت سے بے لوث اور بے غرض اشخاص جو حق اور حقیقت کے طلب گار ہیں روز نامہ اخبارات اور رسائل کو پڑھنے اور طرفین کے دلائل کو جانچنے کے بعد حق سے روشناس ہو چکے ہیں۔ البتہ عام مجمعوں میں آمد و رفت اور اپنے خاص مشاغل نیز مخالفین کے ساتھ ربط و ضبط کی وجہ سے اپنے عقائد کو ظاہر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے لہٰذا انہوں نے خفیہ طور سے ہمارے سامنے شیعیت کا اظہار کیا ہے، اس لئے کہ آپ نے کوئی بات مشکوک نہیں چھوڑی ہے، اور اپنی سادہ اور عام فہم تقریر سے ہم سب کے دماغوں میں حقائق کو واضح کر دیا ہے۔

لیکن ہم چند اشخاص جو اس وقت حاضر ہیں چونکہ کسی کا خوف نہیں رکھتے لہٰذا پوری جرأت کے ساتھ اعلان کرنے کے لئے تیار ہیں، ہم کئی راتوں سے چاہتے تھے کہ درمیان سے پردہ ہٹا دیں اور اپنے کو ظاہر کر دیں لیکن موقع نہیں ملا اور حسن اتفاق سے ہر شب ہماری بصیرت میں اضافہ ہی ہوتا رہا۔ ہم نے مضبوط سے مضبوط تر دلائل سُنے اور اپنے عقیدے میں اور زیادہ راسخ و ثابت قدم ہو گئے۔ وقت گذر رہا ہے لہٰذا اجازت دیجئے کہ یہ پردہ برطرف کیا جائے ہمارے اقرار و اعتراف کو سن کر ہم کو سرفراز فرمایئے، ہمارے نام مولائے کائنات امیرالمومنین علیؑ اور آئمہ اثناعشریہ علیہم السلام کے شیعوں کی فہرست میں درج فرمایئے اور شیعوں کی جماعت میں اعلان فرما دیجئے کہ وہ ہم کو اپنی برادری میں قبول کریں۔ نیز قیامت کے روز عدل الٰہی کے دربار میں اور اپنے جد بزرگوار کے سامنے شہادت

دیکھئے کہ ہم لوگ علم و یقین کے ساتھ آئمہ اثنا عشر اور رسولِ خدا کے اوصیاء و خلفا کی ولایت پر ایمان لائے ہیں۔

خیر طلب ۔ مجھ کو یہ دیکھ کر بہت خوشی ہے کہ چند نمایاں اور ممتاز ہستیوں نے چشم بصیرت اور گوش حقیقت کے ساتھ حقائق پر توجہ کی اور نور عقل کی روشنی میں منزل حق کو پہچان کر راہ راست اور صراط مستقیم پر گامزن ہو گئے۔

وہی راستہ جس کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے، چنانچہ اکابر علمائے اہلِ سنّت والجماعت جیسے امام احمد ابن حنبل نے مسند میں ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں، محمد بن طلحہ شافعی مطالب السئول میں، ابن مغازلی نے فضائل میں، خوارزمی نے مناقب میں سلیمان حنفی نے ینابیع المودت میں اور دوسروں نے بھی نقل کیا ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا صراط علی حق نمسکہ یعنی علیؑ کا راستہ حق ہے جس سے ہم تمسک کرتے ہیں۔

میں اُمید کرتا ہوں کہ ہمارے دوسرے اسلامی بھائی بھی عادت اور تعصب سے ہٹ کے غور کریں گے تاکہ ان کی نگاہوں سے پردے ہٹ جائیں اور حق وحقیقت ان پر ظاہر ہو جائے۔

نواب ۔ قبلہ صاحب ہم آپ کے الطاف و عنایات کے ممنون ہیں کہ آپ نے خندہ پیشانی اور حسن اخلاق کے ساتھ ہمارے سوالات کے جوابات دے، البتہ ہمارے گوشہ دل میں ابھی ایک مختصر سا اشکال موجود ہے، گذارش ہے کہ اس کو ابھی حل فرما دیجئے تاکہ ہمارے بھائیوں کے لئے مسرّت و امتنان اور بصیرت کا باعث ہو نیز ہمارے عقیدے اور ایمان میں مزید استحکام پیدا ہو۔

خیر طلب ۔ میں حاضر ہوں۔ فرمایئے کس چیز میں اشکال ہے تاکہ اس کا جواب عرض کروں۔

نواب ۔ ہمارا اشکال آئمہ اثناء عشر کی امامت اور ان کے ناموں کے بارے میں ہے چونکہ ان راتوں میں صرف امیر المومنین علی علیہ السلام کی شخصیت زیر بحث رہی، لہٰذا متمنی ہوں کہ ہم کو بتایئے کہ اولاً قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت ہے جو ہم کو آئمہ اثناء عشر کی امامت کا ثبوت دے یا نہیں؟ دوسرے ہماری کتابوں میں شیعوں کے بارہ اماموں کے نام درج ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو ہمارے اطمینان قلب کے لئے بیان فرمایئے۔

خیر طلب ۔ آپ کا سوال بہت مناسب اور برمحل ہے اور اس کا جواب بھی موجود ہے۔ لیکن چونکہ وقت تنگ ہے اور صبح ہونے والی ہے اور اس سوال کا جواب بھی ممکن ہے کچھ طول کھینچے لہٰذا اگر آپ بھی متفق ہوں تو یا کل شب میں تشریف لے آیئے تاکہ جواب عرض کر دوں یا کل صبح بھی ممکن ہے۔

چونکہ کل ریحانۂ رسول حضرت امام حسین علیہ السلام کی عید ولادت باسعادت ہے اور اس سلسلے میں ہمارے قزلباش بھائیوں کی طرف سے رسالدار کے امام باڑے میں صبح سے ظہر تک ایک شاندار جشن کا انتظام ہے لہٰذا یہ بھی ممکن ہے کہ اس موقع پر عیدی کے عنوان سے اس کا جواب پیش کر کے آپ کا

اشکال حل کردوں۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔

نواب ۔ میں انتہا فخر کے ساتھ آپ کی رائے سے موافقت کرتا ہوں اور اس سے زیادہ آپ کا وقت نہیں لینا چاہتا۔ پس اب اجازت دیجئے کہ جن محترم حضرات نے اس نورانی جلسے کی ضیا پاشیوں سے روشنی حاصل کی ہے ان کا تعارف کرادوں۔

خیر طلب ۔ میں پورے شوق اور مسرت کے ساتھ تیار ہوں کہ ان عزیزان گرامی کو اپنے آغوش محبت میں قبول کروں۔

چھ افراد اہلِ تسنن کا قبول تشیع

نواب ۔ اتنے حضرات آج کی شب لوائے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے نیچے حضرت علیؑ اور آپ کی اولاد میں سے گیارہ اماموں کی خلافت و امامت کے اقرار کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔

(۱) حقیر آپ کا مخلص عبدالقیوم (۲) سید احمد علی شاہ صاحب (۳) سیٹھ غلام امین صاحب (۴) سرحد کے سردار غلام حیدر خاں صاحب (۵) پنجاب کے بڑے تاجر عبدالاحد خان صاحب (۶) مشہور رئیس عبدالصمد خان صاحب (اصل کتاب میں کافی مجمع کے ساتھ ان حضرات کے فوٹو بھی موجود ہیں ۱۲ مترجم)

(یہ حضرات میرے پاس تشریف لائے میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور تمام حاضرین جلسہ بھی کھڑے ہوگئے، میں نے ہر ایک سے محبت کے ساتھ بغل گیر ہو کر پیشانی پر بوسہ دیا اس کے بعد سارے اہل مجلس نے ان سے معانقہ کیا۔

میں نے دیکھا کہ برادران اہل سنت بہت اداس ہوگئے ہیں چنانچہ ان کی دلجوئی کے لئے کہا کہ آج عید کی شب ہے جس میں اسلامی ہدایات کے مطابق مسلمانوں کے ایک دوسرے سے مصافحہ و معانقہ کرنے میں بہت بڑا ثواب ہے لہٰذا بہتر ہوگا کہ ہم سب آپس میں مصافحہ و معانقہ کریں، اس کے بعد میں نے پہلے جناب حافظ صاحب اور شیخ عبدالسلام صاحب سے پھر دوسرے حضرات سے بغل گیر ہو کر سب کی پیشانیوں پر بوسہ دیا۔ بعد اس کے جلسے میں شربت اور مختلف قسم کی شیرینی لائی گئی اور ہم نے پر لطف و شیریں باتوں سے مجمع میں ایک تازہ مسرت کی لہر دوڑا کر ان کے چہروں سے افسردگی دور کی)

حافظ ۔ صاحب ہم نے ان راتوں میں آپ کی ملاقات سے کافی فیض حاصل کیا جس کی لذتیں آخر عمر تک بھلائی نہیں جاسکتیں بالخصوص میری ذات پر تو بڑا احسان ہے جس کا عوض آپ کو آپ کے جد بزرگوار سے

ملے گا۔ کیونکہ آپ نے بہت حقیقتوں کا انکشاف فرما دیا جیسا کہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ آپ نے میری آنکھیں کھول دیں میں قطعاً وہ پہلی رات والا آدمی نہیں ہوں اور جو بھی عقلمند اور انصاف پسند انسان آپ کے شک و شبہ سے بالاتر دلائل کو سنے گا وہ یقیناً خوابِ غفلت سے بیدار ہو جائے گا۔ چنانچہ یہ حقیر امیدوار ہے کہ عترت و اہل بیت رسالت کے طریقۂ ولایت پر دنیا سے اٹھے اور رسول اللہ کے سامنے سرخرو حاضر ہو۔

میری بڑی خواہش تھی کہ اس سے زیادہ مدّت تک آپ کے ساتھ رہتا لیکن ہمارے پاس وقت نہیں ہے اور بہت ذاتی کام درپیش ہیں کیونکہ ہم صرف دو روز کے خیال سے آئے تھے، یہاں اتفاق سے کافی وقت صرف ہو گیا لہٰذا اس رات کو ہم آپ حضرات کی اجازت سے شب وداع قرار دیتے ہیں، کل شب کو ہم ریل گاڑی کے ذریعے روانہ ہو جائیں گے۔ اور آپ کو دعوت دیئے جاتے ہیں کہ ہمارے وطن تشریف لایئے۔ تاکہ ہم آپ کی صحبت سے خصوصی فوائد حاصل کر سکیں۔

خیر طلب آپ حضرات یقین فرمایئے کہ پہلی شب سے جب کہ آپ کی زیارت ہوئی ہے اس وقت تک میں بغیر تعصب و عناد کے پورے خلوص کے ساتھ سرگرم محبت رہا اور آپ حضرات سے ایک خصوصی ربط و انس قائم ہو گیا ہے۔ باوجودیکہ میری جانب سے آپ حضرات کی روانگی میں کوئی مانع نہیں تھا لیکن اب یہ سن کے آپ حضرات واپسی کا قصد رکھتے ہیں اپنے اندر ایک عجیب سا تاثر محسوس کر رہا ہوں۔

ایک بزرگ عارف کا قول ہے کہ میں زعام جذبات کے برعکس، انس و ملاقات کا مخالف ہوں۔ کیونکہ وصال کے بعد فراق آتا ہے اور دیوان امیر المومنین علیہ السّلام میں آپ کا ارشاد ہے۔

یقولون انّ الموت علی الفتیٰ مفارقۃ الاحباب واللہ اصعب

(یعنی لوگ کہتے ہیں کہ جوان کے اوپر موت سخت ہوتی ہے، حالانکہ خدا کی قسم دوستوں کی جدائی اس سے بھی زیادہ سخت ہے)، حق یہ ہے کہ میں نے ان دس راتوں میں بالعموم آپ حضرات کے اور بالخصوص جناب عالی کے دیدار سے بہت فائدہ اٹھایا ہے جس کو کبھی نہ بھولوں گا اگرچہ ان دس راتوں میں بمصداق الکلام یجرّ الکلام (یعنی بات میں بات نکلتی ہے) سلسلۂ گفتگو بہت طولانی رہا اور ہر شب میں نے بلا ارادہ چھ سات گھنٹے یا اس سے بھی زیادہ محترم حاضرین جلسہ کا وقت لیا لیکن چونکہ ہماری نشستوں میں اوّل سے آخر تک آیات شریفۂ قرآنی اور احادیث حضرت رسول خدا صلعم کا تذکرہ رہا اور ہم جاہلانہ تعصب و عناد اور لہو و لعب سے الگ رہے۔ لہٰذا ہم نے اپنی جگہ خدا کی ایک عبادت انجام دی۔ البتہ اس لحاظ سے کہ انسان سہو و نسیان اور غلطی کا مرکز ہے اگر دورانِ گفتگو میں میری طرف سے عمداً نہیں بلکہ سہواً کوئی بے ادبی یا طول کلام کی غلطی سرزد ہو گئی ہو یا آپ حضرات کی نظر میں کوئی بُری بات معلوم ہوئی ہو تو عفو و چشم پوشی فرمائیں اور استجابت دُعا کے مواقع

پر اس حقیر و فقیر خیر طلب کو دعائے خیر سے فراموش نہ فرمائیں۔

حافظ آپ کے حسن بیان اور لطف و عنایت کے برتاؤ سے ہم بہت ممنون ہیں اور ہم میں سے کسی کو آپ سے کوئی شکایت نہیں ہے جس کے لئے آپ معذرت کر رہے ہیں، کیوں کہ جناب عالی کا حسن اخلاق اور ادب و لحاظ اس منزل پر ہے کہ اس نے ہم کو مفتون و گرویدہ بنا لیا ہے اور طول بیان سے بھی ہرگز ہم کو کوئی افسردگی نہیں ہے بلکہ آپ کی شیریں کلامی اور فصاحت و بلاغت اتنی زبردست ہے کہ میرا خیال ہے چاہے جتنی طولانی تقریر ہو بار خاطر نہ ہوگی۔

خیر طلب میں آپ حضرات کے مراحم و الطاف کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے معروضات کے خاتمے پر ایک مطلب عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کل چونکہ حامیٔ امت فرزند رسول الثقلین حضرت امام حسین علیہ السلام کی عید ولادت باسعادت ہے اور محترم حضرات قزلباش نیز آپ کے دیگر شیعہ بھائیوں کی طرف سے رسالدار کے امام باڑے میں ایک شاندار محفل مسرت کی تشکیل کی گئی ہے، لہذا میں جناب عالی اور دیگر حضرات حاضرین جلسہ کو اور آپ کے توسط سے جملہ برادران اہل سنت کو پر خلوص دعوت دیتا ہوں کہ پیغمبرؐ کی ذات مبارک سے ۔ پتے مخصوص تعلق کے پیش نظر آں حضرت کی روح پر فتوح کی خوشنودی کے لئے ایک بڑے مجمع کے ساتھ کل صبح اس جشن ولادت میں تشریف لائیں، کیونکہ شیعوں کی اس محفل میں اپنی شرکت سے علاوہ اس کے کہ آپ ہم سب کو ممنون و متشکر کریں گے۔ مجھ کو امید ہے کہ آپ میرے اس مقصد سے بھی اتفاق کریں گے۔ اس جشن عام میں برادران ایمانی و اسلامی کے دونوں فرقوں کی شرکت سے ہم ایک ایسا متحدہ اسلامی محاذ قائم کریں کہ دشمنان اسلام کو (جو مسلمانوں میں تفرقہ اور جدائی چاہتے ہیں) حیرت و عبرت میں ڈال دیں۔

(جمادی الثانیہ ۱۳۷۴ھ ہجری میں ترتیب و کتابت سے فراغت ہوئی)

(العبد الفانی محمد الموسوی (سلطان الواعظین شیرازی))

عید میلاد حسینی

فدت شہر شعبانها الا شهر — فمن بینها یمنه الاشهر
طوی الهمّ عنّا و زال العنا — و بشر انهما بیتنا ینشر
لثالثه فی رقاب الانام — ایاد لعمرک لا تنکر

فصبح الولاء بمیلاد سبط — ھادی الانام بہ مسفر
وباب النجاۃ الامام الذی — ذنوب العباد بہ تغفر
وغصن الامامۃ فیہ سما — جنی ھدایتھا ثمر
وروض النبوۃ من نورہ — سنی ومن نورہ مزھر
لتھن بمیلادہ شیعہ — لھم طاب فی حبّہ عنصر

(یعنی شعبان پر دوسرے مہینے قربان ہیں کیونکہ اس کے اندر سے نمایاں خیر و برکت حاصل ہوئی ہے ہمارے سارے رنج و غم دور ہوگئے اور ہمارے درمیان خوش خبری پھیل گئی۔ اس کی تیسری تاریخ لوگوں پر پسندیدہ انعام و احسانات کا نزول ہوا، پس صبح ولایت نواسۂ رسول کی ولادت سے روشن ہوئی یہ وہ امام ہے جو نجات کا دروازہ ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ سے بندوں کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ اس سے امامت کی وہ شاخ بلند ہوئی ہے جو ہدایت کے تر و تازہ پھل دیتی ہے۔ نبوت کا باغ اس کے نور سے روشن اور پھلا پھولا ہوا ہے۔ شیعوں کو اس کی پیدائش کی تہنیت دو جو اس کی محبت میں ہر عیب و ریب سے پاک ہیں)

جب تیسری شعبان المعظم ۱۳۴۵ھ ہجری یعنی عید سعید ولادت باسعادت امام سوم حضرت ابو عبداللہ الحسین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صبح ہوئی تو محترم حضرات قزلباش کی جانب سے رسالدار کے امام باڑے میں ایک محفل مسرت بہت شان و شکوہ کے ساتھ منعقد ہوئی جس میں مختلف طبقوں کے لوگ سویرے ہی سے کثرت کے ساتھ جمع ہوگئے میں بھی ظہر سے چار گھنٹے قبل ان شیعہ علماء اور رؤسا کے ایک بڑے مجمع کے ہمراہ جو میری قیام گاہ پر آگئے تھے جشن میں شرکت کے لئے امام باڑے گیا۔ حق یہ ہے کہ جلسہ کافی شاندار تھا۔

ہر طبقے کے شیعہ اور سُنّی افراد کا اتنا کثیر مجمع تھا کہ اس قدر طویل و عریض امام باڑے کی کافی وسیع فضا اور دونوں طرف کے تمام بڑے بڑے دوہرے کمرے، یہاں تک کہ شاہراہِ عام اور مکانوں کے کوٹھے بھی بھر گئے تھے۔ حضرات علمائے اہل سنت مع جناب حافظ رشید و شیخ عبدالسلام صاحبان بھی تشریف فرما تھے۔ میرے پہنچنے سے محفل میں ایک عجیب جوش و خروش پیدا ہوگیا۔ باوجودیکہ میرے بیٹھنے کے لئے ایک خوبصورت اسٹیج تیار کیا گیا تھا لیکن میں اہل سنت کے بڑے بڑے علماء کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی جگہ سے کترا کے سیدھا انہیں کے پاس جا گیا میرے اس اکرام و احترام اور پر خلوص انکسار سے وہ حضرات بہت خوش ہوئے ساتھ ہی اور بیٹھ جانے

کے بعد شربت اور طرح طرح کی شیرینی لائی گئی، اس خاطر تواضع کے بعد دو مداحوں نے اردو اور فارسی زبان میں بہترین قصیدے پڑھے، اس کے بعد سردار عبدالصمد خان صاحب جو پشاور کے نامی شیعہ رئیسوں میں سے تھے۔ چند محترم قزلباش حضرات کے ساتھ آئے اور مجھ سے فرمائش کی کہ آج چونکہ عید کا دن ہے لہٰذا اہلِ جلسہ منتظر ہیں کہ آپ اپنی تقریر سے ان کو مسرور و شاد کام فرمائیں۔ میں نے ہر چند انکار کیا لیکن ان کا اصرار بڑھتا گیا۔ بالآخر حافظ صاحب واسطہ بنے اور کہا کہ آج چونکہ یہاں میرے قیام کا آخری دن ہے لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ آپ کی تقریر کی یادگار اپنے دل میں لے جاؤں مجھ کو بھی چونکہ موصوف سے کافی انسیت ہوگئی تھی۔ لہٰذا ان کی بات رد نہیں کر سکا اور فرمائش کی تعمیل کرتے ہوئے منبر پر گیا۔ ظہر کے قریب اپنا بیان ختم کیا۔ پھر نماز جماعت کے بعد سربرآوردہ شیعہ و سُنّی مخصوصین اور مذہب شیعہ قبول کرنے والے حضرات کا متفقہ طور پر فوٹو لیا گیا۔

(یہ فوٹو اصل کتاب میں موجود ہے۔ ۱۲ مترجم)

اس کے بعد ان چھ عدد جدید شیعوں کے اعزاز میں کھانے کی ایک عام دعوت دی گئی۔

اب اپنی تقریر کے متن کو بھی جسے اخبارات و رسائل کے نامہ نگاروں نے نوٹ کر کے شائع کرایا تھا۔ اصل کتاب میں شامل کرتا ہوں کیونکہ یہ فائدے سے خالی نہیں تھا، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ ہمارے دس راتوں کے مناظرے اور بیانات کا تکملہ اور تتمہ بھی ہے۔
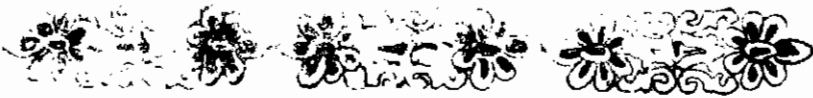
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغازِ بیان

(سلطان الواعظین مدظلہ نے ایک فصیح وبلیغ خطبے کے بعد فرمایا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔
قال اللہ الحکیم فی کتابہ الکریم یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و
اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیئٍ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون
باللہ والیوم الاخر ذالک خیر واحسن تاویلا (یعنی خدائے تعالےٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے
کہ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول اور صاحبان امر کی اطاعت کرو۔ پس اگر تم آپس میں کسی
چیز میں نزاع کرو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف پلٹاؤ اگر تم اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ طریقۂ
کار تمہارے لئے بہت عمدہ اور نتیجے کے لحاظ سے بہترین ہے)

مجازی وحقیقی آزادی

ایک اہم موضوع جو مدّتوں سے عمومیت کے ساتھ زیر بحث چلا آرہا ہے اور ہر قوم وفرقہ اپنی مطلب برآری
کے لئے اس کا سہارا لیتا ہے وہ حریت اور آزادی کا موضوع ہے اور جو بالآخر کج فہم وکوتاہ نظر لوگوں کی ایک جماعت
کا آلۂ کار بن گیا ہے۔ چنانچہ اسی حریت وآزادی کو بنیاد قرار دے کر وہ انبیائے کرام کے الٰہی احکام سے باغی ہو
کر دین وشریعت کے دائرے سے خارج ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اتنا ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ پروردگار عالم کی بندگی اسکے
شرایع حقہ کے قیود اور مقدس قوانین سے آزادی علم وعقل سے پوری مخالفت رکھتی ہے اور ایسی حریت وآزادی
نوع بشر کے سکون وآسائش میں مخل وتباہی اور فتنہ وفساد کا باعث، نظام فطرت کی مخالفت اور محققین علماء وصاحبان
عقل کے نزدیک مردود وناقابل عمل ہے۔ البتہ جو حریت وآزادی بہتر اور ممدوح ہے اس سے مراد ہے مخلوق کی
عبودیت، ابنا بشر کی تعظیم وپرستش اور اپنے ہی جیسے ہم جنسوں کی اندھی تقلید سے آزادی۔ ایسی آزادی انسانیت
کا لازمی جز ہے، کیونکہ ایک سنجیدہ فہمیدہ انسان جو زیور عقل سے آراستہ اور علم ومعرفت کا حامل ہو اس کا فرض
ہے کہ اپنے جیسے افراد بشر کی بندگی اور غلامی سے الگ رہے اور کسی ایسے شخص کی کورکورانہ پیروی نہ کرے

جو اس کو وادیٔ حیرت و ضلالت میں سرگردان بنا دے۔ البتہ انسان اشرف المخلوقات کو ایسی ہستی کے سامنے سر اطاعت خم کرنا چاہئے جو اس کی لیاقت و قابلیت رکھتی ہو اور اس پر عقلی و نقلی دلائل قائم ہوں۔

بدیہی چیز ہے کہ ستائش و بندگی صرف خدائے عزّوجل کی ذات لازوال کے لئے مخصوص ہے جو ہمارا آپ کا اور ساری کائنات کا خالق ہے، اور عقلی دلیلوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ مخلوق عاجز کو اس خالق قادر کے سامنے خاضع و خاشع اور ہمہ تن مطیع و فرمانبردار رہنا چاہیئے جس نے ہر چیز اسی کے لئے پیدا کی ہے اور مخلوقات میں سے کسی کی اطاعت انسان کے لئے جائز نہیں ہے سوا اس شخص کے جس کی اطاعت کا خدائے تعالیٰ نے حکم دیا ہو۔ اور اشخاص کی اطاعت و فرمانبرداری میں ہماری سند محکم قرآن مجید ہے۔ جب ہم قرآن مجید اور اس مضبوط آسمانی سند کی طرف رجوع کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ متعدد آیات میں ہم کو اطاعت کی مکمل ہدایت دی گئی ہے کہ عقلی قواعد کے رو سے ہم کن اشخاص کی اطاعت و پیروی کریں اور کن افراد کے سامنے سر تعظیم خم کریں۔

خدا اور رسولؐ اور اولی الامر کی اطاعت واجب ہے

من جملہ ان کے اسی آیہ شریفہ میں جس کو میں نے عنوان کلام قرار دیا ہے۔ صاف طور سے ارشاد ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم۔ یعنی اطاعت کرو خدا کی اور اطاعت کرو پیغمبرؐ اور صاحبان امر کی۔ پس بحکم آیت اللہ کی اطاعت کے بعد نوع بشر میں پیغمبرؐ اور صاحبان امر کی اطاعت واجب ہے۔

پیغمبر خاتم النبیین کے احکام کی اطاعت میں تو تمام مسلمان بالعموم متفق ہیں اور کسی کو اس حقیقت سے انکار نہیں ہے البتہ اہل اسلام کے اندر جو اختلاف پیدا کیا گیا وہ صرف اولی الامر کے معنی میں ہے، کیونکہ خدائے تعالےٰ نے اس آیت میں اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کے بعد اولی الامر کی اطاعت واجب قرار دی ہے۔

اولی الامر کے معنی میں اہلِ سُنّت کا عقیدہ

برادران عامہ اور اہل تسنن کا عقیدہ یہ ہے کہ آیت میں اولی الامر سے امراءُ حکام اور افسران لشکر مراد ہیں۔ لہذا سلاطین اور صاحبانِ حکومت (ظاہری) اس کے ماتحت آتے ہیں۔

چنانچہ حضرات اہلِ تسنن بادشاہوں کے احکام کی اطاعت اپنے اوپر واجب سمجھتے ہیں (چاہے وہ علانیہ فسق و فجور اور ظلم و جور کے مرتکب ہی کیوں نہ ہوں) اس دلیل سے کہ یہ لوگ آیۂ اولی الامر میں داخل ہیں بعد ان

کی اطاعت فرض ہے ۔

حالانکہ ایسا عقیدہ عقلی و نقلی دلیلوں سے باطل ہے ۔ تنگیٔ وقت کی وجہ سے یہ مختصر محفل اس کی مقتضی نہیں ہے کہ اس عقیدہ کے بطلان پر سارے دلائل عرض کروں، اس لئے کہ تفصیل پیش کرنے کے لئے کم سے کم ایک مہینے کا موقع درکار ہے پھر بھی بمصداق مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ (یعنی جو سب کا سب حاصل نہ ہو سکے وہ سب کا سب ترک بھی نہیں کیا جاتا) ؎

آب دریا را اگر نتواں کشید ۔۔۔ لیک بہر تشنگی باید چشید

وضاحت مطلب اور اثبات مقصد کے لئے آپ حضرات کی اجازت سے اس موضوع پر مختصر بحث پیش کر رہا ہوں تاکہ اہل انصاف عادلانہ فیصلہ کر سکیں اور حقیقت منکشف ہو سکے ۔

صاحبانِ امر کی تین قسمیں

ظاہر ہے کہ اہل عالم پر حکمرانی کرنے والے امراء و سلاطین تین حال سے خالی نہیں ہیں، یا اجماع سے مقرّر ہوئے ہیں، یا طاقت و قدرت سے غالب ہوئے ہیں یا خدا کی طرف سے منسوب ہیں ۔

چنانچہ پہلا طریقہ یعنی یہ کہ اگر مسلمان کسی ایک شخص پر اجماع کر لیں اور اس کو منصب امارت پر مقرر کر دیں، تو اس کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت کے مانند واجب ہے، اپنے ثبوت میں کوئی عقلی دلیل نہیں رکھتا جس سے تمام مسلمان کسی ایک کامل اور پاکباز ہستی پر اتفاق کر کے اس کو مسند امارت پر بٹھا سکیں، کیونکہ مسلمان چاہے جس قدر عالی دماغ اور ہوشمند ہوں وہ فقط ظاہری حالات کا جائزہ لے سکتے ہیں اور لوگوں کے باطنی کیفیات اور دلی عقائد سے باخبر نہیں ہو سکتے ۔

جناب موسیٰؑ کے چُنے ہوئے بنی اسرائیل نا اہل ٹھہرے

مسلمان چاہے جس قدر عاقل و دانا ہوں اصول اور قاعدے کی بنا پر امر انتخاب میں حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وآلہ وعلیہ السلام سے جو انبیائے اولوالعزم میں سے تھے قطعاً زیادہ واقف کار نہیں ہو سکتے اور ان سب کی عقلیں خدا کے بھیجے ہوئے رسول کی عقل سے بالاتر نہیں ہو سکتیں ۔ حضرت موسیٰ نے بنی اسرائیل [illegible] ہزاروں عقلا اور دانشمندوں میں سے ظاہری حالات کی بنا پر ستر افراد منتخب فرمائے (چونکہ انبیا صرف ظاہری چیزوں پر

مامور تھے اور اشخاص کے باطنی امور کے پابند نہیں تھے لہذا ان کی ظاہری خوبیوں کو معتبر قرار دیتے تھے) اور ان کو طور سینا پر ساتھ لے گئے لیکن امتحان کے موقع پر سب کے سب ناکارہ ثابت ہوئے اور ہلاک ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ ان کا دلی عقیدہ پہلے ہی سے درست اور مضبوط نہیں تھا، یہاں تک کہ امتحان کے موقع پر جب پردہ اُٹھا تو جو کچھ اندرونی کیفیت تھی وہ ظاہر ہو گئی۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیت ۱۵۴ سورہ ۷ (اعراف) میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

اِنسان صالح و کامل امیر کے انتخاب پر قادر نہیں

پس جب کلیم اللہ پیغمبرؑ کے چُنے ہوئے لوگ اندر سے فاسد اور کافر نکلیں اور صاعقے کے ذریعے عذاب الہٰی میں گرفتار ہوں تو ظاہر ہے کہ دوسرے افراد بشر بدرجۂ اولیٰ صالح و کامل فرماں رواؤں کے انتخاب پر قادر نہیں ہیں اس لئے کہ بہت ممکن ہے ظاہری صلاح و تقوےٰ کی بنا پر منتخب ہونے والے اشخاص حقیقی اور باطنی طور پر کافر یا فاسق ہوں جن کے دکھانے کے دانت اور ہوں کھانے کے اور چنانچہ جب سلطنت و امارت کی مسند پر بیٹھ جائیں، تو ریاکاری کا لبادہ اتار پھینکیں اور اپنے ضمیر کو بروئے کار لاتے ہوئے دھیرے دھیرے اپنے ناجائز مقاصد کی تکمیل شروع کر دیں۔ جیسا کہ بہت سے امراء و سلاطین میں (حتّٰی کہ قومی اسمبلی کے نمائندوں میں بھی) ایسا دیکھا گیا ہے اور اس طرح کے امیر و بادشاہ کی اطاعت قطعاً دین کو مضمحل، حقوق انسانی کو ضائع اور آثار اسلام کو برباد کر دے گی۔

سلاطین و امراء اولی الامر نہیں ہوتے

ہرگز عقل قبول نہیں کرتی کہ خدائے تعالیٰ فاسق و فاجر اور ظالم سلاطین و صاحبان امر کی اطاعت کو اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت میں شامل کرے، پس اس عقیدے کا باطل ہونا ظاہر و آشکار ہے۔ اس کے علاوہ اگر اجماع اُمت کو شرعاً یہ حق حاصل ہے تو ہر زمانے میں اولی الامر کو تمام ملل اسلامی کے حقیقی انتخاب سے معین ہونا چاہیئے یہ نہیں کہ ایک ملّت کو تو موقع دیا جائے اور دوسری نظر انداز ہو جائے یہ شرعی حق مسلمان قوم کے تمام افراد کے لئے ہے چاہے وہ دنیا کے کسی گوشے اور کنارے پر ہوں، وہ ایک مسلمان ہو یا بہت سے اور شہر میں رہتے ہوں یا دیہات میں ان سب کو اس انتخاب میں رائے دینا اور صاحب امر کی تعین میں شرکت کرنا چاہیئے نہ یہ کہ کسی ایک شہر یا مملکت میں چند لوگ رائے دے دیں تو ان کی رائے واجب العمل بن جائے اور باقی تمام صاحبان عقل و تمیز اور سربرآوردہ مسلمان اس کو تسلیم کرنے پر مجبور رہوں۔ اگر کسی جماعت کو کچھ اختلاف ہو تو اس کو

رافضی اور مشرک کہیں اور گردن زدنی سمجھیں۔

چنانچہ جب ہم تیرہ سو سال کی تاریخ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ حضرت خاتم الانبیاءؐ کے بعد کسی زمانہ میں بھی ایسا اجماع واقع نہیں ہوا جس میں دنیا کے تمام مسلمانوں نے یا ان کے حقیقی نمائندوں نے اجتماعی حیثیت سے اپنی رائے دی ہو۔ پس یہ اجماع کا عقیدہ نہ کسی دور میں عملی جامہ پہن سکا ہے اور نہ پہن سکے گا، بالخصوص آج کے زمانے میں جب کہ بلاد مسلمین ٹکڑے ٹکڑے ہو چکے ہیں۔ متعدد اسلامی ممالک ہیں اور ہر ایک کا اپنا بادشاہ اور حکمران الگ ہے۔

اگر یہ طے کیا جائے کہ ہر ملک کے باشندے اپنے لئے ایک مستقل بادشاہ اور صاحب امر کا انتخاب کریں، تو قطع نظر اس سے کہ ہر زمانے میں متعدد اولی الامر ہو جائیں گے اور کوئی مملکت دوسرے ملک کے بادشاہ یا صاحب امر کی فرمانبرداری نہیں کرے گی، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے اور آپس میں جنگ کے شعلے بھڑک اٹھیں (جیسا کہ تاریخ اسلام میں بارہا ایسے واقعات ہوئے ہیں) اس وقت مسلمانوں پر کیا ذمہ داری ہو گی؟ کیونکہ مسلمانوں کے دونوں گروہ اپنے اپنے صاحب امر کی اطاعت میں مجبور رہیں گے کہ ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو جائیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کو قتل کریں تو کیا یہ دونوں مسلمان فریق برادرکشی میں ماجور و حق بجانب اور قاتل و مقتول دونوں جنتی ہوں گے؟

خدا جانتا ہے کہ اسلام اور شارع مقدس نے قطعاً ایسی کوئی ہدایت نہیں دی ہے اور اسلام جیسا جامع و کامل اور عقلی دین ہرگز ایسا حکم نہیں دیتا جو صاحبان عقل کے نزدیک ناقابل قبول اور ناقابل عمل ہو، نیز اس کی وجہ سے مسلمانوں میں باہمی نزاع اور پھوٹ پیدا ہو۔ پس وہ اولی الامر جن کی اطاعت کے لئے خداوند عالم نے حکم دیا ہے۔ اجماع کے پابند نہیں ہو سکتے، چنانچہ گزشتہ راتوں میں مجلس مناظرہ کے اندر فریقین (شیعہ و سنی) کے علماء اور دانشمندوں کے سامنے عقلی و نقلی حیثیت سے اجماع کا باطل ہونا ثابت کر چکے ہیں اور اخبارات و رسائل کے صفحات پر اس کی اشاعت بھی ہو چکی ہے جو یقیناً ان حضرات کی نگاہوں سے بھی گزری ہو گی جو ان جلسوں میں موجود نہیں [1]

ہر بادشاہ اقتدار کی وجہ سے صاحب امر نہیں ہو جاتا

اور دوسری قسم جو طاقت و اقتدار سے متعلق ہے یعنی جو خونخوار و سفاک اور فاسق و فاجر امیر و سلطان یا خلیفہ قہر و غلبہ، نیزہ و شمشیر، اور حیلہ سازی کے ذریعے لوگوں پر مسلط اور حکومت پر قابض ہو جائے اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔

---

[1] ملاحظہ ہوں اسی کتاب کے صفحات

کوئی عقل سلیم کیونکر اس کی ہم آہنگ ہوسکتی ہے اور اس لایعنی عقیدے کو تسلیم کرسکتی ہے کہ سفاک و بے باک اور فاسق و فاجر امرائو سلاطین یا خلفاء کی اطاعت خدا ورسول کی اطاعت کے مانند واجب ہو۔ اگر حقیقت اسی طرح ہے تو اہل سنّت کے اکابر علماء و مورخین اور ناقدین اپنی کتابوں اور تحریروں میں ظالم و سفاک امراء و خلفاء کی مذمت آخر کس لئے کرتے ہیں؟ جیسے معاویہ یزید پلید، زیاد ابن ابیہ، عبیداللہ، حجاج، ابوسلم اور مسلم وغیرہ کے لئے۔

اگر واقعاً کوئی شخص ہٹ دھرمی کی بناء پر کہنا چاہے کہ اس قسم کے اشخاص جب مسلمانوں پر امیر و حاکم اور سلطان وخلیفہ بن جائیں تو ان کی اطاعت واجب ہے (چنانچہ بعض علمائے عامہ نے کہا بھی ہے) تو ایسی اطاعت قطعاً قرآن مجید کی نص صریح کے خلاف ہوگی، کیونکہ خدائے تعالیٰ نے متعدد آیات میں کافروں، فاسقوں اور ظالموں پر لعنت فرمائی ہے اور مسلمانوں کو ان کی اطاعت سے منع فرمایا ہے۔ پس یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ اس آیہ مبارکہ میں فاسق و فاجر اور ظالم بلکہ کافر صاحبان امر کی اطاعت کا حکم دے۔ بدیہی چیز ہے کہ پروردگار عالم کی پاک و منزہ ذات سے دو متضاد باتوں کو نسبت دینا انتہائی بری حرکت ہے درانحالیکہ امام فخرالدین رازی جو اکابر علمائے عامہ میں سے ہیں اس آیۂ شریفہ کی تفسیر میں صاف صاف کہتے ہیں کہ اولی الامر کو قطعاً گناہ سے معصوم ہونا چاہیئے ورنہ خداوند عالم ان کی اطاعت کو اپنی اور اپنے پیغمبرؐ کی اطاعت سے ملحق نہ کرتا۔

اولی الامر کو منجانب اللہ منصوب و منصوص ہونا چاہیئے

جب انہیں مختصر دلیلوں سے ان دونوں عقیدوں کا بطلان ثابت ہوگیا کہ اولی الامر کا اجماع یا غلبے اور اقتدار سے معین ہونا ممکن نہیں ہے تو اب تیسری قسم ثابت ہوگئی کہ حتمی طور سے اولی الامر کو خدا کی طرف سے منصوب و منصوص ہونا چاہیئے وھو المطلوب۔

یہی ہے شیعہ امامیہ اثنا عشریہ فرقے کا عقیدہ جو یہ کہتا ہے کہ جب اولی الامر کو پیغمبرؐ کے مانند مہذّب، جملہ صفات رذیلہ اور اخلاق فاسدہ سے پاک اور ظاہری و باطنی حیثیت سے تمام صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے معصوم ہونا ضروری ہے اور جب باطنی حالات کا ذاتی اور مستقل علم بھی سوا خدائے تعالیٰ کے اور کسی کو حاصل نہیں ہے تو لازمہ ہو جاتا ہے کہ اولی الامر کو خدا ہی مقرر فرمائے جو خدا رسول کو تمام مخلوق سے منتخب کرکے رسالت پر مبعوث فرماتا ہے اسی کی ذاتِ اقدس پر اس کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ اولی الامر کا انتخاب کرکے ان کو اُمّت سے روشناس کرائے۔ علاوہ اس قسم کی دلیلوں کے جو الگ سے اِس مقصد کو ثابت کرتی ہیں خود آیت کی ظاہری صراحت حکم دے رہی ہے کہ اولی الامر وہی ہوسکتے ہیں جو سوا ان خصوصیات کے جو دلیل سے مستثنیٰ ہیں یعنی مقام وحی و رسالت کے علاوہ رسول اللہؐ کی جملہ صفتوں کے

حامل ہوں، اور چونکہ تمام انسانی صفات کا عالم سوا ذات پروردگار کے اور کوئی نہیں ہے لہٰذا حق انتخاب بھی اسی کے لئے مخصوص ہے۔

چنانچہ آیۂ شریفہ میں واجب اور ممکن کا فرق بتانے کے لئے دو اطیعوا لائے گئے ہیں۔ فرماتا ہے اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول اطاعت کرو خدا کی اس حیثیت سے کہ اس کو واجب الوجود بالذات جانتے ہو کیونکہ اس کی ہستی جن صفات کی مالک ہے جیسے حیات، علم، حکمت اور قدرت وغیرہ وہ خود اسی کی طرف سے اور عین ذات ہیں اور اطاعت کرو پیغمبرؐ کی اس حیثیت سے کہ ان کو ممکن الوجود عبد صالح اور تمام صفات حمیدہ و اخلاق پسندیدہ کا حامل سمجھتے ہو جو سب کے سب واجب الوجود کی جانب سے ان کو تفویض ہوئے ہیں لیکن جس وقت اولی الامر کے تذکرے پر پہنچا ہے تو پھر کلمۂ اطیعوا نہیں لاتا بلکہ صرف واو عطف کے ساتھ اولی الامر کو پہنچواتا ہے۔ اس واؤ میں نکتہ یہ ہے کہ خداوند عالم روشن ضمیر اور خوش فکر لوگوں کو سمجھانا چاہتا ہے کہ صاحب امر وہی شخص ہے جو ہر اس صفت کا حامل ہو جس کے حامل رسولِ خدا تھے۔ سوا ان چیزوں کے جو بالدلیل مستثنیٰ ہیں جیسے نزول وحی اور عہدہ تبلیغ رسالت وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ جو کچھ رسول اللّٰہ کے پاس تھا وہی سب اولی الامر کے پاس بھی ہونا چاہیئے سوا مرتبۂ نبوت و رسالت کے بس اطاعت اولی الامر اور اطاعت پیغمبرؐ کی ایک بنیاد ہے۔

بس اولی الامر کی شان یہ ہے کہ احکام دین اور قوانین شرع سیدّالمرسلین کے نافذ کرنے والے اور ان کے محافظ ہوں لہٰذا اسی بنا پر جماعت امامیہ کا اعتقاد ہے کہ اولی الامر سے وہ ائمہ اثنا عشر مراد ہیں جو پیغمبر کی نسل اور آں حضرتؐ کی عترت طاہرہ میں سے ہیں یعنی امیرالمومنین علی علیہ السّلام اور آپ کی اولاد میں سے گیارہ بزرگوار اور یہ آیہ مبارکہ دوازدہ امام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی امامت کے اثبات میں مذہب شیعہ اور فرقۂ امامیہ کی بہت بڑی دلیل ہے۔

علاوہ اس کے اور بہت سی آیتیں ایسی ہیں جن سے ہم استدلال کرتے ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی رُخ سے ہمارے مطلب کو ثابت کرتی ہے۔

مثلاً سورہ ۲ (بقرہ) آیت ۱۲۴ قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لاینال عہدی الظالمین (یعنی خدائے تعالےٰ نے (ابراہیم سے) فرمایا میں تم کو تمام انسانوں کا امام قرار دیتا ہوں، ابراہیم نے عرض کیا یہ امامت میری اولاد میں بھی رہے گی؟ فرمایا (ہاں لیکن) جو ظالم ہیں ان کو میرا یہ عہد نہیں پہنچے گا)

سورہ ۳۳ (احزاب) آیت ۶ النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازوجہ امھاتھم واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض فی کتاب اللّٰہ من المومنین والمھاجرین (یعنی پیغمبرؐ مومنین کے لئے اولیٰ اور سزاوار تر ہیں خود ان کے نفوس سے اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور نسبی قرابتدار ایک دوسرے پر فوقیت رکھتے ہیں کتاب خدا میں مومنین و مہاجرین سے)

سورہ ۹ (توبہ) آیت ۱۲۰ یاایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین (یعنی اے ایمان لانے والو اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ ۔

سورہ ۱۳ (رعد) آیت ۸ انما انت منذر ولکل قوم ھاد (یعنی سوا اس کے نہیں ہے کہ تم (عذاب الٰہی سے) ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کے لئے (ہماری طرف سے) ایک ہدایت کرنے والا بھی مقرر ہے)

سورہ ۶ (انعام) آیت ۱۵۴ وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ (یعنی یہ ہے میرا سیدھا راستہ پس اس کی پیروی کرو اور دوسرے راستوں کا اتباع نہ کرو جس سے خدا کی راہ سے بھٹک کر متفرق ہو جاؤ ۔)

سورہ ۷ (اعراف) آیت ۱۸۱ ممن خلقنا امۃ یہدون بالحق وبہ یعدلون (یعنی ہماری مخلوق میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو حق کی ہدایت کرتے ہیں اور اسی کے ساتھ عدل سے کام لیتے ہیں (یعنی پیشوایان دین و آئمہ معصومین علیہم السلام)

سورہ ۳ (آل عمران) آیت ۹۸ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا (یعنی سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو ادھر ادھر متفرق نہ ہو)

سورہ ۱۶ (نحل) آیت ۴۵ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (یعنی اہل ذکر (حاملان قرآن) سے پوچھ لو اگر تم کو نہیں معلوم ہے)

سورہ ۳۳ (احزاب) آیت ۳۳ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطہرکم تطہیرا (یعنی سوا اس کے نہیں ہے کہ اللہ کا یہی ارادہ ہے کہ اے اہل بیت رسالت تم سے ہر رجس گندگی کو دور رکھے اور تم کو ہر عیب سے کما حقہ پاک و پاکیزہ قرار دے ۔)

سورہ ۳ (آل عمران) آیت ۳۰ ان اللہ اصطفیٰ آدم ونوحاً وآل ابراھیم وآل عمران علی العالمین ذریۃ بعضہا من بعض (یعنی درحقیقت اللہ نے آدمؑ، نوحؑ اولاد ابراہیم اور اولاد عمران کو تمام اہل عالم پر برگزیدہ فرمایا ہے، اس نسل کے بعض کو بعض سے)

سورہ ۳۵ (فاطر) آیت ۲۹ ثم اورثنا الکتب الذین اصطفینا من عبادنا (یعنی پھر ہم نے اپنے ان بندوں کو کتاب کا وارث بنایا جن کو ہم نے چن لیا ہے) ۔

سورہ ۲۴ (نور) آیت ۳۵ اللہ نور السموات والارض مثل نورہ کمشکوٰۃ فیہا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانہا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبارکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ یکاد زیتہا یضیٔ ولو لم تمسسہ نار نور علی نور

یهدی اللہ لنورہ من یشاء (یعنی اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے، اس کے نور کی مثال اس قندیل کے مانند ہے جس میں ایک چراغ روشن ہو وہ چراغ ایک شیشے کے اندر ہو اور وہ شیشہ اس طرح چمکتا ہو گویا ایک بہت درخشاں ستارہ ہے ۔ وہ زیتون کے اس مبارک درخت سے روشن ہوتا ہے جو نہ شرقی ہے نہ غربی ۔ اس کا زیت ہر وقت ضو دینے کے لئے تیار ہے بغیر اس کے کہ آگ اس کو مس کرے ، نور بالائے نور ، خدا جس کو چاہتا ہے اپنے نور کی طرف ہدایت فرماتا ہے) اور بہت سی آیتیں ہیں لیکن محفل کا وقت ان سب کو ذکر کرنے کی گنجائش نہیں رکھتا حتیٰ کہ خطیب خوارزمی کے مناقب میں امام احمد بن حنبل نے مسند میں ، حافظ ابو نعیم نے ما نزل من القرآن فی علی میں اور حافظ ابو بکر شیرازی نے نزول القرآن فی امیر المومنین میں روایت کی ہے کہ رسول اکرم صلعم نے فرمایا قرآن کا چوتھائی حصہ ہم اہل بیت کے حق میں نازل ہوا ہے ۔

نیز حافظ ابو نعیم ما نزل من القرآن فی علی میں ، احمد حنبل مسند میں ، واحدی اسباب النزول میں محمد بن طلحہ شافعی مطالب السؤل میں ، ابن عساکر اور محدث شام اپنی اپنی تاریخ میں ، حافظ ابو بکر شیرازی نزول القرآن فی امیر المومنین میں ، محمد بن یوسف گنجی شافعی کفایت الطالب شروع باب ۶۲ میں اور خواجہ بزرگ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودت باب ۴۲ میں طبرانی سے اور وہ ابن عباس (جبرامت) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا نزلت فی علیؑ اکثر من ثلاث مائۃ آیۃ فی مدحہ (یعنی علی علیہ السّلام کی مدح میں تین سو سے زیادہ آیتیں نازل ہوئیں)

بقیناً ان میں سے ہر ایک آیت کے بارے میں کم سے کم کئی کئی گھنٹے تقریر کرنے کی ضرورت ہے ۔ لیکن وقت نہ ہونے کی وجہ سے میں نے فہرست کے طور پر ان میں سے بعض کی تلاوت کر دی ہے تاکہ صاحبان علم و فن اکابر علمائے عامہ کی معتبر کتب مثلاً تفسیر امام فخر الدین رازی ، تفسیر امام ثعلبی ، تفسیر زمخشری ، تفسیر جلال الدین سیوطی ، تفسیر طبری ، تفسیر نیشا پوری ، تفسیر واحدی ، کتاب فرائد السمطین حموینی ، صحیح بخاری ، صحیح مسلم ، سنن ابو داؤد ، جمع بین الصحیحین حمیدی ، مسند امام احمد ابن حنبل ، صواعق ابن حجر ، شرف المصطفیٰ خرگوشی ، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ، حلیۃ الاولیاء حافظ ابو نعیم ، مفاتیح الاسرار شہرستانی ، مناقب خوارزمی ، فصول المہمہ مالکی ، شواہد التنزیل حاکم ابو القاسم ، استیعاب ابن عبد البر ، تفسیر جوہری ، ینابیع المودۃ خواجہ بزرگ حنفی ، مودۃ القربیٰ ہمدانی ، ما نزل من القرآن فی علی اصفہانی ، مطالب السؤل محمد بن طلحہ شافعی ، نہایہ ابن اثیر ، کفایت الطالب گنجی شافعی ، نزول القرآن فی امیر المومنین ابو بکر شیرازی ، اور رشفۃ الصادی سید ابو بکر بن شہاب الدین علوی ، وغیرہ کی طرف رجوع کر کے نگاہ تحقیق سے جائزہ لیں جس سے ان پر حقیقت کا انکشاف ہو سکے ۔

بہتر ہو گا کہ بیان کو زیادہ طول نہ دوں اور اسی آیت کا تذکرہ کروں جس کو عنوان کلام قرار دیا ہے اور سب سے بڑی دلیل بتایا ہے ۔

میں نے عرض کیا تھا کہ شیعہ امامیہ فرقے کا عقیدہ یہ ہے کہ آیۂ مبارکہ میں عقلی و نقلی دلائل و براہین کی روشنی میں اولی الامر سے آئمہ عشر سلام اللہ علیہم اجمعین مراد ہیں ۔

چنانچہ اس مطلب پر عقلی دلیلیں اتنی زیادہ ہیں کہ محفل کا وقت ان سب کو بیان کرنے کے لئے کافی نہیں ہے لیکن قرینہ خود ثابت کر رہا ہے کہ اُن اولی الامر کو یقیناً گناہ و خطا سے معصوم ہونا چاہیئے جن کی اطاعت خدا و رسول کی اطاعت سے وابستہ ہے۔

چنانچہ امام فخرالدین رازی نے بھی اپنی تفسیر میں اس مفہوم کا اقرار کیا ہے کہ اگر کہا جائے اولی الامر معصوم نہیں ہیں تو اجتماع ضدّین لازم آئے گا اور یہ محال ہے۔

دوسرے یہ کہ اولی الامر کو ہر فرد بشر سے اعلم و افضل، اورع و اتقیٰ اور اکمل ہونا چاہیئے تاکہ وہ صفات پیغمبرؐ کے حامل ہیں اور ہر حیثیت سے ان کی اطاعت واجب ٹھہرے۔

یہ صفات ساری امت میں (بتصدیق اکابر علمائے اہلِ سنّت) سوا آئمہ اثنا عشر علیہم السلام کے اور کسی کے لئے بیان نہیں کئے گئے ہیں۔ ان کا درجۂ عصمت اس قدر بلند ہے کہ خدا نے آیت تطہیر میں اس کی شہادت دی ہے۔ اس جلیل القدر خاندان کی عصمت کے بارے میں اکابر علمائے اہل تسنن کی معتبر کتابوں کے اندر کثرت سے حدیثیں مروی ہیں جن میں سے چند خبریں نمونے کے طور پر پیش کر رہا ہوں۔

طرق عامہ سے آئمہ کے لئے اخبارِ عصمت

شیخ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۷۷ ص ۴۴۵ میں اور شیخ الاسلام حموینی نے فرائد السمطین میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انا و علیّ و الحسن والحسین وتسعۃ من ولد الحسین مطہرون معصومون (یعنی میں نے سُنا کہ رسول اللہ صلعم فرماتے تھے میں اور علی اور حسن و حسین اور حسین کی اولاد میں سے نو افراد سب کے سب پاک و پاکیزہ اور معصوم ہیں)

سلیمان فارسی نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلعم نے حسین علیہ السلام کے شانے پر ہاتھ رکھ کے فرمایا الامام ابن الامام تسعۃ من صلبہ ائمۃ ابرار امناء معصومون (یعنی قطعی طور پر یہ امام اور امام کے فرزند ہیں، ان کی نسل سے نو عدد امام، نیکوکار، امین اور معصوم ہوں گے)

زید ابن ثابت سے روایت کی ہے کہ آں حضرت نے فرمایا وانہ لیخرج من صلب الحسین ائمۃ ابرار امناء معصومون قوامون بالقسط (یعنی یقیناً حسینؑ کے صلب سے نیکوکار، امین، معصوم اور عدل و انصاف کو قائم رکھنے والے امام پیدا ہوں گے)

اور عمران ابن حصین سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول خدا صلعم سے سُنا کہ آں حضرتؐ نے

علی علیہ السّلام سے فرمایا انت وارث علمی وانت الامام والخلیفۃ بعدی تعلم الناس مالا یعلمون وانت ابو سبطی و زوج بنتی ومن ذریتکم العترۃ الائمۃ المعصومین (یعنی تم میرے علم کے وارث ہو اور تم امام اور میرے بعد خلیفہ ہو۔ تم لوگوں کو وہ باتیں بتاؤ گے جو وہ نہیں جانتے، تم میرے نواسوں کے باپ اور میری بیٹی کے شوہر ہو، اور تمہاری اولاد میں سے عترت اور معصوم امام ہیں۔)

اس قسم کے اخبار و احادیث اکابر علمائے اہل سنت کے طرق سے بکثرت مروی ہیں جن میں سے اس مختصر وقت میں نمونے کے لئے اسی قدر کافی ہیں۔

ان حضرات کے علم کے بارے میں بھی طرق اہل سنّت سے بکثرت اخبار منقول ہیں، جیسا کہ گذشتہ راتوں کی خصوصی نشستوں میں ہم اس موضوع پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں اور جو یقیناً رسائل و اخبارات میں آپ حضرات کی نظر سے گزری ہوگی، نمونے کے طور پر آج بھی چند حدیثیں نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

عترت و اہل بیتؑ کا عِلم

ابو اسحٰق شیخ الاسلام حموینی فرائد السمطین میں، حافظ ابونعیم اصفہانی حلیۃ الاولیاء میں اور ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا میری عترت میری طینت سے پیدا کی گئی ہے اور خدائے تعالےٰ نے ان افراد کو علم وفہم کرامت فرمایا ہے۔ رائے ہو اس شخص پر جو ان کو جھٹلائے۔

ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ میں اور صاحب کتاب سیر الصحابہ نے حذیفہ ابن اسید سے روایت کی ہے کہ رسول خدا صلعم نے ایک مفصل خطبہ اور حمد و ثنائے الٰہی فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا انی تارکٌ فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی ان تمسکتم بہما فقد نجوتم۔ اور طبرانی اتنے اضافے کے ساتھ نقل کرتے ہیں کہ فرمایا۔ فلا تقدموھما فتھلکوا ولا تقصروا عنھم فتھلکوا ولا تعلموھم فانھم اعلم منکم (یعنی میں تمہارے اندر دو نفیس و بزرگ چیزیں چھوڑتا ہوں، خدا کی کتاب اور میری عترت، اگر تم ان دونوں سے تمسک رکھو گے تو ضرور نجات پاؤ گے۔

پھر فرمایا کہ ان سے پیش قدمی نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے، ان افراد سے تقصیر و کوتاہی نہ کرو ورنہ ہلاک ہو گے اور ان کو سکھانے کی کوشش نہ کرو کیونکہ یقیناً یہ تم سے زیادہ عالم ہیں)

نیز دوسری روایت میں حذیفہ بن اسید سے نقل کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا۔ الائمۃ بعدی من

عترتی عدد نقباء بنی اسرائیل تسعۃ من صلب الحسین اعطاھم اللہ علمی وفھمی فلا تعلموھم فانھما علم منکم اتبعوھم فانھم مع الحق والحق معھم (یعنی میرے بعد میری عترت میں سے امام بنی اسرائیل کے نقیبوں کی تعداد کے مطابق ہوں گے (یعنی بارہ عدد) جن میں سے نو عدد حسین کی نسل سے ہوں گے۔ خدا نے ان سب کو میرا علم و فہم عطا فرمایا ہے۔ بس ان کو تعلیم نہ دو کیونکہ یقیناً وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں ان کی پیروی کرو کیونکہ قطعاً یہ حق کے ساتھ ہیں اور حق ان کے ساتھ ہے

یہ ہے ایک مختصر حصّہ ان دلائل میں سے جن کو اکابر علمائے عامہ و اہل تسنن نے ہمارے آئمہ اثنا عشر علیہم السلام کے علم و عصمت کے ثبوت میں نقل کیا ہے اور جن سے عقلی دلیلوں کو اور بھی قوت پہنچتی ہے۔

اسمائے آئمہ قرآن میں کیوں نہیں آئے

بعض بہانہ ساز اور حیلہ جو اشخاص نے ایک شبہ ایجاد کر کے عوام میں پھیلایا ہے کہ اگر شیعوں کے بارہ امام برحق ہیں تو دین کی سند محکم یعنی قرآن مجید کے اندر ان کے نام کیوں نہیں بتائے گئے ہیں؟ کل شب کی نشست میں بھی برادران عزیز نے مجھ سے یہی سوال کیا لیکن چونکہ وقت کافی گزر چکا تھا لہٰذا میں نے جواب آج کے اوپر اٹھا رکھا۔ اب جب کہ آپ حضرات کے اصرار سے منبر پر آگیا ہوں اور موقع بھی مناسب ہے تو پروردگار کی توفیق و تائید سے یہ اشکال رفع کرتا ہوں۔

پہلی گذارش یہ ہے کہ چند کوتاہ فہم لوگوں کو ایک بہت بڑی غلط فہمی دامن گیر ہے کہ ان کے خیال میں جملہ امور کے جزئیات بھی قرآن مجید میں مذکور ہیں، حالانکہ یہ محکم آسمانی کتاب بہت ہی مجمل و مختصر اور خلاصے کے طور پر نازل ہوئی ہے جس میں صرف کلیات امور کا حوالہ دیا گیا ہے اور جزئیات کو اس کے مفسر و مبین یعنی حضرت رسولؐ خدا کے ذمے چھوڑ دیا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ ۵۹ (حشر) آیت ۷ میں ارشاد ہے۔ وما اتیکم الرسول فخذوہ وما نھیکم عنہ فانتھوا (یعنی رسولؐ اللہ تم کو جس چیز کی ہدایت کریں اس کو اختیار کرو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو)

لہٰذا جب ہم طہارت سے دیات تک اسلام کے احکام و قوانین کا جائزہ لیتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ قرآن مجید میں ان کے کلیات کا ذکر تو موجود ہے لیکن ان کی تشریح و تفصیل پیغمبرؐ نے فرمائی ہے۔

جواب اشکال

اوّلاً جو حضرات اشکال تراشی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آئمہ اثنا عشر کے نام اور تعداد قرآن مجید میں نہیں ہے لہٰذا

ہم ان کو تسلیم نہیں کرتے اور اطاعت نہیں کرتے۔ اُن سے کہنا چاہیئے کہ اگر بات یہی ہو کہ جس چیز کا نام قرآن میں نہ لیا گیا ہو، جس کی صراحت نہ کی گئی ہو اور جس کے جزئیات کا تذکرہ نہ ہو اس کو ترک کر دینا چاہیئے تو آپ حضرات کو خلفائے راشدین اور اموی و عباسی وغیرہ خلفاء کی پیروی بھی چھوڑ دینا چاہیئے، اس لیے کہ قرآن مجید کی کسی آیت میں (سوا علی ابن ابی طالبؑ) کے خلفائے راشدین اور خلفائے اموی و عباسی کی خلافت، طریقۂ اجماع تعیین خلافت میں امت کے اختیار اور ان کے اسماء و تعداد کی طرف کوئی اشارہ بھی نہیں ہے۔ پس آخر کس بنیاد اور کون سے قاعدے کی بنا پر ان کا اتباع کرتے ہوئے ان کے مخالفین کو رافضی، مشرک اور کافر کہا جاتا ہے؟ ان سب سے قطع نظر اگر قاعدہ یہی ہو کہ قرآن مجید میں جس چیز کی وضاحت اور نام موجود نہ ہو اس کو ترک کر دینا ضروری ہے تو آپ حضرات کو تمام احکام و عبادات کا تارک بن جانا چاہیئے کیوں کہ ان میں سے کسی ایک کے تفصیلات و جزئیات کا ذکر قرآن میں نہیں ہے۔

قرآن میں نماز کے رکعات و اجزاء کا تذکرہ نہیں

نمونے کے طور پر ہم اس وقت صرف نماز کا جائزہ لیتے ہیں جو فروع دین میں سب سے مقدم اور باتفاق فریقین رسول اللہ نے اس کے لیے بہت سخت سفارش اور تاکید فرمائی ہے، یہاں تک کہ ارشاد فرمایا۔ الصلوٰۃ عمود الدین ان قبلت قبل ما سواھا وان ردت ردّ ما سواھا (یعنی نماز دین کا ستون اور محافظ ہے، اگر نماز قبول ہو گئی تو باقی اعمال بھی قبول ہو جائیں گے اور اگر یہ رد کر دی گئی تو دیگر اعمال بھی رد کر دئے جائیں گے)

ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں نمازوں کے رکعات کی تعداد اور حمد و سورہ، رکوع و سجود اور ذکر تشہد وغیرہ کے ساتھ ان کی ادائیگی کے طریقے کا قطعاً کوئی ذکر نہیں آیا ہے لہٰذا جب ان کے اجزاء کا تذکرہ قرآن میں نہیں ہے تو نمازوں کو بھی ترک کر دینا چاہیئے۔ حالانکہ بات یہ نہیں ہے، قرآن مجید میں صرف کلمہ صلوٰۃ مجمل طور سے آیا ہے جیسے اقم الصلوٰۃ اقام الصلوٰۃ اور اقیموا الصلوٰۃ۔ لیکن عدد رکعات کی تعیین اور دوسرے ارکان و واجبات اور مستحبات کی تفصیل اس کے شارح یعنی حضرت رسولؐ خدا کے بیان سے معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح سے دین کے دوسرے احکام و قوانین ہیں جن کے کلیات تو قرآن مجید میں مذکور ہیں لیکن ان کے جزئیات و شرائط اور دیگر ہدایات پیغمبرؐ نے بیان فرمائے ہیں۔

پس جس طرح قرآن مجید میں کلمۂ صلوٰۃ مجمل ہے لیکن اس کے معنی کی تشریح، اعداد رکعات کی تعیین اور دیگر اجزاء ... کی توضیح رسول اللہ نے فرمائی ہے اور ہم اس پر عمل کرنے کے پابند ہیں، اسی طرح خاتم الانبیاء کے بعد امامت و خلافت کا بیان بھی قرآن مجید میں مختصر ہے اور ارشاد ہوا ہے و اولی الامر منکم، یعنی اطاعت خدا و رسولؐ کے بعد صاحبانِ امر کی

اطاعت کرو۔

بدیہی چیز ہے کہ مسلمان مفسرین چاہے شیعہ ہوں یا سنی اولی الامر کی تفسیر اپنی جانب سے نہیں کر سکتے، جیسے کہ لفظ صلوٰۃ کا مطلب اپنی رائے اور خواہش سے بیان نہیں کر سکتے کیونکہ فریقین کے یہاں معتبر حدیث ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا۔ من فسر القرآن برأیہ فمقعدہ فی النار (یعنی جو شخص اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرے تو اس کا ٹھکانہ جہنم کے اندر ہے) لہٰذا مجبوراً ہر صاحب عقل مسلمان کو مبین قرآن یعنی حضرت رسول خدا صلعم کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کہ آیا آں حضرتؐ سے اولی الامر کے معنی میں کوئی حدیث مروی ہے یا نہیں اور آں حضرتؐ سے اس بارے میں کوئی سوال ہوا ہے یا نہیں؟ اگر سوال کیا گیا ہے اور پیغمبرؐ نے کوئی جواب دیا ہے تو ساری امت پر واجب ہے کہ عادت اور تعصب کو چھوڑ کر آں حضرتؐ کے بیان اور ارشاد کی اطاعت و پیروی کرے۔ میں ایک عرصۂ دراز سے فریقین (شیعہ و سنی) کی تمام تفاسیر اور کتب اخبار کا مطالعہ کر رہا ہوں لیکن آج تک مجھ کو کوئی حدیث ایسی نہیں ملی جس میں رسول اللہؐ نے فرمایا ہو کہ اولی الامر سے امراء و سلاطین مراد ہیں۔ البتہ فریقین کی کتابوں میں اس کے برعکس کافی روایتیں موجود ہیں جن میں نقل کیا گیا ہے کہ رسولؐ خدا سے اولی الامر کے معنی دریافت کئے گئے تو آں حضرتؐ نے بہت واضح جوابات دئے اور فرمایا کہ اولی الامر سے مراد علی اور ان کے گیارہ فرزند ہیں۔ میں اس وقت محفل کی گنجائش دیکھتے ہوئے نمونے کے طور پر چند حدیثیں پیش کر رہا ہوں اور آپ کو متوجہ کرتا ہوں کہ اکابر علمائے شیعہ کے طرق سے جو متواتر احادیث و عترت طاہرہ اور اصحاب خاص کے واسطوں سے منقول ہیں ان سے ہرگز استدلال نہیں کروں گا۔ بلکہ مشتے نمونہ از خروارے صرف انہیں بکثرت حدیثوں میں سے چند کے ذکر پر اکتفا کروں گا جو حضرات اہل سنت والجماعت کے طریقوں سے مروی ہیں اور فیصلہ صاحبان علم و عقل اور اہل انصاف کے ضمیر صاف اور قلب روشن کے اوپر چھوڑ دوں گا۔

اولی الامر سے علیؑ اور آئمہ اہل بیت مراد ہیں

(۱) ابو اسحٰق شیخ الاسلام حموینی ابراہیم بن محمد فرائد السمطین میں کہتے ہیں کہ جو کچھ رسول اللہ سے ہم کو پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ آیہ شریفہ میں اولی الامر سے علی ابن ابی طالب اور اہل بیت رسولؐ مراد ہیں۔

(۲) عیسیٰ بن یوسف ہمدانی ابوالحسن اور سلیم بن قیس سے اور وہ امیرالمومنین علی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلعم نے فرمایا میرے شریک وہ لوگ ہیں جن کی اطاعت کو خدائے تعالیٰ نے اپنی اطاعت سے ملحق قرار دیا ہے اور ان کے حق میں اولی الامر منکم نازل فرمایا ہے تم کو چاہئے کہ ان کے کلام سے باہر نہ جاؤ، ان کے فرمانبردار رہو اور ان کے احکام و اوامر کی اطاعت کرو۔ جب میں نے یہ ارشاد سنا تو عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ مجھ کو خبر دیجئے

دی گئی ہیں؟ فرمایا یا علی انت ولیھم (یعنی اے علی تم ان سے پہلے ہو۔ مترجم)

(۳) محمد بن موسیٰ شیرازی جو اجلّہ علمائے اہل سنت میں سے تھے رسالۂ اعتقادات میں روایت کرتے ہیں کہ جس وقت رسول خدا نے امیر المومنین علی علیہ السلام کو مدینے میں اپنا خلیفہ بنایا تو آیۂ شریفہ وادلی الامومنکم علی ابن ابی طالبؑ کی شان میں نازل ہوئی۔

(۴) خواجہ بزرگ شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودت کے باب ۳ میں جس کو اسی آیت کے ساتھ مخصوص کیا ہے مناقب سے نقل کرتے ہیں کہ تفسیر مجاہد میں ہے۔ ان ھٰذہ الاٰیۃ نزلت فی امیرالمومنین علی علیہ السلام حین خلفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بالمدینۃ۔ یعنی یہ آیت امیرالمومنین علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی جس وقت پیغمبرؐ نے ان کو مدینے میں اپنا خلیفہ قرار دیا۔ آپ نے عرض کیا یارسولؐ اللہ آپ مجھ کو عورتوں اور بچوں پر خلیفہ بنا رہے ہیں؟ آں حضرتؐ نے فرمایا اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھٰرون من موسیٰ آیا تم راضی نہیں ہو اس پر کہ تمہاری مجھ سے وہی منزلت ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی؟ یعنی جس طرح ہارون کو خدا نے موسیٰ کا خلیفہ قرار دیا تھا اسی طرح تم کو میرا خلیفہ قرار دیا۔

(۵) اور شیخ الاسلام حموینی سے خود انہیں کی سند کے ساتھ سلیم بن قیس ہلالی سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا خلافت عثمان کے زمانے میں میں نے دیکھا کہ مہاجرین و انصار میں سے کچھ لوگ بیٹھے ہوئے اپنے اپنے فضائل بیان کر رہے ہیں اور علیؑ ان کے درمیان خاموش بیٹھے ہیں لوگوں نے عرض کیا یا علیؑ آپ بھی کچھ فرمایئے۔ آپ نے فرمایا آیا تم نہیں جانتے ہو کہ پیغمبرؐ نے فرمایا ہے اور میرے اہل بیت سب ایک نور تھے جو خلقت آدم سے چودہ ہزار سال قبل قدرت خداوندی کے درمیان سعی کرتا تھا، پس جب آدم کو خلق فرمایا تو اس نور کو ان کے صلب میں قرار دیا، یہاں تک کہ وہ زمین پر آئے۔ پھر نوح کی پشت میں رکھا کشتی کے اندر اور ابراہیم کے صلب میں آگ کے درمیان، اسی طرح باپوں اور ماؤں کے پاک اصلاب اور پاکیزہ رحموں میں ودیعت کرتا رہا جن میں سے کسی کی خلقت حرام سے نہیں تھی؟ سابقین بدر واحد نے کہا، ہاں ہم نے رسول اللہ سے یہ جملے سنے ہیں۔ فرمایا تم کو خدا کی قسم کیا تم جانتے ہو کہ خدا نے قرآن مجید میں سابق کو مسبوق پر فضیلت دی ہے اور اسلام میں کسی نے مجھ پر سبقت نہیں کی ہے؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ فرمایا میں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں آیا تم جانتے ہو کہ جس وقت آیۂ شریفہ والسابقون السابقون اولٰئک المقربون (یعنی جن لوگوں نے ایمان میں پیشقدمی کی حقیقتاً وہی مقربین بارگاہ ہیں۔ سورہ ۵۶ (واقعہ) آیت ۱۰) نازل ہوئی تو لوگوں نے رسولؐ اللہ سے دریافت کیا کہ سابقین کون ہیں اور یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ آں حضرتؐ نے فرمایا انزلھا اللہ عزوجل فی الانبیاء واوصیائھم فانا افضل الانبیاء ورسلہ وعلی وصی افضل الاوصیاء خدائے عزوجل نے یہ آیت انبیاء اور ان کے اوصیاء کے حق میں نازل فرمائی ہے، پس میں تمام انبیاء و مرسلین سے بہتر ہوں اور علیؑ میرے وصی

تمام اوصیاء سے بہتر ہیں! اس کے بعد فرمایا تم کو خدا کی قسم آیا جانتے ہو کہ جس وقت آیت اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور صاحبان امر کی جو تم میں سے ہیں' سورہ ۴ (نساء) آیت ۶۲) اور آیت انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین آمنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون (یعنی سوا اس کے نہیں ہے کہ تمہارے امور میں اولیٰ بہ تصرف اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور وہ مومنین ہیں جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔ سورہ ۵ (مائدہ) آیت ۶۰) (مفسرین خاصہ وعامہ کا اتفاق ہے کہ رکوع میں زکوٰۃ دینے والے علی علیہ السلام تھے۔

اور آیت ولم یتخذوا من دون اللہ ولا رسولہ ولا المومنین ولیجۃ (یعنی انہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مومنین کے علاوہ کسی کو اپنا ہمراز دوست نہیں بنایا۔ سورہ ۹ (توبہ) آیت ۱۶) نازل ہوئی تو خدائے تعالیٰ نے اپنے پیغمبرؐ کو حکم دیا کہ اولی الامر کو پہنچوا دیں اور سب کے سب سامنے اسی طرح ولی کی تفسیر کر دیں جس طرح نماز وزکوٰۃ اور حج کی تفسیر کی ہے۔ پس آں حضرتؐ نے مجھ کو غدیر خم میں لوگوں پر نصب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ایہا الناس درحقیقت جب خداوند عالم نے مجھ کو رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا تو میں دل تنگ ہوا اور خیال کیا کہ لوگ مجھ کو جھٹلائیں گے۔ پھر فرمایا اتعلمون ان اللہ عزوجل مولای وانا اولی بہم من انفسھم۔ آیا تم جانتے ہو کہ خدائے عزوجل میرا مولا اور میں مومنین کا مولا ہوں اور ان پر ان کی جانوں سے زیادہ اولیٰ بتصرف ہوں، سب نے عرض کیا، ہاں یا رسول اللہؐ پس آں حضرتؐ نے میرا ہاتھ تھام کے فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ (یعنی جس کا میں مولا ہوں پس علی بھی اس کے مولا ہیں۔ خداوندا دوست رکھ اس کو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اس کو جو علیؑ کو دشمن رکھے (یہ روایت بھی ان اخبار کی مؤید ہے جن کو میں گذشتہ راتوں کے خصوصی جلسوں میں پیش کر چکا ہوں کہ لفظ اولی کے معنی اولیٰ بتصرف کے ہیں) سلمان نے اٹھ کر عرض کیا یا رسول اللہ علیؑ کی ولایت کیسی ہے؟ فرمایا ولایۃ علی کولائی من کنت اولی بہ من نفسہ فعلی اولی بہ من نفسہ۔ یعنی علی کی ولایت مثل میری ولایت کے ہے۔ جس شخص پر میں اس کے نفس سے اولیٰ بتصرف ہوں پس علیؑ بھی اس پر اس کے نفس سے اولیٰ بہ تصرف ہیں۔ پھر آیت ولایت الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (یعنی آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تمہارے اوپر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام سے راضی ہوا) پس پیغمبرؐ نے فرمایا اللہ اکبر با کمال الدین واتمام النعمۃ ورضاء ربی برسالتی وولایۃ علی بعدی (یعنی بزرگ ہے خدا جس نے دین کو کامل اور نعمت کو تمام کیا اور میری رسالت اور میرے بعد علی کی ولایت پر راضی ہوا (یہ روایت بھی ان روایتوں کی تائید کرتی ہے جن کو میں گذشتہ شبوں کی خاص نشستوں میں عرض کر چکا ہوں کہ کلمہ مولیٰ اولیٰ بتصرف کے معنی میں ہے) لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے سامنے اپنے اوصیاء کو بیان فرمائیے! آں حضرتؐ

نے فرمایا علی اخی و وارثی و وصی وولی کل مومن بعدی ثم ابن الحسن ثم الحسین ثم التسعۃ من ولد الحسین القرآن معھم وھم مع القرآن لا یفارقونہ ولا یفارقھم حتی یردوا علی الحوض۔

(یعنی میرے اوصیاء سے مراد علیؑ ہیں جو میرے بھائی میرے وارث میرے وصی اور میرے بعد ہر مومن کے ولی ہیں، پھر میرے فرزند حسنؑ پھر حسینؑ کی اولاد سے نو افراد ہیں قرآن ان کے ساتھ ہے اور یہ قرآن کے ساتھ ہیں نہ یہ قرآن سے جُدا ہوں گے نہ قرآن ان سے جدا ہوگا یہاں تک کہ حوض کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں۔

اس مفصل روایت کے بعد جس کا ایک حصہ میں نے محل کا وقت دیکھتے ہوئے پیش کیا، مناقب سے تین روایتیں اور سلیم بن قیس، عیسیٰ بن المسری اور ابن معاویہ کی سندوں سے نقل کرتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد آئمہ اثنا عشر اور اہل بیت طہارت ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اولی الامر کے معنی واضح کرنے کے لئے یہی مذکورہ بالا چند روایتیں کافی ہوں گی۔ رہی آئمہ طاہرین سلام اللہ علیہم اجمعین کی تعداد اور ان کے اسمائے مقدسہ تو اس سلسلے میں بھی اکابر علمائے اہل تسنن کے طرق سے مروی چند احادیث کو ثبوت میں پیش کرتا ہوں اور ان کثیر و متواتر اخبار و احادیث سے قطع نظر کرتا ہوں جو صرف عترت رسول اور اہل بیت طہارت کے طریق سے منقول ہیں۔

آئمہ اثنا عشر کے اسماء اور تعداد

شیخ سلیمان بلخی حنفی ینابیع المودت باب ۷۶ میں فرائد السمطین شیخ الاسلام حموینی سے، وہ مجاہد سے اور وہ ابن عباس سے نقل کرتے ہیں کہ ایک یہودی جس کا نام نعثل تھا، رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور توحید کے بارے میں چند مسائل دریافت کئے، آں حضرتؐ نے ان کے جوابات دئے (جن کو تنگئی وقت کی وجہ سے نظر انداز کرتا ہوں) تو نعثل اسلام سے مشرف ہوا، اس کے بعد اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ ہر پیغمبر کا ایک وصی تھا اور ہمارے پیغمبر موسیٰ بن عمران نے یوشع بن نون کے لئے وصیت کی تھی لہذا ہم کو خبر دیجئے کہ آپ کا وصی کون ہے؟ آں حضرتؐ نے فرمایا ان وصی علی بن ابی طالب وبعدہ سبطای الحسن والحسین تتلوہ تسعۃ ائمۃ من صلب الحسین (یعنی میرے وصی علی ابن ابی طالب ہیں ان کے بعد میرے دونوں نواسے حسنؑ اور حسینؑ ہیں اور ان کے بعد نو امام حسینؑ کی نسل سے ہوں گے۔

نعثل نے عرض کیا، میری التجا ہے کہ ان کے اسمائے مبارکہ مجھ سے بیان فرمایئے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا۔ اذا مضی الحسین فابنہ علیّ فاذا مضی علی فابنہ محمد فابنہ جعفر فاذا مضی جعفر فابنہ موسیٰ فاذا مضی موسیٰ فابنہ علی فاذا مضی علیّ فابنہ محمد فاذا مضی محمد فابنہ علیّ فاذا مضی علیّ فابنہ الحسن فاذا مضی الحسن فابنہ الحجّۃ محمد المھدی فھؤلاء اثنا عشر (یعنی حسینؑ کے بعد ان کے فرزند علی، علی کے بعد ان کے فرزند محمد، محمد کے بعد ان کے فرزند جعفر، جعفر کے بعد ان کے فرزند

علی، علی کے بعد ان کے فرزند حسنؑ اور حسنؑ کے بعد ان کے فرزند حجۃ آخر محمد مہدیؑ ہوں گے۔ پس یہ سب بارہ افراد ہوں گے باقی نو اماموں کے نام بتانے اور یہ واضح کرنے کے بعد کہ بارھویں امام یعنی حضرت محمد مہدی علیہ السلام تک ہر امام کی وفات کے بعد اس کا بیٹا اپنے باپ کا جانشین اور امام ہوگا۔ اس روایت میں اور بھی تفصیلات ہیں کہ اس نے ہر ایک کے طریقۂ شہادت کے متعلق سوال کیا اور آں حضرت نے جواب دیا۔ اس وقت نعثل نے کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و انک رسول اللہ و اشھد انھم الاوصیاء بعدک (یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا وحدہٗ لا شریک ہے اور یقیناً آپ خدا کے رسول ہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ حقیقتاً یہ بارہ بزرگوار آپ کے بعد آپ کے اوصیاء ہیں قطعی طور پر جو کچھ آپ نے فرمایا ہے یہی میں نے انبیائے ماسبق کی کتابوں میں دیکھا ہے اور حضرت موسیٰ کے وصیت نامے میں بھی یہ سب موجود ہے۔

آں حضرتؐ نے فرمایا طوبیٰ لمن احبھم واتبعھم وویل لمن ابغضھم وخالفھم یعنی بہشت ہے اس کے لئے جو ان حضرات کو دوست رکھے اور ان کی پیروی کرے۔ اور جہنم ہے اس کے لئے جو ان کو دشمن رکھے اور ان کی مخالفت کرے۔ اس موقع پر نعثل نے کچھ اشعار نظم کر کے پڑھے۔ اس نے کہا ؎

صلی اللہ ذوالعلی علیک یاخیر البشر — انت النبی المصطفیٰ والھاشمی المفتخر

بکم ھدانا ربنا و فیک نرجوا ما امر — ومعشر سمیتھم ائمۃ اثنی عشر

حباھم رب العلی ثم اصطفاھم من کدر — قد فاز من والاھم وخاب من عادی الزھر

آخرھم یسقی الظما وھو الامام المنتظر — وعترتک الاخیار لی والتابعین ما امر

من کان عنھم معرضا فسوف تصلاہ سقر

(یعنی درود اور رحمت نازل کرے آپ پر خدائے تعالیٰ اے بہترین افراد بشر آپ برگزیدہ نبی اور قابل عزت وافتخار ہاشمی ہیں۔ آپ حضرات کے ذریعہ خدا نے ہماری ہدایت کی۔ اور آپ کے اور ان بزرگواروں کے طفیل میں جن کو آپ نے دوازدہ امام بتایا ہے ہم کو احکام الٰہی حاصل ہوتے ہیں۔ خدائے عزوجل نے ان کو اپنے فضل وکرم سے ہر عیب وگندگی سے پاک ومنزہ قرار دیا ہے۔ جس نے ان کی محبت اختیار کی وہ یقیناً کامیاب ہوا اور جس نے ان سے عداوت رکھی وہ گھاٹے میں رہا ان میں آخر جو امام منتظر ہیں۔ تشنگان علم کو سیراب کریں گے اور آپ کی عترت واہل بیت میرے اور تمام پیروی کرنے والوں کے لئے باعث خیر وبرکت ہیں جو شخص ان سے روگردانی کرے گا وہ عنقریب واصل جہنم ہوگا)

نیز خواجہ بزرگ نیا بیع المودت باب ۷۶ میں مناقب خوارزمی سے وہ واثلہ بن اسقع ابن خطاب سے وہ جابر ابن عبداللہ انصاری سے اور ابو الفضل شیبانی سے، وہ محمد بن عبداللہ بن ابراہیم شافعی سے اور وہ اپنی سند کے ساتھ جابر انصاری سے جو رسول اللہ کے اصحاب خاص میں سے تھے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ایک یہودی نے جس کا نام جندل بن جنادہ بن جبیر تھا خدمت رسولؐ میں مشرف ہو کر مسائل توحید دریافت کئے اور شافی جوابات پانے کے بعد کلمۂ شہادتین

زبان پر جاری کر کے مسلمان ہو گیا۔ پھر عرض کیا کہ کل رات میں نے خواب میں موسیٰ بن عمران کی زیارت کی، حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ اسلم علیٰ ید محمد خاتم الانبیاء واستمسک اوصیاء ہ من بعدہ (یعنی محمد خاتم الانبیاؐ کے ہاتھ پر اسلام لا اور ان کے بعد ہونے والے ان کے اوصیاء سے تمسک اختیار کر۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھ کو دین اسلام سے مشرف فرمایا۔ اب یہ فرمایئے کہ آپ کے اوصیاء کون ہیں تاکہ ان سے تمسک اختیار کروں؟ آن حضرتؐ نے فرمایا، میرے اوصیاء بارہ ہیں۔ اس نے عرض کیا بالکل درست ہے میں نے بھی توریت میں اسی طرح پڑھا ہے۔ ممکن ہو تو ان کے نام بھی مجھ سے بیان فرمایئے۔

آں حضرتؐ نے فرمایا اولھم سید الاوصیاء ابو الائمۃ علی ثم ابناہ الحسن والحسینؑ۔ ان میں کے اول سردار اوصیاء اور پدر آئمہ علی ہیں پھر ان کے دونوں بیٹے حسنؑ و حسینؑ ہیں۔ تم ان تینوں ہستیوں سے ملاقات کرو گے، پھر جب زین العابدین پیدا ہوں گے تو وہ تمہاری زندگی کا آخری وقت ہوگا۔ اور دنیا سے تمہارا آخری توشہ دودھ ہوگا۔ بس ان سے تمسک رہنا، کہیں جاہلوں کا جہل تم کو گمراہ نہ کر دے اس نے عرض کیا، میں نے توریت اور کتب انبیاء میں علی اور حسن و حسین کے نام ایلیاؑ اور شبرؑ و شبیرؑ دیکھے ہیں، میری تمنا ہے کہ حسینؑ کے بعد والے اسماء بھی تحریر فرمایئے۔ آں حضرتؐ نے فرمایا۔ اذا انقضت مدۃ الحسین فالامام ابنہ علی یلقب بزین العابدین فبعدہ ابنہ محمد یلقب بالباقر فبعدہ ابنہ جعفر یدعی بالصادق فبعدہ ابنہ موسیٰ یدعی بالکاظم فبعدہ ابنہ علی یدعی بالرضا فبعدہ ابنہ محمد یدعی بالتقی والولیؑ فبعدہ ابنہ علی یدعی بالنقی الہادی فبعدہ ابنہ الحسین یدعی بالعسکری فبعدہ ابنہ محمد یدعی بالمھدی والقائم والحجۃ فیغیب ثم یخرج فاذا خرج یملا الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت جوراً او ظلما۔ امام حسین علیہ السلام کے بعد نو اماموں کے نام اور القاب بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ ان میں کے آخری محمد مہدی قائم و حجۃ غائب ہو جائیں گے، پھر ظاہر ہوں گے اور ظہور کے بعد زمین کو اسی طرح عدل و داد سے بھر دیں گے جس طرح وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہو گی۔

طوبیٰ للصابرین فی غیبتہ طوبیٰ للمتقین علی حجتہم اولئک الذین وصفھم اللہ فی کتابہ وقال ھدی للمتقین الذین یومنون بالغیب ثم قال تعالیٰ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم الغالبون۔ یعنی بہشت ہے ان حضرت کی غیبت میں صبر کرنے والوں کے لئے بہشت ہے ان حضرت کی محبت میں ثابت قدم رہنے والوں کے لئے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی خدائے تعالیٰ نے قرآن مجید میں تعریف کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ قرآن ہدایت ہے ان صاحبان تقویٰ کے لئے جو غیب پر ایمان لاتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ یہی لوگ اللہ کی جماعت والے ہیں آگاہ رہو کہ یقیناً اللہ کی جماعت غالب آئے گی۔

ابو المؤید موفق بن احمد اخطب الخطباء خوارزمی مناقب میں اپنی سند کے ساتھ ابو سلیمان راعی رسولؐ خدا سے نقل کرتے ہیں کہ آں حضرتؐ نے فرمایا خداوند عالم نے شب معراج مجھ کو وحی فرمائی کہ اے محمد میں نے اہل زمین کی طرف نظر کی تو ان کے درمیان سے تم کو منتخب کیا اور اپنے ناموں میں سے ایک تمہارے لئے الگ کر دیا جس جگہ میرا ذکر کیا جائے گا وہاں میرے ساتھ تمہارا بھی ذکر کیا جائے گا، میں محمود ہوں اور تم محمد ہو تمہارے بعد میں نے اہل زمین کے درمیان سے علی کو چنا اور اپنے ناموں میں سے ایک نام ان کے لئے علیحدہ کیا میں اعلیٰ ہوں اور وہ علی ہیں۔ اے محمدؐ میں نے تم کو، علیؑ کو، فاطمہؑ کو، حسنؑ و حسینؑ اور حسینؑ کی اولاد میں سے باقی نو اماموں کو اپنے نور سے پیدا کیا اور تم سب کی ولایت کو آسمانوں اور زمینوں کے سامنے پیش کیا، پس جس شخص نے اس کو قبول کیا وہ مومنین میں سے ہے اور جس نے انکار کیا وہ کافروں میں سے ہے۔ اے محمدؐ کیا تم ان کو دیکھنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا ہاں، تو خطاب ہوا) انظر الی یمین العرش فنظرت فاذا علیؑ والحسن والحسینؑ وعلیؑ بن الحسین ومحمد بن علی وجعفر بن محمد وموسیٰ بن جعفر وعلی بن موسیٰ و محمد بن علی وعلی بن محمد والحسن بن علی ومحمد المھدی ابن الحسن کانہ کوکب دری بینھم۔ یعنی عرش کے داہنی جانب دیکھو، جب میں نے دیکھا تو مجھ کو اپنے بارہ جانشینوں کے انوار نظر آئے (آں حضرتؐ نے نام بنام سب کا ذکر فرمایا، یہاں تک کہ ارشاد فرمایا) اور حسن عسکری کے فرزند محمد مہدیؑ ان کے اندر ایک چمکتے ہوئے ستارے کے مانند تھے اس وقت خداوند عالی نے خطاب فرمایا یا محمد ھٰؤلاء حججی علیٰ عبادی وھم اوصیاء لک یعنی اے محمدؐ یہ سب ہمارے بندوں پر ہماری حجتیں ہیں اور یہی تمہارے اوصیاء ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آئمہ اثنا عشر کے نام اور ان کی تعداد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول نہیں ہے ان کے مقابلے میں وقت کو دیکھتے ہوئے نمونے کے طور پر اکابر علمائے اہل سنّت والجماعت کے معتبر راویوں کی طرف سے یہی روایتیں کافی ہوں گی۔

اور اگر کوئی شخص اس سے زیادہ کا خواہش مند ہو تو کتاب مناقب خوارزمی، ینابیع المودت سلیمان بلخی حنفی، فرائد السمطین حموینی، مناقب محدث فقیہ ابن مغازلی شافعی، مودۃ القربیٰ میر سید علی ہمدانی شافعی، فصول المہمہ مالکی، مطالب السئول محمد بن طلحہ شافعی، تذکرہ سبط ابن جوزی اور دوسرے تمام افاضل واکابر علمائے اہل تسنن کی کتابوں کا مطالعہ کرے۔ جن میں رسول اللہ صلعم کے خلفاء اور بارہ اماموں کے بارے میں برادران اہل سنت کے طرق سے سو روایتوں سے زیادہ مروی ہیں علاوہ اخبار واحادیث شیعہ کے جو بیشمار ہیں۔

پیغمبرؐ کے بعد خلفاء کی تعداد بارہ ہے

میر سید علی شافعی ہمدانی مودۃ القربیٰ مودت دوازدہم میں عمر ابن قیس سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا ہم ایک

احاطے کے اندر جس میں عبداللہ ابن مسعود بھی بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اعرابی آیا اور سوال کیا کہ تم میں عبداللہ کون ہے؟ عبداللہ نے کہا میں ہوں اس نے کہا، اے عبداللہ آیا پیغمبرؐ نے تم کو اپنے خلفاء کی خبر دی ہے؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں پیغمبرؐ نے فرمایا ہے الخلفاء بعدی اثنا عشر عدد نقباء بنی اسرائیل (یعنی میرے بعد میرے خلفاء بارہ ہوں گے جو نقبائے بنی اسرائیل کی تعداد تھی۔ نیز شعبی سے، انہوں نے مسروق سے اور انہوں نے عبداللہ شیبہ سے اسی روایت کو نقل کیا ہے اور جریر سے انہوں نے اشعث سے، انہوں نے عبداللہ ابن مسعود سے، نیز عبداللہ ابن عمر سے، انہوں نے جابر ابن سمرہ سے، اور ان سب نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ آں حضرتؐ نے فرمایا۔ الخلفاء بعدی اثنا عشر بعدد نقباء بنی اسرائیل اور عبدالملک کی روایت میں ہے کہ فرمایا کلھم من بنی ھاشم (یعنی جو بارہ خلیفہ میرے بعد نقبائے بنی اسرائیل کی تعداد کے مطابق ہوں گے وہ سب بنی ہاشم سے ہوں گے، مذکورہ کتابوں کے علاوہ دوسرے بڑے بڑے علمائے اہل سنّت نے بھی اپنی کتابوں میں موقع موقع سے متفرق طور پر اس بارے میں کثرت سے حدیثیں نقل کی ہیں، چنانچہ خواجہ بزرگ سلیمان بلخی حنفی نے ینابیع المودت باب" کو اسی موضوع سے مخصوص کر دیا ہے اور اس سلسلے میں شیخین ترمذی، ابو داؤد، مسلم، سید علی ہمدانی اور شعبی وغیرہ سے کافی حدیثیں نقل کی ہیں، منجملہ ان کے کہتے ہیں یحییٰ بن حسن فقیہ نے کتاب عمدہ میں بیس طریقوں سے نقل کیا ہے کہ ان الخلفاء بعد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ اثنا عشر خلیفۃ کلھم من قریش (یعنی یقیناً رسول خدا صلعم کے بعد بارہ خلیفہ ہوں گے اور وہ سب کے سب قریش سے ہوں گے اور بخاری نے تین سلسلوں سے، مسلم نے نو سلسلوں، ترمذی نے ایک سلسلے سے اور حمیدی نے تین سلسلوں سے نقل کیا کہ رسول اکرم صلعم نے فرمایا، میرے بعد خلیفہ اور امام بارہ ہوں گے جو سب کے سب قریش سے ہوں گے اور ان میں سے بعض روایتوں میں ہے کلھم من بنی ھاشم (یعنی یہ سب بنی ہاشم ہوں گے، یہاں تک کہ ص۴۴۲ میں لکھتے ہیں کہ بعض محققین علماء (یعنی علمائے اہلسنت) نے کہا ہے کہ رسول اللہ کے بعد بارہ خلفاء کی امامت پر دلالت کرنے والی حدیثیں بکثرت طرق کے ساتھ مشہور ہیں جن سے انسان کو پتہ چلتا ہے کہ اپنے خلفاء کی تعداد معین کر کے رسولؐ اللہ نے اپنے اہلبیت اور عترت میں سے بارہ اماموں کو مراد لیا ہے اور ان احادیث کو آنحضرت کے بعد ہونے والے خلفائے صحابہ سے مطابق کرنا ممکن نہیں ہے کیونکہ پیغمبرؐ نے بارہ کا عدد معین فرمایا ہے (اور یہ صرف چار ہی تھے) سلاطین بنی امیہ پر بھی ان کا انطباق نہیں ہوتا اس لئے کہ وہ بارہ نفر سے زیادہ تھے (یعنی تیرہ تھے) علاوہ اس کے وہ سوا عمر ابن عبدالعزیز کے سب کے سب ظالم تھے (عمر ابن عبدالعزیز کا ظلم ثابت کرنے کے لئے بھی اسی قدر کافی ہے کہ اس نے خلافت غصب کی اور امام وقت علیہ السلام کو خانہ نشین بنایا مؤلف) اور وہ بنی ہاشم میں سے بھی نہیں تھے جیسا کہ آں حضرتؐ کا ارشاد ہے کلھم من بنی ھاشم ترجمہ گذر چکا) اور شاہان بنی عباس پر بھی ان کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کی تعداد بھی بارہ سے کہیں زائد تھی (یعنی پینتیس ہوئے ہیں) اور انہوں نے عترت رسول کے حق میں ہدایت خداوندی کی بھی قطعاً کوئی رعایت نہیں کی، جیسا کہ سورہ (شوریٰ) آیت ۲۲ میں ارشاد ہے قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ (یعنی اے رسول اللہ کہدو کہ میں تم سے تبلیغ کا کوئی اجر نہیں چاہتا سوا اس کے کہ میرے قرابت داروں سے محبت کرو اور حدیث کساء بھی ۔

پس لازمی طور پر رسولؐ خدا سے مروی ان تمام اخبار و احادیث کو عترت رسول اور اہل بیت طاہرین میں سے بارہ اماموں پر حمل کرنا ہوگا (جیسا کہ فرقۂ امامیہ اثنا عشریہ کا عقیدہ ہے لانھم کانوا اعلم اھل زمانھم واجلّھم واورعھم واتقاھم واعلاھم نسبًا وافضلھم حسبًا واکرمھم عند اللہ وکان علومھم عن ابائھم متصلو بجدّھم وبالوارثۃ واللدنیۃ کذا عرفھم اھل العلم والتحقیق واھل الکشف والتوفیق - یعنی اس لئے کہ یہ حضرات اپنے اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے زیادہ عالم جلیل القدر، متقی و پرہیزگار، نسب میں بالاتر، فضائل و کمالات میں افضل اور اللہ کے نزدیک بزرگ و برتر تھے، اور ان کے علوم ان کو اپنے آباؤ اجداد سے پہنچے ہیں جن کا سلسلہ ان کے جد (رسول اللہ) سے ملا ہوا ہے - یہ علوم کے وارث بھی ہیں اور عالم علم لدنی بھی ارباب علم و تحقیق اور صاحبان کشف و توفیق نے ان بزرگواروں کی تعریف اسی طریقے سے کی ہے اور اس عقیدے کی تائید کہ اپنے بعد خلفاء کی تعداد معین کرنے سے پیغمبرؐ کی مراد آپ کی عترت و اہل بیت میں سے دوازدہ امام تھے، حدیث ثقلین بھی کر رہی ہے (جو فریقین شیعہ و سنّی کے روایات صحیحہ کے مطابق حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے) جس میں آں حضرتؐ نے فرمایا ہے - انی تارکٌ فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی لن یفترقا حتیّ یردا علی الحوض ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدھا ابداً (یعنی حقیقتاً میں تمہارے درمیان دو نفیس و بزرگ چیزیں چھوڑتا ہوں، خدا کی کتاب اور اپنی عترت یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں اگر تم لوگ ان دونوں سے تمسک رکھوگے تو پھر کبھی قطعاً گمراہ نہ ہوگے)

نیز اور بہت سی حدیثیں جو اس کتاب میں درج کی گئی ہیں اسی مطلب کی مؤید ہیں (ینابیع المودۃ کا حوالہ تمام ہوا ۱۲)

یہ تھا علمائے عامہ و اہل تسنن کے عقائد و نظریات کا مختصر سا اظہار تاکہ لوگ آپ کے سامنے حقیقت کو مشتبہ نہ کریں اور یہ نہ کہیں کہ شیعہ رافضی ہیں اور غلو کرتے ہیں، بلکہ آپ حضرات سمجھ لیجئے کہ علم اور انصاف اگر دونوں مل جائیں تو شیعہ ہو یا سنّی نتیجے میں سب کو یہی پاکیزہ نظریات قائم کرنا پڑیں گے علاوہ ان اخبار کثیرہ کے جو ان حضرات نے آئمہ اثنا عشر سلام اللہ علیہم اجمعین کے منصب امامت کے ثبوت میں نقل کئے ہیں خود ان کے خالص نظریات بھی آپ کی رہنمائی کریں گے جس سے حضرات حاضرین بزم اور اسی طرح ان حضرات کو جو اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں معلوم ہو جائے گا کہ شیعہ قوم قرآن مجید کے حکم اور رسول خدا کے فرمان سے عترت و اہلبیت پیغمبرؐ میں سے آئمہ اثنا عشر کی اطاعت و پیروی کرتی ہے اور ان ذوات مقدسہ کے اسمائے گرامی، بارہ کی تعداد اور ان کے بلند صفات صرف شیعوں ہی کے اخبار و احادیث میں تواتر کے ساتھ منقول نہیں ہیں بلکہ بڑے بڑے علمائے اہل سنّت کی معتبر کتابوں میں بھی مختلف مقامات پر کثرت سے درج کئے گئے ہیں -

جاہلانہ عادت اور تعصّب اختیار حق سے مانع ہے

البتہ ہمارے اور علمائے عامہ کے درمیان فرق یہ ہے کہ وہ حضرات اخبار و احادیث کو نقل کرتے ہیں جو آیتیں اس جلیل القدر خاندان کی شان میں نازل ہوئی ہیں ان کو اور ان کی تفسیر کو درج کرتے ہیں اور ان پر اظہار بھی کرتے ہیں لیکن عادت کے ماتحت

بغیر دلیل وبرہان کے اپنے اسلاف کی پیروی کئے جاتے ہیں۔

اور بعض کو تعصب زبان سے تصدیق نہیں کرنے دیتا۔ لہذا بے محل نہ ہوگا اگر کہا جائے کہ ان کا علمی عروج وارتقاء بالکل بے نتیجہ رہا۔ اور عادت وتعصب کا جذبہ ان کی قوت عاقلہ پر غالب آ گیا بلکہ کبھی کبھی تو رسول خدا صلعم سے منقول حدیثوں کی ایسی بارد تاویلیں کرتے ہیں جو برودت میں برف سے بھی بدرجہا بڑھی ہوئی ہوتی ہیں اور جن کو دیکھ کر صاحبان علم وتحقیق حیرت میں پڑ جاتے ہیں۔

طلب حق میں جاحظ کا بیان

اگر حقیقت اور واقعیت سے تعصب وعناد کا پردہ ہٹا دیا جائے تو علم وعقل اور انصاف کی رہنمائی میں دیانت بے تعصب کے حق واضح اور آشکار نظر آئے گا۔ چنانچہ صاحب کتاب البیان والتبیین ابو عثمان عمرو بن بحر جاحظ بصری معتزلی متوفی ۲۵۵ھ جو اہلسنت کے علمائے محققین اور اعیان متعصبین متقدمین میں سے ہیں انہیں حقائق کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور خواجہ بزرگ حنفی نے ینابیع المودۃ باب ۵۲ میں ان کے بعض کلمات کو درج کیا ہے۔ کہتے ہیں انّ الخصومات نقصت العقول السلیمۃ وافسدت الاخلاق الحسنۃ من المنازعۃ فی فضل اھل البیت علیٰ غیرھم فالواجب علینا طلب الحق واتباعہ وطلب مراد اللہ فی کتابہ وترک التعصب والھویٰ وطرح تقلید السلف والاساتید والاٰباء۔

یعنی درحقیقت اہل بیت کے اوپر دوسروں کو فضیلت دینے میں نزاع کرنے کی وجہ سے خصومتوں نے سلیم عقلوں کو ناقص اور اچھے اخلاق کو فاسد بنا دیا ہے۔ پس ہم پر طلب حق اور اس کا اتباع، قرآن مجید میں خدا کی مراد معلوم کرنا۔ تعصب اور ہوائے نفسانی کو ترک کرنا اور اپنے اسلاف واساتذہ اور آباؤ اجداد کی تقلید سے دور رہنا واجب ہے)۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ باوجودیکہ ایسے نظریات بے اختیار ان کے قلم سے جاری ہوتے رہتے ہیں پھر بھی عادت اور تعصب ان کے علم وعقل پر غالب ہے اور اپنے اسلاف کی پیروی میں حقیقت کے برخلاف راستہ اختیار کر کے ارباب عقل کو حیرت اور تعجب کا موقع دیتے ہیں اپنی عادت اور تعصب وعناد کے زیر اثر نزاع ومخاصمت پر آمادہ رہتے ہیں ہوائے نفسانی کی بنا پر ناحق دوسروں کو اہل بیت طہارت پر مقدم کر کے نصوص قرآنی اور احادیث معتبرہ کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور بغیر کسی مضبوط دلیل وبرہان کے آنکھ بند کر کے اسلاف کے پیچھے دوڑتے رہتے ہیں۔

مثلاً محض جہالت اور تعصب کی بنا پر ابو حنیفہ یا مالک یا دوسرے فقہا اور عالم نما اشخاص کی پیروی تو کرتے ہیں جو صرف قیاس ورائے کے حامل اور علم سے بے بہرہ تھے لیکن فقیہ اہل بیت طہارت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔ حالانکہ خود حضرات اہل تسنن کے اکابر علماء جیسے ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ یہ لوگ رسول اللہ کے نمائندگان خاص یعنی اہل بیت عصمت وطہارت کے خرمن علم ودانش کے خوشہ چین تھے (جیسا کہ اسی کتاب میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے)

شیعوں کا منصفانہ اقرار

لیکن ہم شیعہ چونکہ خدائے قادر و یکتا سے ڈرتے ہیں اور موت و روز قیامت پر یقین رکھتے ہیں لہٰذا جب ہم دلائل و براہین دیکھتے ہیں جن کو اکابر علمائے اہل سنت والجماعت نے بھی اپنی معتبر کتابوں میں درج کیا ہے تو عادت اور جانبداری پر غالب آکے جو کچھ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا ہے اور جو کچھ خدا نے حکم دیا ہے قلب و زبان سے اس کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں نیز اسی کتاب مقدس اور عترت طاہرہ کی پیروی کرتے ہیں جس کو آں حضرتؐ نے ہمارے سپرد کیا ہے اور امید کرتے ہیں کہ اسی ذریعے سے ہم سعادت ابدی پر فائز ہوں گے، کیونکہ رسول اللہ نے ابدی سعادت اور نجات اسی جلیل القدر خاندان کی محبت اور متابعت میں قرار دی ہے چنانچہ حافظ ابن عقدہ احمد بن محمد کوفی ہمدانی جو علمائے عامہ میں سے ہیں اپنے علماء و مشائخ سے اور وہ عبد القیس سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا میں نے بصرہ میں ابو ایوب انصاری سے ایک مفصل حدیث سنی یہانتک کہ انہوں نے کہا، میں نے رسول خدا سے سنا ہے کہ فرمایا، میں نے شب معراج ساق عرش پر نظر کی تو دیکھا لکھا ہوا ہے لا اله الا الله محمد رسول الله ايدته بعلی ونصرته به (یعنی نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ کے، محمد اللہ کے رسول ہیں جن کی تائید و نصرت میں نے علی کے ذریعے کی ہے، اس کے بعد لکھا ہوا تھا الحسن والحسین وعلی وعلی وعلی ومحمد ومحمد وجعفر وموسی والحسن والحجة (یعنی حسنؑ و حسینؑ، تین علی، دو محمدؑ، جعفرؑ، موسیٰؑ، حسنؑ اور حضرت حجتؑ۔ میں نے عرض کیا خداوندا یہ کون ہیں؟ وحی ہوئی یہ تمہارے بعد تمہارے اوصیا ہیں۔ فطوبیٰ لمحبهم والويل لمبغضهم (یعنی بہشت ہے ان کے دوستوں کے لئے اور جہنم ہے ان کے دشمنوں کے لئے۔ (اس موقع پر میں نے نواب صاحب سے مخاطب ہو کے کہا جناب نواب صاحب! آپ کے کل رات والے اشکال کا جواب ہو گیا اور آپ مطمئن ہو گئے یا ابھی اور اضافہ کروں؟)

نواب ہم آپ کے انتہائی ممنون ہیں کہ ہم نے پورا پورا فیض حاصل کیا اور روشن ضمیر لوگوں کے دلوں میں اب کوئی شبہ اور اشکال باقی نہیں ہے۔ خدا آپ کو اور ہم کو جزائے خیر عطا فرمائے سب نے مل کے آمین کہی اور خود میں نے بھی پورے خلوص کے ساتھ آمین کہی کیونکہ میں صرف خدائے تعالیٰ ہی سے اجر اور جزا کی امید رکھتا ہوں کہ محمد و آل محمد سلام اللہ علیہم اجمعین کے طفیل میں ہم پر لطف و عنایت کی نظر فرمائے اور امید ہے کہ جس طرح آج تک ہم کو اپنے بے شمار مراحم و الطاف سے فیض یاب رکھا ہے اسی طرح روز قیامت تک رہے گا)

بقیہ تقریر کا خلاصہ

(اس کے بعد سلطان الواعظین مدظلہم نے مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق کی ضرورت پر زور دیا ہے اور آپس میں لڑائیوں اور شیعوں کے خلاف نفرت و بدگمانی پھیلانے والوں کی ریشہ دوانیوں سے بچنے اور ہوشیار رہنے کی تلقین کی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس اہم اخلاقی تعلیم کو قبول کرنے سے کسی ہوشمند اور سلیم الطبع انسان کو انکار نہیں ہو سکتا لہٰذا بنظر اختصار تفصیل کو نظر انداز کر کے ترجمے کو تمام کرتا ہوں اور بارگاہ مجیب الدعوات

میں دست بدعا ہوں کہ بطفیل محمد و آل محمد علیہم الصلوٰۃ والسّلام میری اس دینی خدمت کو شرف قبولیت عطا فرمائے، مؤلف و ناشر اور خاکسار مترجم کو اجر جزیل عنایت فرمائے اور ہمارے برادران اسلامی کو توفیق کرامت عطا فرمائے کہ اس حقیقت نما کتاب کو ٹھنڈے دل سے پڑھیں اور غور کریں۔ ع این دعا از من واز جملہ جہان آمین باد والسلام علی من اتبع الھدیٰ

ادم الحجاج والزائرین عاصی محمد باقر الباقری الجوراسی عفی عنہ
قصبہ جوراس ضلع بارہ بنکی۔ (یو۔پی)

وہ کتابیں جن سے حوالے دئے گئے

قرآن مجید ——— نہج البلاغہ

تفسیر کبیر مفاتیح الغیب، امام فخر الدین رازی۔ تفسیر کشاف جار اللہ زمخشری۔ تفسیر انوار التنزیل۔ قاضی بیضاوی تفسیر اتقان جلال الدین سیوطی تفسیر در المنثور۔ جلال الدین سیوطی۔ تفسیر نظام الدین نیشاپوری۔ تفسیر رموز الکنوز امام عبدالرزاق الرسعنی تفسیر کبیر محمد بن جریر الطبری۔ تفسیر کشف البیان، امام احمد ثعلبی۔ تفسیر غرائب القرآن، فاضل نیشاپوری تفسیر اسباب النزول، واحدی۔ تفسیر نزول القرآن۔ حافظ ابونعیم اصفہانی، تفسیر شواہد التنزیل، حاکم ابوالقاسم حسکانی تفسیر التبصرہ کواشی۔ تفسیر ما نزل من القرآن فی علی، حافظ ابوبکر شیرازی۔ تفسیر روح المعانی سید شہاب الدین آلوسی۔ تفسیر فتح القدیر، قاضی شوکانی۔ اثبات الوصیۃ علی بن الحسین مسعودی۔ الامامۃ والسیاسۃ، محمد بن مسلم بن قتیبہ اسد الغابہ۔ ابن اثیر جزری۔ استیعاب، حافظ ابن عبدالبر قرطبی احیاء العلوم، امام غزالی، امالی حافظ ابو عبداللہ۔ اربعین۔ سید جمال الدین شیرازی۔ اوسط طبرانی۔ اعتقادات، محمد بن مومن شیرازی۔ اسنی المطالب، محمد حوت بیروتی۔ اسعاف الراغبین محمد علی الصبان المصری، ابطال الباطل قاضی روزبہان شیرازی۔ احیاء المیت بفضائل اہل البیت، جلال الدین سیوطی۔ اربعین طوال، محدث شام۔ اخبار الزمان مسعودی ازالۃ الخفاء۔ جلال الدین سیوطی۔ اوسط مسعودی۔ ارشاد الساری، شہاب الدین قسطلانی، الف باء، ابوالحاج اندلسی، اسنی المطالب، محمد بن محمد جزری۔ اصابہ، ابن حجر عسقلانی۔ احادیث المتواترہ مقبلی، بغیۃ الوعاظ فی طبقات اللغویین، جلال الدین سیوطی۔ بحر الاسانید، حافظ ابو محمد سمرقندی۔ تاریخ المدینہ علامہ سمہودی، تاریخ الخلفاء، جلال الدین سیوطی، تاریخ بغداد، ابوبکر خطیب بغدادی، تاریخ الامم و والملوک، طبری، تاریخ کبیر ابن کثیر دمشقی، تاریخ، ابن خلدون، تاریخ، ابن خلکان۔ تاریخ، یعقوبی۔ تاریخ۔ اعثم کوفی، تاریخ، نگارستان، تاریخ، بلاذری، تاریخ، واقدی، تاریخ، حافظ ابرو۔ تاریخ، روضۃ الصفا، محمد خاوند شاہ۔ تاریخ ابوالفداء۔ تاریخ ابن مردویہ۔ کامل التاریخ۔ ابن اثیر، تلخیص المستدرک، ذہبی۔ تذکرہ الموضوعات، مقدسی۔ تہذیب التہذیب، ابن حجر عسقلانی تہذیب الاسماء واللغات یحییٰ بن شرف النووی۔ تاویل مختلف الحدیث، ابن قتیبہ دینوری توضیح الدلائل علی ترجیح الفضائل، سید شہاب الدین۔ تذکرۃ خواص الامۃ سبط ابن جوزی۔ تذکرۃ الحفاظ، ذہبی، جواہر المضیئۃ فی طبقات الحنفیہ عبدالقادر قریشی۔ جمع بین الصحیحین، حمیدی، جمع بین الصحاح الستۃ، عبدی، جامع الاصول، ابن اثیر جزری۔ جامع الصغیر، وجمع الجوامع سیوطی۔ جواہر العقدین، نور الدین سمہودی۔ حلیۃ الاولیاء، حافظ ابونعیم

اصفہانی۔ حیاۃ الحیوان، دمیری، خصائص العلوی۔ امام نسائی، خصائص العلویۃ ابوالفتح نطنزی۔ خصائص الکبریٰ، سیوطی، خطط، مقریزی
درّ المنظم، ابن طلحہ حلبی۔ دلائل النبوۃ، حافظ ابوبکر بیہقی۔ ذخیرۃ المعاد، عبدالقادر عجیلی، ذخائر العقبیٰ، امام الحرم حلبی۔ رسالۃ الاظہار المتناثرہ
فی الاحادیث المتواترہ، سیوطی، ریاض النضرہ، محب الدین طبری، ریاض المنضرۃ۔ الذہبی۔ روضۃ المناظر فی اخبار الاوائل والاواخر، ربیع الابرار
زمخشری۔ زاد المعاد فی ہدی خیر العباد، ابن القیم۔ الزینۃ، ابوحاتم رازی۔ زین الفتیٰ شرح سورہ ہل اتی، وسنن ودلائل بیہقی، سنن، ابن ماجہ قزوینی۔
سفر السعادات، فیروز آبادی۔ سیرۃ الحلبیۃ، علی بن برہان الدین شافعی، سرّ العالمین، امام غزالی۔ سیرۃ النبویۃ ابو محمد عبدالملک بن ہشام، سبل الہدیٰ
والرشاد، محمد بن یوسف شامی، سراج المنیر، شرح جامع الصغیر و شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید، شرح دیوان، میبذی۔ شرف النبی، خرگوشی
شرح عقاید نسفی۔ ملا سعد تفتازانی۔ شرح التجرید۔ مولوی علی قوشچی۔ شرح صحیح بخاری، کرمانی، شرح صحیح مسلم۔ نووی، شرح الشفاء، قاضی عیاض۔
شرح المقاصد، فاضل تفتازانی۔ شرح المواقف، سید علی شریف جرجانی، شرح الدائرۃ، صلاح الدین۔ شفاء الصدور، ابن سبع مغربی،
شرف المصطفیٰ، حافظ ابوسعید۔ شرف المؤید۔ شیخ یوسف نبہانی بیروتی۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ترمذی، صحیح ابوداؤد۔ صحیح ابن عقدہ،
صواعق محرقہ، ابن حجر مکی۔ طبقات، محمد بن سعد۔ طبقات الکبیر، واقدی، طرق الحکمۃ ابن قیم جوزیہ، طبقات المشائخ، عبدالرحمٰن
سلمی۔ عقد الفرید، ابن عبد ربہ، عروۃ الوثقیٰ۔ علاء الدولہ۔ عمدۃ القاری، بدرالدین حنفی۔ الغدیر۔ حافظ ابو حاتم رازی فصول
المہمہ، ابن صباغ مالکی۔ فرائد السمطین، شیخ الاسلام حموینی، الفصل فی الملل والنحل۔ ابن حزم اندلسی۔ فتح الباری، ابن حجر عسقلانی
فرقۃ الناجیہ، قطیفی۔ فصل الخطاب، خواجہ پارسا، فردوس الاخبار، ابن شیرویہ۔ فیض القدیر، عبدالرؤف المناوی۔ فضائل العترۃ
الطاہرہ، ابوالسعادات۔ فوائد المجموعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، قاضی محمد شوکانی۔ قرۃ العینین۔ جلال الدین سیوطی، قاموس اللغۃ،
فیروز آبادی، کنز الاعمال، محمد بن جریر طبری۔ کنوز الدقائق، مناوی مصری، کنز العمال، مولوی علی متقی ہندی، کنز البراہین۔ خضری۔
کفایت الطالب۔ محمد گنجی شافعی۔ کشف الغیوب، قطب الدین شیرازی۔ کشف الغمہ، قاضی روز بہان۔ کوکب منیر شرح جامع
الصغیر، شمس الدین علقمی، کتاب الامتاع فی احکام السماع، جعفر بن ثعلب شافعی۔ کتاب الدرایہ فی حدیث الولایۃ، ابوسعید سجستانی
کتاب الغرر، ابن خزانہ، کتاب الام، محمد بن ادریس شافعی، کتاب الاسلام فی العم والآباء سید الانام، علامہ سید محمد بن سید
رسول برزنجی۔ کتاب الموافقہ، ابن السمان۔ کتاب الاتحاف بحب الاشراف، شبراوی شافعی۔ کتاب الولایۃ، ابن عقدہ حافظی
لآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ، سیوطی۔ لسان المیزان، ابن حجر عسقلانی۔ مودۃ القربیٰ، میر سید علی ہمدانی۔ مطالب السئول محمد بن
طلحہ شافعی، مسند امام احمد ابن حنبل، مستدرک، حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری۔ ملل ونحل، شہرستانی۔ مناقب، خطیب خوارزمی، مناقب
ابن مغازلی شافعی۔ مروج الذہب، مسعودی۔ مواقف، قاضی عبدالرحمٰن ایجی شافعی۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ملا علی قاری ہروی
معالم العترۃ النبویۃ، حافظ عبدالعزیز۔ مفتاح النجا، شیخ محمد بدخشانی۔ معجم البلدان یاقوت حموی۔ المجالس، نصر بن محمد سمرقندی
مصابیح السنۃ، حسین بن مسعود بغوی۔ الموضوعات، ابوالفرج ابن جوزی، مرج البحرین، ابوالفرج اصفہانی، معجم الکبیر سلیمان بن
احمد طبرانی المنتظم، ابن جوزی، المنح الملکیۃ، ابن حجر۔ منخول فی علم الاصول ابوحامد غزالی۔ منہاج الاصول، قاضی بیضاوی

منہاج الاصول، قاضی بیضاوی۔ منہاج السنۃ، ابن تیمیہ۔ میزان الاعتدال۔ ذہبی بمعرفۃ الصحابۃ، حافظ ابونعیم اصفہانی۔ مقتل الحسین، خطیب خوارزمی۔ مجمع الزوائد، حافظ علی ہیثمی۔ مقاصد الحسنۃ، شمس الدین سخاوی۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ۔ شیخ محمد حضرمی نہایت اللغۃ، ابن اثیر۔ نکت الشریفۃ، شافعی۔ مثالب الصحابۃ، ہشام بن محمد السائب الکلبی۔ نزہۃ الاسماع، سید صدرالدین ہروی فزی۔ نورالابصار، سید مومن سلنجی۔ نقدالصحیح، فیروز آبادی۔ نقض العثمانیۃ، امام ابوجعفر اسکافی۔ النور والبرہان، ابوالقاسم بن صباغ۔ وافی بالوفیات، صلاح الدین صفدی۔ ہدایت المرتاب، حاج احمد آفندی۔ ہدایت السعداء، شہاب الدین دولت آبادی۔ ہدایۃ، برہان الدین حنفی۔

تفسیر علی بن ابراہیم قمی۔ مجمع البحرین، شیخ فخرالدین طریحی۔ اصول کافی، محمد بن یعقوب کلینی، تاریخ حبیب السیر، غیاث الدین خواندمیر۔ عیون اخبار الرضا، صدوق ابن بابویہ قمی۔ تاریخ روضۃ الصفا ناصری، رضا قلی خان ہدایت۔ بحر الانساب، سید محمد عمید الدین نجفی۔ سفارت نامہ خوارزم، ہدایت، احتجاج، احمد بن علی الطبری۔ مصباح المتہجد شیخ طوسی۔ تاریخ انتظام العجم، فرصت الدولہ شیرازی، عمدۃ الطالب، فی انساب آل ابی طالب و ہزار مزار شیرازی،

دائرۃ المعارف قرن نوزدہم فرانس۔ تمدن العرب۔ ڈاکٹر گوستاولیبان فرانسیسی۔ الابطال، مسٹر کارلائل انگلستانی سیاستہ الحسینیہ۔ ڈاکٹر جوزف فرانسیسی۔ دیوان لاناثور۔ کامیل۔ فلاماریون فرانسیسی مرگ واسرار۔ فلاماریون۔

فقط
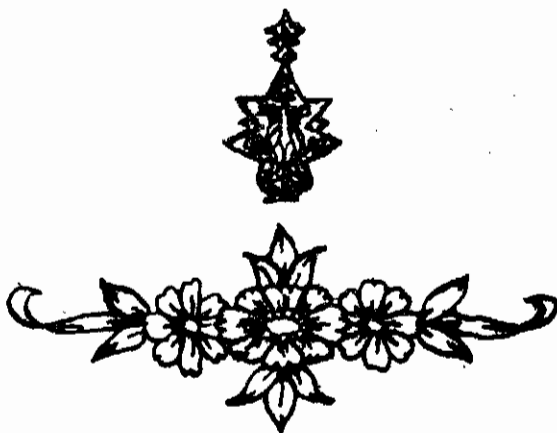
التماس سورہ فاتحہ برائے تمام مرحومین

۱] شیخ صدوقؒ
۲] علامہ مجلسیؒ
۳] علامہ ساظہر حسین
۴] علامہ سید علی نقی
۵] بیگم و سید عابد علی رضوی
۶) بیگم و سید احمد علی رضوی
۷) بیگم و سید رضا امجد
۸) بیگم و سید علی حیدر رضوی
۹) بیگم و سید سبط حسن
۱۰) بیگم و سید مردان حسین جعفری
۱۱) بیگم و سید جار حسین
۱۲) بیگم و مرزا توحید علی
۱۳) سید حسین عباس فرحت
۱۴) بیگم و سید جعفر علی رضوی
۱۵) سید انعام حسین زیدی
۱۶) سیدہ ہما زہرہ
۱۷) سیدہ رضویہ خاتون
۱۸) سید نجم الحسن
۱۹) سید مبارک رضا
۲۰) سید تہنیت حیدر نقوی
۲۱) بیگم و مرزا احمد ہاشم
۲۲) سید باقر علی رضوی
۲۳) بیگم و سید باسط حسین
۲۴) سید عرفان حیدر رضوی
۲۵) بیگم و اخلاق حسین
۲۶) سید ممتاز حسین
۲۷) بیگم و سید اختر عباس
۲۸) سید محمد علی
۲۹) سیدہ رضیہ سلطان
۳۰) سید مظفر حسنین
۳۱) سید باسط حسین نقوی
۳۲) غلام محی الدین
۳۳) سید ناصر علی زیدی
۳۴) سید وزیر حیدر زیدی
۳۵) ریاض الحق
۳۶) خورشید بیگم

معروف کتب پر مبنی کمپیوٹر ڈی وی ڈی

بیادِ سید وصی حیدر رضا زیدی

کتابوں کی لسٹ ڈی وی ڈی کور کی پشت پر ملاحظہ فرمائیں۔

خصوصی تعاون: حجۃ الاسلام سید نوبہار رضا نقوی (فاضل مشہد، ایران)

سگ درِ بتولؑ: سید علی قنبر زیدی ۔ سید علی حیدر زیدی

التماس سورہ فاتحہ برائے ایصالِ ثواب سید وصی حیدر رضا زیدی ابنِ سید حسین احمد زیدی (مرحوم)

معروف کتب پر مبنی کمپیوٹر ڈی وی ڈی ● التماس سورہ فاتحہ برائے ایصالِ ثواب سید وصی حیدر رضا زیدی ابنِ سید حسین احمد زیدی (مرحوم)